وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (الانبیاء)

"اور جس قوم کو ہم نے ایک دفعہ ہلاک کر دیا اُس کا پھر اُبھرنا محال ہے"

تذکرہ

گولڑہ

ہمیں عبرت ہے سو جو چاہے اِس سے عبرت پکڑے

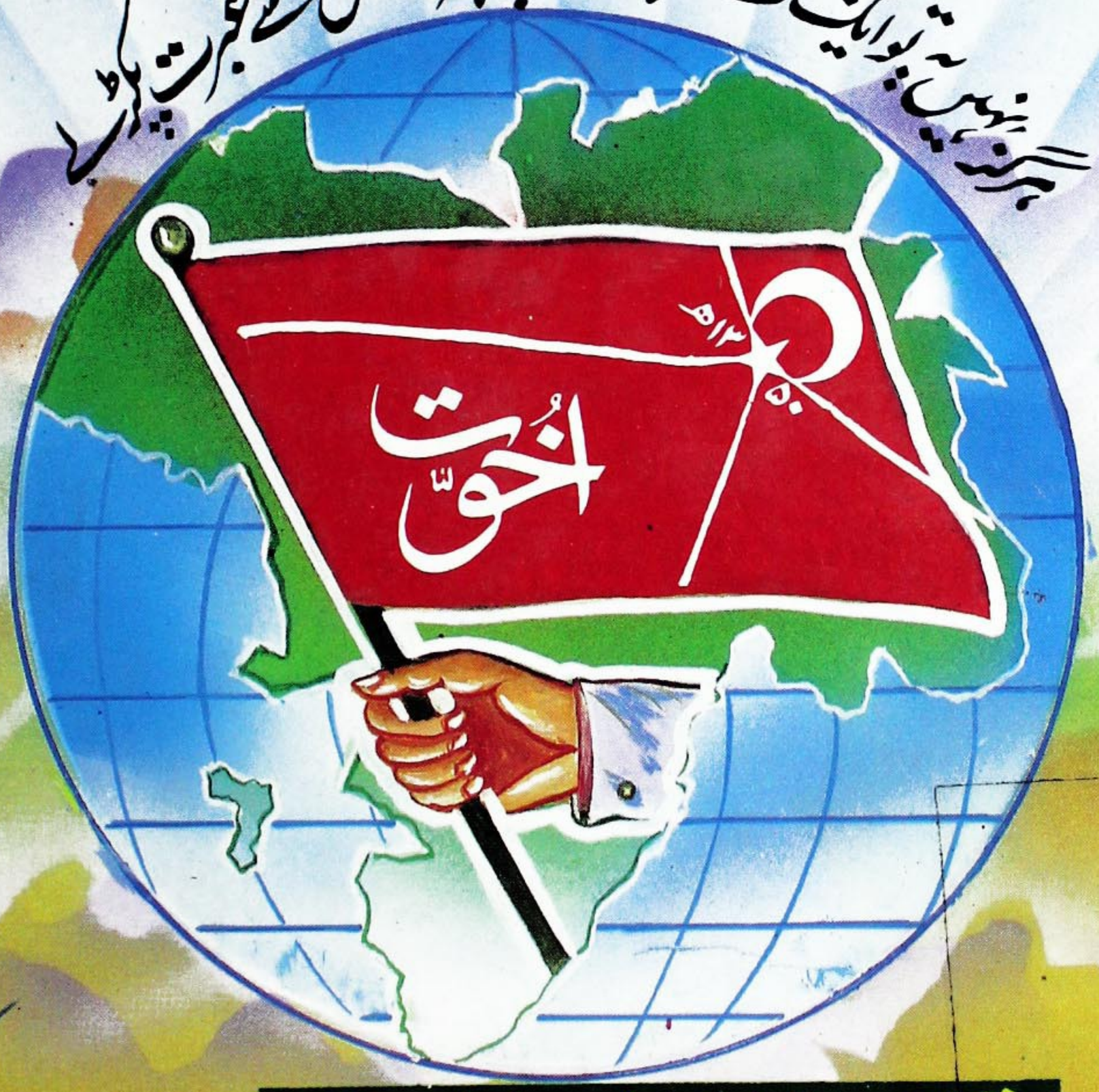

حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

Marfat.com

وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ (الانبیآء)

"اور جس قوم کو ہم نے ایک دفعہ ہلاک کر دیا اُس کا پھر اُبھرنا محال ہے"

تذکرہ

گھوڑے

ہرگز نہیں یہ تو ایک عبرت ہے سو جو چاہے اِس سے عبرت پکڑ لے

جس میں مسلمانانِ عالم کو اُن کی اجتماعی موت و حیات کے متعلق پیغامِ اخیر دیا گیا ہے،

جلد دوم

مقدمہ کتاب ماہیت ایمان و حکمت عبادات وغیرہ

لِلْمُفْتَقِرِ اِلَی اللّٰہِ الرَّحْمٰن

حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

التذکرہ پبلیکیشنز

المشرقی ہاؤس، ۳۴ ذیلدار روڈ، اچھرہ لاہور

فون نمبرز: ۴۱۱۲۲۸ ☆ ۴۱۵۱۱۶ - ۰۴۲ ○ فیکس: ۷۵۸۷۳۹۴

DATA ENTERED

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

تمام حقوق تصنیف و طبع و ترجمہ حسب ضابطہ پبلشر محفوظ ہیں

297.16
M35 632
912347

کتاب	---------	تذکرہ --- (جلد دوم)
حصہ (جلد دوم)	---------	مقدمہ کتاب ماہیت ایمان و حکمت عبادات وغیرہ
مصنف	---------	حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی
مطبوعہ (پہلی بار)	---------	مارچ 1924ء شعبان 1342ھ
		(یکے بعد دیگر 11 ایڈیشن شائع ہوئے)
مطبوعہ (بارہویں بار)	---------	مارچ 1980ء ربیع الثانی 1400ھ
طباعت (موجودہ)	---------	31 مئی 1997ء
پبلشر	---------	خاکسار حمید الدین احمد ابن علامہ مشرقی (مینجنگ ڈائریکٹر التذکرہ پبلیکیشنز)
مطبع	---------	رفاہی پرنٹرز --- لاہور
ڈسٹری بیوٹرز	---------	التذکرہ پبلیکیشنز، 34۔ ذیلدار روڈ ○ اچھرہ۔ لاہور
کتبہ	---------	محمد یوسف دہلوی ابن مولوی محمد دین مرحوم
ٹائٹل	---------	خورشید عالم گوہر قلم
کمپوزنگ	---------	حاجی ثناء اللہ قصوری طیبہ کمپوزنگ سنٹر اچھرہ، لاہور
ترتیب و تزئین (سابقہ)	---------	وحید الدین اکبر المشرقی، ظہیر الدین اظہر المشرقی
سائز	---------	20x26/8
ضخامت	---------	312 صفحات
ہدیہ	---------	300 روپے فی جلد

ناشر
التذکرہ پبلیکیشنز
المشرقی ہاؤس، 34، ذیلدار روڈ، اچھرہ لاہور

Marfat.com

ترتیب

تذکرہ (جلد دوم) ------ مصنف: حضرت علامہ مشرقی

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	انر ٹائٹل	1
2	پرنٹ لائن	2
3	ترتیب... تذکرہ (جلد دوم)	3
4	عشق کا انتخاب دیکھ کوشش رائیگاں نہ دیکھ	4
5	حیات حضرت علامہ مشرقی... ایک نظر میں مع تصویر	5-8
6	تمہید... حمید الدین المشرقی	9-10
7	تبصرہ تصانیف حضرت علامہ مشرقی	11-16
8	فہرست مضامین تذکرہ (جلد دوم)	17-22
9	فہرست آیات تذکرہ (جلد دوم)	23-30
10	ٹائٹل... تذکرہ (مقدمہ کتاب ماہیت ایمان وغیرہ	31
11	تہدیہ بحضور خدائے عزوجل	32
11	پیش لفظ	33
12	پیغام بیگم سعیدہ علامہ مشرقی	34
13	مقدمہ... تذکرہ جلد دوم (272 صفحات)	35_306
14	فہرست و تعارف تصانیف مشرقی	307-312

Marfat.com

عشق کا انتخاب دیکھ کوشش رائیگاں نہ دیکھ

☆ حضرت علامہ مشرقیؒ اس پختہ عزم اور عقیدے کے ساتھ عمر بھر جدوجہد کرتے رہے کہ اگر ہم مسلمان ہیں تو پھر غلامی ہمارا مقدر نہیں ہو سکتی۔

☆ مسلمانوں کی آزادی اور سربلندی حضرت علامہ مشرقیؒ مرحوم کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔

☆ حضرت علامہ مشرقیؒ خلوص کے پیکر جرات رندانہ کے مالک بلند ہمت اور عزم و استقلال کی ایک مضبوط چٹان تھے۔ آپ نے اپنے نصب العین کی تکمیل کے لئے برطانوی سامراج سے ٹکر لی اور اپنے وقت کی اس جابر ترین سلطنت کو بتایا کہ جب مسلمان اپنی بات پر اڑ جاتا ہے تو وہ پہاڑوں کے دل دہلا اور سمندروں کے سینے چیر دیتا ہے۔

☆ ہماری نگاہ ان مقاصد پر ہونی چاہئے جو شہرہ آفاق انسان لے کر اٹھا تھا اور اس کی اس تحریک پر ہونی چاہئے جس نے قوم سے ایک پیسہ وصول کئے بغیر خدا اور اس کے دین پر کٹ مرنے والے ہزاروں دیوانے اور سرفروش پیدا کئے۔

☆ ہماری قومی زندگی حضرت علامہ مشرقیؒ کی وفات کے بعد ایک بہت بڑے خلا سے دو چار ہے اور کوئی موجود نہیں جو اسے پر کر سکے۔

☆ مورخ نے جب پچھلی نصف صدی کے واقعات پر قلم اٹھایا تو وہ حضرت علامہ مشرقیؒ کی تنظیمی صلاحیتوں کو اور خاکسار نوجوانوں کی سرفروشانہ جراتوں کو خراج تحسین ادا کئے بغیر آگے نہیں بڑھے گا۔

☆ حضرت علامہ مشرقیؒ نے بتایا کہ حقائق کو کس طرح بے باکانہ اور تلوار کی دھار پر پیش کرنا پڑتا ہے۔

☆ ضروری نہیں کہ ہر تحریک کو کامیابی نصیب ہو۔ کامیابی بسا اوقات ناکارہ انسانوں کو بھی ملت کا سرتاج بنا دیتی ہے اور وہ کرگس ہو کر بھی شہباز کہلانے لگتے ہیں۔

☆ حضرت علامہ مشرقیؒ بے نظیر تنظیمی قابلیت کے انسان تھے قدرت نے اپنی گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو آج مسلمانوں کی سیاست ملی کا نقشہ ہی اور ہوتا۔

تیری نظر کے سامنے ہے چاند بھی چکور بھی
عشق کا انتخاب دیکھ کوشش رائیگاں نہ دیکھ

Marfat.com

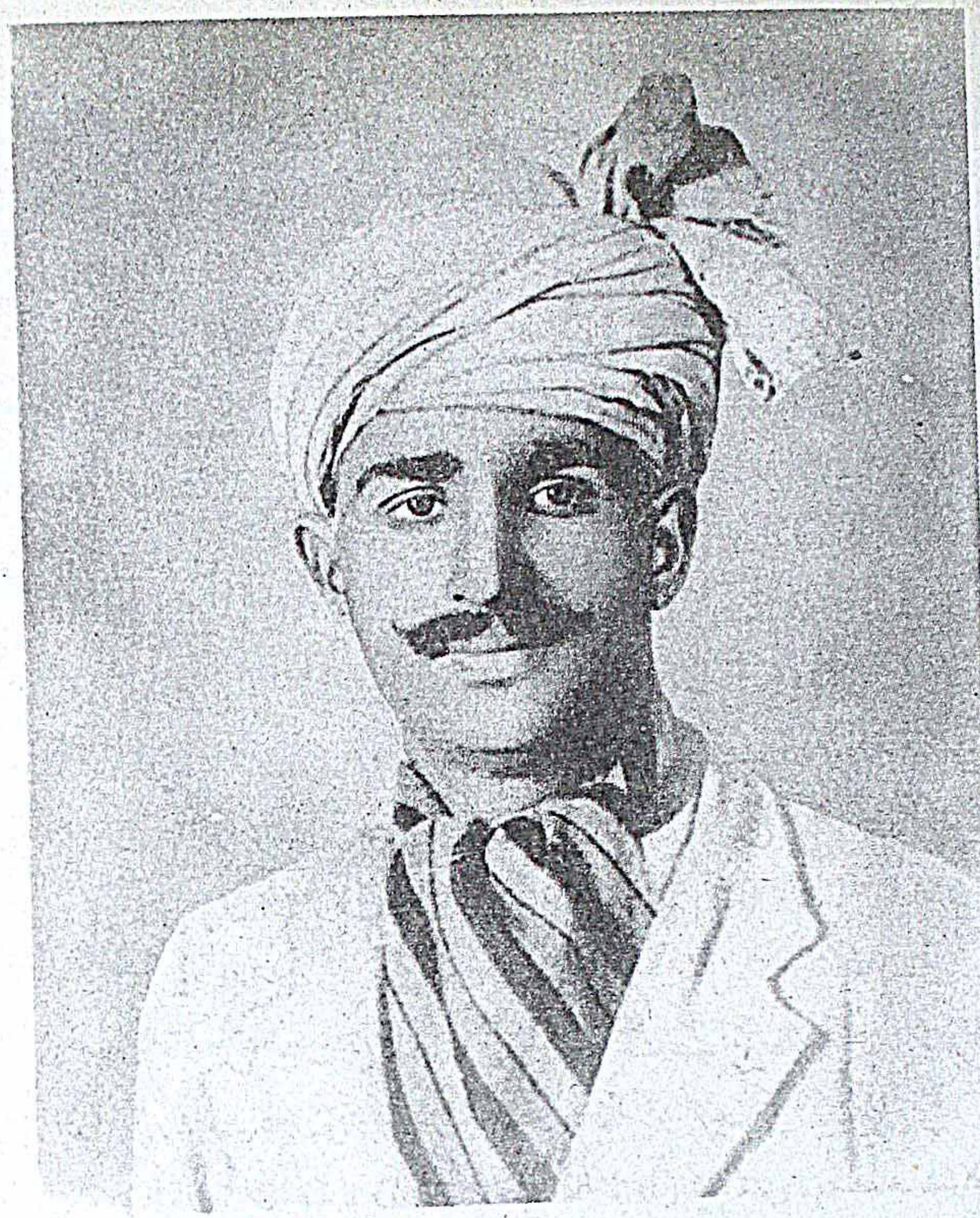

حیات حضرت علامہ المشرقیؒ۔ ایک نظر میں

۲۵ اگست ۱۸۸۸ء حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ بمقام امرتسر پیدا ہوئے ○ ۱۹۰۷ء اٹھارہ برس کی عمر میں پنجاب یونیورسٹی سے' ایم' اے (ریاضی) کا امتحان پاس کیا اور ایک نیا ریکارڈ قائم کیا ○ ۱۲۔ ۱۹۰۶ء کیمبرج یونیورسٹی میں قیام اور میدان علم میں امتیازی مقام' تین ٹرائی پوز کے چھ سالہ کورس دو سال میں پاس کئے' اور تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیئے۔ ۳۵۰ پونڈ کا وظیفہ حاصل کیا۔ ۱۹۱۷ء میں پرنسپل اسلامیہ کالج پشاور اور پھر جلد ہی سیکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا کا منصب ○ ۱۹۲۴ء تذکرہ کی تصنیف' ۱۹۲۶ء میں نوبل

Marfat.com

پرائز کی پیشکش کی گئی ○ ۱۹۲۶ء موتمر خلافت قاہرہ (مصر) میں شرکت۔ انگریز کی کسی محکوم مسلمان بادشاہ کو کٹھ پتلی خلیفہ بنانے کی سازش حضرت علامہ مشرقیؒ نے ناکام بنا دی۔ اور اسلامیان عالم کو روحانیت انگیز پیغام اور ولولہ انگیز پروگرام پیش کیا۔ جو کہ خطاب مصر کے نام سے مشہور ہے۔

○ دورۂ یورپ، مشہور سائنسدان آئن سٹائن سے ملاقات میں مسئلہ تسخیر کائنات قرآنی نکتہ نگاہ سے پیش کیا ☆ ہٹلر سے قوموں کے عروج و زوال پر تبادلہ خیالات ○ ۱۹۳۱ء برصغیر پاکستان و بھارت میں خاکسار تحریک کی بنیاد موضع پانڈو کی میں رکھی۔ اور پہلے جیش کی کمان انہوں نے خود کی ○ ۱۹۳۴ء تین سال کے عرصہ میں برصغیر میں خاکسار تحریک کی بے پناہ مقبولیت اور لاکھوں انسانوں کی خیبر سے لے کر راس کماری تک آزادی وطن کے لیے تحریک میں شمولیت ○ ۲۳ نومبر ۱۹۳۴ء خاکسار تحریک کے آرگن ہفت روزہ "الاصلاح" کا اجراء۔ ۱۹۳۶ء حکومت پنجاب و سرحد کو تین مطالبات پیش کئے (۱) اسلامی بیت المال کا قیام (۲) ریڈیو سٹیشن کا قیام (۳) اوقاف ○ ۱۹۳۸ء میں حضرت علامہ کی زیر صدارت مذاہب عالم کانفرنس اندور منعقد ہوئی ○ ۱۹۳۹ء لکھنؤ میں شیعہ سنی فساد کو ختم کرانے کے لیے خاکسار اعظم کا شاندار اقدام اور سات کانگریسی وزارتوں کا خاتمہ۔ خاکسار تحریک کی بے مثال فتح ○ ۱۹۴۰ء 19 مارچ کربلائے لاہور، ۳۱۳ نہتے خاکساروں کا پولیس سے مقابلہ۔ دہلی سے حضرت علامہ مشرقیؒ کی گرفتاری۔ خاکسار تحریک پر ہندوستان گیر پابندیاں۔ حضرت علامہ مشرقیؒ کے مکان پر پولیس کا چھاپہ، آنسو گیس کا بکثرت استعمال۔ ابن علامہ مشرقیؒ محترم احسان اللہ خان اسلم۔ انگریزی پولیس کے استبداد کا شکار ہو گئے۔ انا للہ و انا علیہ راجعون۔

○ ۱۹۴۲ء میں حضرت علامہ مشرقیؒ کے ایماء پر مشہور کانگریسی لیڈر راج گوپال اچاریہ نے ویلور جیل سے رہائی کے بعد کانگریس کے سٹیج سے مطالبہ پاکستان کے حق میں قرارداد پیش کی ○ ۱۹۴۳ء ویلور جیل سے تین سال کی قید تنہائی کے بعد خاکسار اعظم کی رہائی ○ ۱۹۴۳ء قحط بنگال میں خاکساروں کی بے مثال اور تاریخی خدمت خلق۔ اس وقت بنگال کے وزیر اعلیٰ خواجہ ناظم الدین کا تحریری عہدنامے سے انحراف اور خاکساروں کو چوبیس گھنٹے کے اندر

Marfat.com

اندر بنگال سے نکل جانے کا گورا شاہی حکم ۔ خاکساروں کا دو ہزار میل کلکتہ سے لاہور تک احتجاجاً" پیدل مارچ ○ ۱۹۴۷ء خاکسار اعظم حضرت علامہ مشرقیؒ نے قائداعظم مسٹر جناح کو حصول پاکستان کے لیے غیر مشروط تعاون کی پیش کش کی۔ امپیریل ہوٹل دہلی میں وسیع تر پاکستان (یعنی پورا پنجاب' پورا بنگال' اور پاکستان کے دونوں بازوؤں کے درمیان کاری ڈور کا مطالبہ) کے لیے آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کو یادداشت پیش کی۔ اور حصول پاکستان کے لیے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ ۱۹۴۷ء کے جون میں دہلی میں تین لاکھ خاکساروں کا عظیم الشان کیمپ۔ خاکسار تحریک کو منتشر کر دیا گیا۔ ○ ۱۹۴۷ء قیام پاکستان کے بعد مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان دس لاکھ انسانوں کو تبادلہ آبادی کی تجویز۔ تاکہ ہر دو حصوں کے رہنے والوں میں رشتوں' ناطوں کے ذریعے باہمی اخوت اور محبت پیدا ہو کر کہ استحکام پاکستان کا باعث ہوگا۔ ○ اگست ۱۹۴۸ء میں انڈو پاکستان اسلام لیگ قائم کی جس کا مقصد ساڑھے پانچ کروڑ بھارتی مسلمانوں کا تحفظ اور ان علاقوں کو پاکستان میں شامل کرانے کی جدوجہد جو کہ اسلامی ثقافت کی آماجگاہ تھے۔ ○ ۱۹۴۸ء ساڑھے پانچ کروڑ بھارتی مسلمانوں کے تحفظ کا مسئلہ یو این او میں پیش کیا۔ اس وقت کے سیکرٹری جنرل مسٹر ٹریگوئی نے حضرت علامہ مشرقیؒ کو صورتحال کی وضاحت کے لیے نیویارک پہنچنے کی دعوت دی لیکن حکومت پاکستان نے پاسپورٹ دینے سے انکار کر دیا۔ ○ ۱۹۵۰ء ۲۸ مئی کو لاہور میں عظیم الشان خطاب جس میں استحکام پاکستان کے لیے لازمی عسکری تربیت کے نفاذ پر زور دیا۔ ۲۸' ۲۹' ۳۰ دسمبر ۱۹۵۰ء کو منٹو پارک لاہور میں پاکستان میں بہنے والے دریاؤں کے رخ موڑنے کے بھارتی منصوبے کا انکشاف کیا اور کشمیر کو حاصل کرنے کی اہمیت واضح کی۔ اس کی پاداش میں علامہ صاحب کو سیفٹی ایکٹ کے تحت ۱۸ ماہ تک بغیر مقدمہ چلائے میانوالی کی بدترین جیل میں نظر بند رکھا گیا۔ ○ ۱۹۵۱ء ۲۶ دسمبر کو بنیادی اصولوں کی رپورٹ کی اشاعت پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ صاحب نے وحدت مغربی پاکستان "ون یونٹ" کی تجویز پیش کی اور غریبوں کو امیروں اور جاگیرداروں کے استحصال سے بچانے کے لیے طبقاتی بنیاد پر الیکشن کرانے کا فارمولا پیش کیا۔ ○ ۱۹۵۲ء جولائی کو خاکسار اعظمؒ میانوالی جیل سے رہا ہوئے۔ ملک میں بدترین صورتحال کو سنبھالنے کے لیے مخلوط حکومت کی تجویز پیش

Marfat.com

کی۔ ○ ۱۹۵۵ء مسئلہ تسخیر کائنات اور انجام کائنات پر خاکسار اعظمؒ نے دنیا بھر کے تقریباً" بیس ہزار سائنسدانوں کو ایک تاریخی خط لکھا جو کہ انسانی مسئلہ (HUMAN PROBLEM) کے نام سے مشہور ہے۔ ○ ۱۹۵۶ء استحکام و سالمیت کے پیش نظر پاکستان میں مضبوط مرکز کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے لسانی، علاقائی اور فرقہ وارانہ تعصبات کو مٹانے کے لیے اخوت، محبت، مساوات اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرہ کے قیام پر زور دیا۔ ○ ۱۹۵۷ء کشمیر کو بزور شمشیر حاصل کرنے کے لیے سرحدوں پر "جہاد کیمپ" لگائے۔ "ڈاکٹر خاں صاحب قتل کیس" میں بے گناہ گرفتاری اور ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد عدالت سے باعزت رہائی۔ ○ ۱۹۶۲ء ایوب خاں آمریت میں حضرت علامہ صاحب کو ان کی رہائش گاہ پر نظربند رکھا گیا۔ ○ خاکسار تحریک کے احیاء کے لیے راولپنڈی میں خاکساروں کے کنونشن کا انعقاد۔ ○ ۱۹۶۳ء ۲۷ اگست داعی اجل کو لبیک کہا۔ ۲۹ اگست کو لاہور میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ اس روز کاروباری ادارے بند رہے۔ شہر میں مکمل ہڑتال رہی۔ پاکستان اور بیرون پاکستان سے لاکھوں فرزندان توحید اس مرد حق آگاہ کے سفر آخرت میں شریک ہوئے۔ ۲۷ اگست ۱۹۶۳ء کو نو بجکر پانچ منٹ پر میو ہسپتال لاہور میں انتقال

حضرت علامہ مشرقیؒ کا مزار مبارک ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور میں ہے ○ ۱۹۹۳ء میں خاکسار تحریک کے مرکزی جنرل کیمپ مینار پاکستان لاہور میں بانی خاکسار تحریک حضرت علامہ مشرقیؒ کے صاحبزادے حمیدالدین المشرقی کو خاکساروں نے "تاحیات قائد خاکسار تحریک" منتخب کیا۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمان الرحیم

تمہید

کیا آپ محض ذہنی، فکری اور دماغی عیاشی کے حصول کیلئے یا پھر اپنے دوست احباب پر رعب ڈالنے یا انہیں مرعوب کرنے یا اپنی لائبریری کی زینت بنانے یا پھر رسماً" یا عقیدتاً" "تذکرہ" جیسی یادگار عالم شاہکار تصنیف کو خریدنا یا پڑھنا چاہتے ہیں تو

برائے مہربانی!

اسے خریدنے یا پڑھنے کی زحمت نہ کیجئے تو یہ آپ کا خدا، رسول خدا ﷺ، قرآن، اسلام، ملت اسلامیہ، پبلشر اور شہرت سے بے نیاز مصنف پر احسان عظیم ہو گا۔

کیوں کہ

ہم ایک طویل عرصہ کے بعد "تذکرہ" جس میں مسلمانان عالم کو ان کی اجتماعی موت و حیات کے متعلق پیغام اخیر دیا گیا ہے کی اشاعت محض رسماً" یا عقیدتاً" نہیں کر رہے بلکہ

ہمارے پیش نظر

خالصتاً" وہی عظیم مقصد، وہی مشن، وہی پروگرام، وہی نصب العین اور وہی جذبہ جو اس عالم گیر شہرت یافتہ کتاب کے مصنف جناب حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ کے مد نظر تھا موجود ہے۔

ویسے بھی

قرون اولیٰ سے لے کر اب تک 1418 برس میں خدا اور رسولؐ پر، اور قرآن اور اسلام پر لکھو کھہا کتب شائع ہو چکی ہیں مگر ادنیٰ سا نتیجہ پیدا نہیں ہوسکا جب تک اسلام دلوں دماغوں اور جسموں پر تھا ہم مسلمان روئے زمین کے تین براعظموں پر حاکم اور غالب تھے مگر جب سے یہ کاغذوں پر آیا ملت اسلامیہ فرقوں، گروہوں، پارٹیوں، ذاتوں اور خطوں میں منقسم ہو کر رہ گئی - امت مسلمہ کی جماعت بکھر گئی، مرکزیت ختم ہو چکی، زندہ امیر یا خلیفہ موجود نہیں اور دماغوں سے خدائی نصب العین محو ہو چکا ہے۔

اس کے برعکس

ملت کفر متحد ہے، عالمی سطح پر ایک جماعت بن چکی ہے اور ایک ہی نظام اور پروگرام بلکہ نصب العین کے تحت چل رہے ہیں آپس میں مل جل کر ملت اسلامیہ کے خلاف منظم طور پر برسرپیکار ہیں وہ اقوام متحدہ کی آڑ میں مسلمانوں سمیت کمزور اور نحیف قوموں کا استحصال کر رہے ہیں وہ دنیاوی ترقی کے بام عروج پر ہیں جبکہ ملت اسلامیہ ملت کفر کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہے۔

ان حالات میں

قرآن کو جزدانوں اور الماریوں، اسلام کو حجروں اور رسموں، مسلمانوں کو فرقوں اور عقیدوں سے بالاتر ہو کر قرون اولیٰ کے مسلمانوں جیسا جذبہ پھر سے دلوں، دماغوں، ذہنوں اور جسموں پر پیدا کر کے عالمی سطح پر ایک مرتبہ ایمان والوں کی جماعت کے قیام کے لئے از سر نو جدوجہد کرنے کی بے حد ضرورت ہے جو ہر سطح پر دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کر کے خدائی حکم اور رسولؐ مشن کو تکمیل تک پہنچادے چاہے کافروں کو برا ہی کیوں نہ لگے۔

Marfat.com

اسلام کے ایسے ہی غلبے' قوت' طاقت' بادشاہت اور حکومت کا خواب "صاحب تذکرہ" نے دیکھا اور اسے حقیقت کا روپ دینے کے لئے تا زندگی مصروف جدوجہد رہے۔

کیا ہم نے تذکرہ پڑھنے کے بعد بھی محض لفظی' وارثی' زبانی' قولی اور رسمی مسلمان ہی رہنا ہے؟ یا پھر صرف واہ واہ کہتے رہنا ہے؟ کیا اسے پڑھنے کے بعد بھی عمل سے راہ فرار اختیار کرنی ہے؟ تو پھر ایسے علم یا پھر ایسے اسلام کا کیا فائدہ جو نتیجہ نہ پیدا کر سکے؟

جس راہ سے منزل نہ ملے دھوکہ ہے
طاعت جو حکومت نہ دے دھوکہ ہے
آسانی نتیجہ ہے سدا سختی کا
اسلام جو مغلوب رہے دھوکہ ہے

(حضرت علامہ مشرقیؒ)

ہم بخدا "تذکرہ" کی اشاعت محض تجارتی نقطہ نظر سے نہیں کر رہے بلکہ ہم دلی طور پر اس عظیم الشان مشن کی تکمیل اور کامیابی چاہتے ہیں جس کی بنیاد ہادی برحق حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے رکھی تھی اور جسے پون صدی قبل عظیم ریاضی دان' رینگلر سکالر' بیچلر سکالر' فاؤنڈیشن سکالر' سائنسی و مذہبی مفکر اعظم اور نقیب فطرت حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ نے پھر سے قرآن کی ایک ایک آیت کھول کھول کر بیان کی تاکہ مسلمان پھر سے جاگ اٹھیں اور اپنے اصل کی طرف لوٹ کر پھر سے گھروں سے نکل پڑیں ٹولیاں بن کر یا سب مل کر اور فقط ایمان والے بن کر' اللہ والے بن کر اور نبیؐ کے سچے اور کھرے پیروکار نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں اطاعت گذار بن کر روئے زمین پر اسلام کا بول بالا کر دیں۔

بہر نوع چودھویں صدی کے اس زوال کے زمانے میں اگر مسلمان کو یہ عذر ہے کہ اس کو معلوم نہیں رہا کہ قرن اول کے چند صد عرب کن حکموں پر عمل کر کے اور کس کردار کے مالک ہو کر بیس بائیس برس میں ہی غلبے کی اکثر منزلیں طے کر گئے تھے تو میرا یقین ہے کہ یہ تصنیف اس عذر کا پورا جواب ہے۔ اس اہتمام حجت کے بعد مذہب کو دوکان نہ بنانے والے چند درد مند انسانوں کی ضرورت ہے جو غلبے کی نیت سے اس کردار کو پھر شروع کر دیں' ہر عمل میں اور ہر آن غلبے کی نیت کو کمزور نہ ہونے دیں اور غالب آنے والی جماعت کو روز بروز بڑھانے کی جدوجہد مسلسل رہے۔ گوشت پوست کی اس دنیا میں غالب آنا صرف خون سے کھیل ہے۔ جو قوم جس وقت تک یہ کھیل کھیلتی رہی غالب ہے۔ شکست اور زوال اس وقت آتے ہیں جب قومیں اس سبق کو بھول جاتی ہیں۔ آپ جہاں کہیں بھی رہتے ہیں ایسی غالب' حاکم اور خادم خلق جماعت کا قیام شروع کر دیں۔ اللہ بس و ما بقیٰ ہوس

اب نیستاں سے یہی ایک نوا باقی ہے
نہ سنی یہ بھی تو پھر تیری سزا باقی ہے

مورخہ: 21 مئی 1997ء
بوقت: رات ساڑھے بارہ بجے

حمید الدین المشرقی
(قائد خاکسار تحریک)
مینجنگ ڈائریکٹر --- التذکرہ پبلی کیشنز

Marfat.com

حضرت علامہ مشرقیؒ کی تہلکہ مچا دینے والی تصانیف

خریطه

حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ (1963ء - 1888ء) نے 1902ء تا 1909ء کے درمیان 14 برس کی عمر میں 126 رباعیوں اور 170 شعروں پر مشتمل ایک فارسی تصنیف 7 فروری 1924ء کو شائع کی جو خریطه کے نام سے مشہور ہوئی۔ جس کا دیباچہ اردو میں تحریر کیا۔ خریطه کے اس ولولہ انگیز اور روح پرور دیباچے کو پڑھ کر تقریباً" پانچ ہزار شاعروں نے اقرار کیا کہ انہوں نے شاعری ترک کر دی ہے اس کے بعد حضرت علامہؒ نے نصف صدی تک شاعری کو خیر آباد کہہ دیا۔

تذکرہ

اول - دوم - سوم

○ کتاب تذکرہ 3 ستمبر 1920ء میں حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ نے پشاور میں لکھنا شروع کی اور 1922ء تک اسے ہزارہا صفحات پر لکھ ڈالا۔ دو برس بعد یعنی 1924ء میں اس کی پہلی جلد (جدید ترتیب کے مطابق جلد اول دوم) امرتسر کے مقام سے شائع کی گئی۔

○ مفکر اعظم اور نقیب فطرت کا قرآن حکیم کے حقائق عالیہ پر دس جلدوں میں ایک مبسوط علمی تبصرہ جس میں مسلمانان عالم کو انکی اجتماعی موت و حیات کی متعلق آخری پیغام دیا گیا۔

○ صدر اسلام سے لے کر آج تک قرآن حکیم کی حکمت بالغہ پر کوئی کتاب اس قدر مدلل' اس قدر یقین انگیز' اس قدر نتیجہ خیز حتماً" نہیں لکھی گئی۔

○ اس کا ایک ایک ورق الٰہی حکمت کا حیرت انگیز مرقع اور اس کی ایک ایک دلیل قرنوں کی غفلت زدہ امت کے لئے چونکا دینے والا تازیانہ ہے۔

○ یہ تصنیف جلیل انبیائے کرام علیہ الصلواۃ والسلام کے پیغام اور بالخصوص قرآن حکیم کی ایک مکمل اور ناقابل بدل ایک اٹل اور علمی تشریح ہے۔ جس کو فرض اور ظن سے سروکار نہیں۔

○ قرون اولیٰ کے صحیح اسلام کے ماسوا تمام مذاہب وادیان کی ناسخ تمام اگلی بے نتیجہ تفاسیر اور تشاریح کی اغلاط کی قاطع اور انسان کے مابین سب اعتقادی فرقہ بندی کی صریح مخالف ہے۔

خطاب مصر

تذکرہ کی مقبولیت کا یہ عالم ہوا کہ جب 1926ء میں قاہرہ (مصر) میں موتمر خلافت کا انعقاد ہوا تو شیخ الاسلام نے حضرت علامہ مشرقیؒ کو دنیائے اسلام کے اہم ترین مسائل کے متعلق رائے دینے کے لئے

Marfat.com

دعوت دی"

13 مئی 1926ء کو قاہرہ (مصر) میں اس موقع پر جو باطل شکن اور معرکتہ آلاراء تقریر آپ نے کی وہ مصر اور برصغیر پاک و ہند میں "خطاب مصر" کے نام سے مشہور ہوئی۔ جس میں مسلمانان عالم کو آنے والے خطرات سے بچانے' طاقتور بنانے کے لئے ایک عالمگیر پروگرام پیش کیا گیا۔

اشارات

خاکسار اعظم حضرت علامہ مشرقیؒ نے یکم اگست 1931ء میں "اشارات" کے نام سے قوم کی اصلاح کے لئے عملی پروگرام پیش کر دیا۔

جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ۔

○ قوم اور اس کے راہنماء ایک مشترکہ عمل سے جنم لیتے ہیں۔

○ انہوں نے اسلام کی ماہیت اور اس کو غالب کرنے کا طریقہ کار بتلا دیا۔

○ انہوں نے کہا کہ اگر مسلمان اس وقت سنبھل گئے اور میری کتاب "اشارات" کی تجویز کو محکم طور پر پکڑ لیا تو اب یہی زندگی کی قطعی امید ہو سکتی ہے۔

قول فیصل

15 نومبر 1935ء میں " قول فیصل" میں قوموں کا زوال اور اس کا علاج اور خاکسار تحریک کے پروگرام کی مکمل تشریح کر دی گئی۔

○ وہ عظیم الشان تصنیف جس نے " خاکسار تحریک" کو چند برسوں کے اندر اندر نہ صرف ملک گیر بلکہ عالمگیر بنا دیا۔

○ وہ انقلاب انگیز تصنیف جس نے مسلمانان ہند کو صدیوں بعد حجروں سے نکال کر بلا لحاظ مذہب و تفریق ایک ہی صف میں کھڑا کر کے عملاً" مساوات پیدا کر دی۔

○ مسلمانوں کے اندر پھر سے بے مزد خدمت خلق کا عظیم الشان اور ناقابل یقین جذبہ پیدا کر دیا۔

مقالات (اول دوم)

○ بانی خاکسار تحریک حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ کے مقالات" کی پہلی جلد 27 جنوری 1937ء میں طبع ہوئی۔

○ ہفت روزہ الاصلاح کے مقالات افتتاحیہ" کا نقش ثانی ہے۔ جو 23 نومبر 1934ء سے 5 جون 1936ء تک شائع ہوئے۔

○ مقالات کی دوسری مجلد 2 ستمبر 1943ء کو شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔ اس میں جریدہ الاصلاح کے 5 جون 1936ء سے 16 جولائی 1937ء تک کے مقالات افتتاحیہ شامل ہیں۔

ان مقالوں میں قوم کو اس کی قوتوں کے زوال سے متعلق با خبر کیا گیا ہے' ہوش بلکہ شعور پیدا کیا گیا ہے۔ کہ قوم کن مصائب اور مشکلات میں مبتلا ہے' قوم میں کیا اخلاق اور اعمال موجود ہیں' کیا ہیں جن کا زوال ہو چکا ہے اور جن کو پھر حاصل کرنے کی امنگ پیدا ہونی چاہیے۔

ان مقالات کو پڑھنے کے بعد چند دنوں میں بڑے مخلص آدمی گوشوں سے نکل پڑے' جان و مال کی عظیم الشان قربانیاں فوراً" ہونے لگیں۔ لکھو کھہا مسلمان یکدل اور ہمخیال ہوگئے۔ محبت کی نہریں پھوٹ بہیں اور خدمت خلق کا حیران کن منظر پیدا ہو گیا۔

مولوی کا غلط مذہب

○ مولوی کا غلط مذہب میں 25 ستمبر 1936ء تا 28 اگست 1938ء تک حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ کے علاوہ تحریک کے دیگر زعماء نے اپنے مقالوں کے ذریعہ سے علمائے سوء کی جاہلانہ تعلیمات کے بخیئے ادھیڑ کر مولوی کے تین سو سالہ مذہبی تخیل کو رد کر دیا ہے۔

ان بیانات کو شاید معاندانہ اور مخالفانہ سمجھا جائے یا مولوی سے کسی ذاتی مخالفت کی تمہید یقین کی جائے لیکن بقول مشرقیؒ

" میں مولویوں اور علمائے دین کا دشمن نہیں ہوں مجھے ان سے کوئی ذاتی کاوش نہیں میں صرف ان کے بگڑے ہوئے مذہبی تخیل اور کم نظری کا دشمن ہوں اور مسلمان کی ذہنیت کو جلد از جلد بدلنا چاہتا ہوں۔ "

خاکسار آئین (انگریزی)

برصغیر کی آزادی کے لئے خاکسار اعظم حضرت علامہ مشرقیؒ نے انگریزی اقتدار کا چیلنج قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا کہ اگر ہندوستانی ایک ایسا آئین پیش کر دیں جس پر ہندوستان کے تمام عناصر متفق ہوں تو ہم ہندوستان کو آزاد کر دیں گے۔ آپ نے نہایت قلیل مدت میں ایک متفقہ آئین جون 1945ء میں مرتب کرکے اکتوبر 1945ء میں شائع کر دیا۔ دراصل یہ آئین حقیقی معنوں میں حقوق انسانی کا علمبردار ہے۔

حریم غیب

○ حضرت علامہ مشرقیؒ نے پچاس سال کے بعد قید کے دوران ایک حیرت انگیز واقع کی وجہ سے پھر شاعری کو تھوڑی مدت کے لئے اختیار کیا۔ حریم غیب 27 اکتوبر 1952ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آگئی۔

○ حریم غیب کے 18 سو اشعار 10 فروری 1951ء سے 20 مئی 1951ء تک دوران کے صرف دو ماہ آٹھ دن میں چار گھنٹے روزانہ مصروفیت کی اوسط سے کہے گئے ○حریم غیب میں دین اسلام کی ماہیت کو علمی نقطہ نظر سے واضح کر کے مسلمان کو اس کے فرائض سے آگاہ کیا گیا اور ظن کے بالمقابل علم کے مقام کی قطعی تشریح کی گئی۔ الغرض شعر زدہ امت کے لئے راہ پر آنے کی ایک گنجائش حضرت علامہ مشرقیؒ نے

Marfat.com

پھر پیدا کی ہے۔ کیا عجب کہ اسے پڑھنے کے بعد امت مسلمہ سرخرو ہو سکے۔

دہ الباب

○ حضرت علامہ مشرقیؒ نے دوران قید "دہ الباب" کے تقریباً" تیرہ سو اشعار یعنی (24 دسمبر 1951ء تک کے) دو ماہ گیارہ دن میں مکمل کئے۔ دہ الباب 10 نومبر 1952ء میں شائع ہوئی۔ 64 مختلف عنوانات کے تحت یہ نظمیں ہیں اہم اہم واقعات اور آیات کی تشریح کتاب کے آخر میں "فرہنگ دہ الباب" میں کر دی گئی تاکہ قاری کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

○ دہ الباب میں بڑا مسئلہ علم کا دنیا پر حکم اور اس کا نبوۃ کی طرف ارتقاء ہے۔ اس مسئلے کی اہمیت کا اندازہ لگانے کو ابھی بڑا وقت چاہیے۔ زمین کے کسی بڑے سے بڑے متقدم اور متنور حصے نے بھی تاحال علم کی اہمیت کو تسلیم نہیں کیا اور اس کو ابھی تک زیادہ سے زیادہ موجودہ سیاسی حاکموں کی دست پخت لونڈی قرار دیا ہے۔ لیکن اسلام کو چونکہ پچھلے چودہ سو برس سے دنیا کی سیاست کی تشکیل میں بڑا دخل رہا ہے اور بہت کچھ جو اس وقت تک انسان کی معاشرت میں انقلاب برپا ہوا دین انبیاء کے بے پناہ زور سے ہوا ہے اس لئے یہ امر اٹل ہے کہ انسان کی آئندہ زندگی کی تشکیل بھی اسلام پر ہو کر رہے گی

ارمغان حکیم

○ حضرت علامہ مشرقیؒ نے اپنی قید کے دوران ہی شاعری پر تیسری تصنیف مکمل کی جو 23 نومبر 1952ء کو شائع ہوئی۔ جس میں تقریباً" چودہ سو اشعار یعنی (9 جولائی 1952ء تک کے) صرف تین ماہ چار دن پونے چار گھنٹے کی روزانہ کی اوسط کے حساب سے کہے گئے۔

○ انہوں نے ارمغان حکیم میں غزل کے رنگ میں بلندی فکر کو جلا دی۔ جس نے شعر فہم طبقے میں ایک نئی ہلچل پیدا کر کے اس وقت کی شاعری کو بے قیمت کر دیا۔ ارمغان حکیم میں حضرت علامہؒ کا ایک اہم مقالہ بعنوان "شاعری پر نقد و نظر اور خریطہ کا دیباچہ" جو قرآن کی تعلیمات کا ماخذ ہے شامل ہے۔

حدیث القرآن

○ حدیث القران سائنسی و مذہبی مفکر و فلاسفر اور عالم باعمل انسان حضرت علامہ مشرقیؒ کی وہ معرکتہ آلاراء تصنیف جس میں مصنف نے قرآن کی تعلیمات کو انتہائی سادہ اور آسان لفظوں میں واضح کر کے قرآن کی علمی حیثیت کو اجاگر کیا ہے۔

○ حدیث القران کی تصنیف اول تا آخر قید خانہ میں ہوئی۔

○ 30 مئی 1951ء کو اسے شروع کیا گیا اور دوران رمضان میں ہی 19 جون 1951ء تک یعنی (کل 20 دنوں میں) مکمل ہوئی اور 25 نومبر 1952ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔

Marfat.com

○ مصنف نے "وہ الباب" کی تمہید میں "حدیث القرآن کے متعلق وضاحت کی ہے کہ "حدیث القرآن" میں میں نے قرآن حکیم کے اختصار کو چند لفظوں میں دے دیا ہے جو صاحب نظر کو یک لخت چونکا دے تاکہ قرآن حکیم کی علمی تصویر اس میں نیا ولولہ پیدا کر دے۔ کسی امت کی نجاح اس میں ہے کہ اس کے پاس حقیقت ہو اور اگر مسلمان کے پاس دنیا کی تمام موجودہ حقیقتوں میں بڑی حقیقت موجود ہے۔ تو وقت ہے کہ وہ اس کو لے کر نکلے اور دنیا کو نئی راہ پر لگا دے۔ چودہ سو برس کے "طول آمد" کے بعد یہی نسخہ ہے جو کسی قوم کو نئی زندگی دے سکتا ہے۔

○ مصنف کی یادگار عالم نوبل انعام یافتہ تصنیف تذکرہ کی دس جلدوں کا اختصار

○ قرآنی نقطہ نظر سے مقام خدا' مقام انبیاء' مقام الکتاب' مقام انسان' مقام فطرت' تمکن فی الارض کی علمی تشریح۔ ○ قرآن کو سمجھنے کے لئے بلندی نگاہ کیا ہو؟ صلائے عام بہ ساکنان زمین' اور ہوشمندانان زمین کو ایک پر مغز خطاب۔

○ قرآن حکیم کے عظیم ترین نصب العین اور پروگرام کی تشریح پر جامع مستند کتاب حدیث القرآن کا مطالعہ ضروری ہے۔

○ حال ہی میں آسٹریلوی سائنس دانوں نے کلوننگ کا نظریہ پیش کر کے دنیا میں تہلکہ برپا کر دیا ہے حضرت علامہ مشرقیؒ نے اس نظریہ کی نشاندھی اپنی کتاب حدیث القرآن میں 46 برس قبل کر دی تھی۔

تکملہ (اول دوم)

(سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ------- اول دوم)

قرآن حکیم کی تعلیمات پر حرف آخر

○ دنیائے علم و خبر کے مفکر اعظم حضرت علامہ مشرقیؒ کی ترتیب نزول قرآن کے عین مطابق سیرت النبیؐ کے موضوع پر یہ حیرت انگیز تصنیف 1960ء میں دو حصوں میں شائع ہو کر جب لوگوں تک پہنچی تو اس نے تہلکہ مچا دیا۔

○ چودہ سو برس میں پہلی قرآن حکیم کی دل کو تسلی دینے والی تشریح۔

○ رسالت مآب کی تیئس برس کی مکی و مدنی زندگی کے جلال و جمال کی داستان۔

○ قرآن حکیم کی تعلیمات کا ایک مکمل' مفصل اور حیران کر دینے والا' دیانت دارانہ جائزہ۔

○ سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی علمی و تحقیقی تاریخ' قرآن کے نزول کی صحیح اور جامع ترتیب و تشریح۔

جسے مصنف نے دسمبر 1957ء کی یخ بستہ سردیوں میں (میانوالی جیل میں ایک تنگ نظر امریکی مصنف کی تصنیف پڑھ کر) لکھنا شروع کیا۔ اور تیس دن کی قلیل مدت میں اسے ایک ہزار صفحات پر لکھ کر رسول

Marfat.com

ﷺ خدا کے متعلق مغرب کے تنگ نظر مصنفین اور مستشرقین کے انتہائی غلط، مضحکہ خیز، بے سروپا اور بے ہودہ اعتراضوں کا مثبت دلائل کے ساتھ دندان شکن جواب دیا۔

"تکملہ" کے مطالعہ کے بعد انسان محو حیرت ہو جاتا ہے کہ

قرآن کا بنی نوع انسان کے نام کیا زندہ رہنے والا پیغام تھا جو صدیوں تک اوجھل رہا! جس کو صرف مدینہ کے مٹھی بھر رسول ﷺ خدا کے ساتھی تھوڑا بہت سمجھ کر اٹھے اور صرف دس برس میں تمام عرب پر ایسے چھا گئے کہ اس چھا جانے کا بے پناہ زور تین سو برس تک قائم رہا۔

انسانی مسئلہ

○ حضرت علامہ مشرقیؒ کا دنیا کے تقریباً" بیس ہزار مشہور سائنس دانوں کے نام قرآن حکیم کی تعلیم سے اخذ کیا ہوا مراسلہ جو جولائی 1951ء سے بھیجنا شروع کیا گیا اور نومبر 1955ء تک امریکہ، یورپ اور روس کے مقتدر سائنس دانوں کو بھیجا گیا جس میں ان کی توجہ اس طرف منعطف کی گئی کہ مقصد پیدائش کائنات صرف انسان کا صحیفہ فطرت کو مکمل طور پر مسخر کرنا ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں چنانچہ اس وقت عالمان فطرت کا تسخیر کائنات کی طرف متوجہ ہونا اسی مراسلے کی وجہ سے ہے۔

○ انسانی مسئلہ کی اشاعت کے فوراً" بعد پورے یورپ، امریکہ اور روس مقصد پیدائش کائنات اور تسخیر کائنات کی طرف رجوع ہوئے۔ اسی خط کی بدولت آج یورپ، روس اور امریکہ کے سائنس دان چاند اور دوسرے خطوں پر پہنچے۔

انسانی مسئلہ کے ٹائٹل پر درج ذیل شائع شدہ قرآنی آیات میں ہی اس مراسلے کا مکمل مقصد واضح ہے۔

○ اے لوگو! خدائے لایزال نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تمہارے لئے مسخر کیا ہے۔ بیشک اس پیغام میں سوچنے والی قوم کے لئے ضروری ہدایات موجود ہیں۔○ اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اور جو کچھ زمین میں ہے خدا ہی کا ہے تاکہ برے عمل کرنے والوں کو برائی کی سزا دے اور عمدہ عمل کرنے والوں کو ان کے عمدہ عمل کی جزا (انہی چیزوں میں سے) دے۔ (القرآن)

میری تصانیف کا مقصد اس قدر ہے کہ

قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی ادنیٰ سی عملی اور علمی آگ پاکستان کے زوال یافتہ مسلمان میں پیدا ہو جائے اور وہ آگے بڑھنے کے قابل ہو۔ یہی اُمید ہے جو مجھے کھینچے لئے جا رہی ہے اور کیا عجب کہ ایک گروہ یہاں یا کسی اور اسلامی ملک میں پیدا ہو جائے تو مسلمان کی بگڑی بن سکتی ہے۔ (حضرت علامہ مشرقیؒ)

التذکرہ پبلی کیشنز ○ المشرقی ہاؤس

34 - ذیلدار روڈ، اچھرہ لاہور - 54600

فون: 411228 ☆ 042 - 415116

Marfat.com

فہرست مضامین تذکرہ

جلد دوئم

جو مضامین کتاب کے متن میں وارد ہوئے ہیں اُن کو جلی قلم سے لکھا گیا ہے جو حواشی میں آئے ہیں اُن کا قلم مہین ہے +

مضامین	صفحہ
مقدمہ	
از صفحہ ۱ تا ۱۰۰	
کتاب ماہیّت	
ایمان و	
حکمت عبادات	
از صفحہ ۱۰۰ تا ۲۷۲	
مسلمانانِ عالم کا عالمگیر انحطاط	۱
انحطاط کے وجوہ	۲
عدم نظام عمل	۳
اسلام مدعی مذہب فطرت ہے	۴
مسلمان ناقابلِ فنا امت ہیں	۴
فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا کا مفہوم	۴
اسلام ایک تعمیری فلسفہ ہے	۵
اسلام کی مسخ شدہ صورت	۶
قرآن حکیم کی حکمت ساطعہ نقاد کی نظر میں	۶
ایمان کی ماہیت	۶
ایمان اور عمل صالح کا نتیجہ	۷
آیۂ استخلاف کا میثاق ایزدی اور مسئلہ	
ارتقاء و بقائے اصلح	۸-۱۰
مسئلہ ارتقاء کے مخترع اور مبتدع	۸

مضامین	صفحہ
لفظ استخلاف کی تشریح	۹-۱۰
ڈارون کا نظریہ ارتقا	۱۱-۲۷
مسئلہ ارتقا کی تشریح	۱۱-۲۷
مسئلہ ارتقا اور معرفت خدا	۱۱
شق اول و دوئم (مسئلہ تکوین و ترتیب کائنات)	۱۱
شق سوئم (مسئلہ تنازع للبقا)	۱۲
شق چہارم (مسئلہ انتخاب طبیعی)	۱۳
شق پنجم (مسئلہ تدریج تکوین)	۱۴
سِتَّةِ اَيَّامٍ کے یوم کی تشریح	۱۴-۱۶
نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ کی تشریح	۱۵-۱۶
ارتقائے انسان کے متعلق قرآنی شہادت	۱۶
شق ششم (مسئلہ اجتماع و استمرار)	۱۷
شق ہفتم (مسئلہ بقائے اصلح)	۱۸
شق ہشتم (مسئلہ وحدت کائنات و وحدت حیات)	۱۹
تشریح معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۲۰-۲۱
حرکت زمین کے متعلق قرآنی شہادت	۲۱
حرکت اجرام فلکی کے متعلق قرآنی شہادت	۲۲
حرکت شمس کا انکشاف اور قرآنی شہادت	۲۳
مسئلہ تعقل خدا کا ابطال از روئے قرآن	۲۳-۲۵
مسئلہ ارتقا کی صحت پر اس کتاب کے مباحث کا انحصار نہیں	۲۵
مسئلہ ارتقا کی علمی تصدیق	۲۶
مسئلہ انتخاب طبیعی پر حملہ	۲۷

مضامین	صفحہ
علم طبقات الارض کی تشریح	۲۷-۳۷
طبقات الارض کی تعمیر کے بواعث	۲۸
رکازات زمین کے وجود کی توجیہ	۲۸-۲۹
صحیفۂ فطرت کی کتاب سے مشابہت	۲۹
طبقات الارض کی تعمیر کے پانچ زمانے	۳۰
القدیمۃ الاولیٰ کے رکازات	۳۰
القدیمۃ الاخریٰ کے رکازات	۳۰-۳۱
کوئلے کی کانوں کا ذکر قرآن حکیم میں	۳۰
الحیاۃ الوسطےٰ کے رکازات	۳۱-۳۴
صلاحیت بقا کی تشریح	۳۳-۳۴
الجدیدۃ القصویٰ کے رکازات	۳۴
الجدیدۃ الادنیٰ کے رکازات	۳۵-۳۶
مسئلہ وحدت اصل و نسل کی قرآنی شہادت	۳۶-۳۷
سِتَّةِ اَيَّامٍ کی تشریح	۳۷
تمدن انسانی اور صلاحیت بقا	۲۸-۳۴
مغربی عمران اور صلاحیت بقا	۳۵
ایمان اور اعمال صالحہ کی ماہیت	۳۵
آیۂ استخلاف کا صحیح مفہوم	۳۶-۳۷
آیۂ استخلاف کا قرآنی پیش نہاد	۳۸-۳۹
وراثت زمین کا قرآنی پیش نہاد	۳۹
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مفہوم کی پہلی شق (صبر)	۳۹
صلاح کی قرآنی تعریف کی ایک جھلک	۴۰

Marfat.com

مضامین	صفحہ
آیۂ استخلاف کا سیاسی مفہوم	۴۱
آیۂ استخلاف کا شانِ نزول	۴۲
آیۂ استخلاف ایک مشروط میثاق ہے	۴۳
قرآن حکیم کی تعلیم کا عرب امت پر اثر	۴۴
ایمان اور اعمال صالحہ کا ابتدائی مفہوم	۴۵
مسلمانانِ عالم کے زوال کی وجوہات	۴۵-۴۶
قرآنی مطالب کی توضیح کے متعلق اہل عرب کی ذمہ داری	۴۶
قرآن حکیم کی مروجہ سطحی تعظیم اور تعلیم	۴۷
قرآن حکیم کے مطالعے میں فنون ادبیہ کا التزام	۴۷
فنون ادبیہ کے اختراع کی تاریخ	۴۷
یونانی فلسفے کا قرآن سے تصادم	۴۸-۶۱
یونانی فلسفے کے مضر اثرات	۴۸-۵۲
اتقا کے معانی کی پہلی شق (وحدت امت)	۴۹
آیۂ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کی تشریح	۵۰-۵۲
قرآن کی تنظیم کا صحیح معیار	۵۲
قرآن کی حکمت کاملہ کے متعلق دعاوی	۵۳-۵۵
قرآن کے کامل ہونے کے متعلق دعاوی	۵۶
قرآن کا دعوٰے کتاب مبین ہونا ہے	۵۷
قرآن کے آسان ہونے کا دعوٰے	۵۷
مجسمۂ بصائر ہونے کا دعوٰے	۵۷
پیکرِ علم ہونے کا دعوٰے	۵۸
تدبر کے متحمل ہونے کا دعوٰے	۵۸
علم کی ابتدائی تعریف	۵۸
قرآن میں اجتہاد کرنے کے اصل اصول	۵۹
علم اسرار الدین۔	۵۹
مسلمانوں کی ناقدر شناسی قرآن اور اسکا موجودہ فلسفہ	۶۰
اَلْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ کی تشریح	۶۰-۶۲
عرب تخیل کا قرآن سے تصادم	۶۱-۱۰۰
مطالب قرآن پر عرب توہمات کا اثر	۶۱-۶۴
عرب شاعری کا اثر	۶۳-۶۴
معلقات، مجمہرات اور منتقیات السبع کی تشریح	۶۳
قرآن شعر نہیں	۶۴
قرآن کی واحد فضیلت علم ہو فصاحت نہیں	۶۴-۶۶
قرآن کو عربی زبان میں نازل کرنے کی قرآنی وجوہات	۶۶
عرب نفاق آرائی کا قرآنی مطالب پر اثر	۶۶-۶۷
قرآن اپنی صداقت کے باعث خود بخود بلیغ ہے	۶۷
عربی النسل اقوام کی ہلاکت کے بواعث	۶۸
قرون اول کا قرآن پر عمل	۶۹
قرون اولیٰ کی اسلامی فتوحات کا اندازہ ایک مورخ کے قلم سے۔	۶۹
قرآن پر تدبر کرنے کی ابتدائی تاریخ	۷۰
آیات قرآنی کی ترتیب کی تاریخ	۷۰
کن معانی میں قرآن کا مثیل پیدا کرنا محال ہے	۷۱
قرآن کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھنے کی غرض و غایت	۷۲
جمع احادیث کے متعلق عرب کی خوش اعتقادی	۷۳
عرب فرقہ بندی کی وجوہات	۷۴
عرب توہمات اور فرقہ بندی	۷۴-۷۷
عرب کیوں وراثت زمین سے محروم کر دیئے گئے	۷۷-۷۹
اتقا کا الٰہی مفہوم (اتحاد)	۷۹
عرب نفاق کا اسلامی جماعت پر اثر	۸۰-۸۱
ظلم اور فسق کی قرآنی مصطلحات	۸۱
پیغمبران جہان کی تبشیر و تنذیر کی نوعیت	۸۱
دین اسلام پر عرب تخیل اور یونانی فلسفے کے مضر اثرات۔	۸۲-۸۶
دین اسلام میں ظنیات کا حلول	۸۲-۸۵
علم کی قرآنی تعریف	۸۳-۸۴
بیکن کا مسلمہ استقرار اور تعریف علم	۸۳
علم آخرت کے متعلق قرآنی ارشاد	۸۴
سبع اساتیح کی تشریح	۸۵
اہل عرب کی ہلاکت کے بواعث	۸۶
دین اسلام کی غلط اشاعت میں اہل عرب کی ذمہ داری	۸۶
وارثین زمین کی قرآنی تعریف	۸۷
علم اور ظن کا قرآنی تقابل	۸۷
صاحب علم قوم کا دنیوی اور اخروی اجر	۸۷
رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی تشریح	۸۷
علم کا حاصل کرنا صلاح عمل ہے	۸۷
حیوٰۃ دنیا کی تعریف از روئے قرآن	۸۷
کلام الٰہی کے متعلق مفسرین کی غلط بینیاں	۸۸-۹۶
قرآن شعر و فصاحت کا منکر ہے	۸۸
تورات کا مُسْتَبِيْن ہونا	۸۹
قرآن ہدایت اور صرف ہدایت کا مدعی ہے	۸۹
تورات، انجیل اور قرآن کے بارے میں الٰہی ارشادات	۸۹-۹۰
عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ کی تشریح	۹۱
قرآن لغت اور حدیث سے بے نیاز ہے	۹۱
قرآن کے لغت سے بے نیاز ہونے کا مفہوم	۹۱-۹۲
قرآن کن معنوں میں محفوظ ہے	۹۲
حسبنا کتاب اللہ کی تشریح۔	۹۲
قرآن کے مفصل ہونے کے متعلق الٰہی ارشاد	۹۳
علم کا تتبع کرنا سبیل خدا پر چلنے کے مترادف ہے	۹۳
قرآن کی کفایت کے متعلق الٰہی ارشاد	۹۴
قرآن کی فضیلت علم ہے۔	۹۴
قرآن کا معجزات کی فرمائش کو مسترد کرنا اور علم کا ہی ہونا	۹۴-۹۵
سبیل خدا کا مفہوم تحصیل علم ہے	۹۵
عوام کی نظر میں قرآن کی تعلیم و تعظیم کا معیار	۹۶-۹۸
ایک استخارہ قرآنیہ کی حقیقت کا پول	۹۷-۹۸
تکذیب آیات کا ابتدائی مفہوم	۹۸
دین اسلام کی مسخ حقیقت کا تیسرا باعث	۹۹
کتاب کے آئندہ مضامین کی تقسیم	۹۹-۱۰۰
فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا کی تشریح	۱۰۰
۴۔ تکیف ایمان و منتہائے اسلام	
از صفحہ ۱۰۱ تا ۱۱۵	
قرون اولیٰ کے ایمان کا کیف	۱۰۱-۱۱۶

Marfat.com

مضامین	صفحہ
خدا کی عینی شہادت کا حصول	۱۰۱
صحیفۂ فطرت کا مشاہدہ اور معرفت خدا	۱۰۲
مشاہدۂ فطرت ایمان ہے	۱۰۳
لرزش قلب کا موجود ہونا ایمان ہے	۱۰۳
ملازمت خدا کی عملی شہادت قرون اولیٰ میں	۱۰۴
تعلقات دنیوی کا انقطاع ایمان ہے	۱۰۴
عبودیت خدا کی شہادت قرون اولیٰ میں	۱۰۵
'شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ' کی تشریح	۱۰۵
'عبادۃ' کا الٰہی مفہوم	۱۰۵-۱۱۳
قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی استعداد قبول	۱۰۶-۱۱۶
'سجود' کا قرآنی مفہوم	۱۰۷
'رکوع' کا قرآنی مفہوم	۱۰۷-۱۰۸
'عبادۃ' کا قرآنی مفہوم اور قرآن کی لغت سے بے نیازی کی مثال	۱۰۸
بنی اسرائیل کی فرعونی 'عبادۃ' کی تشریح	۱۰۹
مختلف مذاہب میں عبادت کے مسخ شدہ طریقے	۱۱۰-۱۱۱
اسلامی نماز کی اصلیت رفتہ رفتہ مسخ ہو رہی ہے	۱۱۱
اسلام میں تسبیح کا غلط استعمال	۱۱۲
'اِيَّاكَ نَعْبُدُ' کی تشریح	۱۱۲
'وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ' کی تشریح	۱۱۳
سچے مومنوں کی قرآنی تعریف	۱۱۴
قولی ایمان از روئے قرآن محض کچھ شے نہیں	۱۱۴
ایمان کے لاینفک لازمات کے متعلق الٰہی ارشاد	۱۱۵
'جنت' اور 'الجنۃ' میں فرق 'جنت' کا الٰہی مفہوم	۱۱۵-۱۱۶
قرون اولیٰ کے ایمان کا صحیح نصب العین	۱۱۶-۱۲۲
ایمان کا شدت حب سے ترادف	۱۱۷
ایمان اور ترک ماسوا	۱۱۷
صادق اور مصدقہ کی تشریح۔	۱۱۷
عبادت اطاعت احکام الٰہی ہی ہے۔ 'وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ'	۱۱۸
کی تشریح	۱۱۸
شرک کی ابتدائی شرح	۱۱۹
لفظ 'جن' کی ابتدائی تشریح	۱۱۹
'مَغْفِرَة' کا صحیح مفہوم	۱۱۹
شرک کن معنوں میں ناقابل عفو گناہ ہے	۱۱۹
'الْجَنَّة' کے حصول کے متعلق قرآنی ارشاد	۱۲۰
'تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ' کا صحیح مفہوم	۱۲۰-۱۲۲
غزوۂ احد کا ذکر	۱۲۱
'مؤمن' 'شُهَدَآءَ' 'ظالم' اور 'کافر' کی تشریح	۱۲۱
قربانی جان و مال کے الٰہی ارشاد کی لم	۱۲۲-۱۴۵
'اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ' کا صحیح مفہوم	۱۲۳-۱۳۴
'مُصِيْبَة' کا قرآنی مفہوم	۱۲۳-۱۲۶
'مُصِيْبَة' اعمال بد کی سزا ہے	۱۲۴-۱۲۶
تشریح 'سَيِّئَة' اور 'حَسَنَة'	۱۲۶-۱۳۲
'كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ' اور 'مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ'	
اور 'عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ' کا مفہوم	۱۲۸
'حسن عمل' کا الٰہی مفہوم	۱۳۰
'الْحَسَنَة' کا بلند معیار از روئے قرآن	۱۳۱
'نُكَفِّرْ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ' کا صحیح مفہوم	۱۳۱
'صَلٰوت' کے مفہوم کی تشریح	۱۳۲
نبی کریم پر درود بھیجنے کا صحیح مفہوم	۱۳۲
منافقین عرب پر درود بھیجنے کا الٰہی مفہوم	۱۳۳
'اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ' کے مطالب	۱۳۴
نماز کے 'التحیات' کے مطالب	۱۳۴
'الْخَيْرٰت' کی قرآنی اصطلاح کا صحیح مفہوم	۱۳۴-۱۳۷
'قَرْضًا حَسَنًا' کا الٰہی مفہوم	۱۳۷-۱۳۸
'شُكْر' کے صحیح معانی	۱۳۸
کیا زکوٰۃ صرف ایک مذہبی رسم تھی؟	۱۳۹-۱۴۰
ایمان کی اہم قرآنی شرائط	۱۴۰
ایمان کی تخصیص کسی مذہب سے نہیں	۱۴۰
قربانی مال و جان کی الٰہی اغراض	۱۴۱-۱۴۲
'اتقا' کے الٰہی مفہوم کی اہم شق استقلال و اتحاد ہے	۱۴۲
ایمان کا اٹل نتیجہ زمین میں تمکن ہے	۱۴۳
'اَلْقَوْلِ الثَّابِت' کا صحیح مفہوم	۱۴۳-۱۴۴
'يُثَبِّتُ اللّٰهُ' کا قرآنی مفہوم	۱۴۴
کیفیت اتقا	۱۴۵-۱۶۳
اتقا کا الٰہی مفہوم اتحاد امت اور اعتصام	
بِحَبْلِ اللّٰهِ ہے۔	۱۴۵
اعتصام بِحَبْلِ اللّٰهِ کے معانی	۱۴۶
'اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ' کا صحیح مفہوم	۱۴۶
'اَلْمَعْرُوْف' اور 'اَلْمُنْكَر' کی قرآنی مصطلحات	
کی تشریح۔	۱۴۶-۱۵۱
قرآنی مصطلحات کی تشریح میں لغت کا بسا اوقات	
گمراہ کن ہونا۔	۱۵۱
اتقا کا نتیجہ از روئے قرآن دنیاوی امتیاز	
اور تمکن ہے۔	۱۵۲-۱۵۳
'يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا' کی تشریح	۱۵۲
'فضل' کے قرآنی معانی	۱۵۲
کفار اور اتقا کا مقابلہ از روئے قرآن	۱۵۳
تقوے کا غلط مروج مفہوم	۱۵۴-۱۵۵
اتقا کے تشریح شدہ مطالب کی فہرست	۱۵۴
متقی قوم کی دنیا اور آخرت دونوں از روئے	
قرآن درست ہیں۔	۱۵۵-۱۵۹
'وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَة' کی تشریح اور اس کا	
غلط مروج مفہوم	۱۵۶-۱۵۹
پیر پرستی کے خلاف قرآنی شہادت	۱۵۶-۱۵۷
متقی قوم کی دنیاوی حالت کیونکر درست ہے	۱۵۸
'اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ' کی تشریح اور کون اشخاص اس	
خطاب کے مصداق ہیں۔	۱۵۸
متقی قوم کے لئے روئے زمین کی بادشاہت	
وقف ہے۔	۱۵۹
تقویٰ اور توحید کا عملی مفہوم قرون اولیٰ میں	۱۶۰-۱۶۳

Marfat.com

مضامین	صفحہ
مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ' کی تشریح	۱۶۱
دِيْن' کے معانی	۱۶۱
لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ' اور لِمَنِ الْمُلْكُ يَوْمَ الدِّيْنِ' کا صحیح مفہوم۔	۱۶۱
اتقا کا نتیجہ پیش بندی اور حفظ نفس ہے	۱۶۲
مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ' کا صحیح مفہوم۔	۱۶۲
اتقائے خدا کا نتیجہ دشمن کو مرعوب اور مغلوب کرنا ہے۔	۱۶۳
کافر قوم کی خصوصیات۔	۱۶۳
صاحب ایمان قوم کا دشمن پر غالب رہنا اٹل ہے۔	۱۶۳-۱۶۶
کفر اور ایمان کے انتہائی درجے	۱۶۴
دنیاوی تمکن کا ایمان والوں کے شامل حال ہونا اٹل ہے	۱۶۵
مظفر و منصور ہونا صرف پیغمبروں سے مخصوص نہیں	۱۶۵
صاحب ایمان قوم پر ملائکہ کا نزول	۱۶۵
ایمان اور اتقا آپس میں توام ہیں	۱۶۶
ایمان کی طاقت قرون اولیٰ میں اور ایمان والوں کا دنیاوی تمکن اور عروج۔	۱۶۶-۱۶۸
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ' کے مفہوم کی پہلی شق بِنَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ' کے صحیح مطالب۔	۱۶۸
اطاعت رسولؐ	۱۶۹-۱۷۲
اطاعت رسول کی کیفیت قرون اولیٰ میں اور تحویل قبلہ کا حکم۔	۱۶۹
اطاعت رسول از روئے قرآن ایمان کی ایک اہم شق تھی۔	۱۷۰
اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ' کا صحیح مفہوم قرون اولیٰ میں اور اسکا اطلاق زمانہ حال میں۔	۱۷۰-۱۷۱
رسولؐ خدا کی وفات کے بعد اطاعت رسول کا مفہوم	۱۷۱
امت اسلام کیلئے ایک امیر کی ضرورت۔	۱۷۱
اطاعت خدا اور اطاعت رسول کا ترادف قرون اولیٰ میں	۱۷۱

مضامین	صفحہ
ظلم کی قرآنی اصطلاح بمعنی عصیان امیر	۱۷۲
اتقائے خدا اور اطاعت امیر	۱۷۲
صحیح توحید کا نتیجہ استحکام جماعت ہے۔	۱۷۳
قربانی مال و جان اور اطاعت امیر کی	
غرض و غایت تقویت قوم تھی۔	۱۷۳
تقویت قوم کلام وحی کا منتہائے نظر تھا۔	۱۷۴-۱۷۵
انسان کیلئے وحی کی ضرورت۔	۱۷۴
کتاب وحی کا مآل حفظ نفس کے اصول پیش کرنا تھا۔	۱۷۵-۱۷۶
قرآن کے نازل ہونے کا مآل امت کو حفظ نفس کے اصول سکھلانا ہے۔	۱۷۶
ظلمت جہل سے نور علم کیطرف نکالنا ہے	۱۷۶
اَلظُّلُمٰتِ' اور النُّوْرَ' کی تشریح۔	۱۷۶
اتقا اور تسلیم خدا کا مآل امت کو دنیا میں بے خوف و خطر کر دینا ہے۔	۱۷۷
اِسْلَام' اور اِحْسَان' کی قرآنی مصطلحات کی توضیح۔	۱۷۷
اسلام کے سب اوامر و نواہی کا منتہا سیاسی اور اجتماعی غلبہ تھا	۱۷۸-۱۸۲
حفظ نفس از روئے قرآن نعمت خدا ہے۔	۱۷۸
اتحاد، اطاعت اور اتقا لازمہ ایمان ہیں	۱۷۹
اَعْلَوْنَ' بنا رضائے خدا کی علامت ہے	۱۷۹
تاسیس بیت المال کی حکمت۔	۱۸۰
ایثار مال کا مصدق ایمان، محرک عشق اور مطہر قلب ہونا۔	۱۸۰-۱۸۱
ایثار مال کے انسان کی اجتماعی بہتری کے لیے ہونے کی قرآنی شہادت۔	۱۸۱
رسول خدا کے مبعوث ہونے کی واحد غرض و غایت۔	۱۸۲
جَنَّت' کی قرآنی اصطلاح کا اُخروی جنت اور دنیاوی بادشاہت دونوں پر اطلاق۔	۱۸۲

مضامین	صفحہ
ایمان کے لازمات کی فہرست۔	۱۸۲-۱۸۳
ایمان کی ساٹھ شاخیں۔	۱۸۳
اَلْهُدٰى' اور دِيْنِ الْحَقِّ' کی تشریح۔	۱۸۳
شاہ محمد تغلق کے سکوں پر کلمے۔	۱۸۳
اسلام کا منتہائے حیدار روئے قرآن دنیا میں غالب بنکر رہنا ہے۔	۱۸۴-۱۸۵
سیاسی تمکن کے منتہائے وحید ہونے کی قرآنی شہادتیں	۱۸۴
رؤیا کی حقیقت۔	۱۸۴
غلبہ اسلام و اتحادِ عالم	۱۸۵-۱۹۵
اسلام کے سیاسی تمکن اور غلبے میں بنی نوع انسان کا اتحاد مضمر تھا۔	۱۸۵-۱۸۶
دین اسلام کی دعوت اتحاد کی پہلی مشترک اساس توحید ہے۔	۱۸۶-۱۸۷
تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ' کی تشریح۔	۱۸۶
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ' کی توضیح۔	۱۸۶
عِبَادَةٌ' کا صحیح مفہوم، توحید کا عملی مفہوم اور شرک	۱۸۶
دوسری مشترک اساس سب انبیاء کو بلا تفریق منجانب اللہ ماننا ہے۔	۱۸۷-۱۸۸
ایمان صرف عمل کا نام ہے زبان کو اس سے کچھ تعلق نہیں	۱۸۷
تیسری مشترک اساس آپس میں فرقہ بند نہ بننا ہے۔	۱۸۸-۱۹۳
كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً' کا صحیح مفہوم۔	۱۸۸-۱۸۹
بنی نوع انسان کی وحدت نسل۔	۱۸۹
مقتضائے طبیعت اتحاد ہے۔	۱۸۹
غیر انسانی انواع کے افراد کا آپس میں اتحاد اور مقتضائے طبیعت	۱۸۹
انبیائے کرام از روئے قرآن ایک پیغام کے حامل تھے	۱۹۰
خدائے عزوجل کا مقصود بنی نوع انسان کو متحد کرنا ہے	۱۹۰
مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً' کا صحیح مفہوم	۱۹۱
اَلْاِسْلَام کی قرآنی اصطلاح کی حقیقت	۱۹۱
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً' کا صحیح مفہوم	۱۹۲

Marfat.com

مضامین	صفحہ
مشیئت خدا اور منشائے خدا میں فرق	۱۹۳
تفرقے کا باعث خود انسان ہے خدا نہیں	۱۹۳
وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً کی تشریح	۱۹۴
وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ کی تشریح۔	۱۹۵-۱۹۶
تمکن اسلام و نقش توحید	۱۹۶-۲۰۲
توحید کا عملی منظر اور دعوتِ اتحاد	۱۹۶-۱۹۷
توحید کی قوت اور نافیت	۱۹۷-۱۹۸
اکرام کی حقیقت	۱۹۷
توحید کی نافیت کی تشریح	۱۹۸
توحید کا پیدا کیا ہوا اخلاق	۱۹۸-۲۰۲
القائے خدا کا پیدا کیا ہوا ایفائے عہد	۱۹۸
ایفائے عہد کی اسلام میں اہمیت	۱۹۸-۱۹۹
قرآن حکیم کے احکام کی گرانقدر حکمت اور آیہ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کی تشریح	۱۹۹-۲۰۰
توحید کا پیدا کیا ہوا عجز و انکسار قرون اولیٰ میں۔	۲۰۰-۲۰۱
إِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا کی ایک مستحسن تشریح	۲۰۰-۲۰۱
علو اخلاق اور شہادت خدا قرون اولیٰ میں۔	۲۰۲
القائے خدا کے عملی منظر کی ایک آنہوں صدی ہجری کی مثال	۲۰۲
۵۔ حکمت عبادات	۲۰۳-۲۷۰
نقش توحید علو اخلاق اور اتقائے خدا کا تبلیغی اثر صدر اسلام میں۔	۲۰۳
دین اسلام کی ادعائی اور دعوتی حیثیتیں	۲۰۳-۲۰۴
دین اسلام کے عالمگیر جماعت پیدا کرنیکا دعوے	۲۰۴
قوت اور تمکن پیدا کرنیکے وسائل	۲۰۴

مضامین	صفحہ
اسلام کا ہر امر و نہی قوت پیدا کرنے اور بنی نوع انسان کو اپنے میں جذب کر لینے کا جہاد ہے۔	۲۰۵
حکمت الصلوٰۃ	۲۰۵-۲۷۰
الصلوٰۃ کی ماہیت	۲۰۵
الصلوٰۃ سے مقصود خارجی نظم و نسق پیدا کرنا ہی ہے۔	۲۰۶
الصلوٰۃ اور اطاعت امیر	۲۰۶
الصلوٰۃ اور مساوات	۲۰۶
الصلوٰۃ اور انہا عن الفحشاء والمنکر	۲۰۶
الصلوٰۃ اور اطاعت امام کی غرض و غایت	۲۰۶
مساجد خدا کے اندر موجودہ بدنظمی	۲۰۶
الفحشاء کا الٰہی مفہوم	۲۰۶-۲۰۹
نماز میں خدا کے حضور میں نمازی کی واحد گذارش	۲۰۷-۲۱۰
الفحشاء کے مفہوم کی پانچ شقیں	۲۰۹
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کا صحیح مفہوم	۲۱۰-۲۲۴
الھدیٰ اور دین الحق کے الفاظ کی اصراط المستقیم سے مناسبت	۲۱۰
نعمت کا الٰہی مفہوم از روئے قرآن اور اسکی صحیح تشریح۔	۲۱۰-۲۲۴
المغضوب علیہم اور الضالین کا غلط مروج مفہوم	۲۱۰
الصراط اور انعمت علیہم کا مروج مفہوم	۲۱۰-۲۱۱
بال سے باریک اور تلوار سے تیز راہ کا فلسفیانہ مفہوم	۲۱۱
صراط مستقیم پر چلنے کا مفہوم قسط و عدل پر مبنی ہے	۲۱۶
نعمت کا الٰہی مفہوم از روئے قرآن سراسر دنیاوی ہے۔	۲۱۲

مضامین	صفحہ
نعمت کا لفظ دنیاوی نعمتوں کے معنوں میں	۲۱۲-۲۱۳
نعمت کا لفظ انسانی ناقدر شناسی کے بیان کے ضمن میں	۲۱۳-۲۱۴
نعمت کا لفظ تذکیر آلاء اللہ کے ضمن میں۔	۲۱۴-۲۱۵
نعمت کا لفظ بنی اسرائیل سے خطاب کے ضمن میں۔	۲۱۵-۲۱۶
نعمت کا لفظ قرون اولیٰ کے مسلمانوں سے خطاب کے ضمن میں	۲۱۶-۲۱۸
نعمت کا لفظ توفیق عمل کے معنوں میں	۲۱۹-۲۲۰
انبیائے کرام کے بارے میں أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ کے الفاظ کا صحیح مفہوم	۲۲۱-۲۲۲
نعمت کے الٰہی مفہوم کی فہرست	۲۲۲
المغضوب علیہم کی تشریح	۲۲۳
الضالین کی شرح اور ضلال کا صحیح مفہوم	۲۲۳
صراط مستقیم	۲۲۴-۲۴۶
صراط مستقیم کی دعا میں حصول انعمت کے لیئے اضطراب	۲۲۴-۲۲۶
صراط مستقیم کے الفاظ میں اختصار راہ کا مفہوم	۲۲۴
صراط مستقیم اور خط مستقیم میں مماثلت	۲۲۴-۲۲۵
يَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا کا صحیح مفہوم	۲۲۵
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ کی دعا جماعتی دعا ہے انفرادی نہیں۔	۲۲۵
نماز کے اندر متکلم کی واحد اور جمع کی ضمیریں	۲۲۵
صراط مستقیم کا الٰہی مفہوم از روئے قرآن۔	۲۲۶-۲۳۶
صراط مستقیم کے مفہوم کی پہلی شق اتحاد ہے	۲۲۶

مضامین	صفحہ
صراط مستقیم کے مفہوم کی گذشتہ شقوں کی فہرست	۲۲۶
قرآنی رکوع سے ہر موقع پر پہلے مضمون کا انقطاع مراد نہیں ہوتا	۲۲۶
سعی و عمل میں استقلال اور نتائج کے بارے میں توکّل صراط مستقیم ہے۔	۲۲۷
ایمان کے لوازم پر عمل صراط مستقیم ہے۔	۲۲۷
اُمّت کی تقویت کیلئے ایثار مال صراط مستقیم ہے	۲۲۷
'اَلْکِتٰب' کا الٰہی مفہوم۔	۲۲۷
کتاب خدا کی نور سے تشبیہ۔	۲۲۷
کتاب خدا کے مقاصد کے بارے میں اختلاف نہ پیدا کرنا اور عبادت شیطان نہ کرنا صراط مستقیم ہے	۲۲۸
مناسک نہ رکھ کر مذاہب کو پیش نظر رکھکر باہمی نزاع پیدا کرنا صراط مستقیم کے نقیض ہے	۲۲۸
آیہ لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا الخ کے صحیح مفہوم کی تشریح	۲۲۸-۲۳۴
تمام اُمّت کا صورتاً اور عملاً ایک مرکز پر جمع ہونا صراط مستقیم ہے۔	۲۲۹
آیہ سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ الخ کے صحیح معانی کی تبیین	۲۲۹
مُنْسَكٌ کے معانی۔	۲۲۸-۲۲۹
مَنَاسِكٌ اور عِبَادَةٌ میں فرق۔	۲۲۹
ابراہیمؑ کی توحید پر عامل ہونا صراط مستقیم ہے	۲۳۰-۲۳۲
ذِکْرٌ خدا کا صحیح مفہوم۔	۲۳۰-۲۳۲
الصّلوٰۃ کا صحیح منتہائے نظر ذکر خدا ہے۔	۲۳۰
الصّلوٰۃ کے بقید وقت ادا کرنے کی حکمت۔	۲۳۰
مُسْلِمٌ بننے کا صحیح مفہوم۔	۲۳۰
نُسُكٌ کے الٰہی مفہوم کی تشریح	۲۳۱
فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ کا الٰہی مفہوم	۲۳۲
خاطر زمین و آسمان کو مشرق اور مغرب کی کچھ تخصیص نہیں	۲۳۳
اقوام عالم کے بالمقابل برگزیدہ اور برتر ہو کر رہنا صراط مستقیم ہے۔	۲۳۴
زمین خدا پر عدل و انصاف سے حکومت کرنا صراط مستقیم ہے	۲۳۴
سُبُلَ السَّلٰمِ پر چلتے رہنا صراط مستقیم ہے۔	۲۳۴
الظُّلُمٰت اور النُّوْر کے الٰہی مفہوم کی ابتدائی تشریح	۲۳۴
دَارُ السَّلٰم کیطرف پہنچنے کی سعی کرنا صراط مستقیم ہے	۲۳۵
صراط مستقیم حفظ نفس اور ابقاء اتحاد اور توحید	۲۳۵
اتقا اور اطاعت امیر کے مترادف ہے۔	۲۳۵
دَارُ السَّلٰم کے صحیح معانی	۲۳۵
تمسک قانون خدا صراط مستقیم ہے۔	۲۳۶
خوف عذاب اللہ اور یوم روز جزا صراط مستقیم ہے	۲۳۶
صراط مستقیم پر چلنے کا واحد نتیجہ دنیوی تعزّز اور نعمت خدا کا حصول ہے۔	۲۳۶-۲۳۷
سعی و عمل کیلئے شرح صدر کر دینا صراط مستقیم ہے	۲۳۸
صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم سے مسلمانان عالم کی محض بے خبری۔	۲۳۸-۲۳۹
مکارم اخلاق پر قائم ہو جانا صراط مستقیم ہے۔	۲۴۰
صراط مستقیم پر چلنے کی سیاسی اغراض و غایات	۲۴۱
خدا کی راہ میں پیہم سعی عمل کرتے رہنا ہی صراط مستقیم ہے	۲۴۲
دنیا میں غالب کے رہنے کی حکمتہ پر کاربند ہو جانا صراط مستقیم ہے	۲۴۲
مُحْسِنِیْن کی صحیح تعریف۔	۲۴۲
جہاد بالسیف، ہجرت وطن اور اطاعت امیر صراط مستقیم ہے	۲۴۳
مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کے معانی کی تبیین۔	۲۴۳-۲۴۵
النَّبِيِّيْنَ اور الصِّدِّيْقِيْنَ، اور الشُّهَدَآءِ اور الصّٰلِحِيْنَ کی معیت کا صحیح مفہوم اور انکے مقام حاصل کرنیکے لئے کن اعمال کا ہونا ضروری ہے۔	۲۴۶
اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے صحیح معانی۔	۲۴۷
الصّلوٰۃ کی اہمیت اور اسکے نصب العین کا مسلمانان عالم کے دلوں سے محو ہو جانا۔	۲۴۸-۲۵۰
مغرب کی شہنشی تعلیم و تبلیغ کا مسلمانوں کی حسیات پر مہلک اثر۔	۲۴۹-۲۵۰
دین خدا کو لہو و لعب سمجھنے کے نتائج۔	۲۵۰-۲۵۱
مساجد خدا کی ویرانی اور نمازگذاروں کا کبر و غرور	۲۵۱
مساجد کی نفاق آرائی اور نمازگذاروں کا اخلاقی انحطاط	۲۵۱-۲۵۲
الصّلوٰۃ کا صحیح منتہائے نظر وسعت قلب اور مسامحت پیدا کرنا ہے۔	۲۵۲
الصّلوٰۃ تہڑدلی، بخل اور نفاق کی قاطع ہے	۲۵۲
منافقین کی الٰہی تعریف۔	۲۵۳
الصّلوٰۃ کا پیش نہاد اتحاد اور اصلاح بین الناس ہونا ہے	۲۵۳
الصّلوٰۃ کا نسیان درس اور مساجد کو تفریق سے باز رکھنے کی الٰہی حکمت۔	۲۵۴-۲۵۶
مسجد ضرار کا ذکر اور الظّٰلِمِيْن کا الٰہی مفہوم۔	۲۵۶-۲۵۵
اِتقا، بمعنی اتحاد ظُلم، بمعنی تفرقہ اور ظُلم کے الٰہی معانی کی نہایت	۲۵۶
عہد حاضر کی اکثر مسجدیں صحیح معنوں میں مساجد ضرار ہیں۔	۲۵۶
اَلْمُقِيْمِيْنَ کا صحیح الٰہی مفہوم اور مبنی طہارت میں مسلمانوں کا غلو	۲۵۷
امامت کا جلیل القدر منصب اہل تقویٰ کی شرائط	۲۵۸
اور مسلمانوں کا اسکے صحیح منشا کے متعلق نسیان درس	۲۵۸-۲۶۱
آیہ اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ الخ کا صحیح مفہوم	۲۵۸
اور شارحین قرآن کی حیرت انگیز غلط بیانی۔	۲۵۸-۲۶۱
منتہائے الصّلوٰۃ	۲۶۱-۲۷۱
الصّلوٰۃ سے جماعت کا باہمی اتحاد، اطاعت امیر	۲۶۱
مساوات، پابندی وقت وغیرہ بغیرہ مدنظر تھا۔	۲۶۱-۲۶۲
صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کی مکمل فہرست۔	۲۶۱-۲۶۲
سچے مومن بننے کی شرائط اور اقامت الصلوٰۃ کا صحیح مفہوم	۲۶۳-۲۶۴
ایمان اور اقامت الصّلوٰۃ کا لازم و ملزوم ہونا۔	۲۶۳
الصّلوٰۃ کا میثاق ایزدی بنی اسرائیل سے اور اقامت الصلوٰۃ کی قرآنی شرائط۔	۲۶۴-۲۶۵
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کا دنیاوی مفہوم اور میثاق کے میثاق سے اسکا تقابل۔	۲۶۵-۲۶۶
كَمَالٌ کے قرآنی معانی کی مزید تشریح۔	۲۶۶
الصّلوٰۃ کے صورتاً بگڑ جانیکے دلائل۔	۲۶۶-۲۶۷
سُبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ کی وحی کے بارے میں خدا کا احسان جتلانا اور اسکی اہمیت۔	۲۶۸
سورۂ فاتحہ کن معنوں میں تمام قرآن کا ملخص ہے۔	۲۶۸-۲۶۹
قرآن کا منتہائے نظر الظلمت سے النور کی طرف نکالنا ہے اور ان الفاظ کے صحیح مطالب تمت	۲۶۹-۲۷۰

۹۲۲۹۷

Marfat.com

فہرست آیاتِ تذکرہ

(جلد دوم)

اس فہرست میں صرف اُن آیاتِ الٰہی کا حوالہ دیا گیا ہے جن کے الفاظ مع مطالب متنِ کتاب یا حواشی میں آئے ہیں۔ جہاں صرف آیت کا شمار لکھکر حوالہ دیا گیا اُن کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
	۱-الفاتحۃ (۷)	
۱	(۱:۱)	۲۴۷
۲	(۱:۲)	۲۴۷
۳	(۱:۳)	۲۴۷:۱۶۱
۴	(۱:۴)	۲۴۷:۱۱۲
۵	(۱:۵)	۲۲۴و۲۲۰و۱۷۹
۶	(۱:۶)	۲۲۴:۲۲۰
۷	(۱:۷)	۲۳۷و۲۲۰
۲۹۳	۲-البقرۃ (۲۸۶)	
۸	(۲:۲۳)	۶۵
۹	(۲:۲۶)	۷۸
۱۰	(۲:۳۰)	۱۶۹
۱۱	(۲:۴۰)	۲۱۶
۱۲	(۲:۴۳)	۱۰۸
۱۳	(۲:۴۵)	۱۱۱و۲۴۹و۲۶۱، ۲۶۷و۲۶۸
۱۴		
۱۵	(۲:۴۷)	۲۱۶
۱۶	(۲:۵۴)	۷۸
۱۷	(۲:۵۵)	۷۸
۱۸	(۲:۵۷)	۷۹
۱۹	(۲:۶۱)	۶۸و۲۲۳
۲۰	(۲:۱۱۲)	۱۷۷
۲۱	(۲:۱۲۲)	۲۱۶
۲۲	(۲:۱۲۴)	۲۵۸
۲۳	(۲:۱۲۹)	۵۴
۲۴	(۲:۱۳۶)	۱۸۵و۱۸۷
۲۵	(۲:۱۳۷)	۱۸۷
۲۶	(۲:۱۳۸)	۱۸۷
۲۷	(۲:۱۴۲)	۲۲۹
۲۸	(۲:۱۴۳)	۱۰۵و۱۷۰
۲۹	(۲:۱۴۴)	۱۳۶
۳۰	(۲:۱۴۵)	۱۳۶
۳۱	(۲:۱۴۸)	۱۳۷
۳۲	(۲:۱۵۰)	۲۱۸
۴۹۲	۳-آل عمران (۱۹۹)	
۵۹	(۳:۳)	۸۹
۶۰	(۳:۱۳)	۸۷
۶۱	(۳:۱۸)	۱۹۱، ۲۰۳
۶۲	(۳:۱۹)	۱۹۱
۶۳	(۳:۴۱)	۲۲۲
۶۴	(۳:۴۲)	۱۰۸
۶۵	(۳:۵۳)	۵۲
۶۶	(۳:۶۳)	۱۸۷
۶۷	(۳:۷۵)	۱۹۸
۶۸	(۳:۸۳)	۱۸۵، ۱۸۸، ۱۹۷
۶۹	(۳:۸۴)	۱۹۷
۷۰	(۳:۹۶)	۱۷۳
۷۱	(۳:۱۰۰)	۲۲۶
۷۲	(۳:۱۰۱)	۲۲۶، ۱۴۵
۷۳	(۳:۱۰۲)	۱۴۵، ۲۱۷، ۲۲۶، ۲۵۶
۷۴	(۳:۱۰۳)	۱۴۵، ۱۵۱، ۲۲۶،
۷۵	(۳:۱۰۴)	۱۴۵
۷۶	(۳:۱۱۱)	۲۲۳
۷۷	(۳:۱۱۲)	۱۰۷
۷۸	(۳:۱۱۳)	۱۳۷
۷۹	(۳:۱۱۴)	۱۳۷
۸۰	(۳:۱۱۹)	۱۲۷
۸۱	(۳:۱۳۶)	۸۹
۸۲	(۳:۱۳۸)	۱۰۱، ۱۲۱، ۱۵۳، ۱۶۷، ۱۷۹
۸۳	(۳:۱۳۹)	۱۲۰
۸۴	(۳:۱۴۰)	۱۲۰، ۱۴۲
۸۵	(۳:۱۴۱)	۱۲۰
۸۶	(۳:۱۴۲)	۱۲۰
۸۷	(۳:۱۵۳)	۱۴۲
۸۸	(۳:۱۶۳)	۵۴
۸۹	(۳:۱۶۴)	۱۲۴
۹۰	(۳:۱۶۵)	۱۲۴
۹۱	(۳:۱۶۶)	۱۲۴
۹۲	(۳:۱۶۸)	۱۲۶
۹۳	(۳:۱۷۰)	۲۱۶
۹۴	(۳:۱۷۳)	۲۱۶
۹۵	(۳:۱۸۰)	۱۳۹
۹۶	(۳:۱۹۴)	۱۲۲
۹۷	(۳:۱۹۵)	۱۵۳
۹۸	(۳:۱۹۶)	۱۵۳
۹۹	(۳:۱۹۷)	۱۵۳
۱۰۰	(۳:۱۹۹)	۱۴۲، ۱۴۵، ۱۵۰
۶۶۹	۴-النساء (۱۷۷)	

Marfat.com

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۱۰۱	(۴: ۵)	۱۴۹
۱۰۲	(۴: ۶)	۱۴۹
۱۰۳	(۴: ۱۱)	۱۸۹
۱۰۴	(۴: ۱۵)	
۱۰۵	(۴: ۱۶)	۱۸۹
۱۰۶	(۴: ۱۷)	۱۸۹
۱۰۷	(۴: ۱۹)	۱۴۹
۱۰۸	(۴: ۲۳)	۱۸۹
۱۰۹	(۴: ۲۵)	۱۴۹
۱۱۰	(۴: ۲۹)	۱۸۹
۱۱۱	(۴: ۳۰)	۱۸۹
۱۱۲	(۴: ۳۲)	۱۸۹
۱۱۳	(۴: ۳۳)	۱۸۹
۱۱۴	(۴: ۳۴)	۱۸۹
۱۱۵	(۴: ۳۵)	۱۸۹
۱۱۶	(۴: ۳۶)	۱۸۹
۱۱۷	(۴: ۴۸)	۱۲۰
۱۱۸	(۴: ۵۸)	۲۴۱
۱۱۹	(۴: ۵۹)	۱۷۹، ۲۴۴
۱۲۰	(۴: ۶۲)	۱۲۵
۱۲۱	(۴: ۶۴)	۲۴۵
۱۲۲	(۴: ۶۶)	۲۴۳
۱۲۳	(۴: ۶۷)	۲۴۳
۱۲۴	(۴: ۶۸)	۲۴۳
۱۲۵	(۴: ۶۹)	۲۲۰، ۲۴۳
۱۲۶	(۴: ۷۰)	۲۴۳
۱۲۷	(۴: ۷۲)	۱۲۵
۱۲۸	(۴: ۷۹)	۱۲۳، ۱۲۷
۱۲۹	(۴: ۸۰)	۱۷۱
۱۳۰	(۴: ۸۲)	۵۸
۱۳۱	(۴: ۱۰۳)	۱۸۹، ۲۳۰
۱۳۲	(۴: ۱۰۴)	۱۶۴
۱۳۳	(۴: ۱۱۳)	۵۴
۱۳۴	(۴: ۱۱۴)	۱۴۹
۱۳۵	(۴: ۱۱۶)	۱۱۹
۱۳۶	(۴: ۱۳۵)	۲۰۲، ۲۵۷
۱۳۷	(۴: ۱۴۲)	۲۵۳
۱۳۸	(۴: ۱۴۳)	۲۵۳
۱۳۹	(۴: ۱۴۵)	۲۵۳
۱۴۰	(۴: ۱۷۶)	۲۲۴
۶۷۹	۵- المائدۃ (۱۲۰)	
۱۴۱	(۵: ۳)	۵۶، ۲۱۷
۱۴۲	(۵: ۶)	۲۱۷
۱۴۳	(۵: ۷)	۲۱۸
۱۴۴	(۵: ۸)	۲۰۲
۱۴۵	(۵: ۱۱)	۱۷۸، ۲۱۶
۱۴۶	(۵: ۱۲)	۲۶۴
۱۴۷	(۵: ۱۳)	۲۶۶
۱۴۸	(۵: ۱۵)	۱۷۶، ۲۳۵، ۲۷۰
۱۴۹	(۵: ۱۶)	۲۳۵، ۲۷۰، ۱۷۶
۱۵۰	(۵: ۲۰)	۲۱۵
۱۵۱	(۵: ۲۲)	۲۱۹
۱۵۲	(۵: ۲۳)	۲۱۹
۱۵۳	(۵: ۳۵)	۱۵۶
۱۵۴	(۵: ۴۴)	۸۹، ۹۶
۱۵۵	(۵: ۴۵)	۹۶
۱۵۶	(۵: ۴۶)	۸۹
۱۵۷	(۵: ۴۷)	۹۶
۱۵۸	(۵: ۴۸)	۱۳۵، ۱۹۳
۱۵۹	(۵: ۵۰)	۹۲
۱۶۰	(۵: ۵۵)	۱۰۷
۱۶۱	(۵: ۵۶)	۱۵۰، ۱۵۳، ۱۷۹
۱۶۲	(۵: ۵۷)	۲۵۰
۱۶۳	(۵: ۵۸)	۲۵۰
۱۶۴	(۵: ۱۰۶)	۱۲۶
۱۶۵	(۵: ۱۰۹)	۲۲۱
۱۶۶	(۵: ۱۱۰)	۲۲۱
۱۶۷	(۵: ۱۱۲)	۱۷۹
۹۵۵	۶- الانعام (۱۶۶)	
۱۶۸	(۶: ۴۴)	۲۵۴
۱۶۹	(۶: ۴۵)	۲۵۴
۱۷۰	(۶: ۴۷)	۸۱، ۲۵۶
۱۷۱	(۶: ۴۸)	۸۱
۱۷۲	(۶: ۸۷)	۲۳۴
۱۷۳	(۶: ۸۸)	۲۳۴
۱۷۴	(۶: ۹۲)	۸۹
۱۷۵	(۶: ۹۹)	۱۵
۱۷۶	(۶: ۱۰۰)	۱۰۳، ۱۱۵۷
۱۷۷	(۶: ۱۱۵)	۸۹، ۹۲، ۹۳
۱۷۸	(۶: ۱۱۶)	۴۰، ۹۲، ۹۳، ۱۵۱
۱۷۹	(۶: ۱۱۷)	۹۳
۱۸۰	(۶: ۱۱۸)	۹۳
۱۸۱	(۶: ۱۲۶)	۲۳۸
۱۸۲	(۶: ۱۲۷)	۲۳۸
۱۸۳	(۶: ۱۲۸)	۲۳۸
۱۸۴	(۶: ۱۳۴)	۹
۱۸۵	(۶: ۱۴۲)	۱۱۵
۱۸۶	(۶: ۱۵۲)	۲۴۰، ۲۴۱
۱۸۷	(۶: ۱۵۳)	۲۴۰، ۲۴۱
۱۸۸	(۶: ۱۵۴)	۲۴۰، ۲۴۲
۱۸۹	(۶: ۱۵۵)	۸۹
۱۹۰	(۶: ۱۵۶)	۸۹
۱۹۱	(۶: ۱۵۸)	۹۰
۱۹۲	(۶: ۱۶۰)	۱۳۱
۱۹۳	(۶: ۱۶۱)	۱۳۰
۱۹۴	(۶: ۱۶۲)	۲۳۱
۱۹۵	(۶: ۱۶۳)	۲۳۱
۱۹۶	(۶: ۱۶۴)	۲۳۱
۱۹۷	(۶: ۱۶۶)	۱۳
۱۱۶۱	۷- الاعراف (۲۰۶)	
۱۹۸	(۷: ۱۶)	۱۹۵
۱۹۹	(۷: ۱۷)	۱۹۵
۲۰۰	(۷: ۱۸)	۱۹۵
۲۰۱	(۷: ۲۷)	۲۰۷
۲۰۲	(۷: ۲۸)	۲۰۷
۲۰۳	(۷: ۲۹)	۲۰۱، ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۱۱، ۲۵۷
۲۰۴	(۷: ۳۴)	۱۳، ۱۷۷
۲۰۵	(۷: ۳۵)	۱۳، ۱۷۳، ۱۷۷
۲۰۶	(۷: ۵۲)	۵۸، ۹۰، ۹۲، ۱۷۵
۲۰۷	(۷: ۵۴)	۱۴۱
۲۰۸	(۷: ۵۶)	۲۰۵
۲۰۹	(۷: ۹۵)	۱۲۷
۲۱۰	(۷: ۱۲۸)	۳۹
۲۱۱	(۷: ۱۲۹)	۹
۲۱۲	(۷: ۱۳۰)	۱۲۷
۲۱۳	(۷: ۱۳۷)	۱۹، ۴۰
۲۱۴	(۷: ۱۳۸)	۴۰
۲۱۵	(۷: ۱۵۲)	۲۲۳
۲۱۶	(۷: ۱۵۴)	۸۹
۲۱۷	(۷: ۱۵۶)	۱۵۶
۲۱۸	(۷: ۱۵۷)	۱۷۲
۲۱۹	(۷: ۱۵۸)	۲۰۴
۲۲۰	(۷: ۱۶۲)	۲۶۰
۲۲۱	(۷: ۱۶۸)	۱۲۷
۲۲۲	(۷: ۱۷۶)	۸۵
۲۲۳	(۷: ۱۸۲)	۹۸

Marfat.com

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۲۲۴	(۷: ۱۸۳)	۹۸
۲۲۵	(۷: ۱۸۴)	۶۳
۲۲۶	(۷: ۱۸۷)	۸۴
۲۲۷	(۷: ۱۸۹)	۴۰
۲۲۸	(۷: ۱۹۰)	۴۰
۲۲۹	(۷: ۲۰۳)	۵۷
۲۳۰	(۷: ۲۰۶)	۱۰۷
۱۲۳۶	۸-الانفال (۷۵)	
۲۳۱	(۸: ۱)	۲۶۳، ۱۷۹
۲۳۲	(۸: ۲)	۲۶۳، ۱۰۳
۲۳۳	(۸: ۳)	۲۶۳، ۱۸۰
۲۳۴	(۸: ۴)	۲۶۳، ۱۸۰
۲۳۵	(۸: ۷)	۱۸۴
۲۳۶	(۸: ۸)	۱۸۴
۲۳۷	(۸: ۱۱)	۱۴۴، ۱۴۲
۲۳۸	(۸: ۱۲)	۱۴۴
۲۳۹	(۸: ۲۰)	۱۷۰
۲۴۰	(۸: ۲۱)	۱۷۰
۲۴۱	(۸: ۲۲)	۱۷۰
۲۴۲	(۸: ۲۴)	۱۷۱
۲۴۳	(۸: ۲۵)	۲۴۵، ۱۷۱
۲۴۴	(۸: ۲۶)	۱۲۴، ۱۲
۲۴۵	(۸: ۲۹)	۱۵۲
۲۴۶	(۸: ۳۱)	۷۱
۲۴۷	(۸: ۳۵)	۱۱۱
۲۴۸	(۸: ۴۵)	۱۵۰، ۱۴۴، ۱۴۳
۲۴۹	(۸: ۵۳)	۲۱۲
۲۵۰	(۸: ۶۳)	۱۹۸، ۱۶۷
۲۵۱	(۸: ۶۴)	۶۷
۲۵۲	(۸: ۶۵)	۱۶۴
۲۵۳	(۸: ۶۶)	۱۶۴
۲۵۴	(۸: ۷۴)	۱۲۵، ۱۱۴
۱۳۶۵	۹-التوبة (۱۲۹)	
۲۵۵	(۹: ۴)	۱۹۹
۲۵۶	(۹: ۱۳)	۱۵۸، ۱۵۷
۲۵۷	(۹: ۲۰)	۱۱۸
۲۵۸	(۹: ۲۱)	۱۱۵
۲۵۹	(۹: ۲۲)	۱۱۵
۲۶۰	(۹: ۳۱)	۱۸۶
۲۶۱	(۹: ۳۲)	۲۷۱، ۱۸۴
۲۶۲	(۹: ۳۳)	۱۸۴

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۲۶۳	(۹: ۳۴)	۱۳۸
۲۶۴	(۹: ۳۵)	۱۳۸
۲۶۵	(۹: ۳۹)	۹
۲۶۶	(۹: ۴۴)	۱۵۸
۲۶۷	(۹: ۴۵)	۱۵۸
۲۶۸	(۹: ۵۰)	۱۲۵
۲۶۹	(۹: ۶۷)	۱۴۹
۲۷۰	(۹: ۷۰)	۷۶
۲۷۱	(۹: ۷۱)	۱۵۰
۲۷۲	(۹: ۸۴)	۱۳۳
۲۷۳	(۹: ۸۸)	۱۳۴
۲۷۴	(۹: ۸۹)	۱۳۴
۲۷۵	(۹: ۹۷)	۸۰
۲۷۶	(۹: ۹۹)	۱۳۳
۲۷۷	(۹: ۱۰۳)	۱۸۱، ۱۳۳
۲۷۸	(۹: ۱۰۴)	۱۳۹
۲۷۹	(۹: ۱۰۷)	۲۵۵
۲۸۰	(۹: ۱۰۸)	۲۵۷، ۲۵۵
۲۸۱	(۹: ۱۰۹)	۲۵۵
۲۸۲	(۹: ۱۱۰)	۲۵۵
۲۸۳	(۹: ۱۱۱)	۱۴۰
۱۴۷۴	۱۰-یونس (۱۰۹)	
۲۸۴	(۱۰: ۱)	۵۳
۲۸۵	(۱۰: ۱۴)	۱۰
۲۸۶	(۱۰: ۱۹)	۱۹۱
۲۸۷	(۱۰: ۲۵)	۲۳۵
۲۸۸	(۱۰: ۲۷)	۱۲۸
۲۸۹	(۱۰: ۳۴)	۲۴
۲۹۰	(۱۰: ۴۴)	۱۲۱
۲۹۱	(۱۰: ۵۷)	۹۰
۲۹۲	(۱۰: ۶۲)	۱۵۸
۲۹۳	(۱۰: ۶۳)	۱۵۸
۲۹۴	(۱۰: ۶۴)	۱۸۵، ۱۵۸
۲۹۵	(۱۰: ۱۰۳)	۱۶۶
۱۵۹۷	۱۱-هود (۱۲۳)	
۲۹۶	(۱۱: ۱)	۵۵
۲۹۷	(۱۱: ۱۰)	۲۱۴، ۱۲۸
۲۹۸	(۱۱: ۱۳)	۶۶، ۶۵
۲۹۹	(۱۱: ۱۴)	۶۶
۳۰۰	(۱۱: ۱۷)	۲۰۳
۳۰۱	(۱۱: ۵۷)، ۸۸	۲۰۳، ۱۹

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۳۰۲	(۱۱: ۱۱۸)	۱۹۴
۳۰۳	(۱۱: ۱۱۹)، ۱۲۰	۱۹۴)، ۷۲، ۹۰
۱۷۰۸	۱۲-یوسف (۱۱۱)	
۳۰۴	(۱۲: ۱)	۶۱، ۵۷
۳۰۵	(۱۲: ۲)	۶۶، ۶۱
۳۰۶	(۱۲: ۶)	۲۱۳
۳۰۷	(۱۲: ۱۲)	۱۶۲
۳۰۸	(۱۲: ۲۴)	۲۰۸
۳۰۹	(۱۳: ۲۸)	۲۴۷
۳۱۰	(۱۲: ۱۱۱)	۹۲، ۹۰، ۸۶
۱۷۵۱	۱۳-الرعد (۴۳)	
۳۱۱	(۱۳: ۴)	۱۱۵
۳۱۲	(۱۳: ۶)	۱۲۷
۳۱۳	(۱۳: ۲۲)	۱۲۹
۳۱۴	(۱۳: ۳۴)	۱۱۹
۳۱۵	(۱۳: ۳۷)	۹۰
۳۱۶	(۱۳: ۳۸)	۲۴۷
۱۸۰۳	۱۴-ابراهیم (۵۲)	
۳۱۷	(۱۴: ۱۱)	۲۶۹، ۵۵
۳۱۸	(۱۴: ۴)	۶۶، ۴۶
۳۱۹	(۱۴: ۵)	۲۷۰
۳۲۰	(۱۴: ۶)	۲۱۵
۳۲۱	(۱۴: ۷)	۲۴۸
۳۲۲	(۱۴: ۸)	۱۴۱
۳۲۳	(۱۴: ۱۲)	۲۲۷
۳۲۴	(۱۴: ۱۳)	۹۶، ۴۳
۳۲۵	(۱۴: ۱۱۴)، ۱۵	۲۱۴، ۹۶، ۴۳
۳۲۶	(۱۴: ۲۳)	۲۷۱
۳۲۷	(۱۴: ۲۷)	۱۴۳
۳۲۸	(۱۴: ۳۴)	۲۱۲
۱۹۰۲	۱۵-الحجر (۹۹)	
۳۲۹	(۱۵: ۱)	۵۷
۳۳۰	(۱۵: ۹)	۹۲
۳۳۱	(۱۵: ۲۱)	۱۲۹
۳۳۲	(۱۵: ۸۷)	۲۶۸
۳۳۳	(۱۱۵: ۹۰)	۷۴
۳۳۴	(۱۵: ۹۱)	۱۴۳، ۷۴
۳۳۵	(۱۱۵: ۹۲)	۷۴
۳۳۶	(۱۱۵: ۹۳)	۷۴

Marfat.com

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۲۰۳۰	۱۶-النحل (۱۲۸)	
۳۳۷	۸ ؛ ۱۶	۲۵
۳۳۸	۳۲ ؛ ۱۶	۱۵۹
۳۳۹	۳۶ ؛ ۱۶	۱۸۷
۳۴۰	۴۴ ؛ ۱۶	۵۹، ۸۶، ۱۵۱
۳۴۱	۴۵ ؛ ۱۶	۱۲۸
۳۴۲	۴۹ ؛ ۱۶	۱۰۷
۳۴۳	۵۳ ؛ ۱۶	۲۱۴
۳۴۴	۶۴ ؛ ۱۶	۹۰
۳۴۵	۷۱ ؛ ۱۶	۲۱۴
۳۴۶	۷۲ ؛ ۱۶	۲۱۴
۳۴۷	۷۹ ؛ ۱۶	۱۰۲
۳۴۸	۸۱ ؛ ۱۶	۲۱۴
۳۴۹	۸۳ ؛ ۱۶	۱۵۴، ۲۱۴
۳۵۰	۸۹ ؛ ۱۶	۵۶، ۹۰، ۹۲، ۱۶۷
۳۵۱	۹۰ ؛ ۱۶	۲۰۸
۳۵۲	۹۱ ؛ ۱۶	۱۹۸
۳۵۳	۹۳ ؛ ۱۶	۱۹۲
۳۵۴	۱۰۳ ؛ ۱۶	۹۰، ۱۴۴
۳۵۵	۱۰۳ ؛ ۱۶	۹۱
۳۵۶	۱۱۴ ؛ ۱۶	۲۱۶
۳۵۷	۱۲۰ ؛ ۱۶	۲۳۲
۳۵۸	۱۲۱ ؛ ۱۶	۲۳۲
۳۵۹	۱۲۲ ؛ ۱۶	۲۳۲
۳۶۰	۱۲۵ ؛ ۱۶	۹۵
۳۶۱	۱۲۷ ؛ ۱۶	۱۵۲
۳۶۲	۱۲۸ ؛ ۱۶	۱۵۲
۲۱۴۱	۱۷-بنی اسرآءیل (۱۱۱)	
۳۶۳	۲ ؛ ۱۷	۸۹
۳۶۴	۵ ؛ ۱۷	۱۳۰
۳۶۵	۶ ؛ ۱۷	۱۳۰
۳۶۶	۷ ؛ ۱۷	۱۳۰
۳۶۷	۹ ؛ ۱۷	۲۰۷، ۲۴۵
۳۶۸	۱۱ ؛ ۱۷	۱۸۹
۳۶۹	۳۶ ؛ ۱۷	۸۳
۳۷۰	۳۷ ؛ ۱۷	۲۰۰
۳۷۱	۳۹ ؛ ۱۷	۸۳
۳۷۲	۴۹ ؛ ۱۷	۲۹
۳۷۳	۵۰ ؛ ۱۷	۲۹
۳۷۴	۵۱ ؛ ۱۷	۲۹
۳۷۵	۵۳ ؛ ۱۷	۱۸۹
۳۷۶	۵۶ ؛ ۱۷	۱۵۷

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۳۷۷	۵۷ ؛ ۱۷	۱۵۷
۳۷۸	۷۸ ؛ ۱۷	۴۰ ؛ ۱۷
۳۷۹	۸۳ ؛ ۱۷	۲۱۳
۳۸۰	۸۸ ؛ ۱۷	۷۱
۳۸۱	۱۰۶ ؛ ۱۷	۷۲
۳۸۲	۱۱۰ ؛ ۱۷	۱۱۲
۲۲۵۱	۱۸-الکهف (۱۱۰)	
۳۸۳	۱ ؛ ۱۸	۵۵، ۱
۳۸۴	۲ ؛ ۱۸	۱
۳۸۵	۵ ؛ ۱۸	۱۹۶
۳۸۶	۲۳ ؛ ۱۸	۱۶۱
۳۸۷	۵۴ ؛ ۱۸	۱۸۹
۲۳۴۹	۱۹-مریم (۹۸)	
۳۸۸	۵۶ ؛ ۱۹	۲۲۰
۳۸۹	۵۷ ؛ ۱۹	۲۲۰
۳۹۰	۵۸ ؛ ۱۹	۲۲۰
۳۹۱	۵۹ ؛ ۱۹	۲۶۶
۳۹۲	۹۷ ؛ ۱۹	۶۶، ۷۹، ۱۵۱
۳۹۳	۹۸ ؛ ۱۹	۷۹
۲۴۸۴	۲۰-طٰہٰ (۱۳۵)	
۳۹۴	۱۴ ؛ ۲۰	۱۰۹
۳۹۵	۴۹ ؛ ۲۰	۱۱
۳۹۶	۵۰ ؛ ۲۰	۱۱
۳۹۷	۸۰ ؛ ۲۰	۲۲۳
۳۹۸	۸۱ ؛ ۲۰	۲۲۳
۳۹۹	۸۲ ؛ ۲۰	۲۲۳
۲۵۹۶	۲۱-الانبیآء (۱۱۲)	
۴۰۰	۵ ؛ ۲۱	۸۸
۴۰۱	۳۰ ؛ ۲۱	۲۲، ۲۰
۴۰۲	۳۱ ؛ ۲۱	۲۲
۴۰۳	۳۲ ؛ ۲۱	۲۲
۴۰۴	۳۳ ؛ ۲۱	۲۲
۴۰۵	۴۸ ؛ ۲۱	۸۹
۴۰۶	۵۰ ؛ ۲۱	۹۰
۴۰۷	۷۳ ؛ ۲۱	۱۰۸، ۱۳۶
۴۰۸	۹۰ ؛ ۲۱	۱۱۰، ۱۳۹، ۲۴۷
۴۰۹	۱۰۵ ؛ ۲۱	۴۰، ۸۷
۴۱۰	۱۰۶ ؛ ۲۱	۴۰، ۸۷
۴۱۱	۱۰۷ ؛ ۲۱	۸۷

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۲۶۷۴	۲۲-الحج (۷۸)	
۴۱۳	(۲۲ : ۳۴)	۳، ۱۷، ۲۳۱
۴۱۳	(۲۲ : ۳۵)	۱۷۳، ۲۳۱
۴۱۴	(۲۲ : ۳۷)	۲۳۲
۴۱۵	(۲۲ : ۴۶)	۸۳
۴۱۶	(۲۲ : ۴۷)	۱۶
۴۱۷	(۲۲ : ۵۴)	۲۲۷
۴۱۸	(۲۲ : ۶۷)	۲۲۱، ۲۳۲، ۲۳۷
۴۱۹	(۲۲ : ۶۸)	۲۳۳
۴۲۰	(۲۲ : ۶۹)	۳، ۵
۴۲۱	(۲۲ : ۷۲)	۱۵۰
۴۲۲	(۲۲ : ۷۴)	۱۱
۴۲۳	(۲۲ : ۷۷)	۱۰۵
۴۲۴	(۲۲ : ۷۸)	۱۰۵
۲۷۹۲	۲۳-المؤمنون (۱۱۸)	
۴۲۵	(۲۳ : ۱۹)	۱۱۵
۴۲۶	(۲۳ : ۴۵)	۱۰۹
۴۲۷	(۲۳ : ۴۶)	۱۰۹
۴۲۸	(۲۳ : ۴۷)	۱۰۹
۴۲۹	(۲۳ : ۵۰)	۲۲۲
۴۳۰	(۲۳ : ۵۲)	۴۹، ۷۹
۴۳۱	(۲۳ : ۵۳)	۴۹، ۷۴
۴۳۲	(۲۳ : ۵۴)	۴۹
۴۳۳	(۲۳ : ۵۵)	۱۳۵
۴۳۴	(۲۳ : ۵۶)	۱۳۵
۴۳۵	(۲۳ : ۶۰)	۱۴۷
۴۳۶	(۲۳ : ۶۱)	۱۳۵
۴۳۷	(۲۳ : ۶۶)	۸۸
۴۳۸	(۲۳ : ۶۷)	۸۸
۴۳۹	(۲۳ : ۶۸)	۸۸
۴۴۰	(۲۳ : ۶۹)	۸۸
۴۴۱	(۲۳ : ۷۰)	۸۸
۴۴۲	(۲۳ : ۷۲)	۲۲۷
۴۴۳	(۲۳ : ۷۳)	۲۲۷
۲۸۵۶	۲۴-النور (۶۴)	
۴۴۴	(۲۴ : ۲۱)	۲۰۹
۴۴۵	(۲۴ : ۴۵)	۳۷
۴۴۶	(۲۴ : ۴۶)	۳۷
۴۴۷	(۲۴ : ۵۵)	۱۲۷، ۲۶۵، ۳۱۲
۲۹۳۳	۲۵-الفرقان (۷۷)	

Marfat.com

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۴۴۸	(۲۵ : ۶)	۹۵
۴۴۹	(۲۵ : ۳۰)	۴۶
۴۵۰	(۲۵ : ۳۱)	۴۶
۴۵۱	(۲۵ : ۳۲)	۴۶، ۷۲
۴۵۲	(۲۵ : ۶۳)	۳۰۰، ۲۰۱
۴۵۳	(۲۵ : ۷۲)	۲۰۱
۳۱۶۰	۲۶-الشعراء (۲۲۷)	
۴۵۴	(۲۶ : ۳)	۸۰
۴۵۵	(۲۶ : ۴)	۸۰
۴۵۶	(۲۶ : ۲۲)	۱۱۰، ۱۱۴
۴۵۷	(۲۶ : ۵۷)	۱۱۶
۴۵۸	(۲۶ : ۵۸)	۱۱۶
۴۵۹	(۲۶ : ۵۹)	۱۱۶
۴۶۰	(۲۶ : ۱۳۲)	۱۱۶
۴۶۱	(۲۶ : ۱۳۳)	۱۱۶
۴۶۲	(۲۶ : ۱۳۴)	۱۱۶
۴۶۳	(۲۶ : ۱۴۷)	۱۱۶
۴۶۴	(۲۶ : ۱۴۸)	۱۱۶
۴۶۵	(۲۶ : ۲۲۴)	۶۴
۴۶۶	(۲۶ : ۲۲۵)	۶۴
۴۶۷	(۲۶ : ۲۲۶)	۶۴
۳۲۵۳	۲۷-النمل (۹۳)	
۴۶۸	(۲۷ : ۱)	۵۷، ۱۷۵
۴۶۹	(۲۷ : ۲)	۹۰، ۱۷۵
۴۷۰	(۲۷ : ۶)	۵۴
۴۷۱	(۲۷ : ۱۲۴)	۱۰۷
۴۷۲	(۲۷ : ۴۶)	۱۲۷
۴۷۳	(۲۷ : ۶۰)	۱۰۲، ۱۹۱
۴۷۴	(۲۷ : ۷۷)	۹۰
۴۷۵	(۲۷ : ۸۹)	۱۳۱
۴۷۶	(۲۷ : ۹۰)	۱۳۱
۳۳۴۱	۲۸-القصص (۸۸)	
۴۷۷	(۲۸ : ۲)	۵۷
۴۷۸	(۲۸ : ۵)	۱۸
۴۷۹	(۲۸ : ۶)	۱۸
۴۸۰	(۲۸ : ۳۴)	۶۵
۴۸۱	(۲۸ : ۴۳)	۸۹
۴۸۲	(۲۸ : ۴۷)	۱۲۵
۴۸۳	(۲۸ : ۴۹)	۹۱، ۸۹
۴۸۴	(۲۸ : ۵۴)	۱۲۹

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۴۸۵	(۲۸ : ۵۵)	۲۰۰
۴۸۶	(۲۸ : ۵۸)	۱
۴۸۷	(۲۸ : ۵۹)	۱، ۸۱
۴۸۸	(۲۸ : ۶۷)	۳۳
۴۸۹	(۲۸ : ۶۸)	۳۳، ۱۹۱
۴۹۰	(۲۸ : ۸۴)	۱۲۸
۳۴۱۰	۲۹-العنکبوت (۶۹)	
۴۹۱	(۲۹ : ۶) ۲-۳	۱۴۳، ۱۸۱، ۲۰۱
۴۹۲	(۲۹ : ۱۹)	۲۴
۴۹۳	(۲۹ : ۲۰)	۲۴
۴۹۴	(۲۹ : ۴۶)	۱۵۰
۴۹۵	(۲۹ : ۴۵)	۲۰۷، ۲۰۹، ۲۳۰
۴۹۶	(۲۹ : ۴۹)	۹۴
۴۹۷	(۲۹ : ۵۰)	۹۴
۴۹۸	(۲۹ : ۵۱)	۹۰، ۹۴
۴۹۹	(۲۹ : ۵۲)	۹۴
۵۰۰	(۲۹ : ۶۷)	۲۱۸
۵۰۱	(۲۹ : ۶۹)	۲۴۲
۳۴۷۰	۳۰-الروم (۶۰)	
۵۰۲	(۳۰ : ۹)	۳۹، ۶۶، ۷۶
۵۰۳	(۳۰ : ۲۷)	۲۴
۵۰۴	(۳۰ : ۳۰)	۶۴، ۱۰۰، ۶۱۰
۵۰۵	(۳۰ : ۳۶)	۱۲۷
۵۰۶	(۳۰ : ۴۷)	۱۶۶
۳۵۰۴	۳۱-لقمٰن (۳۴)	
۵۰۷	(۳۱ : ۲)	۵۳
۵۰۸	(۳۱ : ۳)	۹۰
۵۰۹	(۳۱ : ۲۰)	۲۱۴
۵۱۰	(۳۱ : ۳۱)	۲۱۳
۵۱۱	(۳۱ : ۳۴)	۱۶۲
۳۵۳۴	۳۲-السجدة (۳۰)	
۵۱۲	(۳۲ : ۴)	۱۴
۵۱۳	(۳۲ : ۵)	۱۴
۵۱۴	(۳۲ : ۶)	۱۴
۵۱۵	(۳۲ : ۷)	۱۴
۵۱۶	(۳۲ : ۸)	۱۴
۵۱۷	(۳۲ : ۹)	۱۴
۵۱۸	(۳۲ : ۱۳)	۱۹۶
۵۱۹	(۳۲ : ۱۶)	۲۴۶، ۲۶۳

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۵۲۰	(۳۲ : ۲۳)	۸۹
۵۲۱	(۳۲ : ۶۲)	۴
۳۶۰۷	۳۳-الاحزاب (۷۳)	
۵۲۲	(۳۳ : ۹)	۴۲، ۶۶، ۲۰۰
۵۲۳	(۳۳ : ۳۷، ۴۸، ۵۳)	۲۱۹، ۲۳۳
۵۲۴	(۳۳ : ۵۶، ۷۲)	۳۲، ۱۳۲
۳۶۶۱	۳۴-السبا (۵۴)	
۵۲۵	(۳۴ : ۱۷)	۹۶
۵۲۶	(۳۴ : ۲۸)	۲۰۴
۵۲۷	(۳۴ : ۳۹)	۱۰
۳۷۰۶	۳۵-الفاطر (۴۵)	
۵۲۸	(۳۵ : ۱)	۳۲
۵۲۹	(۳۵ : ۳)	۲۱۴
۵۳۰	(۳۵ : ۱۵)	۳۴
۵۳۱	(۳۵ : ۱۶)	۳۴
۵۳۲	(۳۵ : ۱۷)	۳۴
۵۳۳	(۳۵ : ۲۷)	۲۸
۵۳۴	(۳۵ : ۳۶)	۱۳۶
۵۳۵	(۳۵ : ۳۹)	۲۶۵
۵۳۶	(۳۵ : ۴۳)	۱۹۳
۵۳۷	(۳۵ : ۴۴)	۳۹
۳۷۸۹	۳۶-یٰسٓ (۸۳)	
۵۳۸	(۳۶ : ۱)	۵۳
۵۳۹	(۳۶ : ۲)	۵۳
۵۴۰	(۳۶ : ۳)	۵۳
۵۴۱	(۳۶ : ۴)	۵۳
۵۴۲	(۳۶ : ۳۴)	۱۱۵
۵۴۳	(۳۶ : ۳۸)	۲۳
۵۴۴	(۳۶ : ۳۹)	۲۳
۵۴۵	(۳۶ : ۴۰)	۲۳
۵۴۶	(۳۶ : ۶۰)	۲۲۸
۵۴۷	(۳۶ : ۶۱)	۲۲۸
۵۴۸	(۳۶ : ۶۶)	۱۷۳
۵۴۹	(۳۶ : ۶۷)	۱۷۳
۵۵۰	(۳۶ : ۶۹)	۶۴
۵۵۱	(۳۶ : ۷۰)	۶۴
۵۵۲	(۳۶ : ۷۷)	۱۷۴
۵۵۳	(۳۶ : ۷۹)	۳۱
۵۵۴۰	(۳۶ : ۸۰)	۳۱

Marfat.com

شمار	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۳۹۷۱	۳۷-الصّٰفّٰت (۱۸۲)	
۵۵۵	(۱۳۷: ۱۱)	۱۵
۵۵۶	(۱۳۷: ۱۱۴)	۲۴۶
۵۵۷	(۱۳۷: ۱۱۵)	۲۴۶
۵۵۸	(۱۳۷: ۱۱۶)	۲۴۶
۵۵۹	(۱۳۷: ۱۱۷)	۸۹، ۲۴۶
۵۶۰	(۱۳۷: ۱۱۸)	۲۴۶
۵۶۱	(۱۳۷: ۱۱۹)	۲۴۶
۵۶۲	(۱۳۷: ۱۲۰)	۲۴۶
۵۶۳	(۱۳۷: ۱۲۱)	۲۴۶
۵۶۴	(۱۳۷: ۱۲۲)	۲۴۶
۵۶۵	(۱۳۷: ۱۷۱)	۱۶۵
۵۶۶	(۱۳۷: ۱۷۲)	۱۶۵
۵۶۷	(۱۳۷: ۱۷۳)	۱۶۵
۴۰۵۹	۳۸-صٓ (۸۸)	
۵۶۸	(۳۹: ۵)	۲۱
۵۶۹	(۳۸: ۲۶)	۲۳۴
۵۷۰	(۳۸: ۲۹)	۵۹
۵۷۱	(۳۸: ۴۵)	۲۵۸، ۲۶۰
۵۷۲	(۳۸: ۸۲)	۱۹۶
۵۷۳	(۳۸: ۸۳)	۱۹۶
۵۷۴	(۳۸: ۸۴)	۱۹۶
۵۷۵	(۳۸: ۸۵)	۱۹۶
۴۱۳۴	۳۹-الزّمر (۷۵)	
۵۷۶	(۳۹: ۱)	۵۳
۵۷۷	(۳۹: ۲)	۱۷۲
۵۷۸	(۳۹: ۳)، ۵، ۱۷۲، ۲۱	
۵۷۹	(۳۹: ۸)	۲۱۴
۵۸۰	(۳۹: ۱۰)	۱۵۹
۵۸۱	(۳۹: ۱۱)	۱۶۱
۵۸۲	(۳۹: ۱۲)	۱۶۱
۵۸۳	(۳۹: ۱۴)	۱۶۱
۵۸۴	(۳۹: ۲۷)	۵۵، ۱۷۶
۵۸۵	(۳۹: ۲۸)	۱۷۶، ۵۵
۵۸۶	(۳۹: ۴۸)	۱۲۸
۵۸۷	(۳۹: ۴۹)	۱۷۴، ۲۱۳
۵۸۸	(۳۹: ۵۱)	۱۲۸
۵۸۹	(۳۹: ۶۳)	۱۲۹
۵۹۰	(۳۹: ۷۴)	۴۱

شمار	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۴۲۱۹	۴۰-المؤمن (۸۵)	
۵۹۱	(۴۰: ۲)	۵۳
۵۹۲	(۴۰: ۱۴)	۱۹۷
۵۹۳	(۴۰: ۲۱)	۳۹
۵۹۴	(۴۰: ۲۲)	۹۶
۵۹۵	(۴۰: ۵۱)	۱۶۶
۵۹۶	(۴۰: ۵۴)	۸۹
۵۹۷	(۴۰: ۵۷)	۱۵
۵۹۸	(۴۰: ۶۰)	۲۴۸، ۲۵۴
۵۹۹	(۴۰: ۸۲)	۳۹
۴۲۷۳	۴۱-حٰمٓ (۵۴)	
۶۰۰	(۴۱: ۳)	۵۸
۶۰۱	(۴۱: ۱۸)	۱۹۶
۶۰۲	(۴۱: ۳۰)	۱۲۶، ۱۶۵
۶۰۳	(۴۱: ۳۱)	۱۶۵
۶۰۴	(۴۱: ۳۲)	۱۶۵
۶۰۵	(۴۱: ۳۷)	۱۰۷
۶۰۶	(۴۱: ۴۲)	۵۵
۶۰۷	(۴۱: ۴۴)	۹۰
۶۰۸	(۴۱: ۵۱)	۲۱۳
۴۳۲۶	۴۲-الشّوریٰ (۵۳)	
۶۰۹	(۴۲: ۳۰)	۱۲۵
۶۱۰	(۴۲: ۴۸)	۱۲۷
۶۱۱	(۴۲: ۵۱)	۱۹۱
۶۱۲	(۴۲: ۵۲)	۲۲۷
۴۴۱۵	۴۳-الزّخرف (۸۹)	
۶۱۳	(۴۳: ۲)	۵۷، ۶۰
۶۱۴	(۴۳: ۳)	۶۰، ۶۶، ۷۷
۶۱۵	(۴۳: ۴)	۶۰، ۷۷
۶۱۶	(۴۳: ۵)	۶۰، ۷۷
۶۱۷	(۴۳: ۴۳)	۲۳۶
۶۱۸	(۴۳: ۵۹)	۲۲۱، ۲۲۲
۶۱۹	(۴۳: ۶۰)	۱۰، ۱۶
۶۲۰	(۴۳: ۶۱)	۲۳۶
۶۲۱	(۴۳: ۶۳)	۲۳۵
۶۲۲	(۴۳: ۶۴)	۲۳۵
۶۲۳	(۴۳: ۶۵)	۲۳۵
۴۴۷۴	۴۴-الدّخان (۵۹)	

شمار	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۶۲۴	(۴۴: ۲)	۵۷
۶۲۵	(۴۴: ۲۵)	۱۳، ۲۱۶
۶۲۶	(۴۴: ۲۶)	۱۱۶، ۲۱۶
۶۲۷	(۴۴: ۲۷)	۱۱۶، ۲۱۶
۶۲۸	(۴۴: ۲۸)	۱۱۶
۶۲۹	(۴۴: ۵۸)	۵۷، ۶۶
۴۵۱۱	۴۵-الجاثیۃ (۳۷)	
۶۳۰	(۴۵: ۲)	۵۳
۶۳۱	(۴۵: ۲۰)	۵۸، ۹۰
۴۵۴۶	۴۶-الاحقاف (۳۵)	
۶۳۲	(۴۶: ۲)	۵۳
۶۳۳	(۴۶: ۱۲)	۸۹، ۹۰
۶۳۴	(۴۶: ۱۵)	۲۱۳
۶۳۵	(۴۶: ۳۵)	۸، ۱۸
۴۵۸۴	۴۷-محمّد (۳۸)	
۶۳۶	(۴۷: ۳۳)	۱۱۸
۶۳۷	(۴۷: ۳۸)	۱۰، ۱۸۱
۴۶۱۳	۴۸-الفتح (۲۹)	
۶۳۸	(۴۸: ۱)	۲۴۲
۶۳۹	(۴۸: ۲)	۲۱۷، ۲۴۲
۶۴۰	(۴۸: ۲۰)	۲۳۳
۶۴۱	(۴۸: ۲۷)	۱۸۴
۶۴۲	(۴۸: ۲۸)	۱۸۴
۶۴۳	(۴۸: ۲۹)	۱۶۸
۴۶۳۱	۴۹-الحجرات (۱۸)	
۶۴۳	(۴۹: ۱۰)	۱۶۰، ۶۷
۶۴۴	(۴۹: ۱۲)	۷۵
۶۴۵	(۴۹: ۱۳)	۱۶۰، ۲۳۷
۶۴۶	(۴۹: ۱۵)	۱۱۵
۴۶۷۶	۵۰-قٓ (۴۵)	
۶۴۷	(۵۰: ۹)	۱۱۵
۶۴۸	(۵۰: ۳۸)	۲۵
۴۷۳۶	۵۱-الذّٰریٰت (۶۰)	
۶۴۹	(۵۱: ۵۶)	۱۱۸
۶۵۰	(۵۱: ۵۷)	۱۱۸

Marfat.com

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۴۷۸۵	۵۲-الطور (۴۹)	
۶۵۱	(۵۲:۲۹)	۸۵
۶۵۲	(۵۲:۳۰)	۷۱، ۸۵
۶۵۳	(۵۲:۳۱)	۸۵
۶۵۴	(۵۲:۳۳)	۷۱
۶۵۵	(۵۲:۳۴)	۷۱
۴۸۴۷	۵۳-النجم (۶۲)	
۶۵۶	(۵۳:۱)	۲۰
۶۵۷	(۵۳:۲)	۲۰
۶۵۸	(۵۳:۳)	۲۰
۶۵۹	(۵۳:۴)	۲۰
۶۶۰	(۵۳:۵)	۲۰
۶۶۱	(۵۳:۶)	۲۰
۶۶۲	(۵۳:۷)	۲۰
۶۶۳	(۵۳:۸)	۲۰
۶۶۴	(۵۳:۹)	۲۰
۶۶۵	(۵۳:۱۰)	۲۰
۶۶۶	(۵۳:۱۱)	۲۰
۶۶۷	(۵۳:۱۲)	۲۰
۶۶۸	(۵۳:۲۳)	۸۲، ۸۴
۶۶۹	(۵۳:۲۸)	۸۷
۶۷۰	(۵۳:۲۹)	۸۷
۶۷۱	(۵۳:۳۰)	۸۷
۶۷۲	(۵۳:۳۱)	۸۷
۶۷۳	(۵۳:۳۹)	۱۲
۶۷۴	(۵۳:۶۲)	۱۰۷
۴۹۰۲	۵۴-القمر (۵۵)	
۶۷۵	(۵۴:۱۷)	۵۷
۶۷۶	(۵۴:۲۲)	۵۷
۶۷۷	(۵۴:۲۶)	۱۶۲
۶۷۸	(۵۴:۳۴)	۲۱۲
۶۷۹	(۵۴:۳۵)	۲۱۲
۶۸۰	(۵۴:۴۰)	۵۷
۴۹۸۰	۵۵-الرحمٰن (۷۸)	
۶۸۱	(۵۵:۶)	۱۰۷
۶۸۲	(۵۵:۱۴)	۱۵
۶۸۳	(۵۵:۲۹)	۲۴
۶۸۴	(۵۵:۵۶)	۵۲
۶۸۵	(۵۵:۷۰)	۱۳۶

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۶۸۶	(۵۵:۷۴)	۵۲
۵۰۷۶	۵۶-الواقعة (۹۶)	
۶۸۷	(۵۶:۱)	۸۴
۶۸۸	(۵۶:۲)	۸۴
۶۸۹	(۵۶:۳)	۸۴
۶۹۰	(۵۶:۲۳)	۵۱
۶۹۱	(۵۶:۷۵)	۵۱
۶۹۲	(۵۶:۷۶)	۵۱
۶۹۳	(۵۶:۷۷)	۵۱، ۱۹۹
۶۹۴	(۵۶:۷۸)	۵۱، ۱۹۹
۶۹۵	(۵۶:۷۹)	۵۰، ۵۱، ۵۲، ۱۹۹
۶۹۶	(۵۶:۸۰)	۵۱، ۱۹۹
۶۹۷	(۵۶:۸۱)	۵۱
۶۹۸	(۵۶:۸۲)	۵۱
۶۹۹	(۵۶:۸۳)	۵۱
۷۰۰	(۵۶:۸۴)	۵۱
۷۰۱	(۵۶:۸۵)	۵۱
۵۱۰۵	۵۷-الحدید (۲۹)	
۷۰۲	(۵۷:۷)	۹
۷۰۳	(۵۷:۱۱)	۱۳۷
۷۰۴	(۵۷:۱۲)	۲۷۱
۷۰۵	(۵۷:۱۸)	۱۸۰
۷۰۶	(۵۷:۲۲)	۱۲۵
۷۰۷	(۵۷:۲۳)	۱۲۵
۵۱۲۷	۵۸-المجادلة (۲۲)	
۷۰۸	(۵۸:۷)	۱۴۸
۷۰۹	(۵۸:۲۲)	۱۰۴، ۱۷۹
۵۱۵۱	۵۹-الحشر (۲۴)	
۷۱۰	(۵۹:۲)	۱۵۵
۷۱۱	(۵۹:۱۳)	۱۶۳
۷۱۲	(۵۹:۱۴)	۱۶۳
۷۱۳	(۵۹:۱۸)	۱۶۲
۷۱۴	(۵۹:۲۳)	۱۲۲
۷۱۵	(۵۹:۲۴)	۱۲۲
۵۱۶۴	۶۰-الممتحنة (۱۳)	
۵۱۸۸	۶۱-الصف (۲۴)	
۷۱۶	(۶۱:۴)	۱۲۸

شمارہ	شمارہ آیت مع سورۃ	صفحہ کتاب
۷۱۷	(۶۱:۸)	۱۸۴، ۲۷۱
۷۱۸	(۶۱:۹)	۱۸۲، ۲۶۰
۷۱۹	(۶۱:۱۰)	۱۸۲
۷۲۰	(۶۱:۱۱)	۱۸۲
۷۲۱	(۶۱:۱۲)	۱۸۲
۷۲۲	(۶۱:۱۳)	۱۸۲
۵۱۹۹	۶۲-الجمعة (۱۱)	
۷۲۳	(۶۲:۲)	۵۴
۵۲۱۰	۶۳-المنٰفقین (۱۱)	
۷۲۴	(۶۳:۷)	۱۴۱
۵۲۲۸	۶۴-التغابن (۱۸)	
۷۲۵	(۶۴:۱۱)	۱۲۶
۷۲۶	(۶۴:۱۷)	۱۳۷
۵۲۴۰	۶۵-الطلاق (۱۲)	
۵۲۵۲	۶۶-التحریم (۱۲)	
۷۲۷	(۶۶:۸)	۲۷۱
۷۲۸	(۶۶:۱۲)	۲۲۲
۵۲۸۲	۶۷-الملک (۳۰)	
۷۲۹	(۶۷:۲)	۲۶
۷۳۰	(۶۷:۱۵)	۲۹
۵۳۳۴	۶۸-القلم (۵۲)	
۷۳۱	(۶۸:۲)	۲۱۸
۷۳۲	(۶۸:۴۹)	۲۱۲
۵۳۸۶	۶۹-الحاقة (۵۲)	
۷۳۳	(۶۹:۴۱)	۷۲
۷۳۴	(۶۹:۴۲)	۷۲
۷۳۵	(۶۹:۴۳)	۷۲
۵۴۳۰	۷۰-المعارج (۴۴)	
۷۳۶	(۷۰:۴)	۱۶
۷۳۷	(۷۰:۱۹)	۲۵۲
۷۳۸	(۷۰:۲۰)	۲۵۲
۷۳۹	(۷۰:۲۱)	۲۵۲
۷۴۰	(۷۰:۲۲)	۲۵۲
۷۴۱	(۷۰:۲۳)	۲۵۲

Marfat.com

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۵۴۵۸	۷۱-نوحؑ (۲۸)	
۷۴۲	(۷۱: ۱۳)	۱۷
۷۴۳	(۷۱: ۱۴)	۱۷
۷۴۴	(۷۱: ۱۷)	۱۷
۵۴۸۶	۷۲-الجنّ (۲۸)	
۵۵۰۶	۷۳-المزّمّل (۲۰)	
۷۴۵	(۷۳: ۴)	۷۳
۷۴۶	(۷۳: ۲۰)	۱۳۸
۵۵۶۴	۷۴-المدّثّر (۵۶)	
۷۴۷	(۷۴: ۳)	۲۰۶
۷۴۸	(۷۴: ۴)	۲۰۶
۷۴۹	(۷۴: ۵)	۲۰۶
۵۶۰۲	۷۵-القیٰمة (۴۰)	
۵۶۳۳	۷۶-الدّھر (۳۱)	
۵۶۸۳	۷۷-المرسلٰت (۵۰)	
۷۵۰	(۷۷: ۴۸)	۱۰۸
۷۵۱	(۷۷: ۴۹)	۱۰۸
۵۷۲۳	۷۸-النّبا (۴۰)	
۵۷۶۹	۷۹-النّٰزعٰت (۴۶)	
۵۸۱۱	۸۰-عبس (۴۲)	
۵۸۴۰	۸۱-التّکویر (۲۹)	
۵۸۵۹	۸۲-الانفطار (۱۹)	
۵۸۹۵	۸۳-التّطفیف (۳۶)	
۵۹۲۰	۸۴-الانشقاق (۲۵)	
۵۹۴۲	۸۵-البروج (۲۲)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۵۹۵۹	۸۶-الطّارق (۱۷)	
۵۹۷۸	۸۷-الاعلیٰ (۱۹)	
۶۰۰۴	۸۸-الغاشیة (۲۶)	
۶۰۳۴	۸۹-الفجر (۳۰)	
۶۰۵۴	۹۰-البلد (۲۰)	
۶۰۶۹	۹۱-الشّمس (۱۵)	
۶۰۹۰	۹۲-الّیل (۲۱)	
۷۵۲	(۹۲: ۱۹)	۲۱۸
۷۵۳	(۹۲: ۲۰)	۲۱۸
۶۱۰۱	۹۳-الضّحیٰ (۱۱)	
۷۵۴	(۹۳: ۱۱)	۲۱۸
۶۱۰۹	۹۴-الانشراح (۸)	
۶۱۱۷	۹۵-التّین (۸)	
۷۵۵	(۹۵: ۴)	۱۲
۷۵۶	(۹۵: ۵)	۱۲
۶۱۳۶	۹۶-العلق (۱۹)	
۷۵۷	(۹۶: ۴)	۱۷۵
۷۵۸	(۹۶: ۵)	۱۷۵
۷۵۹	(۹۶: ۶)	۱۷۵
۷۶۰	(۹۶: ۷)	۱۷۵
۷۶۱	(۹۶: ۸)	۱۷۵
۶۱۴۱	۹۷-القدر (۵)	
۶۱۴۹	۹۸-البیّنة (۸)	
۶۱۵۷	۹۹-الزّلزال (۸)	
۶۱۶۸	۱۰۰-العٰدیٰت (۱۱)	

شمارہ	شمارہ آیت مع سورہ	صفحہ کتاب
۶۱۷۹	۱۰۱-القارعة (۱۱)	
۶۱۸۷	۱۰۲-التّکاثر (۸)	
۶۱۹۰	۱۰۳-العصر (۳)	
۶۱۹۹	۱۰۴-الھمزة (۹)	
۶۲۰۴	۱۰۵-الفیل (۵)	
۶۲۰۸	۱۰۶-القریش (۴)	
۶۲۱۵	۱۰۷-الماعون (۷)	
۷۶۲	(۱۰۷: ۴)	۲۵۲
۷۶۳	(۱۰۷: ۵)	۲۵۲
۷۶۴	(۱۰۷: ۶)	۲۵۲
۷۶۵	(۱۰۷: ۷)	۲۵۲
۶۲۱۸	۱۰۸-الکوثر (۳)	
۶۲۲۴	۱۰۹-الکٰفرون (۶)	
۷۶۶	(۱۰۹: ۶)	۱۶۱
۶۲۲۷	۱۱۰-النّصر (۳)	
۷۶۷	(۱۱۰: ۱)	۱۶۱
۷۶۸	(۱۱۰: ۲)	۱۶۱
۷۶۹	(۱۱۰: ۳)	۱۶۱
۶۲۳۲	۱۱۱-اللّھب (۵)	
۶۲۳۶	۱۱۲-الاخلاص (۴)	
۶۲۴۱	۱۱۳-الفلق (۵)	
۶۲۴۷	۱۱۴-النّاس (۶)	

تمت بالخیر

قرآن حکیم کی کل آیات کی تعداد ۶۲۴۷ ہے جن میں سے متذکرہ صدر حساب کم و بیش ۶۹، مکمل یا پارہ ہائے آیات کی تشریح (گویا تخمیناً قرآن کا آٹھواں حصہ پہلی جلد میں آچکا ہے۔ عربی افتتاحیہ میں علیٰ بنا القیاس قریباً ۹۲۶ آیات آچکی ہیں گویا اس حصۂ کتاب میں بھی کتاب الٰہی کے ساتویں حصے کی تشریح ہو گئی ہے۔

Marfat.com

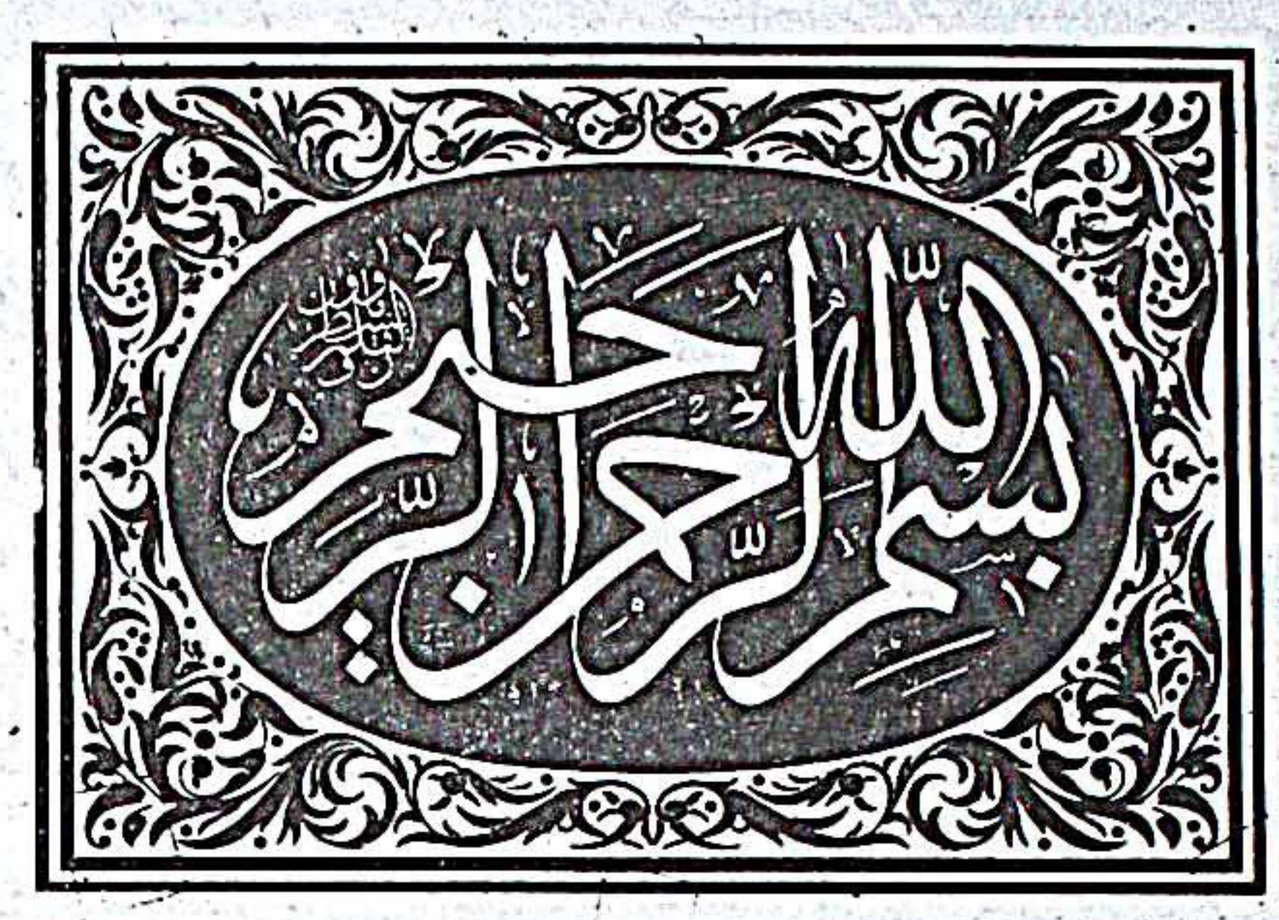

تذکرہ

مقدمہ کتاب ماہیّتِ

ایمان و حکمتِ عبادات وغیرہ

التذکرہ پبلیکیشنز
الشرقی ہاؤس ۳۴ وحدت روڈ اچھرہ لاہور فون ۷۴۱۲۲۸

Marfat.com

تہدیہ بحضور خدائے عزوجل

1342ھ میں تذکرہ کی پہلی جلد' چودھویں صدی کے وسط یعنی 1350ھ میں خاکسار تحریک اور اب 1370ھ میں حریم غیب' دہ الباب' حدیث القرآن' اور ارمغان حکیم کی دکھ میں لکھی ہوئے تصنیفیں شعرو نثر میں بہ حکم خاتم النبین رسول صلعم پیش کر رہا ہوں تاکہ

بنی نوع انسان کی تاریخ میں پہلی دفعہ

قرآن حکیم اور پیدائش کائنات کا آخری مقصد عیاں ہو جائے۔

تیری درگاہ سے قبولیت کی نئی امید ہے تاکہ بھٹکی ہوئی دنیا راہ راست پر آجائے۔ آمین

مقام شکر ہے کہ تیس برس کے بعد مغرب کے مشاہیر مستشرقین نے

میرے تذکرہ کی صرف پہلی جلد کو دیکھ کر اعلان کر دیا ہے کہ "اس اسلام میں جو میں نے پیش کیا ہے' تعمیر اقوام کا انتہائی طور پر کامیاب اور عالم آرا لائحہ عمل موجود ہے اور یہ اسلام بالفاظ دیگر الٰہی اصلاح مدن کا حکمی اور بے خطا مرقع ہے"۔ ان کی نگاہوں میں "تذکرہ چودہ سو برس کی اسلامی تحریروں کے بنجر میں واحد نخلستان ہے"۔ وغیرہ وغیرہ الحمدللہ علی ذلک

اب مغرب کے عالمان فطرت جوق در جوق میرے بتائے ہوئے

مقصد پیدائش کائنات پر جمع ہو رہے ہیں تاکہ انسانی ارتقاء کی راہ کھلے - بار الٰہا مدد کر۔

2 جمادی الاول 1374ھ مطابق 28 دسمبر 1954ء

عنایت اللہ خان المشرقیؒ

Marfat.com

پیش لفظ

چودھویں صدی ہجری کے اختتام اور پندرھویں صدی ہجری کے آغاز پر "تذکرہ" (حضرت علامہ محمدؐ عنایت اللہ خان المشرقیؒ) کی موجودہ اشاعت اس نقطۂ نظر اور مصمم ارادہ کے ساتھ شروع کی جا رہی ہے کہ مطبوعہ "تذکرہ" کی اشاعت کے بعد اس کے غیر مطبوعہ حصوں کو بھی منظر عام پر لایا جائے۔ اور دریا کو کوزے کے اندر بند کر کے سب کو مزید تشنہ لب نہ رکھا جائے۔ جلد اول "تذکرہ" کے یہ حصے آپ کے ہاتھوں میں اسی مقصد کے حصول کی جانب پہلا قدم کے طور پر ہیں۔ جلد اول کے ان چار حصوں کو دو جلدوں میں تقسیم (یعنی دیباچہ مع افتتاحیہ اور مقدمہ مع کتاب تذکرہ) کر دیا ہے اور ان جلدوں کو اول اور دوئم کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ جبکہ مطبوعہ جلد دوئم کو بطور جلد سوئم شائع کیا جائے گا۔ اور اس کے بعد تذکرہ کے غیر مطبوعہ حصوں کی اشاعت شروع کی جائے گی۔ جن کے مسودات ادارہ کے پاس محفوظ ہیں۔ تذکرہ کے ان حصوں کی اشاعت تذکرہ کے قاری کو چونکا دے گی کیونکہ کتاب کے یہ حصے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ اور قرآن حکیم کی تعلیمات کے مکمل لب و لباب کو بیان کرتے ہیں۔

"تذکرہ" کے ان حصوں کی اشاعت کے لیے کچھ مدت درکار ہے۔ جہاں عوام نے 74 برس تک انتظار کیا اب کچھ مدت اور انتظار کر کے دعا گو رہیں کہ ہم اس مشن میں کامیابی اور کامرانی سے ہم کنار ہو کر یونہی ملک و ملت اور خصوصاً مسلمانان عالم کی خدمت سر انجام دیتے رہیں اور اپنے قیام کے مقصد کے حصول (کہ مسلمانان عالم کو بہترین' جامع مستند اور نفع بخش ادب سے متعارف کرایا جائے) میں لگے رہیں۔

آج تذکرہ کی یہ اشاعت شروع کر کے ہم کسی حد تک ان فرائض سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں جو ہم پر عائد ہوتے ہیں۔ ملت اسلامیہ کو اپنے عائد فرائض سے عہد برآ ہوتے رہنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ کیا عجب کہ مسلمانان عالم اس عظیم الشان زمینی صحیفہ میں دیئے گئے عروج اور بیداری کے غیر مختتم درس کو حاصل کر کے اسلام کی ڈانواں ڈول کشتی کو پار لگانے کا سوچیں۔ گو ایٹم بم اور جدید ٹیکنالوجی کے اس زمانے میں کند تلواروں اور پیٹ پر پتھر باندھنے کے ہتھیاروں سے غلبہ حاصل کرنے کی امید رکھنا باؤلا پن ہے لیکن لوہے کے ہتھیاروں کے ساتھ ساتھ ایمان اور یقین' عزم اور ارادہ اتحاد اور ولولے کے ہتھیار ہمیشہ بدرجہا زیادہ کار آمد رہے ہیں۔ جن کے ذریعے سے کمزور لازماً" ابھرتا رہا ہے۔ اور کچھ عجب نہیں آج بھی مسلمانوں کا کوئی گروہ کسی جگہ پوری تیاری کے ساتھ ساتھ ان دل اور جگر کے ہتھیاروں کے ساتھ ہی ابھرے۔ اور دنیا کو پھر حیران کر دے"

فطرت

آ قوموں کی میں کہ دوں تقدیر کی منطق کیا
فطرت کی سمجھ جتنی قوم اتنی ہی زور آور
ہر شے بہ جز انسان کو بتلا دی ہے راہ اپنی
آدم کے لئے فطرت ہر علم کا ہے مصدر

حمید الدین المشرقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج ایک مدت کے بعد حضرت علامہ المشرقیؒ کے پیغام کی از سر نو صحیح، بہترین اور جامع خطوط پر وسیع اشاعت میرے لیے انتہائی خوشی کا باعث ہے۔

آج اس پیغام کی دوبارہ اشاعت پر میں خود میں ایک بے پناہ توانائی محسوس کر رہی ہوں۔ اس بے پناہ توانائی نے میری کمزوریوں اور کمزور ہونے کے مسلسل احساس کو یکلخت ختم کر کے مجھے طاقتور بنا دیا ہے۔

علامہ صاحب کی وفات کے بعد ان کے پیغام کا قوم تک صحیح طریقہ سے نہ پہنچنے سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا۔ درمیان میں جو جنریشن گیپ GAP GENERATION (جسکا پر ہونا ناممکن ہوتا ہے) آنے والا تھا۔ التذکرہ پبلی کیشنز جیسے فعال ادارہ کے قیام سے یہ خطرہ کافی حد تک ٹل گیا ہے۔

ایسے کٹھن وقت میں اس ادارہ کا قیام درحقیقت ایک جہاد کا سا نصب العین رکھتا ہے۔ ادارہ نے جس ذمہ داری سے اس کام کو سنبھالا ہے وہ قابل تعریف ہے۔ اس ضمن میں میں ادارہ کی جانب سے تمام اقدامات پر مطمئن ہوں۔

میں ان کے لیے دعا گو ہوں کہ یہ اپنے عظیم مقصد کے حصول میں کامیابی سے ہمکنار ہوں۔ اور ایک بار پھر اس پیغام کی وسیع اشاعت کے ذریعے مسلمانان عالم میں عمل کی بے پناہ لہر موجزن کر دیں۔

بیگم سعیدہ علامہ المشرقی

مورخہ: 30 ستمبر

جلد دوم

مقدمہ کتاب ماہیت ایمان و حکمت عبادات وغیرہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ؕ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ (۱۸ : ۱-۲)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِیْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰی حَتّٰی یَبْعَثَ فِیْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِی الْقُرٰٓی اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۝ (۲۸ : ۵۸-۵۹)

مسلمانانِ عالم گذشتہ دو صدیوں سے ایک مسلسل انحطاط کے گرداب میں مبتلا ہیں۔ اِس تنزّل کی سُرعت، اور ہبوط کی تیز رفتاری جس قدر خوفناک ہے اُسی قدر وہ عام جمود اور فقدانِ حسّ دردانگیز ہے جو مسلمانوں کے کامل طمانینت اور سکونِ دل کے ساتھ قطعی ہلاکت، اور یقینی موت کی طرف لیجا رہا ہے۔ ملّت کے ہر فرد میں وہ قوائے ظاہری و باطنی جو تمدّن کی جان، اور عمران کی رُوحِ رواں ہیں مفقود ہو چکے ہیں۔ وہ جذباتِ آہنی جن کی زَد بنیادِ اقوام کو کپکپا دیتی ہے نرم پڑ چکے ہیں۔ قوم کا ایک ایک متنفّس انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے بیکار ہو گیا ہے۔ حسیاتِ دینی کا اہم اور مفید تر حصہ زائل، اور امتیازاتِ دنیوی کی تحصیل میں مُسلمانوں کا تعطّل

Marfat.com

ضرب المثل ہو گیا ہے۔ قوّتِ ارادی اور قدرتِ اقدامِ عمل، تنظیمِ جماعت اور تقسیمِ کار، قوائے عاملہ کا استحاد و تمرکز، استقلال اور استمدادِ باہمی کا دستورِ العمل، مطاوعت و انقیاد کا جذبۂ مشترک، اور سیادت و قیادت کا ملکۂ سلیم، جن کے التزام کے بغیر اقوام کیا افراد بھی چھوٹے سے چھوٹا کام پایۂ تکمیل کو نہیں پونہچا سکتے، محض چند مُہمل کلمات رہ گئے ہیں جو حقیقت سے بے بہرہ، اور معانی سے ناآشنا ہیں۔ اِس حالت میں تعجب نہیں اگر حصولِ مُراد کی ہر کوشش میں مسلمانوں کو بالآخر ناکامی کا سامنا ہوتا ہو، ہر تدبیر جو وہ اپنی بہتری کی اُمید میں عمل میں لائیں نامُرادی سے بدل جاتی ہو، ذہنی انتشار، اور جماعتی تفریق و انشتات کا ہولناک عفریت اُن کی قوّتِ عمل کو بے اثر کر دیتا ہو، اور حرماں نصیبی ان کے کمزور اخلاق پر غلبہ پاکر اُن کے جذبۂ ایمان کو کچل دیتی ہو۔

مَیں ایک مُدّت سے اِس دردناک نظّارے کو باکراہِ تمام دیکھ رہا ہوں۔ گذشتہ ستو سال کے تاریخی شواہد، اور سیاسی نامۂ اعمال کی روحِ فرسا سرگذشت نے ثابت کر دیا ہے کہ اُمّتِ حاضرہ اب اخلاقی تنزّل کے اُن انتہائی مدارج تک پونہچ چکی ہے جہاں اُن کا کوئی فعل، کوئی طریقِ عمل، روئے زمین کے کسی حصّے پر صلاحیت سے تکمیل کو نہیں پونہچتا۔ اگر نظامِ عمل کے عام فقدان کے باوجود، بالفرض کسی فرد یا جماعت کو ایک طریق کار کی طرف جانے کی توفیق عطا ہوئی ہے تو پیشتر اِسکے کہ کوئی مفید نتیجہ نکلے، مخالف اثرات اور تشتّت کے ہلاکت آفرین جراثیم نے اُس جماعت کی انتظامی قوّت کو اندر ہی اندر سلب کر دیا ہے! قوم کی ہر تحریک کی طرف دیکھو یہی حال ہے۔ گذشتہ قرن کے اندر ترکوں کی سب سے اہم ملکی تحریک، جو ایک نقطۂ نظر سے منظّم، اور یک مقتدر وزیرِ اعظم (مدحت پاشا) کے سیاسی تخیّل کا نتیجہ تھی، دستوری حکومت کے اصول کی سنّی سالہ تبلیغ، اور بالآخر اس کا انعقاد ہے۔ مگر یہ ایک کھُلی حقیقت ہے کہ انجمنِ اتحاد و ترقی، چند لمحوں کے لیئے بھی، یورپ کی اِس عجیب و غریب صنعت کی 'حسناتِ جاریہ' اور 'برکاتِ لامتناہیہ' سے بہرہ اندوز نہ ہو سکی، اور ترکوں کی سلطنت کے لیئے اِس کارسی نفاذ بالآخر اعلانِ شکست ثابت ہوا!

Marfat.com

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولا برق خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

تاریخ کے صفحاتِ خونیں کو اور اُلٹ دیجئے، یہی رنگ نظر آئے گا۔ سوڈان میں مہدی کا ہولناک خروج، مصر میں محمد عبدہٗ کی نیم سیاسی تبلیغ، ہندوستان میں ہنگامۂ غدر، جنگ بلقان کا المناک حشر، ایران میں مجلس شورٰے کا انعقاد وغیرہ وغیرہ، سب کے سب اہم اور ہمہ گیر انقلابات تھے، لیکن اگر بہ امعانِ نظر اُن کے سقوط کے اصلی اسباب کی چھان بین کی جائے تو ہر نامرادی اور فساد کی تہ میں عدم نظامِ عمل اور وسائل کی یاس انگیز کمی، استقلال کا فقدان اور ذہنی طوائف الملوکی، جدوجہد کا تشتت اور غلط اندازۂ کار، آرا کا ہولناک تفرقہ اور قوتوں کا المناک انتشار، ایک ہلاکت آفرین معجون کی صورت میں نظر آئے گا۔ کم و بیش یہی صورت قوم کے ادنےٰ مشاغل کی ہے۔ کوئی ملکی تحریک یا مقامی تجویز، اجتماعی انجمن یا سیاسی مجلس، خیراتی مصرف یا تجارتی شرکت، علمی مشغلہ یا انتظامی سلسلہ، ایسا نہیں جو مسلمانوں کی مختصر پسندانہ کارفرمائی سے ایک اقلِ قلیل مدت میں کالعدم نہ ہو گیا ہو!

ہمچوں سپند پیشِ تو اے مختصر پسند!
در نالہ تمام کنم ماجرائے دل

مگر فی الحقیقت جو حوادث دنیائے اسلام پر اس چودھویں صدی کے آغاز میں رونما ہو رہے ہیں اُن کی مثال اسلام کی گذشتہ ہزار سالہ تاریخ کا تاریک سے تاریک صفحہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بالآخر صدیوں کی مُزمن بیماری نے مریض کے ہر عضو کو مضمحل، اور ہر جوڑ کو درد آمود کر دیا ہے؛ اعضا کی پیہم شکست، اور طاقت کے مسلسل زوال نے دفعۃً خوفناک علامات پیدا کر دی ہیں؛ دل، دماغ، اور جگر، سب کے سب مرض کی لپیٹ میں آچکے ہیں؛ سلامتی اور بقا کی چند آخری گھڑیاں ہلاکت اور فنا کے مہیب دیو سے قطعی اور فیصلہ کن مجادلہ کرنے کو ہیں؛ حیاتِ مستعار کے چند عارضی لمحات عدم کی بیکران ازلیت اور ابدیت کے محیط میں پیوست ہونے کو ہیں! اگر معیشت

Marfat.com

اور ممات کی یہ اندوہناک کشمکش فی الحقیقت کذب اور یقین، فساد اور امن، باطل اور حق کی آخری آویزش ہے تو فیصلہ اٹل ہے: **فنا** کی لازوال حقیقت کے سامنے کسی باطل اور فاسد ہستی کی کچھ وقعت نہیں، وہ مٹ کر رہے گی، اور تمام کوششیں جو اسکو فروغ دینے کے لیئے اس اخیر وقت میں کی جائیں گی بیکار ثابت ہوں گی۔ لیکن اگر اسلام سراپا **حقانیت** ہے، مجسمۂ **صدق** اور سرچشمۂ **حقیقت** ہے، شارع قدرت کی عالمگیر سُنّتوں میں سے ایک **سُنّت** ہے، تو فطرت کا عدل اور تسویہ اس امر کا مجاز ہو نہیں سکتا کہ ایک حقیقت کے نفوذ و اجرا کے ضمن میں دوسری حقیقت قربان کر دی جائے، یا کائناتِ فطرت کی اپنی طاقتیں ہی ایک دوسری کی تخریب و تعدیم پر آمادہ ہو جائیں!

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا† لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ق وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۰ : ۳۰)

دینِ اسلام خدا کی بنائی ہوئی وہ فطرت ہے جس پر اُسنے تمام انسانوں کو پیدا کیا، اس سے کسی فرد کو مفر نہیں، اور خدا ساز فطرت میں کسی ردّ و بدل کا امکان نہیں۔ دنیا کو نباہنے کا یہی صحیح اسلوب عمل اور صراطِ مستقیم ہے، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۝ (۳۳ : ۶۲)

اور تو قانونِ خدا میں کوئی ردّ و بدل ہرگز نہیں پائے گا۔

اِس قطعی استدلال کی بنا پر میرا ایمان ہے کہ قانونِ فطرت کی کوئی مُضِر حقیقت اسلام کو فنا نہیں کر سکتی؛ مُسلمانانِ عالم کا روئے زمین پر بالآخر بطور ایک غالب عنصر کے رہنا لابُدی ہے؛ اور جب تک زمین و آسمان اور کُل کائنات موجود ہے یہ صورت قائم ہو کر رہے گی۔ اگر موجِ حوادث کے تلاطم اور واقعات کی شکر انگیزی نے بظاہر اس کُلّیے سے انحراف پیدا کر دیا ہے تو وہ استثنائی اور عارضی ہے، اسکی حقیقت سوا اِسکے نہیں کہ مخالف ا

---

† دین اسلام کے متعلق قرآن کا دعوٰے ہے: فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا، یعنی یہ کہ تمام ساکنانِ زمین کو اسی پر مجبول کر دیا ہے، اور یہی اُن کی فطرت ہے! یہ ایک بڑے اور حیرت انگیز دعوے کا اعلان ہے جسکو دو اور دو چار کی طرح عیاں کر دینا ہر مُسلمان کا فرض ہے۔ صرف کہہ دینے سے کوئی شخص اِسکو مان نہیں سکتا۔ یوں تو اس دعوے کے صحیح مفہوم کو سرسری نظر سے پا لینا بھی از بس مشکل ہے۔ اور اسی لیئے کہا گیا ہے کہ اکثر لوگ اس حقیقتِ کبرٰے کا علم نہیں رکھتے۔ بہرنوع یہی نکتہ اس کتاب کے طول و عرض میں پیشِ نظر ہے۔ اگرچہ نتائج اخیر پر جا کر مترتب ہوں گے۔

Marfat.com

اثرات کے دباؤ نے ایک غیر مانوس صورت نمایاں کردی ہے جو ہٹ کر رہے گی! دین اسلام کے عالم آرا تعمیری† فلسفے کا یہی وہ بنیادی پتھر ہے جس نے اُس کے قیام و استحکام کا ذمّہ ابتدائے آفرینش سے لیا، اور جو آج تیرہ سو سال کے مصائب و نوائب ہائلہ کے باوجود اِسکی حیات کو قطعی، اور اسکے قانون کو ازلی اور ابدی قرار دیتا ہے۔ صانع قدرت نے اِس اصلیّت کا انکشاف فطرت کے ہر اصول اور ہر طرزِ عمل میں کیا ہے؛ جب تک صداقت صداقت ہے، اُس کا غلبہ، جہاں کہیں وہ ہو، یا جس پیرایہ میں ظاہر ہو، ناگزیر اور اٹل ہے۔ اگر دنیا میں کذب و ریا، مکر و تلبیس، ظلم و خدع کے لاانتہا فساد انگیز اثرات کے باوجود فطرت کے اصول قائم، اور قانونِ خدا کی حکومت مُسلّط ہے تو اس کا اصلی راز یہی ہے؛ اگر ہوا و ہوس کی چند روزہ گرم بازاری، اور خواہشاتِ سفلی کی عارضی رَواروی کے باوجود سطحِ زمین ابتک بحیثیت مجموعی جادۂ اعتدال سے منحرف نہیں ہوئی تو اس کا حقیقی باعث یہی ہے۔ باطل اور فاسد ہستی کے تصادم کا ایک مستقل حقیقت پر اثر بعینہٖ مثل اُس پتھر کے نقش کے ہے جو ایک اتھاہ سمندر کی سطح پر پھینکنے سے خفیف تموج تو چند لمحوں کے لیئے پیدا کر دیتا ہے، مگر اپنی ہستی کو ابدالآباد کے لیئے کالعدم کر دیتا ہے!

فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا

اسلام کا زورِ اثر آج اگر اِس قلیل مُدّت کے بعد، فی الحقیقت نابود ہو گیا ہے تو دو صورتیں ہیں: کائناتِ قدرت کا مسئلۂ قیام نیز ختم ہے؛ فطرت کی عظیم الشان تعمیر کا نظم و نسق بھی اپنی بُنیاد سے ہٹ چکا ہے؛ کیفیات کے طلوع و غروب کی عمر بھی پوری ہونے کو ہے؛ اجسام کا جذب و اتّصال، اجزا کا مزج و خلط، احوال کی مداولت، آثار کا حلول، تراکیب کا قدر و عمل، یہ سب کچھ بھی اپنی اپنی مہلت پاکر رخصت ہو رہے ہیں اور بالآخر معمول فطرت کے اِس حیرت انگیز استیلائے اثر کے بعد، زوالِ عالم کی منزل قریب ہے! اور اگر یہ حالت نہیں تو آج خود نفسِ اسلام، بلکہ مقاصدِ قرآن کے اندر، حقیقت کی روح قطعاً نہیں رہی؛ اُسکی قوّتِ تاثیر و نفوذ اپنا ظرف چھوڑ کر کسی دوسرے قالب میں

† فلسفۂ اسلام کو عالم آرا اور تعمیری دونوں ثابت کرنا اس کتاب کا منتہائے نظر ہے۔

Marfat.com

منتقل ہوگئی ہے؛ اُسکا دائرۂ علم و عمل مُندرِس، اور اُسکی رُوِیائے قلب محو ہوگئی ہے! **معنی** کی عروسِ منفعل، بدسلوک نااہل مسلمان کی رفاقت سے بیزار ہو جانیکے بعد، **صورت** کے تنگ و تاریک اور **الفاظ** کے مہلکِ روح حُجلوں کے اندر، اِس تغافل، بے اعتنائی، اور بیدردی کا شکار ہوئی ہے کہ آج اُسکی ہستی کا اعتراف بھی کسی متنفس کو نہیں رہا! دنیائے حقیقت نواز کی جنگ آج اس قتیلِ غفلت کی انہی فاسد اور ناکارہ ہڈیوں سے ہے جن کے ڈھیر کی المناک سرگذشت، مہلت† کے پردۂ خفا نے قرنہا قرن تک مستور رکھی! زمانے کا باطل رُبا مگر پیر چسم ہاتھ آج قصاب خانۂ روح و عمل کی اِسی مذبوحِ حیا نعش کو سپردِ زمین کر رہا ہے جس کے ایام سعید کا عہدِ حیات، مہرِ نیمروز کی کرنوں سے بھی درخشاں تر حقیقت تھی! آہ! لیکن قالب کا مکین اگرچہ رخصت ہو چکا ہے، اور حقیقت کی مضطرِ قرار روح بہتر اور صالح تر جسموں میں حلول کر گئی ہے، مگر زمانے کی عجائب نمائی، بلکہ ربِّ لم یزل کے تقاضائے غیرت نے کم از کم اِس مُردہ ڈھانچے کی اس قدر حُرمت تو ضرور برقرار رکھی ہے کہ آج صدہا برس کی موت کے بعد بھی اُس کے اصلی خط و خال کا نقشہ صاحبِ نظر سے نہاں ہو نہیں سکتا۔ **قرآنِ عظیم** اب بھی جہل و نسیان کی ظلمات کے اندر وہ سطیح و نطیق **حکمت** ہے کہ عمیق نظروں میں سیاہی کا تقابل اُسکی سپیدی اور چمک کو اور بھی دوبالا کر رہا ہے! مطالب کی غلط فہمیوں، اور مقاصد کی دور افتادگیوں کے باعث جس قدر اسکی ہر بات عوام کے نزدیک ناقابلِ التفات اور بے معنی ہو رہی ہے، اُسی قدر صحیح القلب نقاد کی نظروں میں اسکی عظمت کا رنگ کُھلتا جا رہا ہے! اسلام کی از سرِ نو حیات کے دن لامحالہ اُس وقت پھرنے لگیں گے جب کہ بداعمالی، کفر، اور تکذیب کے ہوش رُبا جمود، اور عالم گیر شکست و ریخت کے مُحیط الکُل عجز میں خود مُسلمانوں کا کوئی غمزدہ اور دل باختہ بندۂ خدا، قرآنِ حکیم کی طرف پھر متوجہ ہوگا، اور نافہمی، غلط عمل، سیہ بینی، باطل آرائی اور عدم تیقین کے حجاب در حجاب کو اُس کے ماتمی اور پژمردہ چہرے سے اُلٹ کر، **ایمان** کی اصلیت کو بے نقاب کر دے گا۔ اُسی دن حقیقت کی روٹھی ہوئی دُلہن پھر

---

† خلافت عباسیہ کے عہدِ انحطاط (چوتھی صدی ہجری) یا اسکے کچھ دیر بعد سے آجتک جو زمانہ جزوی امن یا عالم آراخوف کا دنیائے اسلام پر گذر رہا ہے میرے نزدیک 'مُہلت' کی ایک صورت ہے جو لامحالہ آخری اور انتہائی عذاب کا پیش خیمہ ہے۔ اِسی زمانے میں اسلام رفتہ رفتہ صرف ایک 'صورت' و 'رسم' کا نام رہ گیا۔ 'معنی' اور 'روح' دونوں نکلتے گئے!

مَن جائے گی اور اسلام کے ویران گھر کو یک دم آباد کر دے گی!

اِسی بنا پر قرآن کریم کا وہ مُبشرانہ اور فیصلہ کُن وعدہ جو آیۂ کریمہ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ[1] (۳ : ۱۳۸)، میں ہے، ایک ایسی حقیقت کے ساتھ مشروط ہے جس کا التزام اجتماعی غلبے کے استمرار و تسلسل کے لیئے بمنزلۂ روح ہے۔ **ایمان** کی جانفزا صداقت، مرگ و زیست کی ہر کشمکش کے قیام کے لیئے اکسیرِ اعظم ہے؛ وہ ہر کامرانی کی کلید، اور ہر کامیابی کی تمہید ہے؛ وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کے لیئے مومیائی اور مَرے ہوئے حوصلوں کے لیئے آبِ حیات ہے؛ اسکی ہر افزایش میں کُشادِ کار کا راز، اور ہر کاہش میں نامرادی کا بھید ہے؛ وہ فتح کی ہر منزل پر نئی روح، اور شکست کی ہر علامت پر نئی زندگی بخشتی ہے؛ وہ اجمعِ اُمّت کا مرکز، نظم و نسق کا محور، اور انتہائی جدّوجہد کی اساس ہے؛ اسکی کشش اتّصال، فاسد اور متفرق طاقتوں کو جمع کر کے، قُوّتِ دفاع کو دیوارِ آہن کی طرح مضبوط کر دیتی ہے؛ اسکا انجذابی اثر، اشتات و انتشار کے اجزا کو سمیٹ کر، اقدامِ عمل کی توفیق دیتا ہے؛ جس متنفّس کو حیات کی جانکاہ مسافرت میں ایسا سچّا رہنما نصیب ہو، اُسکے ہر گام پر فتح و نصرت شاملِ حال ہے؛ اور جس قوم کو تحفّظ و بقا کے اندوہناک مجادلے میں ایسا چارحانہ اور مدافعانہ حربہ عطا ہُوا ہو، اُسکا مخالف اثرات پر تسلّطِ یقینی، اور تغلّب اور **تمکّن فی الارض** ایک طے شدہ امر ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ○ (۲۴ : ۵۵)

تم میں سے جن لوگوں کا ایمان سچّے دل سے قائم رہا، اور جنہوں نے اسکے علاوہ تن دہی سے اعمالِ صالحہ بھی کیئے، اُن سے اللہ جل شانہٗ کا وعدہ ہے کہ وہ اُنہیں زمین میں قیام عطا فرمائے گا جیسے اُن لوگوں کو قیام عطا فرمایا تھا جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں؛ وہ اس دین کو جو اُس نے اُنکے لیئے پسند کیا ہے جما کر رہے گا، اور بعد ازاں اُس خوف کو بھی جو اُنہیں دشمن سے لاحق ہے امن سے بدل دیگا۔ ان کا مسلک عمل یہ ہے کہ میرے غلام بنکر میرے حکموں پر چلتے رہیں (يَعْبُدُونَنِي)، اور طاعت گذاری میں کسی دوسری شے کو میرے ہم مقام

---

[1] اور نرم پڑ کر ہمت نہ ہارو، اور آندہ خاطر نہ ہو، کیونکہ اگر تم ایمان والے ہو تو آخر کار سب میں تمہاری ہی جیت ہے۔

Marfat.com

نہ کریں (لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا)۔ اور جنہوں نے اِس تمکن اور قیام کے بعد اطاعت احکام سے انحراف کیا، اور اپنی بداعمالیوں کے باعث اِس نعمتِ عظمیٰ کی بیقدری کی (کَفَرَ) تو وہی فاسق ہیں†؛ (اور وہی اجتماعی ہلاکت کے اہل ہوں گے† (۴۶ : ۳۵))

شارع قدرت کا یہ حتمی میثاق، نہ صرف اسلام بلکہ تمام اقوامِ عالم کی حیات و ممات کا مکمل اور آخری فیصلہ ہے۔ قرآن کریم کی حجت بالغہ، اور شریعت خدا کی حکمت جامعہ و مانعہ، جہد للبقا اور مقاومۃ للنّفس کے اُس طبعی نتیجے پر تیرہ سو برس پہلے پونہچ چکی ہے، جو فلسفہ دان فارابی، ہیکل اور ڈارون‡ کے مسئلہ ارتقا و انتخاب طبیعی کی اصطلاح میں "بقائے اصلح" کے نام سے معروف ہے۔ اِس آیہ کریمہ میں دو باتوں کا فیصلہ کر دیا ہے: اوّلاً یہ کہ "استخلاف فی الارض"

---

† آیاتِ ماقبل، (۲۴ : ۴۸-۵۴)، وما بعد، (۲۴ : ۵۶)، کے ربط کو پیش نظر رکھکر، 'عبادت' 'شرک' 'کفر' اور 'فسق' کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم کی لُغت میں یہ چاروں اصطلاحیں، اور ان کی مثل اور الفاظ جن کا ذکر آگے آئے گا، اِس قدر جامع اور مانع ہیں کہ ان کی صحیح اور ناقابل انکار تشریح کرنا، دراصل قرآن کی تمام حکمت اور لائحہ عمل کو عیاں کر دینا ہے۔ یہاں پر یَعْبُدُوْنِیْ سے لیکر فٰسِقُوْنَ تک جو ترجمہ کیا گیا ہے ذرا پیش از وقت ہے، مگر اس کا کافی ثبوت کتاب کے آیندہ اوراق میں مل رہیگا۔ قرآن حکیم کا ربط بھی اِس قدر ظاہر اور باہر شئے نہیں کہ اس کو کتاب کے محض ابتدائی اوراق میں واضح کیا جا سکے۔ اس کے لیئے بے انتہا غور و فکر اور صحیح علم کی ضرورت ہے۔

† سورۂ احقاف کے خیر میں ہے: فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (۴۶ : ۳۵) "تو کیا ماسوا فاسق قوم کے کوئی اور قوم بھی ہلاک ہو سکتی ہے؟" گویا فاسق قوم کی ہلاکت قطعی ہے۔ اِس بنا پر ترجمے میں اِس ضروری ایضاح کا سبب ظاہر ہے۔

‡ مسئلہ ارتقا، جس کی مجمل تشریح آیندہ موقع پر کر دی جائے گی، منجملہ ان عالم آرا مسائل کے ہے۔ جس کی اختراع و ابداع اور تصدیق کے متعلق چند سربرآوردہ ناموں کا انتخاب کر لینا از بس مشکل ہے۔ مختلف قرون کے علما نے اِس مسئلے پر بحثیں کیں، اور ہر بار متعدد اضافے ہوتے رہے۔ اہل یونان اور رومۃ الکبریٰ کے زمانۂ عروج میں اِسکے اعتراف کے آثار پائے جاتے ہیں؛ مگر ماسوا ہرقلیطس (المتوفی ۴۷۵ قبل مسیح) اور لوقریطس (المتوفی ۵۵ قبل مسیح)، مشہور شاعر کے کوئی پُرانا فلسفی اسکے متعلق مفید معلومات بہم نہیں پونہچاتا۔ اہل ہند کی پُرانی کتابوں میں کہیں کہیں اِسکا مشکوک سا ذکر پایا جاتا ہے۔ اسلام کے عہد عروج میں مختلف حکما نے اِس مسئلے کو لیا، اور اسکے متعلق بہت کچھ چھان بین کی۔ اِس سلسلے میں، الفارابی (المتوفی ۳۳۹ھ ۹۵۰ء) ابن سینا (المتوفی ۴۲۹ھ ۱۰۳۷ء)، ابن باجہ (المتوفی ۵۳۲ھ ۱۱۳۸ء)، اور ابن مسکویہ (المتوفی ۴۲۲ھ ۱۰۳۰ء)، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یورپ کے عہد ارتقا میں جو نام سب سے زیادہ سربرآوردہ ہیں، ہیکل (المتولد ۱۲۵۰ھ ۱۸۳۴ء)، وَالے (المتولد ۱۲۳۸ھ ۱۸۲۳ء)، ہکسلے (المتوفی ۱۳۱۲ھ ۱۸۹۵ء)، اور ڈارون (المتوفی ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۲ء) کے نام ہیں۔ موخر الذکر کی کتاب "اصل الانواع" مطبوعہ ۱۲۷۵ھ ۱۸۵۹ء نے آج اِس مسئلے کو پایہ ثبوت تک اِس قدر پونہچا دیا ہے کہ اب اسکی تحقیق و تدوین کا تمام سہرا ڈارون کے سر پر ہے۔ لیکن اس عظیم الشان نظریے کی ارتقائی شق کے دعوے کو اوّل اوّل جن عُلما نے مستقل صورت دی وہ حکمائے اسلام ہی ہیں۔ ابن خلدون نے تاریخ العبر کے مقدمے میں بھی ضمناً اِسکی طرف اشارہ کیا ہے۔ اصل کتاب میں ہم نے ابو نصر محمد الفارابی کا نام بالتخصیص پیش کیا ہے نہ صرف اسلیئے کہ مسئلہ ارتقا کی ابتدائی تدوین و تحقیق میں الفارابی کو بہت بڑا دخل تھا بلکہ اسلیئے کہ اس حکیم اجل کی عالمِ اسلام میں خاص قدر و منزلت ہے۔ وفیات الاعیان میں ابن خلکان نے بو علی سینا کے اِس استادِ معظم کو اسلام کا سب سے بڑا حکیم کہا ہے!

Marfat.com

یعنی† **بقا و استبقا** کے لیئے **ایمان** شرط ہے، اور اللہ کا وعدہ اُنہی لوگوں سے کیا گیا ہے جو ایمان رکھتے ہوں ۔
ثانیاً یہ کہ ایمان کامل کے ہوتے ہوئے **اعمالِ صالحہ** کا اکتساب لازمی امر ہے۔ جس جماعت کے افراد میں
یہ دونوں باتیں موجود ہوں وہی **اصلح** ہے ۔ اُسی کی صیانت اور سلامتی کا ذمہ قانونِ فطرت نے اپنے

---

† قرآن کریم میں استخلاف کا لفظ، آیۂ استخلاف سے قطع نظر، چار موقعوں پر آیا ہے جو یہاں پر اس وسیع التاویل لفظ کے مطلب کی صحیح توضیح کے خیال سے لکھ دیئے جاتے ہیں۔ پہلا موقع سورۂ انعام میں ہے:

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ۝ (۶ : ۱۳۴)

اور اے پیغمبر! جہاں تمہارا پروردگار بڑا رحم والا ہے وہاں بڑا بے نیاز بھی ہے، وہ اگر مناسب سمجھے تو تم سب کو دنیا سے اٹھا لے جائے، اور تمہارے بعد جس میں اہلیت دیکھے تمہارا جانشین کر دے، جیسا کہ آخر دوسرے لوگوں کو ہلاک کر کے اُن کی بقیہ نسل سے تم کو فروغ دے ہی چکا ہے۔

(یَشَا کے معنی ہم نے 'مناسب سمجھنا' کیے ہیں، اس کا ثبوت 'فلسفۂ عمل' کے عنوان (یعنی دوسری مجلد میں آئیگا)۔ دوسرا موقع سورۂ اعراف میں ہے:

قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝ (۷ : ۱۲۹)

اس پر موسیٰ نے جواب دیا کہ لوگو! اب وہ وقت قریب آ لگا ہے کہ تمہارا خدا تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے، اور تم کو ملک میں اُسکا جانشین بنائے۔ پھر دیکھے کہ تم کیا سعی و عمل کرتے ہو۔

تیسری جگہ سورۂ ہود میں ہے:

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۖ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝ (۱۱ : ۵۷)

اس پر ہودؑ نے اُن سے کہا کہ اگر تم نے ان احکام سے گریز کیا تو کم از کم میں نے اپنا پیغام تم تک پہونچا دیا، اور اس نافرمانی کا نتیجہ لامحالہ یہ ہوگا کہ خدائے عظیم تم کو ہلاک کر کے کسی دوسری قوم کو تمہارا جانشین کر دے گا، اور وہ اس قدر صاحب قوت ہوں گے کہ تم اُن کا کچھ بگاڑ بھی نہ سکو گے۔ اور یاد رکھو کہ میرا پروردگار ہر قوم کے اعمال کو بنظر تمام دیکھ رہا ہے۔

ایک موقع، جس میں استخلاف کا لفظ ذرا مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے، سورۂ حدید میں ہے:

آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَأَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ ۖ فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ (۵۷ : ۷)

لوگو! خدا کو خدا مانو اور رسولؐ کو اُسکا بھیجا ہوا پیغامبر سمجھ کر اُسکے احکام کی تعمیل کرو، اور اُس مال میں سے جسکا وارث اگلوں کو تباہ کر کے تم کو بنایا ہے۔ (اعلائے خدا میں) صرف کرو۔ کیونکہ جو لوگ احکام کی پیروی کرتے رہے، اور جنہوں نے ایثارِ مال کیا، اُن کو خدا کے ہاں سے اجرِ عظیم ہے۔

(آمنوا کے ان معانی کی تشریح آگے آئے گی، یہاں اس سے بحث نہیں۔) ان چاروں مثالوں سے یہ امر واضح ہے کہ 'استخلاف' کے معانی قرآنِ کریم میں ایک قوم کو ہلاک کر کے دوسری کو اُسکا جانشین بنانا ہے' اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ نہ اس سے مراد بالخصوص وہ مسلمہ خلافت ہی جس کا مرکز آجکل قسطنطنیہ ہے۔ اگرچہ وہ بھی اسمیں شامل ہے۔ نہ اس سے مراد خاصکر عرب کا استخلاف ہے، نہ عجم کا۔ نہ مشرق اور نہ مغرب کا۔ جو قوم ایک کے ہلاک ہوئے پیچھے اُسکے مُلک اور دولت کی وارث ہوئی وہی 'مستخلف' ہے۔ خواہ وہ چین کی ہو یا روم کی۔ یہی بقا و استبقا ہے، اور اسی لحاظ سے ہم نے یہ معانی متن میں لکھے ہیں۔

'استخلاف' کے ان معانی کی حتمی تائید قرآنِ عظیم کی دو اور آیتوں سے ہوتی ہے جن کے نفس موضوع کا مقابلہ سورۂ ہود کی متذکرہ صدر آیت (۵۷ : ۱۱) سے کرنا چاہیئے۔ سورۂ توبہ میں ہے: إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (۹ : ۳۹)

"اگر (اے عافیت پسند عرب کے لوگو!) تم اس موقع پر لڑائی کے واسطے ہمہ تن مستعد نہ ہوئے تو خدا تم کو دردناک سزا دے گا اور تمہارے سوا کسی دوسری مستعد

Marfat.com

اوپر لیا ہے، قرونِ ماضیہ کی اقوام متمدنہ کی طرح اُسیکا غلبہ اور استخلاف قائم رہیگا جب تک ایمان اور صلاحیتِ عمل اُن میں باقی رہے، اور فسق و کفر کی حد تک نہ پونہچیں!

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹) قوم کو تم سے بدل دے گا، اور وہ اِس قدر صاحبِ قوت ہوں گے کہ تم اُن کا کچھ بگاڑ بھی نہ سکو گے، اور یاد رکھو کہ خدا وہ بے نیاز خدا ہے کہ وہ ہر بات کر سکتا ہے'۔ یہاں 'یستبدل' اور 'یستخلف' کا ترادف عیاں ہے۔ سورۂ محمدؐ میں بھی 'یستبدل' اِنہی معنوں میں ہے: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ (۴۷: ۳۸) یعنی "اگر تم نے اِن احکام سے سرتابی کی تو کچھ پروا نہیں وہ خدائے عظیم تمہارے سوا کسی اور قوم کو تم پر لا بٹھائے گا۔ پھر وہ تم جیسے بدعمل، نافرمان، اور نفس پسند بھی نہ ہوں گے"۔ اِن آیاتِ الٰہی سے صاف ظاہر ہے کہ استخلافِ اقوام در اصل اُن کا استبدال ہی ہے۔ جو قوم بادشاہت زمین کی اہل نہ رہی، جو قانونِ خدا سے سرتابی کرنے کے باعث اپنی قوتیں سلب کر چکی اُس کا روئے زمین پر سے بیک بینی و دو گوش نکالے جانا قطعی ہے۔ جو وارث زمین ہے وہی 'مستخلف' ہے وہی بہتر اور صالح تر ہے، وہی ناقابلِ ضرر اور قوی تر ہے، اور اُسیکا اس دنیا پر باقی رہنا طے شدہ امر ہے۔

خَلَفَ کا استعمال اِستخلاف اور ابقا کے معنوں میں کئی جگہ ہوا ہے۔ یہاں پر تین موقعے قابلِ ذکر ہیں: وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْکُمْ مَّلٰٓئِکَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ۝ (۴۳: ۶۰)، "اور اگر ہم مناسب سمجھتے تو تمہی کو فرشتے بنا کر اس زمین میں تمہارا جانشین کر دیتے"۔ ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۰: ۱۴)، "پھر ہم نے اُن کے ہلاک ہوئے پیچھے تم کو زمین میں ان کا جانشین بنایا تاکہ دیکھیں کہ تم کیا سعی و عمل کرتے ہو"۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ (۳۴: ۳۹)، "اور جو ایثارِ مال بھی تم کرتے ہو خدا اُسکو بقا نصیب کرتا ہے اور اسکا عوض دیتا ہے"۔ اِن مثالوں سے ظاہر ہے کہ خَلَفَ اور اِستَخلَفَ در اصل ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ اور اِنہی معنوں میں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط (۲: ۳۰) ہے، یعنی "میں زمین میں ایک قائم مقام بنانے والا ہوں"۔

ایک اور بات جو ضمناً اِن آیتوں اور بالخصوص (۷: ۱۲۹)، (۱۱: ۵۷)، (۱۰: ۱۴) سے مترشح ہے، یہ ہے کہ مستخلف فی الارض کا مقام حاصل کرنے، اور اُسکو قائم رکھنے کے لیئے 'عمل' کرنا شرط ہے۔ آیۂ استخلاف میں شرط 'عملِ صالح' ہے۔ اب رہی یہ بات کہ 'عملِ صالح' کیا شئے ہے۔ اِس کا جواب اس کتاب کے طول و عرض میں ملے گا۔ اور 'صلاح' کی تعریف از روئے قرآن کرنا آسان کام نہیں۔

تیسری بات جو اِن آیات میں غور طلب ہے یہ ہے کہ 'الارض' کا استعمال (۷: ۱۲۹)، (۴۳: ۶۰)، اور (۲: ۳۰) میں مطلق معنوں میں ہوا ہے، اِس سے کوئی خاص حصہ زمین مراد نہیں، جیسا کہ آیۂ استخلاف کے 'الارض' کے متعلق بعض مفسرین کا خیال ہے، اور وہاں 'الارض' کے معنی زمینِ مکہ لیئے ہیں۔ یہ بحث کتاب کے متن میں کی جائے گی، لیکن یہاں اِس بات کا اظہار ضروری ہے کہ 'الارض' کا لفظ مطلق ہے۔ (۷: ۱۲۹) سے کچھ شبہ پڑتا ہے کہ موسیٰ کی مراد خطۂ مصر ہو مگر تاریخ شاہد ہے کہ بنی اسرائیل کو استخلاف سرزمین مصر میں ایک مدت مدید کے بعد حاصل ہوا، اِس سے پیشتر وہ ملک شام میں بادشاہ بن چکے تھے۔ (۱۰: ۱۴) سے بھی خفیف سا شبہ پڑتا ہے۔ لیکن اِس سے پہلی آیت (۱۰: ۱۳) کو ملا کر پڑھنے سے یہ شبہ رفع ہو جاتا ہے۔ بہر نوع اِن آیات کے غائر مطالعے کے بعد یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن میں استخلاف فی الارض کے الفاظ سے اقوامِ عالم کا اِس کرۂ زمین پر اجتماعی بقا حاصل کرنا مراد ہے، اِس سے کم و بیش کچھ نہیں۔ وہ شرعی یا مذہبی ماحول جو اِس اصطلاح کے گرداگرد مرورِ وقت یا رسمی تکرار کے باعث پیدا ہو گیا ہے خود لوگوں کا پیدا کردہ ہے، قرآن کریم کو اِس سے کچھ سروکار نہیں۔

Marfat.com

ڈارون کا نظریۂ ارتقا† نشار آفرینش سے لیکر ظہور انسان تک، ہر ذی حیات شئے کی انفرادی

† مسئلہ ارتقا کی تخفیف و توہین جس انداز سے آج مسلمانانِ عالم اپنی کمئ علم اور غلبۂ جہل کے باعث کر رہے ہیں، اُس سے کم از کم یہ مترشح ہوتا ہے کہ انحطاط پذیر اقوام میں اپنے آبائی کارناموں کی یاد کس سُرعت سے محو ہو جاتی ہے۔ صفحہ ۸ کے تحت المتن میں چند اُن اسلامی حکمائے عظام کا ذکر کیا گیا تھا جنہوں نے اِس مسئلے کی تصدیق و تثبیت میں مستقل حصّہ لیا، اِسکو علم کلام کا اہم جزو قرار دیا، علم فطرت کی ایک بڑی حد تک توسیع کر کے مختلف ثبوت اسکی تائید میں بہم پونہچاے، اور صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں ارتقا کی نوعیت بیان کی، لیکن آج چونکہ مغربی حکمانے اِس نظریے کو پایہ ثبوت تک پونہچا دیا ہے، اور اس سے مستقل نتائج اخذ کر کے حفظ و امن کی راہیں ڈھونڈھ رہے ہیں، مسلمان اِس سے یکسر بیزار ہو گئے ہیں، اور اسکی تضحیک کر کے اپنی نادانی کا ثبوت دے رہے ہیں! مسئلہ ارتقا و انتخاب طبیعی، آج مغرب کے تمام پہنائے علم و تحقیق میں وہ عظیم الشان انکشاف ہے جس کی عظمت اور نافعیت کا صحیح اندازہ لگانا قانون فطرت کے صحیح علم کے بدون از بس مشکل ہے۔ اِس مسئلے نے صحیح معنوں میں فطرت کے سرِ عظیم کو ایک بہت بڑی حد تک آشکارا کر دیا ہے! اس نے 'حیات' کے حجاب اکبر کو چاک کر کے انسان کو معرفت نفس کا پہلا اور گراں قدر سبق دیا ہے! اس نے انسان کو شناسائی خدا میں مستقل مدد دی ہے! اس نے وحدتِ خدا اور وحدتِ ماسوا، وحدتِ مکان اور وحدتِ مکین کو ثابت کرنے میں اہم حصّہ لیا ہے! اِس نے انسان کا دائرۂ علم و عمل بیحد وسیع کر کے اُسکو صحیح معنوں میں خدا کا قائم مقام بنا دیا ہے! نہیں بلکہ اسنے زوال و بقائے اُمم کے وہ پنہاں اصول بھی ایک حد تک عیاں کر دیئے ہیں جو الہامی کتابوں، اور بالخصوص قرآنِ حکیم کے سوا آجتک اور کہیں نہیں ملے۔ جو لوگ اِس مسئلے سے اِس لیئے بیزار ہیں کہ اِسمیں نشو و خود اختیاری کے باعث تعطل خدا کی شان پائی جاتی ہے، یا اُسکی خالقیت میں ایک ناقابل برداشت تعویق ثابت ہوتی ہے، اُن کے دلوں میں خدا کی عظمت اور قدرت، ازلیت اور ابدیت کا اندازہ بہت کم ہے۔ قرآن میں مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ط (۲۲ : ۷۴)[1]، اِس امر کی شہادت ہے۔ اکثر لوگ اُس خلاقِ عظیم کا اندازہ انسانی قوتوں اور بشری واماندگیوں کو پیش نظر رکھکر کرتے ہیں، اور اسی لیئے اصلیت کی لاانتہا وسعت تک نہیں پونہچ سکتے۔ مختصر الفاظ میں اِس مسئلے کا یہ دعوےٰ ہے :-

۱- "اِس عالم کون و مکان اور پہنائے زمین و آسمان کے اندر آفرینش کے ابتدائی ایام سے لیکر آجتک ایک ارتقائی اور تعمیری، ایک تدریجی اور ترکیبی انقلاب واقع ہو رہا ہے جو تخلیق کا فوری اور بلا واسطہ باعث ہے، حرکت اور حرارت اِس تکوین کی علل اُولیٰ ہیں۔ علت انتہائی وہ علۃ العلل وجود ہے جس نے سب اشیا کو اپنی اپنی جبلت عطا کر کے اپنے اپنے کام پر لگا دیا ہے۔"

قرآن حکیم کا محاکمہ اِس امر کے متعلق موسیٰ علیہ السلام کے اِن الفاظ سے ظاہر ہے :-

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ (۲۰ : ۴۹-۵۰)

فرعون نے ازراہ سوال پوچھا کہ اے موسیٰ! وہ تم دونوں بھائیوں کا پروردگار کون ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ وُہ رب بے مثال ہے جس نے اِس عالم کائنات کی ہر مخلوق شئے کو اسکی جبلت اور خلقت عطا فرما کر اپنا اپنا راہ راست دکھلا دیا ہے۔

۲- "عالم موجودات کی سب ذی حیات مخلوق، بشمولیت نباتات و خورد بینی حیوانات، ایک سلسلہ تکوین کی مختلف کڑیاں ہیں جنکو بقدر اُنکے اعضائے رئیسہ و غیر رئیسہ کی سہولت اشکال ترکیب کے ایک تدریجی سلسلے میں پیوست کیا جا سکتا ہے۔ یہ سب تکوین آفرینش کے مختلف مراحل میں ایک معین ترتیب سے ہوئی اور بتدریج ہوئی۔ اِس دوران کا کمال اوج انسان ہے جسکے اعضا کی تقویم سب ادنیٰ حیوانات سے بہر نوع بہتر ہے۔"

---

[1] لوگوں نے خدا کی عظمت کا اندازہ ہرگز اِس طرح پر نہیں کیا جیسا کہ کرنے کا حق تھا۔

Marfat.com

۔۔۔ اجتماعی جدّوجہد کی داستان، حفظِ نفس اور ترقیٔ نسل کے متواتر اجتہاد کی سرگذشت، جنس قوی کے تغلّب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ ۝ (۹۵: ۴-۵)

(اے ساکنانِ زمین! اس عالم کائنات کا ہر ذرہ اِس بات کا شاہد ہے کہ) ہم نے انسان کو احسن الخلق بنایا۔ اُسکے اعضا میں بہترین صلاحیت اور استعداد پیدا کی۔ پھر اِس صلاحیت کے انحطاط کے باعث اسکو (اُسی) کمتر سے کمتر مخلوق کی طرف لوٹا لائے (جو کبھی زمانے میں تھا)۔

ہم نے التین والزیتون کی شہادت پیش نہیں کی، اِن کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے۔ مگر رَدَدْنٰهُ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ انسان اپنی نشاءِ اول کے ابتدائی مراحل میں اسفل سافلین تھا۔ اسفل سافلین کی علمی تشریح آگے چلکر ہوگی۔

۳۔ "دنیا ایک عظیم الشان امتحان گاہ جہد و عمل ہے، جسمیں ہر ذی حیات فرد بطور ایک مجاہد کے ہے۔ سب کے سب اپنے اپنے دائروں کے اندر، ایک لامتناہی کشمکش، اور غیر منقطع مزاحمت میں لگے ہیں۔ قیام و بقا کا تمام تر حصر اسی جدّوجہد پر ہے۔ ہر جنس، نوع، اور فرد، جغرافیائی اور ارتقائی حدود کے اندر، اپنی ہمسایہ مخلوق کے بالمقابل صف آرا ہے، فطری اور مقامی موانعات کا مقابلہ کر رہی ہے، بہتر اور قوی تر اجناس سے نبرد آزما ہے، دشمن سے عہدہ برآ ہونے کی تجویزیں لگی ہے، کمتر اور کمزور تر مخلوق پر متسلط ہونے کی سعی کر رہی ہے۔ الغرض اپنی بہبودی اور بچاؤ، اپنی تقویت اور دفاع کے لیئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ اس مقامِ نظر سے عالم حیوانات و نباتات کی سب مجتمعات باقیہ، قوی تر اجناس انواع کی جارحانہ دستبرد کے باعث، ایک متصل خوف کے ماحول میں گھری ہیں جس سے بچ نکلنا، اور جسکو امن سے بدل دینا ہر زندہ مخلوق کا منتہائے وحید ہے۔"

قرآن حکیم کا تمام دستور العمل من و عن اِس فردی اور اجتماعی جدّوجہد کا مؤید ہے۔ چند مثالیں صفحہ ۱۰ کے تحت المتن میں لفظ استخلاف کی بحث کے ضمن میں گذر چکی ہیں، مگر لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ (۵۳: ۳۹) کا اصل اُصول قرآنِ عظیم کے ہر ورق پر جلی حروف میں لکھا ہے۔ آیۂ استخلاف کا نفس موضوع بھی اِسی خوفِ عدو کو حفظ و امن میں بدل دینے کی معنی خیز داستان ہے؛ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا کا محفوظ مقام کسی قوم کو صرف اُس وقت نصیب ہو سکتا ہے جب وہ متمکن فی الارض بن چکے، اور بے سعی و عمل اِسکا حاصل کر لینا قطعاً محال ہے۔

جنس قوی کی جارحانہ دستبرد اور تشدد، اِس ابتلا گاہ سعی و عمل میں، وہ بدیہی امر ہے کہ اسکے لیئے کسی بڑی چھان بین کی ضرورت نہیں۔ ادنیٰ مخلوق سے لیکر اشرف الخلق انسان تک ہر نوع اِس قاعدے پر عمل پیرا ہے؛ قوی ہر جا اپنی طاقت کا استعمال ضعیف جنس پر کر رہا ہے؛ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگل کر اپنا پیٹ پال رہی ہے؛ کمزور قومیں زور آور قوموں سے ہر دم خوفزدہ ہیں، اور ہر طرف دست زور بالا کی تعمیل بظاہر ہو رہی ہے۔ سورۂ انفال میں خدائے عظیم نے قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں کو اِسی خوفِ عدو کا ماحول یاد دلا کر عیاں کر دیا تھا کہ دشمن پر غالب آکر محفوظ مقام حاصل کر لینا ہی امید الٰہی ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (۸: ۲۶)

اور مسلمانو! وہ وقت یاد کرو جب تم اِس زمین میں تھوڑی سی تعداد میں تھے، کمزور اور بے بس گنے جاتے تھے، اور ہر آن اِس خوف کے باعث سہمے رہتے تھے کہ دشمن تمہیں اُچک نہ لیجائیں۔ پھر خدائے ذو الجلال نے (تمہارے اعمال کو پسند فرما کر) تم کو اپنی پناہ میں لے لیا، اپنی مدد سے تم کو قوی

۱؎ انسان کو کچھ ہمیشہ نہیں مگر وہ جو بقدر اُسکی سعی کے ہے۔ ۲؎ مطالب کے لیئے دیکھو صفحہ ۷۔

Marfat.com

صنف ضعیف کے سقوط، اور جنس اصلح کے بقا اور تدریجی ارتقا کی مسلسل روئیداد، طبقات الارض کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲) بنایا، اور دشمن پر فتح دے کر عمدہ قسم کی دنیاوی نعمتیں بخشیں، اور یہ سب اس لیئے کہ تم ان نعمائے الٰہی کی دل سے قدر کرو۔ (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ)۔ (شکر کے ان معانی کا ثبوت بعد میں ملیگا، یہاں اسپر بحث نہیں)۔

۴ "مختلف انواع و اجناس کا ظہور اور قیام، خارجی اور مقامی حال و احوال اور باطنی استعداد صعود کے متفقہ زور اثر سے ہوا۔ جو نوعیں احوال طبیعت کی خارجی مزاحمت کے بالمقابل پوری نہ اتر سکیں مٹتی گئیں، جنہوں نے اس کشمکش میں پورا حصہ لیکر اپنے آپ کو مستعد ثابت کیا، صعود کرتی گئیں۔ عالم حیات کا سب کون و فساد اسی عالم آرا اصول کے ماتحت ہو رہا ہے۔ حفظِ نفس، اس مزاحمت کا محرک اول ہے۔ جس نباتی یا حیوانی نوع کا استخلاف زمین کے کسی حصے پر قائم ہے۔ وہ صالح ہے جس کا تمکن فی الارض مٹتا جا رہا ہے وہ غیر صالح ہے۔ جو نوع سب سے متمکن، سب سے زیادہ مجاہد اور مستعد، سب سے زیادہ تکثر اور ارتقائی اہلیت رکھتی ہے وہی اپنے دائرے کے اندر اصلح ہے، اسی کا بقا قطعی ہے، فطرت خود بخود اسکا انتخاب کر کے اسکو بے خوف و خطر کر دیتی ہے۔"

انسانی امتوں کے قیام و بقا کے متعلق قرآن حکیم نے بعینہٖ وہی لازوال اصول پیش کیئے جو آج مغرب کی تمام علمی تحقیقات اور مادی تقدم کے محور عمل بن چکے ہیں۔ سورۂ اعراف میں ہے:۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي ۙ فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (۷: ۳۴-۳۵)

اور ہر ایک گروہ کے صفحۂ ہستی سے مٹنے کی ایک میعاد مقرر ہے، پھر جب اسکی تباہی کے اسباب مکمل ہو چکتے ہیں تو اس سے ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پھر اگر اس وقت کوئی عذر پیش کرے گا تو ہم کہیں گے کہ اے بنی آدم! ہم نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جب کبھی ہماری طرف سے تم ہی میں سے ہمارے قاصد تمہارے پاس پہونچیں، اور ہمارے احکام تم پر واضح کر دیں، تو جس قوم نے ان احکام پر عمل کر کے حفظ نفس کی راہ اختیار کر لی (اتقیٰ)، جو ہلاکت سے دامن بچا کر چلی (اتقیٰ)، اور صالح بن گئی (اصلح) اسکو اس دنیا میں کسی قسم کا خوف و خطر نہیں

آگے چلکر ہم اسی مجلد میں ثابت کرینگے کہ "اتقا" کی بعض اہم شرائط کیا ہیں، "اتقا" کی مکمل تشریح "عمل" کے عنوان (چوتھی مجلد) میں آئے گی۔ "صلاح" کی تعریف میں ابھی بہت دیر ہے۔ وہ عظیم الشان آیات جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عالم حیوانات کا قانون فنا و بقا بھی اسی انداز پر ہے۔ جس پر انسانی امتیں چل رہی ہیں بہت بعد میں آئینگی۔ یہاں پر ہم نے صرف قرآن حکیم کی چند معاون آیات کو پیش کر دیا ہے۔ ان سے کچھ ثابت کرنا ابھی مقصود نہیں۔ لیکن اگر کتاب کے اس محض ابتدائی حصے میں کوئی نتیجہ خیز اور قابل ذکر بات ان آیات سے مستنبط ہو سکتی ہے تو یہ ہے کہ کتاب الٰہی نے کس التزام کے ساتھ استخلاف فی الارض کی شرط کو جا بجا سعی و عمل، امتحان و ابتلا، تگ و دو قرار دیا ہے جو مسئلہ ارتقا کی اصلی روح رواں ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں سورۂ انعام کی آخری آیت نہایت قابل لحاظ ہے:

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (۶: ۱۶۶)

اے ساکنانِ زمین! خدا وہ عظیم الاختیار خدا ہے جس نے تمکو اس زمین میں اپنا نائب اور قائم مقام مقرر کیا ہے (کہ تم اسکی حکومت اور انتظام کو اپنے ہاتھ میں لو)، اور تم میں سے ایک قوم کو دوسری قوم پر کئی درجے فضیلت اس لیئے دی ہے کہ معیشت کی اس مسابقانہ کشمکش میں وہ تمہاری ان قوتوں اور صلاحیتوں کا امتحان لے جو اس نے تم کو دیں۔ جانے رہو کہ اگر تم اس ابتلا میں پورے نہ اتر سکے، اور دوسروں سے پیچھے رہ گئے، تو لامحالہ خدا بڑا جلد جلد سزا دینے والا ہے، اور اگر اپنی سعی و عمل کے باعث سبقت لے گئے تو اس میں بھی شک نہیں کہ وہ عیوب پر بڑا پردہ ڈالنے والا

مٹی میں دبی ہوئی ہڈیوں کی زبانی ہے۔ اِس تمام پیچیدہ مسئلے کی تہ میں یہ بات ظاہر کردی گئی ہے کہ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳) (غفور) اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

۵۔ "انسان کی تکوین کمتر مخلوق کے ارتقا سے ہوئی، مگر اس انقلاب عظیم کی تکمیل میں قرنہا قرن گذر گئے، حتیٰ کہ ایک نوع کا انتقال اُس سے اگلی نوع میں بھی ہزارہا برس میں ہُوا! اِس مُدت مدید میں زمین بھی لاانتہا جغرافی اور طبعی، کیمیاوی اور تعمیری انقلابات کا مکین رہی، اور اب تک ہے۔ ارتقا کا سلسلہ بند نہیں ہوا، بلکہ جب تک زمین آسمان موجود ہے، جاری رہیگا۔ اِس نقطۂ نظر سے بہت ممکن ہے کہ ایک مُدت کے بعد انسان اپنی قوتوں، صلاحیتوں، اور علم و عمل میں ارتقا کرتے ہوئے اِس سے بھی بہتر مخلوق بن سکے جو اپنی صفات میں شاعِ کائنات تعالیٰ کی ذات سے قریب تر ہو! اِس بنا پر زمین و آسمان کی تکوین کا سلسلہ انسانی نقطۂ نظر سے ایک بے پایاں سلسلہ ہے جو ہزار در ہزار بلکہ لکھو کہا برس سے چل رہا ہے اور ممکن ہے کہ لکھو کہا برس تک اِسی طرح چلتا رہے"!

مسئلہ ارتقا کی اِس شق کے متعلق قرآن کریم میں وہ حیرت انگیز اور ناقابل انکار شہادت موجود ہے کہ اُس کا تمام و کمال یہاں پر لکھ دینا بہت کچھ پیش از وقت ہے۔ یہاں پر صرف چند آیات اور اُن کا مربوط ترجمہ لکھ دیا جاتا ہے۔ صحت مطالب کی ناقابل ردّ دلائل ایک ایک لفظ کے متعلق اپنے اپنے موقع پر متن میں آئیں گی۔ سورۂ سجدہ میں ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝ الَّذِیْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ (۳۲ : ۴-۹)

لوگو! خدا وہ عظیم و جلیل خدا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کے اِس حیرت انگیز کارخانے کو چھ بڑے مدید الوقت اور طویل المیعاد دنوں میں پیدا کیا، اور اب تخت سلطنت (العرش) پر جما بیٹھا اس ادارت عظمیٰ کو چلا رہا ہے۔ لوگو! اُسکے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے، نہ سفارشی۔ اُسی کی حکومت ہر جا چل رہی ہے، اُسی کا قانون ہر جگہ جاری و ساری ہے، تو کیا تم لوگ اِس کارخانہ جہان اور اِس عالم آرا حکومت سے کچھ عبرت نہیں پکڑتے!

وہ وُہ عظیم کار اور بزرگ اعمال خدا ہے کہ ایک عالم آرا قانون (الامر)، ایک امر مُہتم (الامر)، ایک جلیل القدر فیصلے یا معاملے (الامر) کی تجویز آسمان سے لیکر زمین تک کر دیتا ہے، پھر وہ معاملہ، اپنی عظمت اور وسعت کے باعث، رفتہ رفتہ اور نامحسوس طور پر، ایک مُدت مدید میں (فِیْ یَوْمٍ) جس کی مقدار انسانی شمار کے لحاظ سے ایک ہزار برس یا اِس سے بھی زیادہ ہو، اُسکی مشیت کی طرف (اِلَیْهِ) صعود کرتا ہے (یَعْرُجُ)، اور اپنے اٹل زور اثر سے کمال کو پہونچ جاتا ہے! (گویا اُسکی عظیم الشان تجویزیں ہزاروں برس میں جاکر مکمل ہوتی ہیں، اُسکے قانون کا عالم انگیز نفوذ صدیوں میں چلکر محسوس ہوتا ہے، اسکی اٹل مشیت قرنوں کے امتداد کے باوجود پوری ہو رہتی ہے) یہ ہے وہ ہزاروں برس کے بعد کے حالات کا علم رکھنے والا (عٰلِمُ الْغَیْبِ)، اور آج کے حال و احوال کا صحیح پرکھنے والا (وَالشَّهَادَةِ)، غالب القویٰ (الْعَزِیْزُ)، صاحب عفو و درگذر (الرَّحِیْمُ)، خدا جسکے رحم و تحمل اور کمال علم و عمل پر یہ کارگاہ اکبر چل رہا ہے!

وہ وُہ صنّاع عظیم ہے جس نے ہر پیدا کردہ شئے کو بہتر سے بہتر کر دیا ہے، اور انسان سی اشرف الخلق مخلوق کی ابتدا (بَدَاَ) مٹی سی حقیر اور کمتر مخلوق سے کی؛ پھر رفتہ رفتہ اِس بدأ اول، اِس کمتر مخلوق، اور اِس خلق قدیم کی نسل کو ہزارہا برس کی تدبیر امر اور تشکیل نوع کے بعد اعلیٰ حیوانات کے

عالم حیوانات کی کشمکشِ حیات میں جسمانی زور، یا جارحانہ قوت ہی کسی جنس کے قیام کے لیے کافی نہیں ہوسکتی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴) مادہ تناسل سے، جو ایک حقیر سا پانی کا بلبلہ ہے، جاری رکھا؛ پھر تناسل کے اِس عظیم الشان مرحلے کو طے کرنیکے بعد اُس خلق جدید کے اعضا میں، ہزار ہا برس کی مزید تجویز و تدبیر کے بعد، بہترین تناسب قائم کیا (ثُمَّ سَوّٰىهُ)؛ اور پھر اس احسن الخلق شے میں اُس خدائے عزیز و رحیم نے اپنی ناپید امثال صفات اور اوصاف کا ایک ایک شمہ ڈالا، اسکو اپنی جناب سے تھوڑا سا علم، تھوڑی سی قدرت، تھوڑی سی سمجھ وغیرہ وغیرہ عطا فرما کر گویا اپنی روح اسمیں پھونک دی (وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهٖ)؛ اور آج اے اشرف الخلق انسانو! اس نے تم کو اِن تمام مرحلوں سے گذار کر وہ عظیم الشان نمائے الٰہی، اور اوصافِ کبریا کے وہ عدیم المثال مظاہر عطا کیے ہیں، جن کا نام کان ہے، آنکھ ہے، اور ذہنِ سلیم ہے، جن کے ذریعے سے تم صحیح معنوں میں (سب کمتر مخلوق کے نقلی کانوں، آنکھوں، اور قلوب سے قطع نظر) سُن سکتے ہو، دیکھ سکتے ہو، اور سمجھ سکتے ہو! افسوس کہ تم اِن حیرت انگیز نعمتوں کی بہت ہی کم قدر کرتے ہو، اور ان کو بہت ہی کم صحیح استعمال میں لاتے ہو (قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ)

(الف) اِن جلیل الشان آیات کے مطالب تک پہونچنا آسان کام نہیں، مگر قرآن کے طالب العلم کو محولہ بالا مطالب کی ابتدائی تصدیق کے لیے سورۂ مومن کی اُس آیت کو پیش نظر رکھنا چاہیئے جس میں انسان کی پیدائش کو اسقدر عظیم اور مُہتم امر قرار دیا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا اُس سے مقابلہ کیا ہے: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۴۰: ۵۷) "لوگو! اگر بچشمِ دامشا دہ کرو تو لامحالہ اِس نتیجے پر پہونچو گے کہ آسمانوں اور زمین کی تکوین کا سلسلہ بنی نوع انسان کے سلسلۂ تکوین سے بھی کہیں بڑھکر ہے۔ لیکن اکثر لوگ اِس حقیقت کا علم نہیں رکھتے"۔ گویا انسان کی تکوین کوئی خالہ کا گھر نہ تھی کہ ایک مٹی کا پُتلا سا بنا کر رکھدیا، اور پھر اُسمیں معاذ اللہ کسی شعبدہ باز نے پھونک مار کر جان پیدا کردی، جیسا کہ جہلا کا خیال اجہل ہے، بلکہ وہ ایک عظیم الشان تعمیری سلسلہ تھا جو ہزار ہا سالوں کے بعد اختتام پذیر ہوا! یہی بات ثُمَّ کی معنی خیز تکرار سے ظاہر ہے: (۳۲: ۸-۹)۔ نَسْلَهٗ۔ اور سَوّٰىهُ اور فِيْهِ، میں هُوَ کی غائب ضمیر سے لَكُمُ کی مخاطب ضمیر کی طرف رجوع کرنا بھی اِس امر کی طرف اشارہ ہے کہ هُوَ کی ضمیر انسان کی پہلی خلقتوں کی طرف ہے، نہ کہ خود انسان کی طرف۔ علاوہ ازیں انسانی نسل کو ایک دفعہ قطرۂ منی سے جاری کرکے بعد میں اُسکا تسویہ کرنا قطعاً بے معنی ہے (ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ ... ثُمَّ سَوّٰىهُ) بَدَاَ کے لفظ سے بھی جو (۳۲: ۷) میں ہے یہ ظاہر ہے کہ خلقت کی ابتدا مٹی سے ہوئی نہ کہ تکمیل۔ آج علم جدید کی حیرت انگیز تحقیق بھی انسان بلکہ تمام حیوانات کو اسی "طین لازب" سے بنایا ہوا قرار دیتی ہے: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ (۳۷: ۱۱) "ہم نے انسان کو لیس دار کیچڑ سے پیدا کیا"۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے: خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (۵۵: ۱۴) "اُس نے انسان کو ٹھیکری کی مانند بجتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا"۔ یہ بجتا ہوا لیس دار کیچڑ انسان کی تخلیق کا وہ سامان اوّل ہے جو ہر تالاب اور دلدل، جوہڑ اور سنڈاس کی تہ میں، یا جھیلوں کے کنارے پر، کثرت سے نظر آتا ہے، اور جس کے مرطوب اقوام کے اندر یورپ کا دقیقہ رس عالم اپنی خوردبین کے ذریعے سے اُس خلاقِ عظیم کی کروڑ در کروڑ مجرد ہستیاں چھپی ہوئی دیکھتا ہے۔ یہ سب وجود اسقدر دقیق ہیں کہ اُن کی کُل کائنات صرف ایک خلیہ یا حجرہ ہے جسکے اندر حیات کا عالم آرا کمین محفوظ بیٹھا ہے! یورپ کے طبعی فلسفی کا دعوٰے ہے کہ کل ذی حیات مخلوق اِسی نفس واحد کے اجتماع اور استعمار سے ہوئی، اور قرنہا قرن میں اپنی ارتقائی استعداد کے باعث ایک مکان سے دوسرے مکان، اور ایک جائے قرار سے دوسری جائے قرار میں منتقل ہوکر اس مقام پر پہونچی جسکا نتیجہ اشرف الخلق انسان ہے! قرآن حکیم نے اِس مہتم بالشان حقیقت کو، یورپ کی روح فرسا علمی تحقیق سے کامل بارہ سو برس پہلے، اُن ناقابل تاویل اور نالائق جمود الفاظ میں ادا کیا ہے جن کی اطلاع پاکر مغرب کے سب حکمائے عظام کا اِس کتاب عظیم کے آگے سر جھکا دینا قطعی ہے! سورۂ انعام میں ہے:

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ (۶: ۹۹)

لوگو! وہی خلاق عظیم تو ہے جس نے تم جیسے اشرف الخلق وجود کی ابتدا اور اُسکی نشاء اول ایک خورد بینی نفس مطلق سے کی (اَنْشَاَكُمْ)؛ پھر اُس نفس واحد کو ایک عارضی جائے قرار (فَمُسْتَقَرٌّ) اور ایک مکان استقرار سے دوسری جائے قرار میں بدلا، حتی کہ اُسے آخری مکان قرار اور مستقل جائے استیداع

Marfat.com

بلکہ اسکی حفاظت اور بقا کا اصلی راز 'صلاحیت' اور 'استعداد' ہے۔ جس نوع حیوانی نے سعی و ابتلا کے

بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵) (مُسْتَوْدَعٌ) میں سے آیا، جو احسن الخلق بشر کا قالب ہے۔ جو قوم ہمارے اعمال کو سمجھتی، اور اُسکا صحیح علم رکھتی ہے، اُسکو ہم نے اپنی قدرت کے یہ عجوبات (الآیٰت) اِن لفظوں میں بالتفصیل بیان کر دیئے ہیں۔

(نَفْسٌ) کا لفظ نہایت معنی خیز ہے جسکے معنی مطلق جان کے ہیں۔ قرآن حکیم میں انسان کی پیدائش کے متعلق ہر جگہ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ کا ذکر ہے۔ بَشَرٍ واحِدٍ کا کہیں ذکر نہیں لیکن یہ بحث اپنے موقع پر دوسری جگہ آئے گی)

قرآن کو کتاب خدا مان کر مسئلہ ارتقا کے درست ہونے، یا مسئلہ ارتقا کی عینی اور علمی شہادت پاکر قرآن حکیم کے منجانب اللہ ہونے کی آجتک اِس سے بہتر اور روشن تر شہادت کہیں موجود نہیں!

(ب) یَعْرُجُ کے لفظ سے جو سورۂ سجدہ کی محولہ بالا آیت (۳۲ : ۵) میں ہے، ازروئے نحو یہ ظاہر ہے کہ اِس کا فاعل خدا ہونا چاہیئے (یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ... ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ)، اور اِلَیْهِ کی ضمیر کا مرجع الامر ہونا چاہیئے۔ مگر مفسرین نے یَعْرُجُ کا فاعل الامر اور ضمیر کا مرجع خلاف اسلوب کلام خدا لکھا ہے، اور اِس آیت کا عجیب و غریب ترجمہ کر دیا ہے جس کے نقل کرنے کی یہاں ضرورت نہیں۔ متذکرۂ صدر ترجمے میں ازروئے نحو عام مفسرین کا اتباع کیا گیا ہے، مگر انصافاً اس اتباع کی ضرورت بھی معلوم نہیں ہوتی۔ اور چونکہ یَعْرُجُ کے معنی یہاں پر بتدریج ارتقا کرنیکے ہیں۔ اِسلیئے اِس نقطۂ نظر سے معانی اور بھی زیادہ صاف ہو جاتے ہیں:

"خدا وہ عظیم کار اور بزرگ اعمال خدا ہے کہ ایک امر مہم کی تجویز آسمان سے لیکر زمین تک کر دیتا ہے اور پھر اس امر عظیم کی طرف ایک مدت مدید میں جسکی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہوتی ہے آہستہ آہستہ اور نامحسوس طور پر ارتقا کرتا ہے" گویا اس امر کی تکمیل کہیں ہزار برس میں جاکر ہوتی ہے۔ اِس صاف ترجمے سے ارتقا کا وجود اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

(ج) سورۂ سجدہ کی یُدَبِّرُ الْاَمْرَ والی آیت سے یَوْم کی تشریح فیصلہ کن ہے، اور ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش ہماری گنتی کے چھ دنوں میں جو کہ وجود بھی اُسوقت نہ تھا، نہیں ہوئی، بلکہ ہزاروں برس یا کم از کم چھ ہزار برس میں ہوئی۔ لیکن یہ تعیین بھی درست نہیں۔ کیونکہ ایک دوسری آیت میں یَوْم کی اِس تعیین کو اُڑا دیا گیا ہے اور "کَاَلْفِ سَنَةٍ" کہکر اُسکو غیر محدود کر دیا گیا ہے: وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ (۲۲ : ۴۷) "اور یہ لوگ تم سے عذاب کے بارے میں جلدی مچا رہے ہیں، حالانکہ خدا اپنا وعدہ ہرگز خلاف نہیں کرتا اور تمہارے پروردگار کے نزدیک تو ایک دن بھی تمہارے شمار کے ایک ہزار برس کی مانند ہوتا ہے، پھر اُسکو کونسی جلدی پڑی ہے"! اور سورۂ معارج میں تو یَوْم کی مدت پچاس ہزار برس لکھی ہے: تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝ (۷۰ : ۴) "ملائکہ اور رُوح اُس خدائے عظیم کی طرف ایک مدت مدید (یَوْم) میں ارتقا کرتی ہیں جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہے"! المَلٰئِکَة اور الرُّوح کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے۔ لیکن اِن آیاتِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ 'یَوْم' ایک لامحدود مدت ہے جو ہزاروں بلکہ لاکھوں برس کی ہو سکتی ہے، اور ارض و سمٰوٰت کی پیدائش بھی لاکھوں برس میں ہوئی۔ ملائکہ اور روح کا پچاس ہزار برس میں عروج کرنا (خواہ اُن کی حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو) ارتقا کی طرف ایک اور اشارہ ہے جو ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔ 'ستۃ ایام' کے متذکرہ صدر الفاظ میں لفظ سِتَّةَ (چھ) کی تخصیص کو سمجھنے کے لیئے مزید تشریح درکار ہے جو آیندہ اوراق (صفحہ ۳۶-۳۷) میں کر دی جائے گی۔

(د) انسان کے اپنی موجودہ حالت سے بہتر مخلوق بننے کے متعلق قرآن عظیم میں ایک خفیف سا اشارہ ہے، جو استخلاف کی بحث میں جو صفحہ ۱۰ کے تحت المتن میں ہوئی، گذر چکا ہے۔ یہاں پر اسکا اعادہ کیا جاتا ہے: وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ ۝ (۴۳ : ۶۰) "اور اگر ہم مناسب سمجھتے تو تم ہی کو فرشتے بنا کر اس زمین میں تمہارا جانشین کر دیتے"۔ یہاں مِنْكُمْ کے الفاظ نہایت قابل لحاظ ہیں، لیکن یہ امر کہ آیا مَلٰٓئِكَة بہمہ وجوہ انسان سے بہتر مخلوق ہیں یا نہیں نہایت بحث طلب ہے، اور اسکی تشریح اپنے موقع پر آئے گی۔

Marfat.com

اِس عظیم الشان معمل میں موانع فطرت کا مقابلہ تندہی اور استقلال سے کیا، جو مخلوق موت

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۶) مسئلہ ارتقا کی باقی شقیں یہ ہیں:-

۶ "نفس واحدہ" کے اجتماع اور استعمار سے مختلف نوعیں پیدا ہوئیں لیکن ہر نوعی اجتماع نہ صرف پہلے نوعی اجتماع سے بہتر اور صالح تر ہوا بلکہ ہر ایک صورت اجتماع میں بھی، اسکے اپنے دائرے کے اندر، اصلاح اور ارتقا کی تجویز قائم رہی، حتّٰی کہ وہ صنف بذاتِ خود اوجِ کمال کو پونہچ گئی۔ گویا ارتقا ایک شجر ہے جسکی متعدد متفرع شاخیں ہیں، اگرچہ اصل ایک ہی ہے؛ مختلف شاخیں اپنے اپنے خطوں پر پھولتی پھلتی گئیں، بلکہ شاخ در شاخ بن گئیں؛ اُن پر مختلف پھول لگے، جو اِس شق کی 'صالح' ترین انواع ہیں۔ بعض شاخیں اور پتے جھڑتے گئے، جو غیر صالح' انواع کی مصداق ہیں۔ اِس تنے کی بلند ترین شاخ انسان ہے، جسکی کئی ایک فروع ہیں جو بلحاظ اختلاف لون و نسل، اور امتیازِ فہم و ادراک، ایک دوسرے سے قوی تر، صالح تر اور ممیز تر ہیں۔ جس قوم یا نسل کی حکومت، صورتاً اور معناً، اِس زمین کے بر و بحر پر قائم ہے وہی آج 'اصلح' ہے، اور اس عظیم الشان درخت کی چوٹی پر متمکن ہونا اُسیکا طغرائے امتیاز ہے"!

(الف) کتاب خدا نے شجرے کی صورت کو نہایت بلیغ اور پُر معنی الفاظ میں ادا کیا ہے، مگر اُن کی حقیقت نا اہل مسلمانوں کے ہاتھوں مدت ہوئی مسخ ہو چکی ہے۔ سورۂ نوح میں ہے: وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ (۷۱: ۱۷) "اور اے ساکنانِ زمین! خدائے عظیم نے تم انسانوں کو زمین سے ایک درخت کی طرح اُگایا"! گویا جب انسان کی زمین سے درخت کی مانند اُگنے کی ظاہری صورت کوئی نہیں تو اِن الفاظِ وحی کے لامحالہ کوئی اور عظیم الشان معانی ہیں جن کی تعلیم دینے کے لیئے ربِّ بے مثال نے ایک مستقل آیت بھیجنے کی تکلیف گوارا کی۔ مگر آجکل کے مسلمانوں کو جو کسی عزیز کے مرنے پر ایک رات میں پورے قرآن کو کئی بار دُہرا کر مُردے کو ثواب پونہچانے میں مشغول ہیں، قرآن عظیم کے مطالب سے کیا غرض ہے! جب ایک ایک حرف کی تلاوت پر لاکھوں نیکیاں خود بخود مِل رہتی ہیں تو معانی جو کچھ بھی ہوں ہوتے رہیں، اُن سے بحث کرنے کی کیا ضرورت ہے! اِسی سورۃ میں ایک اور مہتم بالشان مضمون ہے جو پوری دو آیتوں میں ادا کیا گیا ہے:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۚ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ (۷۱: ۱۳-۱۴)

اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اُس خدائے عظیم سے عزت اور آبرو کی آس نہیں لگاتے، تم اُسکے قانون پر چل کر بہتر بن بننے کی اُمید نہیں رکھتے، حالانکہ وہی ربِّ بے مثال اور وہی منعم حقیقی تو ہے جس نے تم کو کئی طریقوں، اور تخلیق کے کئی مرتبوں سے مرتقی کر کے پیدا کیا ہے، ادنیٰ مخلوق سے اعلیٰ مخلوق میں ترقی دیکر، اور ایک جبلّت سے دوسری اعلیٰ جبلّت میں بدلکر اشرف الخلق ہونے کا وقار بخشا ہے!

کیا 'وقار' اور 'اطوار' والی آیات کا ربط اِس کے سوا کسی اور معانی میں ہو سکتا ہے؟ اور کیا نوح علیہ السلام ایسا اولوالعزم نبی اِس وقار کی حقیقت معلوم کیئے بغیر اپنی قوم کو خطاب کر رہا تھا؟

(ب) بنی نوع انسان کی سب مخلوق پر فضیلت خدائے عظیم کی اِس زمین پر ہر شخص کو بہر نوع واضح ہے، اور جو انسانی نسل زمین کے بر و بحر، اور طیبات رزق کی مالک ہے، اُس کا تفضل بھی اظہر من الشمس ہے۔ مگر زمین و آسمان کے مالک کا کلام انسان کی فضیلت تمام عالم کی مخلوق پر نہیں مانتا، اور اُسکی ناپیدا کنار آسمانی فضا میں لامحالہ کسی شریف تر مخلوق کے وجود کی گواہی دے رہا ہے، لیکن اِس نکتے کی تصدیق کے لیئے مریخ سے چشمک زنی کی سعی کرنے والے یورپ کو ابھی نہ معلوم کتنی اور صدیاں درکار ہیں! سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (۱۷: ۷۰)

اور بیشک ہم نے بنی آدم کو اشرف المخلوق بنا کر بڑی ہی عزت دی اُن کو اِس پہنائے زمین کے بر و بحر پر قابض کر کے صحیح معنوں میں اِس زمین کا حکمران کر دیا،

Marfat.com

وحیات کی اِس مجاہدانہ کشمکش میں اپنی ظاہری اور باطنی قوّتوں کا مناسب اور بہترین استعمال

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۷) اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں اُنکو دیں، اور اِس کائنات عالم میں جسقدر مخلوق ہم نے پیدا کی ہے، اُن میں سے اکثر پر ان کو فضیلت عطا فرمائی۔

۷ "طبقات الارض کی تہوں میں میلوں کی گہرائی پر دبی ہوئی ہڈیاں نہ صرف اس مخلوق کی یادگار ہیں جو انسان سے پہلے اِس زمین پر بس رہی تھی، بلکہ زمین کے اُن طبیعی اور جغرافی، مقامی اور تخلیقی انقلابات کی سلسلہ وار سرگذشت ہیں جو نشاۃ آفرینش سے ہوتے، اور آج ہو رہے ہیں۔ گویا زمین کے تہ در تہ طبقے 'کتابِ' فطرت کے مرتّب اوراق، اور اُن کی ہڈیاں وہ ناقابل محو حروف ہیں جن کی وساطت سے ماجرائے زمین کا سلسلہ وار پتہ لگ سکتا ہے۔ اسفل طبقے اعلیٰ طبقوں سے لامحالہ قدیم تر ہیں، اور اُن کے باقیماندہ[1] آثار تکوین کے تدریجی سلسلے کی صحیح سند ہیں۔ اِن آثار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ شجر ارتقا کی ابتدا سب سے نیچے طبق میں اُن نہایت ابتدائی حیوانات سے ہوئی جو محض ایک خوردبینی مضغۂ گوشت تھے، مگر سطح زمین کے نزدیک کے اعلیٰ طبق میں 'فرعی ارتقا' اُس شدومد سے ہوا کہ بڑے بڑے جسیم اور زور آور حیوان (جن کے ڈھانچے آجکل کے بڑے سے بڑے حیوان سے بھی کئی گنا بڑے ہیں) روئے زمین پر مدّتوں کثرت سے آباد رہے۔ اُن کا بالآخر سطح زمین سے محو ہو جانا، اور بظاہر ضعیف جنسوں کا لکھوکھا برس سے جاری رہنا، اِس امر کی دلیل ہے کہ مزاحمت حیات میں جسمی زور یا جارحانہ قوت ہی کفایت نہیں کرتی، بلکہ 'صلاحیتِ بقا' اِن کے سوا کچھ اور شے بھی ہے۔ یہ صلاحیت فطرت کی اُن قوتوں کا، جو بقا کی راہ میں حائل ہیں، اور جو ہر مخلوق کے بالمقابل بقدر اسکی بساط کے نبرد آزما ہیں، مستعدی سے مقابلہ کرنا ہے۔ اگر چیونٹی کی نسل باوجود اپنے ضعف جسم کے ایک مدّت مدید سے اِس زمین پر متمکن ہے، درآنحالیکہ وہ عظیم و جلیل 'میمتھ' جو موجودہ ہاتھی سے کئی گنا بڑا تھا، تباہ ہو چکا ہے، تو اِس کا باعث لامحالہ یہی ہے کہ چیونٹی نے موانع طبیعت کا مقابلہ زیادہ مستعدی اور کامیابی سے کیا ہے۔"

قرآن کریم کا تمام دستور العمل اِس حیرت انگیز اور گرانبہا حقیقت کا وہ مکمّل اور آخری، وہ ناقابل ترمیم اور ناپیدا مثال مرقع ہے، جسکے بالمقابل آج اِس بیسویں صدی کے یورپ کا علم و عمل، اسکے سب معاشری اصول اور اجتماعی حکمت، اسکا علمی تفضّل اور سیاستِ مدن، ابجد اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ یہ 'صلاحیت' کی صحیح اور ناقابل انکار تعریف کرنا ہی اِس کتاب کا اہم موضوع ہے، اور اِسکی شہادت کتاب کے ہر ورق میں ملے گی۔ خود آیۂ استخلاف اِس حقیقت کبریٰ کی بصراحت تمام مؤیّد ہے۔ فی الحال مسئلہ ارتقا کی اِس شق کی تائید میں رسماً صرف دو معنی خیز آیتوں کو پیش کیا جاتا ہے لیکن مجھے خوف ہے کہ کتاب کے اِس ابتدائی حصے میں اُنکے صحیح مطالب اخذ کرنے میں غلط فہمی نہ پیدا ہو، اگرچہ فہمِ مطلب کے لیئے اِن کا اعادہ کتاب کے متن میں اپنے موقع پر کیا جائے گا:

وَنُرِيدُ أَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝ (۲۸ : ۵-۶)

(اُدھر فرعون اپنی فرعونیت میں مصروف تھا، کمزور اور مظلوم رعیت کے مختلف فریقوں کو ایک دوسرے سے لڑا کر اپنا اُلّو سیدھا کر رہا تھا، اور بنی اسرائیل کی بے کس قوم پر تو بر تو ظلم ہو رہے تھے (۲۸ : ۴)، اِدھر ہم اِس بات کے درپے تھے کہ اُنہی لوگوں کو جو اُسکے مُلک میں نہایت کمزور سمجھے جاتے ہیں، اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیں، اُن کو قانون خدا کا پابند بنا کر زمین کے سردار بنا دیں،

---

[1] سطح زمین کی عمیق تہوں میں مخلوقات قدیمہ کے ان آثار باقیہ کو طبقات الارض کی علمی اصطلاح میں رکاز کہتے ہیں۔ ان رکازات کی تفصیل عنقریب آئندہ تحت المتن صفحہ ۲۸-۲۹ میں آئیگی۔

Marfat.com

کرتی رہی، اور حفظ نفس کے اصل اصول پر چلکر ہر مدِ مقابل سے فی الجملہ عہدہ برآ ہوئی،

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸) اور بالآخر اسی سلطنت کا وارث بنائیں جس کی شیخی پر فرعون اُن سے یوں ناک بھوں چڑھاتا تھا۔ نہیں بلکہ ہم چاہتے تھے کہ انکو اِس زمین میں یکسر متمکن کردیں، اور فرعون بادشاہِ مصر، اور ہامان وزیرِ اعظم، اور اُن کے مغرور گوراشاہی سپاہیوں کو جو یوں مونچھوں پر تاؤ دیکر اینٹھے اینٹھے پھرا کرتے تھے، ایک دفعہ وہی تباہی اور زوال اُن کی اپنی آنکھوں سے دکھادیں جس کا چور اُنکے دلوں میں (بنی اسرائیل کے مظلوم خشت پزوں کو کوڑے مارتے، اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو بے دھڑک قتل کرتے وقت) رہا کرتا تھا! (مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ)

وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۖ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ۝ (۷: ۱۳۷)

اور اس مبارک اور زرخیز سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بالآخر ہم نے اُنہی لوگوں کو کیا جو بظاہر کمزور گنے جاتے تھے۔ اور خدائے عظیم کا وعدۂ نیک تو بنی اسرائیل کے حق میں اوجِ تکمیل تک ٹھیک پونہچا، کیونکہ اُنہوں نے نہایت عزم اور استقلال سے دشمن کی سختیوں کی برداشت کی تھی، اُن کے ظلم و ستم کا مردانہ وار مقابلہ کیا تھا، اور موسیٰؑ کی قیادت میں مدافعت کے لیئے نکل کھڑے ہوئے تھے (بِمَا صَبَرُوا)، پھر ہم نے فرعون کے سب منصوبوں کو تہس نہس کردیا؛ اُس کی قوم کی سب عظمت خاک میں ملادی؛ اور جو اونچی اونچی عمارتیں وہ بنی اسرائیل کے آدمیوں کو بیگار میں پکڑ پکڑ کر بنواتے تھے، ایک اقل قلیل مدت میں خاک میں ملادیں!

کیا آج فرعون اعمال اور خون آشام یورپ کو اِس قانونِ خدا، اِس آئینِ موت و فنا، اِس تعریف عدم صلاح کو پڑھکر کچھ لرزش نہیں ہوگی؛ یا کیا بیچارہ اور مظلوم مشرق کو، اِن آیاتِ خدا کی صحیح روح جذب کرلینے کے بعد، 'صلاحِ عمل' کی کوئی اور تعریف کردینا باقی ہے!

مسئلہ ارتقا کی آخری شق یہ ہے:

۸۔ (الف) کرۂ فلک کے اِس ناپیدا کنار محیط میں، جسکی وسعت قطعًا ناقابلِ مساحت ہے، لاانتہا عظیم و جلیل کُرے ہول انگیز فاصلوں پر ہر طرف پھیلے ہوئے اپنے اپنے مداروں پر چل رہے ہیں۔ منظار اللون کی ناقابل انکار شہادت نے آج یہ بات پایہ ثبوت تک پونہچادی ہے کہ ان سب مجامع عوالم کی ترکیب اجزا میں وہی مشترک عناصر، اہوتہ، اور فلزات، شامل ہیں جو زمین پر موجود ہیں؛ کوئی نیا عنصر یا فلزی اور ہوائی مرکب ابتک اُن کے کسی حصے میں داخل ثابت نہیں ہوا۔ اِس مشاہدے سے لامحالہ یہ ثابت ہے کہ آسمان کے سب دور اور نزدیک کُرے بشمولیت زمین، آفرینش کے محض ابتدائی مراحل میں ایک مشترک "ہیولائے فضائی" تھے جسکے مختلف حصے علیٰحدہ علیٰحدہ ہوکر، (فارق المرکز قوت کے اثر سے) ٹھوس اجسام بن گئے، اور نئے مداروں پر چلنے لگے۔ طبعی نقطہ نظر سے **فطرت کی وحدت** اِس بنا پر ایک آشکارا امر ہے جسکے لیئے کسی مزید ثبوت کی ضرورت نہیں!

(ب) اجرام سماوی سے قطع نظر کرکے پھر اگر تمام عالم حیات کی طرف نظر دوڑائی جائے تو فطرت کا طالب العلم لامحالہ اِس نتیجے پر پونہچتا ہے کہ ماہیت 'حیات' کا راز سب روئے زمین پر ایک ہے۔ اسکا کیف و حال سب مخلوق میں اصلاً ایک ہے، اسکے لازمات اور ماجریات، تاثرات اور محسوسات[۱] ایک ہیں۔ پانی اُسکا وہ مشترک اور عالم آرا قوام ہے جسکے بغیر اس کا قائم رہنا محال ہے۔ ارتقائے حیات کے مختلف منازل میں یہی وہ شئے ہے جو ہر حال میں موجود ہے اِس بنا پر **حیات** کی روئے زمین پر **وحدت** بھی ایک بدیہی امر ہے!

---

[۱] اِس حیرت انگیز حقیقت کو سرزمین ہند کے مشہور طبعی فلسفی (جگدیش چندر بوس) نے حال (۱۳۳۷ھ ۱۹۱۸ء) ہی میں پایہ ثبوت تک پونہچادیا ہے۔

Marfat.com

وہی قانون طبعی کی اصطلاح میں صالح ہے، وہی مستخلف فی الارض اور غالب ہے، وہی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹) (ج) مشاہدہ فلک نے ثابت کردیا ہے کہ "ہیولائے فضائی" سب کا سب ابھی ختم نہیں ہوا، بلکہ مختلف شکلوں میں، بعض مجامع النجوم کے گرداگرد، فضائے اثیری میں پڑا چکر کھا رہا ہے۔ اس بنا پر تخلیق عالم کا سلسلہ بھی ختم نہیں ہوا، بلکہ روز بروز نئے کرے وجود میں آرہے ہیں، یا پرانے نسیاً منسیاً ہوکر ہیولائے فلک بن رہے ہیں۔ الغرض یہ سب تعمیر و شکست ایک بے پایان سلسلہ ہے جس کا، کوتاہ نظر انسان کے محدود علم کے رو سے اٹل نتیجہ ایک ہی ہے؛ اور وہ یہ کہ تمام کائناتِ فطرت ایک ہی، اسکی علۃ العلل ایک ہے، صورتِ اتحاد ایک ہی، نسخہ حیات ایک ہی، رازِ مہمات ایک ہی، نظم و نسق اور مطاعِ بے مثال ایک ہے"!

وحدتِ کائنات کا یہ ہوش رُبا انکشاف مغرب کے حکمائے عظام کو آج اس جانگزا تلاش اور قرنوں کے پیہم مشاہدے کے بعد حاصل ہوا ہے جسکی مثال سطح زمین کا کوئی گذشتہ قرن حتماً پیش نہیں کرسکتا۔ مگر اسی عالم آرا اور حقیقت کشا توحید کا اعلان تیرہ سو برس پہلے اس پہنائے زمین میں ریگستان عرب کے اُمّی **پیغمبر** (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں اس شدّ و مد سے ہوا کہ دنیا اُس نتیجہ خیز یقین کی مثال پھر پیدا نہ کرسکے گی۔ آج اس توحید کے رسمی نام لیوا اگرچہ اُسی خدائے واحد کے اٹل قانون کے مطابق مٹ رہے ہیں۔ مگر خدا کا نوشتہ اَنمٹ ہے، اور یورپ کے تثلیث سے بیزار، اور قرآن سے ناآشنا طبعی فلسفی تحسین و آفرین کہتے ہوئے نہ جانے کیا کیا معنی خیز سوال کررہا ہے! سورۂ انبیاء میں ہے:

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ (۲۱:۳۰)

اے پیغمبر! کیا قانونِ خدا اور خدا کے منکروں نے، انکار کرتے وقت، اس عظیم الشان حقیقت پر نظر نہیں کی کہ آسمانوں کے لاانتہا کرے، بشمولیت زمین، پیدائش کے ابتدائی مراحل میں، باہم ملے ہوئے تھے (كَانَتَا رَتْقًا)، اُن کے مواد کا باہمی انضمام اور اتصال تھا (كَانَتَا رَتْقًا)، ان کا ہیولا ایک تھا (كَانَتَا رَتْقًا)، پھر ہم ہی نے اُس ہیولائے فضائی کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس حیرت انگیز سلیقے اور ترتیب، اس محیر العقول نظم و نسق کے ساتھ آسمان اور زمین کو بنایا (فَفَتَقْنٰهُمَا)۔ اور تمام عالم کے سب بالا و پست میں وحدتِ کائنات اور وحدت خدا کی عینی اور ناقابل الکلہ، زندہ اور لازوال شہادت قائم کردی! اور یہی نہیں بلکہ ہم ہی نے ہر ذی حیات شئے کی حیات کا قوام پانی سی عام اور مشترک شئے سے کرکے، تمام عالم کو وحدت حیات اور وحدت خلاق کا بدیہی ثبوت دے دیا! تو کیا اب بھی یہ لوگ اُس خدائے عظیم کی وحدت، اُسکی لامثالیت، اُسکی لاشریک حکومت، اُس کے عالم آرا تسلط، اُس کی عظیم کاری اور نظم پسندی پر ایمان نہیں لاتے؟ کیا آج سے تیرہ سو چالیس برس پہلے، جب کہ زمین خدا کے طول و عرض میں مغرب کی موجودہ علمی تحقیق کا نام و نشان تک نہ تھا، جب جہل و وہم کی ہوشربا ظلمت سب طرف یکسر چھائی ہوئی تھی، پہنائے بر و بحر کی سب سے جاہل، سب سے بے علم، مغلوب الوہم اور بے ہنر قوم کا ایک اَن پڑھ، یتیم، اور مظلوم بشر اپنے زورِ مشاہدہ سے، اپنے خداداد علم، اور قلبِ سلیم کے باعث سب دوربینوں اور خوردبینوں سے بے نیاز ہوکر ملکوت زمین و آسمان کا وہ یکتا اور فریدالدہر عالم نہ بن گیا تھا جس کا اندازہ آج لگاتے ہوئے ہوش پاش پاش ہوجاتے ہیں! اور کیا وہ اِن آیاتِ خدا کے قلب پر نازل ہوتے وقت اُس صاحبِ کبریا و جبروت سے، جو اس کائناتِ جہان کا باعثِ اوّل ہے، دو گز بلکہ اس سے بھی قریب تر بیٹھا ہوا گردوں کے اُفق اعلیٰ کا تماشہ بچشمِ خود نہ دیکھ رہا تھا؟ سورۂ نجم میں الٰہ العالمین کی طرف سے اِس یتیم بچے کو یہی سند ملی ہے جس کی شہادت آیۂ رق کے اِس حیرت انگیز انکشاف کے بعد مغرب کا ایک ایک حکیم بے اختیار دیگا:

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحٰى ۝ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوٰى ۝ ذُو مِرَّةٍ ۖ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى ۝ فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهِ مَا أَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى ۝ أَفَتُمٰرُونَهُ عَلٰى مَا يَرٰى (۵۳:۱-۱۲)

مرتقی، متمکن، اور صحیح معنوں میں زور آور ہے۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو آج وہ عظیم الجثہ افیال

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰) اے صحنک زمین کے بے خبر بسنے والو! اور اے عظمت خدا کے ناقدردان بندو!، بام آسمان کا وہ بلندیوں پر دوڑنے والا ستارہ جو شکست کے آخری مرحلوں سے گذر کر تم سے بدرجہا زیادہ قانون فنا و بقا سے باخبر ہو گیا ہے، اس بات کا شاہد ہے (وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى) کہ تمہارا رفیق محمدؐ نہ تو غلط چل رہا ہے، اور نہ کچھ بہک گیا ہے۔ وہ زمین و آسمان کے جو جو حقائق عالیہ تمہارے سامنے بول رہا ہے، کچھ اپنے وہم اور خواہش نفسانی سے نہیں بولتا، بلکہ وہ سب کے سب آسمانی انکشاف ہیں جو اس پر کیے جا رہے ہیں؛ وہ خدائی آواز ہے جو اوج آسمان سے بول رہی ہے۔ اسکو یہ سب علمی اور حکمی معارف شدید القویٰ اور غالب الامر خدا نے خود سکھائے ہیں! اسی علم کے زور اثر سے وہ آج، اوج کمال پر پہونچکر، افق اعلیٰ پر متمکن ہے (فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى) ملکوت خدا کا تماشا کر رہا ہے! نہیں، بلکہ وہ اس سے بھی بلند تر ہو کر استاد ازل تعالیٰ کے عرش تک پہونچ گیا ہے (ثُمَّ دَنٰى)، اور اس آستانہ کبریا و علم پر جبین نیاز گھستے گھستے (فَتَدَلّٰى) بقدر دو کمان بلکہ اس سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا ہے! پھر جب وہ علم اور عجز، مشاہدہ اور ارادت، استعداد اور نیاز، ذوق اور شوق کے اس مقام منیع تک پہونچ چکا، تب کہیں اس ایزد بیمثال نے اپنے بندے کو وہ بات وحی کی جو تمہارے سامنے ہے! (فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى) بے خبرو، اور نا حقیقت شناس لوگو! ذہن اور قلب سلیم (فُؤَادٌ) نے جو حقیقت حال دیکھی اس میں محمدؐ کو کچھ دھوکا نہیں ہوا، تو کیا تم لوگ قرآن حکیم کے ان برحق نتائج کے متعلق جنکی حقیقت اسنے بچشم خود دیکھی ہے، اس سے جھگڑا کر رہے ہو (اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى)۔

کیا اس سے بہتر اور قائم تر معراج علم و کمال آج تک کسی بڑے سے بڑے یورپی فلسفی، بڑے سے بڑے حکیم، بڑے سے بڑے طبعی کو حتماً حاصل ہوا ہے؟ کیا جہل و وہم، ظن و گمان کے عالم آرا ماحول میں اتنی وسیع نظری، ایسی صاف بینی، اسقدر بلند نگہی، ایسے حقیقت کشا افق کا حامل ہو جانا، العیاذ باللہ، کسی دھوکہ باز بے علم، نفس پرست اور جاہ طلب آدمی کا کام ہو سکتا ہے؟ کیا آیۂ رتق (۲۱: ۳۰)، آیۂ مستودع (۶: ۹۹)، آیۂ نبات (۷۱: ۱۷)، آیۂ سافلین (۹۵: ۵)، وغیرہ وغیرہ کا مضمون آج سے صدیوں پیشتر اس سید کائنات، اس حقیقت شناس اور خدا شناس، اس خیر الورے اور اعلم الناس بشر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سوا کسی اور مدعی علم کسی دوسرے معلم حکمت، کسی ارسطاطالیس، یا افلاطوئے زماں کے منہ سے نکلا؟ کیا وہ مغرب کا سب سے بڑا "معلم الحکما" ارسطو (المتوفی ۳۲۱ قبل مسیح)، جس کی حکمت اور پیش بینی پر آج یورپ بھی اپنی ہٹ دھرمی اور تعصب کے باعث اسقدر نازاں ہے، اور جسکی علم فطرت کے متعلق ہولناک غلطیوں کی عجیب و غریب تاویلیں پیش کر کے اس کے جہل پر پردہ ڈالنے کی سعی کر رہا ہے، فیثاغورس (المتوفی ۵۰۰ قبل مسیح) کے دو سو برس پیشتر کے صحیح دعاوی کے باوجود، زمین کو مرکز عالم قرار دینے، اسکو ساکن اور شمس و قمر کو اسکے گرد متحرک بتانے، اور پہنائے آسمان کو خالی فرض کر کے نجوم کو آسمان کے بلوری کروں میں نصب کیا ہوا یقین کرنے میں وہ مہلک غلطی، وہ المناک نادانی، وہ مضحکہ انگیز سوقیانہ کلام نہیں کر رہا تھا جسکے زیر اثر دنیا، کاپرنیکی نظام (سنہ ۹۳۶ھ سنہ ۱۵۳۰ عیسوی) کے شائع ہونے تک، کامل اٹھارہ سو برس تک پڑی بھٹکتی رہی؟ اور کیا وہ پھر اس فخر موجودات، اس حکیم عرب، اس مکی اور مدنی معلم الناسؐ اور متعلم خدا کا لایا ہوا معجز نما کلام نہ تھا جسنے کاپرنیکس (المتوفی سنہ ۹۴۹ھ سنہ ۱۵۴۳ع) کے موجودہ مسلم نظام سے کامل نو سو برس پیشتر، نااہل مسلمان کی ناقدردانی اور نارمز شناسی کے باوجود، زمین کو بلکہ بلا استثنا تمام اجرام سماوی کو متحرک قرار دے کر ارسطو کی شرارت انگیز حکمت کا یکسر قلع قمع کر دیا تھا:

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ (۳۹: ۵)

Marfat.com

اور لحیم الجسد اژدہے جو قرون خالیہ میں روئے زمین پر اس کثرت سے آباد تھے متسلط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱) لوگو! اُس رب بیمثال نے ہی آسمان کے لاانتہا ستاروں (السَّمٰوٰت) اور زمین کے عظیم الشان کرے کو پیدا کیا، اور اب روز روز ان اجرام سماوی کی حیرت انگیز ترتیب اور وقت طلوع و غروب کی تعیین سے رات کی ظلمت آرا چادر کو دن کے روشن جسم پر لپیٹ دیتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ دن کے نورانی حجاب کو رات کے سیاہ جسم پر اوڑھ دیتا ہے۔ اور بڑی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سورج اور چاند جیسے عظیم و جلیل کروں کو اُسنے اپنی مرضی کے تابع، اپنے حکم کا محکوم، اور اپنے اشارے پر مجبور کر رکھا ہے (سَخَّرَ)۔ یہ سب آسمانی کرے، یہ شمس و قمر، یہ سماوات، اور زمین سب کے سب (کُلٌّ) ایک وقت مقرر تک حرکت کر رہے ہیں (یَجْرِیْ) اور منشائے ایزدی کو پورا کر رہے ہیں۔ لوگو! بگوش ہوش سُن رکھو کہ وہ خدائے بے ہمتا بڑا غالب القوی (اَلْعَزِیْزُ) اور بڑا پردہ پوش (اَلْغَفَّارُ) ہے۔

کیا پھر دشمن کی حجت کو یکسر توڑنے اور اسلام کے عالم آرا فلسفے کو ارسطاطالیسی نظام سے بدرجہا بلند اور حقیق تر جتلانے کے لیے اُس نے اسی یَجْرِیْ کے قدرے مشکوک لفظ کی ناقابل انکار تشریح، آیۂ رتق (۲۱: ۳۰) کے معًا بعد کر کے یہ دعوے نہ کیا تھا کہ "سَمٰوٰت" اور زمین، اور شمس اور قمر سب کے سب بلا استثنا اپنے اپنے "فلک" اور اپنے اپنے مدار میں پڑے چل رہے ہیں، اور "السَّمَآء" سے مراد ("السَّمٰوٰت" اور "فلک" کے قرآنی مفہوم سے قطع نظر) وہ محفوظ، اور ناقابل درک، وہ نادست رسیدہ اور نانظر یافتہ چھت ہی جسکے نیچے یہ سب ہنگامہ کائنات ہو رہا ہے اور جسکے محفوظ ہونے کا آج تمام یورپ قائل ہو چکا ہے:

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝ (۲۱: ۳۰-۳۳)

اے پیغمبر! کیا منکرین خدا نے اس حقیقت پر نظر نہیں کی کہ آسمان کے لاانتہا کرے (السَّمٰوٰت) اور زمین، پیدائش کے ابتدائی مراحل میں ملے ہوئے تھے (کَانَتَا رَتْقًا)، پھر ہم نے ان دونوں کو آپس سے الگ الگ کر دیا، اور سب زندہ اشیا کا قوام پانی بنا دیا۔ تو کیا یہ لوگ اس حیرت انگیز انکشاف کے بعد بھی خدا کی توحید پر ایمان نہ لائیں گے؟ اور ہم ہی نے زمین میں عظیم الشان پہاڑ اپنے اپنے موقع پر ڈال دیئے کہ زمین (اپنی حرکت میں) انکو لیکر ایک طرف کو نہ جھک جائے (اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ)، اور اسکا مرکز ثقل قائم رہ سکے، اور کشادہ راہیں اُس میں بنا دیں کہ لوگ راہ پا سکیں۔ اور آسمان (السَّمَآء) کو ایک مضبوط اور ناقابل شکست "چھت" بنا دیا، اسکے ہر حصے کو انسان یا دیگر مخلوق کے دست تصرف سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا (سَقْفًا مَّحْفُوْظًا)؛ خدا کی اس حیرت انگیز مضبوط کاری اور حفاظت پسندی کو دیکھنے کے باوجود لوگ اس کے حفظ و امان دینے والے احکام سے گریز کرتے ہیں۔ اور لوگو! وہ خدا ہی تو ہے جس نے رات اور دن کی عظیم الشان حقیقتوں کو نیست سے ہست کیا، اور شمس و قمر کے عظیم الشان کروں کو پیدا کیا۔ یہ سب کرے، یہ شمس و قمر، یہ سموات اور زمین، یہ لیل و نہار اپنے اپنے مداروں میں پڑے تیر رہے ہیں!

کیا جبال زمین کے قیام کی یہ حیرت انگیز تشریح موجودہ علم جرِ ثقیل کے اُس اصولی ضابطے، اور علم التجمیعات (انٹیگرل کلکولس) کے اُس اساسی قاعدے کے بالمقابل حرف بحرف پوری نہیں اُترتی، جسکے رُو سے کسی دوّار جسم کے مرکز ثقل کا محور پر واقع ہونا، اُسکی یکساں ادھموار حرکت کے لیے لابدی ہے، اور جسکے بدون اس محور کا، اُس جسم کا، بلکہ جسم کے اجزا کا ہر دم لڑکھڑاتے رہنا اٹل ہے کیا "اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ" کے بعد "کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ" کا دعوے خود اس امر کی روشن دلیل نہیں ہے کہ بطلیموسی اور ارسطاطالیسی نظام ایک لغو نظام تھا، جسکی تقلید ساکنان زمین نے صدیوں تک غلط اُصول پر کی؛ اور جب ہر جرم فلکی کا ایک علیحدہ مدار (فلک) ہی تو لامحالہ زمین بھی اپنے مدار پر چل رہی ہے اور یکساں حرکت سے

Marfat.com

ہو جاتے اور حضرت انسان کے لیئے گز بھر جگہ میسّر نہ ہوتی۔ چیونٹی سے لیکر ہاتھی اور کنجشک

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲) چل رہی ہے! نہیں کیا خود کاپرنیکی نظام کے اندر، جس کے اہم حصّوں کو آج یورپ نے پایہ ثبوت تک پونہچا کر تلاش حقیقت میں کامیاب ہونے کا سہرا ہمہ تن اپنے سر پر رکھا ہے، اور جسکی بعض شقوں پر نادیدہ ایمان بلا حیل و حجت قریباً تین سو برس تک قائم رہا، کیا خود اِس نظام کے اندر سورج کے ساکن فرض کر لینے کی وہ خرمناک غلطی کئی قرنوں تک نہایت التزام کے ساتھ جاری نہ رہی جس کو ہرشل (المتوفی ۱۲۳۷ھ ۱۸۲۲ء) نے، مدۃ العمر مشاہدے کے بعد ابھی پورے ڈیڑھ سو برس نہیں گذرے، ۱۱۹۷ھ ۱۷۸۳ء میں اِن معرکۃ الآرا الفاظ میں درست کیا:۔

"سورج مع اپنے تمام نظام شمسی کے خود ایک بعید و دراز مرکز کے گرد چل رہا ہے اور موجودہ اوقات میں اس کی سمت حرکت ایک مجمع النجوم کی طرف ہے جس کا نام "الجاثی علیٰ رکبتیہ" ہرکولیس ہے"

آہ! کیا پھر اسی عظیم الشان حقیقت اور محیر العقول صداقت کو محمد (صلعم) کے لائے ہوئے قرآن عظیم نے کامل بارہ سو برس پیشتر "کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ" کے عالم آرا الفاظ کے علاوہ (جس سے لامحالہ سورج کا کسی مرکز کے گرد چلنا ظاہر ہے) اُنہی شاندار اور شرمندہ کن الفاظ میں بصراحت تمام بیان نہیں کیا جن کو دُہرانے پر قرآن سے بیخبر اور محمد (صلعم) سے ناآشنا ہرشل قطعاً مجبور ہو گیا تھا!

وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (۳۶: ۳۸)

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ۝ (۳۶: ۳۹-۴۰)

اور آفتاب ہے کہ اپنے کسی ایک جائے قرار کی طرف برابر چلا جا رہا ہے! لوگو! اُس قاہر القویٰ اور غالب العلم خدا کا باندھا ہوا اندازہ اس عظیم الشان شعلۂ نور کے حق میں یہی ہے (جس سے اِدھر اُدھر ہٹنے کی اُس بیچارے میں کچھ طاقت نہیں۔)

اور چاند کی حرکت کی ہم ہی نے منزلیں مقرر کر دی ہیں تو وہ اس اندازے کہ اُس کا روشن حصہ گھٹتے گھٹتے ایسا ٹیڑھا اور پتلا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پُرانی سوکھی ہوئی ٹہنی۔ نہ تو سورج بیچارے میں طاقت ہے کہ اپنے سے کمزور چاند کو لپک کر پکڑ لے، نہ رات ہی سے بن پڑتا ہے کہ دن سے پہل کر لے۔ اور یہ اجسام سب کے سب (بشمولیت زمین جسکا ذکر (۳۶: ۳۶) میں ہوا) اپنے اپنے فلک، اور آسمان میں پڑے تیر رہے ہیں!

ہاں! لیکن اُس عزیز و علیم ہستی کے بالمقابل، جسکے دست قدرت میں سورج کا زمین سے تیرہ لاکھ گنا بڑا کرہ محض بیچارہ ہے، غریب ہرشل کی کیا بساط تھی کہ علم میں مسابقت کرتا!

مسئلہ ارتقا کی آخری شق کے تیسرے حصّے (ج) کے متعلق بھی قرآن میں وہ فیصلہ کن شہادت موجود ہے جس سے خدائے عظیم کے متعلق تعطّل کا نظریہ، (جس کا فلسفہ داں ابن باجہ اسقدمقائل تھا)، محض ساقط ہو جاتا ہے۔ "خَلَقَ" کا لفظ قرآن کریم میں ہر قسم کی مخلوق کی پیدائش کے متعلق استعمال ہوا ہے۔ خود اسی تحت المتن میں یہ اصطلاح اِنْسَان (۹۵: ۴) صفحہ ۱۲، (۳۷: ۱۱) صفحہ ۱۵، (۵۵: ۱۴) صفحہ ۱۵، (۷۱: ۱۴) صفحہ ۱۷، (۳۲: ۷) صفحہ ۱۴)، السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (۳۲: ۴) صفحہ ۱۴، (۴۰: ۵۷) صفحہ ۱۵، (۳۹: ۵) صفحہ ۲۱)، لَیْلَ وَنَهَارَ، شَمْسَ وَقَمَرَ (۲۱: ۳۳) صفحہ ۲۲) بلکہ آیہ (۲۰: ۵۰) صفحہ ۱۱ میں بلا تخصیص ہر شئے کی پیدائش کے بارے میں مستعمل ہوئی ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے خدا کے ابداء و اعادۂ خلق کے متعلق وہ تمام دعاوی جو قرآن میں جا بجا موجود ہیں، کسی ایک قسم کی مخلوق، (مثلاً انسان یا حیوانات یا نباتات) تک ہی محدود نہیں ہو سکتے، بلکہ اُن سے مراد ہر قسم کی مخلوق کا بار بار پیدا کرنا ہے۔ اور جس میں لامحالہ نئے سموات، نئے ستاروں اور نئے کروں کی پیدائش شامل ہے۔ یہاں پر ایک دو موقعے قابل ذکر ہیں۔ سورۂ یونس میں ہے:

Marfat.com

سے لیکر انسان تک جو جو نسلیں اِس وقت تک قائم ہیں اُن میں صلاحیت عمل کم و بیش باقی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳) قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ (۱۰ : ۳۴)

اے پیغمبر! اِن لوگوں سے کہو کہ کیا تمہارے شریکوں اور ٹھیرائے ہوئے خداؤں میں کوئی ایسا بھی ہے جو مخلوق کو نیست سے ہست کرے اور پھر بار بار نئی مخلوق پیدا کرتا رہے؟ ان کو کہو کہ خدا ہی مخلوق کو نیست سے ہست کرتا ہے اور پھر اُسکو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے۔ تو تم کدہر کو بہکے چلے جا رہے ہو!

سورۂ عنکبوت میں یہی اشارہ ذرا واضح تر ہے۔ کیونکہ اعادۂ خلق کے عینی مشاہدے کی ترغیب دی گئی ہے، اگرچہ اس 'خلق' سے مراد مخلوق زمین ہی ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (۲۹ : ۱۹-۲۰)

کیا منکرینِ خدا نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ خدا مخلوق کو کس طرح نیست سے ہست کرتا ہے اور پھر اُسکو بار بار پیدا کرتا ہے۔ بیشک نہیں کہ یہ سب کام (یعنی ابدا اور اعادہ) خدا پر بیحد آسان ہے۔ ان کو کہو کہ جاؤ زمین کے طول و عرض میں جا کر تماشا کرو کہ خدا نے مخلوق کی ابتدا کیونکر کر دی ہے۔ پھر وہی خدا ان سب کو نیست کر کے ایک دوسری پیدائش کی ابتدا (يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ) کرے گا۔ اِس میں شک نہیں کہ خدا ہر شے پر قادر ہے! (آیہ (۲۹ : ۱۹) اِس دنیا میں مخلوق کے اعادے کے متعلق ہے اور (۲۹ : ۲۰) آخرۃ کے اعادے کے متعلق ہے)

سورۂ روم میں اعادۂ خلق کے ساتھ ساتھ سمٰوات اور زمین دونوں کا ذکر کر کے نوعِ مخلوق کو اور بھی عام کر دیا ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۳۰ : ۲۷)

لوگو! وہی رب قدیر تو ہے جو مخلوق کو نیست سے ہست کر رہا ہے پھر اُسکو بار بار پیدا کرتا ہے، اور یہ سب کچھ اُسکے لیئے بیحد آسان ہے! اور آسمانوں اور زمین میں اُسکی اس عظیم الشان طاقت کی دھاک بندھی ہوئی ہے، اور وہ خدا بڑا غالب القوٰی اور صاحب حکمت خدا ہے جو ایسا کر سکتا ہے!

آسمانوں میں قوت کی دھاک تبھی بیٹھ سکتی ہے، جب وہاں بھی تخلیق کا سلسلہ اُسی طرح جاری ہو جیسے یہاں پر ہے۔ لیکن ان شہادتوں سے قطع نظر جن کے مطالب میں مفسرین نے تاویل کی بہت کچھ گنجایش اختیار کر کے اُن کو متشابہ المعانی بنا دیا ہے، اور جن کے صحیح اور مربوط معانی اپنے اپنے موقع پر کتاب کے متن میں آئینگے، اور شہادتیں بھی ہیں جنسے لامحالہ ثابت ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کا خلاق عظیم اُن کی پیدائش کے بعد بھی نئے نئے مہمات امور میں مصروف ہے، اور روز بروز نئے عظیم الشان کام کر رہا ہے۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے:

يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۝ (۵۵ : ۲۹)

لوگو! جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے سب اُسی کے آگے ہاتھ پھیلا رہا ہے، اُسیکا محتاج اور سوالی ہے۔ وہ بے کار اور معطل خدا نہیں بلکہ آئے دن کسی نہ کسی عظیم الشان کام میں مصروف ہے!

یَوْم کی تشریح پہلے گذر چکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ 'کام' بھی نہایت عظیم الشان ہونا چاہیئے۔ خدا کے بیکار نہ رہنے کے متعلق سورۂ قٓ میں بھی ایک پُرمعنی اشارہ ہے جس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ خدا ہر دم نئی تخلیق میں مصروف ہے اور تعطل کا دعوٰے محض باطل ہے:

Marfat.com

ہے۔ اگر فریقہ کا قصیر الجسم ہاتھی رفتہ رفتہ کشمکش حیات سے شکست کھاکر معدوم ہوچکا ہے،

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴) وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (۵۰:۳۸)
اور لوگو! بالتحقیق ہم ہی نے آسمانوں اور زمین کے اِس حیرت انگیز کارخانے کو، اور جو عظیم الشان کرے اور زندہ مخلوق اِن کے درمیان ہے اُسکو، چھ بڑے مدید الوقت دنوں، میں پیدا کیا، اور باوجودیکہ کام اِسقدر تھا کہ اسکو دیکھکر عقل ششدر ہے، اور مدّت یہ دراز تھی کہ تمہارے وہم و گمان میں نہیں آسکتی، لیکن ہماری یہ حالت ہی کہ تھکاوٹ نے ہم کو چھوا تک نہیں، اور ہم برابر اُسی طرح نئے کاموں میں مشغول ہیں۔

نوعیتِ خلق کے متعلق سورۂ نحل میں ہے: وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۱۶:۸)، "اور وہ خدائے عظیم اُن اشیا کو بھی پیدا کر رہا ہے جن کا تم کو سرے سے علم ہی نہیں"۔ جس سے کنایہ بظاہر اُس مخلوق سمٰوٰت کی طرف معلوم ہوتا ہے جس کا علم حاصل کرنا کوتاہ بیں انسان کے لیے ممکن نہیں۔ بہرنوع یہ تمام اشارات اِس امر کی مجموعی شہادت ہیں کہ زمین و آسمان کا رب لم یزل تخلیق کائنات کے بعد "تدبیر امر" میں ہی مصروف نہیں جس کا ذکر آیۂ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ (۳۲:۵) صفحہ ۱۴ میں ہوچکا ہے، بلکہ ہر قسم کی تخلیق کے نئے مہماتِ امور میں مشغول ہے اور جن میں نئے آسمانی کروں کی پیدائش بھی شامل ہے۔ یہی مذہب آج یورپ کے طبعی حکما کا ہے، اور اُس لایزال و لم یزل خدا کے شایانِ شان بھی یہی ہے کہ ہر لحظہ کچھ نہ کچھ کرتا رہے جو لوگ اسکو آجکل کے کسی عیش پرست حکمران کی مانند سریر حکومت پر معطّل اور مسند آرا سمجھتے ہیں، اُنکی شناسائی اُس احکم الحاکمین سے بہت کم ہے، اور معرفت کی پہلی بلکہ آخری منزل یہی ہے کہ اعمال خدا کا صحیح اور برای العین علم ہو، اسکی عظمت اور طاقت کا صحیح اندازہ ہو، اُس کے معمول سے پوری واقفیت، اور عادات کی کماحقہٗ شناخت ہو۔ مگر یہ بحث بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے جسکا یہاں پر چھیڑنا ضروری نہیں۔

مختصر الفاظ میں ڈارون کے مسئلہ ارتقا کا دعوٰے یہ ہے جسکی شرح و بسط اوپر ہوئی۔ جو قرآنی شہادتیں اِس مسئلے کی تائید میں پیش ہوئیں، اُنکی بحث دراصل "علم القرآن" کے متعلق ہے، جو اِس کتاب کا اخیر ترین حصہ ہے۔ اُن کا یہاں پر لکھ دینا کم از کم ایک ایسی کتاب کے لیے جسکا مُنتہا علم و یقین کی طرف بالدلیل اور بتدریج رہنمائی کرنا، اور فرض و اعتقاد کے عنصر کو بیدخل کرکے قرآن کو سب انسانی علم سے بالاتر اور عالم آرا حقیقت ثابت کردینا ہو، بہت کچھ پیش از وقت ہے۔ ہم نے اِس تصنیف کے ابتدائی اوراق میں اِن مباحث عالیہ کو محض اسلیئے جادی ہے کہ کلام الٰہی کے اُن متلاشیوں پر جو اسکی ہر آیت میں ایک مستقل حقیقت کے موجود ہونے کا یقین رکھتے ہیں، مسئلہ ارتقا کی اہمیت (جو فی الحقیقت انسانی علم کا معراج ہے) ایک حد تک واضح ہوجائے، اور ساتھ ہی اُن علمائے علم فطرت کے ذہنوں میں جو قرآن کو لاشے سمجھکر اُس سے بیزار ہوگئے ہیں، اِس عجیب و غریب کتاب کی دقتِ مطالب اور عُمقِ نظر کا اندازہ ابتدا سے ہوجائے۔ وہ آیندہ اوراق میں بچشم خود دیکھیں کہ قرآن کسقدر اس عظیم الشان مسئلے کا مؤید ہے، اسکا دستور العمل کہانتک اِس حقیقت کبرٰے کے عین مطابق ہے۔ اُس کا تمام لائحہ عمل کیونکر "حفظِ نفس" کے منتہائے وحید کی طرف جارہا ہے، کس انتہائی شدت سے "اجتماعی سلامتی" کے درپے، اور "انفرادی سعی و عمل" کا مؤید ہے۔ نہیں بلکہ جوں جوں اُنکا علم قرآن کے حقائق عالیہ کے متعلق وسیع ہوتا جائے، وہ آجکل کے رسمی اور لفظی اسلام کو نظرانداز کرکے اُس یقین انگیز اسلام کی ماہیت کی طرف متوجہ ہوں جس نے ایک عالم کے اعمال اور اخلاق میں انقلاب عظیم پیدا کردیا تھا، جس نے افراد کے دلوں میں وہ ہیجانِ عمل، وہ سلیقۂ نظم و نسق، وہ اتحاد اور ارتباط جاری کردیا تھا جو ابتدائے آفرینش سے آجتک ہر زندہ اور مرتقی قوم کا خاصہ رہا ہے۔ وہ اِس حیرت انگیز کتاب الٰہی میں بطور خود وُہ عظیم الشان اصول فنا و بقا دیکھیں جن کا اجرا روز اوّل سے صفحہ زمین پر ہورہا ہے، جن کی تاریخ بزبان حال شاہد ہے، جن سے قومیں فلک الافلاک پر چڑھ جاتی ہیں، یا تحت الثرٰے میں گرکر ملیامیٹ ہوجاتی ہیں۔ اِس نقطۂ نظر سے یہ تحت المتن جسکی طوالت کا اندازہ مصنف نے کتاب کی تحریر کے وقت نہیں کیا تھا اور جو بعد میں فرمایش پر لکھا گیا، محض ایک انتباہی تحریر ہے جس کا محولہ بالا اوراق کے نفس موضوع سے تعلق ابھی عیاں نہیں ہوسکتا۔ ورنہ مسئلہ ارتقا کو صحیح فرض کرکے قرآن کی صحت کو ثابت کرنا ہمارا پیش نہاد ہے۔

یا امریکہ کا ہندوئے احمر منقطع النسل ہونے کو ہے تو مسئلہ ارتقا کے رُو سے اُن کی مدافعانہ جدّوجہد

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵) کتاب کے متن کا سلسلہ استدلال بجائے خود ایک مستقل شے ہے جسمیں اِس تحریر کو چنداں دخل نہیں، البتہ اگر کتابِ خدا کا علم، اِن مباحث کے ضمن میں مسئلہ ارتقا کو اپنی آغوش میں لیکر، اپنے آپ کو یورپ کے اُس علم سے بدرجہا وسیع تر ثابت کردے جس کے باعث وہ آج اوجِ کمال پر چڑھ گیا ہے تو منکرین کیلئے یہ امر بجائے خود قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی روشن اور ناقابل انکار دلیل ہے!

مسئلہ ارتقا کی بحث آیۂ استخلاف کے الفاظ "عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" سے شروع ہوئی تھی۔ عمل صالح کی مکمل اور ناقابل انکار تشریح کردینا فی الحقیقت قرآن کے تمام دستور العمل کو از سرِ نو آشکارا کرنا ہے۔ اور یہ صلاحیت عمل ہی مسئلہ انتخاب طبیعی کی وہ مضبوط اساس ہے جسپر اقوام کے بقاو استخلاف کا سب دارومدار ہے۔ پس آج اِس علم و شہادت کے زمانے میں قرآن کریم کا طبعی تعلق اِس مسئلے سے ہے، اگرچہ حکمائے مغرب کو اِس کا علم نزول قرآن کے صدیوں بعد حاصل ہوا ہو۔ یا صالحات کے عظیم الشان لفظ کے معانی قرنوں تک بگڑتے بگڑتے نہایت محدود، یا قطعاً محجوب ہوگئے ہوں، اور اپنا اصلی اثر کلیۃً کھو چکے ہوں! یہ حقیقت اور بھی واضح تر اس وقت ہوجاتی ہے جب کلام الٰہی کا طالب العلم کامل غور و تعمق کے بعد لامحالہ اِس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ قرآن کریم درحقیقت اقوامِ عالم کے فنا و بقا کے اسباب کی مکمل داستان ہے جو شارع کائنات نے تذکیر و اعتبار کے لیئے انسان کے حوالے کردی ہے۔ اور جسکے لائحہ عمل کو نباہنا دراصل اِس روئے زمین پر اپنی مدت قیام کو دراز کرنا ہے۔ سورۂ ملک میں مالک زمین و آسمان نے اِس حقیقت کو بوضاحت تمام بیان کرکے موت و حیات کے سوال کو حتماً طے کردیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝ (۶۷ : ۲)

لوگو! یہ وُہ مالک الملک اور صاحبِ اختیار خدا ہے جس نے اجتماعی موت و حیات کے قانون کو رائج کردیا ہے تاکہ اِس بات کی آزمایش کرے کہ تم میں سے کونسی قومیں حُسن عمل کرتی ہیں؛ جبتک صالح ہیں اُن کو بقا نصیب کرے؛ جب غیر صالح بن جائیں اُن کو صفحۂ زمین سے یکسر محو کردے! اور لوگو! یاد رکھو کہ وہ شارع کائنات بڑا زبردست اور بڑا شدید العقاب (العزیز) ہے، بایں ہمہ تائب اقوام کے اجتماعی عیوب پر بڑا پردہ ڈالنے والا بھی ہے (الغفور)۔

آج اِس مسئلہ ارتقا کی تائید و تثبیت انسانی علم و یقین کے قریب قریب ہر شعبے نے اِس حیرت انگیز طریقے پر کی ہے کہ مغرب کے لیئے اِسکا منکر ہوجانا قطعاً غیر ممکن ہوگیا ہے۔ سطح زمین کے موالید ثلاثہ کی کامل تدوین و تنظیم نے اِس حقیقت کو اور بھی آشکارا کردیا ہے۔ طبقات الارض کی تمام داستان مِن و عَن اِسکی مؤید ہے؛ عالم افلاک کے پیہم مشاہدے اِسی کی طرف اشارہ کررہے ہیں؛ روئے زمین کے طبعی انقلابات یہی کہہ رہے ہیں؛ اجناس حیوانات کی داستانِ حیات یہی سبق دے رہی ہے؛ اطلال دیار کی روئداد یہی ہے؛ احوال جہان کی سرگذشت بھی اسی قطع کی ہے؛ جنینِ مادر میں تخلیق انسان کا تدریجی ارتقا یہی ثابت کررہا ہے؛ طبعیات، ریاضیات، کیمیا، تشریح الابدان وغیرہ وغیرہ اکثر یقینی علوم اسکی مساعدت میں ہیں۔ خود انسان کی مائل بہ حیوانیت فطرت زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ انسان کسی ادنیٰ مخلوق کا ملخص اور مکرر مولود ہے۔ خود ہی عام تخیل کہ بندر ارتقا کرتے کرتے انسان بن گیا جہلا کی نامنصفانہ تشریح ہے، اسکو اِس مسئلہ سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ خود بندر کو انسان سے بظاہر ہے۔ تاہم اسمیں شک نہیں کہ اِس مسئلے کے نفس دعوے میں بھی وقتاً فوقتاً ارتقا ہوتا رہا۔ روئے زمین پر تدریجی انقلاب کا اعتراف (شق اول) انسان کو غالباً اُسوقت سے ہے جسکی صحیح تعیین بہت مشکل ہے۔ قدیم ہندو فلسفہ تکوین عالم کے متعلق عجیب و غریب دعاوی پیش کرتا ہے جن کی مماثلت موجودہ مسئلے سے ایک خفیف سی ہے۔ یونانی حکمانے قدامت مادہ کے نظریے کی ترویج کی۔ مگر کوئی خاص مسئلہ مدوّن نہ کیا اسلامی حکمانے پہلی، دوسری، تیسری اور آٹھویں شقوں کے متعلق مستقل دعاوی مرتب کیئے۔ مگر باقی تمام شقوں کی تدوین اور تحقیق (بلکہ ایک رو سے تمام مسئلے کی تصدیق)، ہمہ تن علم جدید کا کارنمایاں ہے۔ مسئلہ انتخاب طبیعی، (یعنی چوتھی اور ساتویں شق) کا دعوے اوّل اوّل ۱۲۲۸ھ ۱۸۱۳ء اور بعدازاں ۱۲۴۶ھ ۱۸۳۱ء میں یورپ کے دو غیر معروف طبعی فلسفہ دانوں نے کیا۔ مگر ڈاردن اور وَالے نے ۱۲۷۴ھ ۱۸۵۸ء میں اسکو از سرِ نو

اور صلاحیت کا خاتمہ ہو گیا ہے!†

(تتمہ بحث المتن صفحہ ۲۶) دریافت کرکے پایۂ تحقیق تک پہنچا دیا۔ اُس وقت سے آجتک اِس مسئلے کی روز افزوں شہادت برابر مل رہی ہے حتیٰ کہ آج اُسکو علم جدید کی بدیہیات میں شامل کرلینا مغربی حکما کے نزدیک کچھ قابل اعتراض نہیں۔ اصل کتاب میں اسکے متعلق 'نظریہ' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے (دیکھو صفحہ ۱۱) مگر 'نظریہ' کا لقب فی الحقیقت اِس کے شایانِ شان نہیں، اگرچہ قرآن حکیم کی مستقل اور ناقابلِ بدل حقیقت کے بالمقابل اِس نامکمل اور غیر مستقل مسئلے کو یہی لقب دینا زیادہ موزوں ہے!

مسئلہ ارتقا کی محولۂ بالا چوتھی شق، یعنی مسئلہ انتخاب طبیعی (صفحہ ۱۳) کی صداقت پر جو ناگہاں حملہ حال ہی (یعنی سنہ ۱۳۴۱ھ سنہ ۱۹۲۲ء) میں جامعہ کیمبرج (انگلستان) کے دو نامعروف الاسم حکما ڈاکٹر ولس اور ڈاکٹر ٹیول نے کیا ہے اِس قابل نہیں کہ اسکی باضابطہ تردید یا تشریح اِس کتاب میں کیجاسکے۔ ابھی تک کسی قابل ذکر علمی حلقے نے اِن حکما کے دعوے کی اہمیت کو تسلیم نہیں کیا، اور چند اشتباہی اور مشترک النتائج دلائل کی بنا پر انتخاب طبیعی کے اصل اصول کو مشکوک قرار دینا بہت کچھ پیش از وقت بلکہ حتماً ناروا ہے۔ اِن حضرات کا دعوٰے ہے کہ انواع و اجناس حاضرہ کا روئے زمین پر تخلف 'بقائے اصلح' کے قاعدے کے ماتحت رہ کر نہیں ہوا، بلکہ ہر نوع بقدر اپنی **قدامتِ ظہور** اور **مدتِ قیام** کے روئے زمین پر توسیع و تمکن حاصل کرتی رہی حتیٰ کہ کسی ایک باقی یا فنا شدہ نوع کے رقبہ توسیع کا حال ضرب و تقسیم کے حسابی قاعدوں کے ذریعے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اِسی نقطۂ نظر سے اِن کے نزدیک ہر جنس کے تعدد انواع کی توسیع بھی روئے زمین پر ہوتی رہی۔ بہت ممکن ہے کہ **صلاحیت** اور **قدامت** کے اعداد و شمار کے درمیان کوئی اتفاقی تعلق ظاہر ہوا ہو جس کی وجہ سے حساب لگانے میں یک گونہ سہولت پیدا ہو گئی ہو، مگر ظاہر ہے کہ فطرت کا یہ کارگاہ عظیم انسان کے تسلیم کیئے ہوئے وضعی قاعدوں کی پابندی سے اصلاً بے نیاز ہے۔ جب کون و مکان کے ہر شعبہ بقاو حیات کی بنیاد سعی و عمل پر ہے تو **سعی و عمل کا قیام ہی عین صلاحیت ہے**۔ اور علی ہذا القیاس **صلاحیت** کا وجود ہی عین قیام و بقا ہے! پس اِس مقامِ نظر سے مدت قیام کی درازی اور صلاحیت دو مترادف اشیا ہیں جن کی **اصل** ایک ہی ہے۔ یہی قرآن عظیم کا دعوٰے ہے۔ اور یہی مسئلہ ارتقا کا اصل اصول۔ اگر قدامتِ ظہور اور تکثر و تمکن فی الارض میں کوئی ظاہری تعلق پیدا ہو گیا ہے تو وہ بھی اِسی باطنی ترادف کی وجہ سے ہے نہ اِس وجہ سے کہ قانون بقاو فنا کے متعلق کوئی نیا انکشاف ہوا ہے جس کا اعتراف پہلے لوگوں سے نہیں ہو سکا۔

† اژدہوں اور افیال کے متعلق اِس اجمال کی تفصیل کے لیئے علم طبقات الارض کی مفصلہ ذیل معلومات کا یہاں پر لکھ دینا ضروری ہے:۔

'قشر الارض'، یعنی کرۂ زمین کے سطحی غلاف کی تفحص اور تلاش کرنے سے فطرت کے طالب العلم پر یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ سطح زمین کا وہ حصہ جو انسان کے دست قدرت میں ہے، اور جہانتک اسکی کُدال کی زد پہنچ سکتی ہے، دو قسم کے احجار پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ جو نسبتہً مختصر سا ہے اُن چٹانوں کا ہے جو وقتاً فوقتاً زمین کے بطن سے سیال حالت میں آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں سے نکل کر سطح زمین پر جمتی گئیں، اور بعد ازاں اِس مُہل مذاب کے عظیم الشان تودے بن گئے۔ یہ سب چٹانیں نہایت سخت ہیں، اِنکے زمین پر پھیلاؤ کی کوئی ترتیب نہیں، اِن کے اندر کسی قدیم حیوان کے بقیۂ آثار کا نشان تک نہیں۔ جہاں جہاں غلاف زمین کا کوئی کمزور حصہ ہے وہاں یہ چٹانیں اسکو پھاڑ کر نمودار ہو گئی ہیں۔ قدامت کے لحاظ سے اِن کی ترکیب میں کچھ کچھ کیمیاوی تغیر و تبدل ہوا ہے مگر ماہر فن کے لیئے اِن احجار منقلبہ کی شناخت کچھ مشکل نہیں، اور اگر کوئی شئے مشتبہ نظر آئے تو خوردبین اسکا یکدم فیصلہ کر دیتی ہے۔

دوسری قسم چٹانوں کی وہ ہے جو مطبق یعنی تہ در تہ ہے۔ ایک تہ نہایت سلیقے سے دوسری تہ کے اوپر جمی ہے۔ انکی سطحیں بھی قریب قریب ہموار ہیں۔ ہر ایک تہ کا رنگ اُس کے اِدراجی اجزا، اُسکی ظاہری ساخت، اُسکی خوردبینی بافت اور کیمیاوی ترکیب دوسری تہ سے جُدا ہے، کوئی نرم ہے

Marfat.com

قرآن حکیم نے اِس آیۂ کریمہ میں آفرینش کی بقاو فنا، اور اقوام کے عروج وزوال کا وہ مہتم بالشان کلیہ بیان کردیا ہے جس کی صرف پہلی شق کی اصلیت کو یورپ کے طبعی فلسفی طبقات الارض کی مسلسل تفتیش و تفحّص کے بعد ابھی ابھی پوُنہچے ہیں۔ غیر ناطق حیوانات میں چونکہ ایمان کی انسانی طریق پر گنجائش نہیں اور عمل مقتضائے طبیعت ہے، اِس لیئے فطرت کے حال واحوال کا ان کی ضروریاتِ زندگی سے تطابق

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۷) کوئی سخت، کسی کے اجزا نہایت باریک ذرات سے بنے ہیں، کسی میں چھوٹے چھوٹے ساحل آب کے گھسے ہوئے گول پتھر جُڑکر چٹان بن گئے ہیں، کسی کے سالمات اسقدر نفیس ہیں کہ بمشکل تمام اُن کے اتصال کو شناخت کیا جا سکتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ سورۂ فاطر میں اِنہی حیرت انگیز اور جلیل الشان چٹانوں کیطرف اشارہ ہے جن کی حقیقت کُشا سرگذشت کم بین اور کوتاہ نظر انسان نے ہزاروں برس تک سُننے سے انکار کیا، اور ابھی ڈیڑھ سو برس نہیں گذرے، کہ مغرب کے چند طبعی حکما اپنی جان جوکھوں میں ڈالکر اُن سے ہمکلام ہوئے، اور اُن کی جگ بیتی داستان کو سُن کر ایک عالم کو محو کردیا! نہیں، بلکہ قرآن حکیم کے ایک اہم حصّے پر عمل کرکے دنیا کو معرفت خدا کے فلک الافلاک پر پونہچا گئے!

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝ (۳۵: ۲۷)

اے ساکنانِ زمین! کیا تم نے اِس حیرت انگیز حقیقت پر غور نہیں کیا (اَلَمْ تَرَ کا ترجمہ جو اسی آیۂ کریمہ کے شروع میں ہے) کہ پہاڑوں کے اندر عظیم الشان طبقے ہیں جن میں سے کوئی سفید ہے کوئی سُرخ، اُن کے رنگ جدا جدا ہیں اور بعض اُن میں سے ایسے بھی ہیں جو بُھجنگ کالے ہیں (تم جاؤ ان کو دیکھو کہ وہ کیا داستان سُنا رہے ہیں، سفید کیا انکشاف کر رہے ہیں، سُرخ کیا کہہ رہے ہیں، خدا کی عظمت اور معرفت کا کیا گراں بہا سبق دے رہے ہیں، کالے کیا بے بہا نعمتیں بخش رہے ہیں!)

اِن طبقوں کی متوازی حدیں، انکی ہموار سطحیں، انکی ظاہری ساخت اور خوردبینی بافت، اِن کے مختلف اور متقابل رنگ، لامحالہ اِس نتیجے پر پونہچا دیتے ہیں کہ یہ سب احجار پانی کی تہ میں، اور سمندروں کی وساطت سے بنے۔ سطح زمین کے مختلف نالوں اور دریاؤں کے کمدر اور ذرّات آمیز پانی جھیلوں اور سمندروں کے پانی میں ملکر ساکن ہوگئے۔ وہاں پر آہستہ آہستہ انکی تلچھٹیں (رسوبات) تہوں میں بیٹھتی گئیں اور مرور وقت کے باعث پتھر یا گزمونی تہیں بن گئیں۔ ایک تہ کے اوپر، سطح زمین کے تبدیل احوال کے باعث، دوسرے رنگ، ساخت اور قماش کی تہ بیٹھی۔ تبدیلیٔ موسم، طوفان یا دوخاک اور حرکت انہار کے تخریبی اثرات (تعریہ جوّی)، شبنم اور طبعی میاہ، باران ویخ بستہ کے کیمیاوی اور اِداتی اعمال (تعریہ مطری)، اور تصادم امواج و مدّوجزر بحر کی زمینی شکست وریخت (تعریہ بحری) نے اِن طبقات کی تدریجی تعمیر میں مستقل حصّہ لیا۔ پھر ان کے اوپر کا پانی زلازل زمین یا اور مقامی انقلابات کے باعث رفتہ رفتہ خشک ہوگیا، اور یہ طبقے سطح زمین پر نمودار ہوگئے۔ بعد ازاں اوپر کے طبقوں کے کروڑوں من بوجھ اور زمین کی اندرونی حرارت نے قرنوں کے بعد ان رسوبات کو پتھر کی مانند سخت کردیا، اور وہ مختلف چٹانیں بن گئیں۔ آج بھی ہر سمندر، جھیل، بلکہ معمولی تالاب کی تہوں میں یہ رسوبی طبقات روز بروز بن رہے ہیں، اور ہر صاحب نظر کو ارضی تعمیر و شکست کا سبق دے رہے ہیں!

لیکن جو حیرت انگیز امتیاز ان آبی اور ترسیبی احجار میں نمایاں ہے وہ ان کا حیوانی ہڈیوں اور ڈھانچوں، اُن کے قدموں کے نشانوں، اور نباتی پتّوں اور تنوں کے بقیۂ آثار (رکازات) سے معمور ہونا ہے۔ سطح زمین سے کئی کئی ہزار گز، بلکہ بعض اوقات چار چار میل نیچے تک یہ ہڈیاں کیمیاوی طور پر تبدیل شدہ حالت میں ملتی ہیں۔ بلند ترین طبقوں میں مرے ہوئے حیوانوں کے سالم ڈھانچے ترکیبی اجزا کے معمولی ردّوبدل کے بعد پائے جاتے ہیں۔ اُن کی شکلیں بالکل محفوظ ہیں لیکن اجزا متحجّر یا متحدّد بن گئے ہیں۔ بعض کے اجزا چونے سے بدل گئے ہیں، بعض لوہا یا تانبا وغیرہ بن چکے ہیں۔ قرآن حکیم میں عظام کی اسی بدلِ ماہیت کی طرف علیمانہ اشارہ کرکے خدا فراموش انسان کو بعث کا عبرت انگیز سبق دیا گیا ہے:

Marfat.com

یا تخالف پذیر ہونا ہی ان کی صلاحیت یا عدم صلاحیت ہے، اور وہی جنس قوی تر یا صالح تر ٹھیرے گی جسکے وسائلِ دفاع کا توازن، (جو فطرت نے اُسکو سپرد کیے ہیں)، قدرت کی خارجی اور اٹل طاقتوں کے ساتھ قائم رہے گا۔ مگر مجامع انسانیہ کی حالت جن کے ہر فرد کی ادنےٰ سے ادنےٰ ضرورت بھی تدبیر و عمل کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی، قطعی مختلف ہے۔ ان کے تحفظ و ارتقا کا مسئلہ بیحد مشکل اور بدرجہا پیچیدہ تر ہے

بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۸) وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۝ (۱۷: ۴۹-۵۱)

اور لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم مرے پیچھے گل سڑ کر ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ایسی حالت میں ہم کو از سرِ نو پیدا کر کے اٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ اے محمدؐ! ان سے کہدو کہ تم عقلو! تم مرے پیچھے پتھر اجاؤ، یا لوہا بن جاؤ، یا کوئی اور شے جو تمہارے خیال میں اس سے بھی عجیب تر ہو، پھر کہیں گے کہ اچھا بھلا اب کون ہم کو زندہ کر سکے گا۔ انہیں کہہ دو کہ وہی خلاق عظیم جس نے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا۔ اس پر یہ لوگ تمہارے سامنے انکار کے طور پر سر ہلانے لگیں گے اور کہیں گے کہ اچھا یہ کب ہوگا۔ انہیں کہہ دو کہ عجب نہیں کہ یہ سب کچھ قریب ہی آن لگا ہو!

ایک مدت تک اِن آثارِ باقیہ کے متعلق لوگ یونہی سر ہلایا کیے؛ انکے وجود کے بارے میں اکثر اغماضی اور تجاہلی شان رہی؛ لوگ انکو دیکھتے، مگر اُن کے متعلق بحث کرنے سے محترز رہتے؛ کسی نے اُن کو فطرت کا کھیل کہا؛ کسی نے "خدا کی شان کا ایک نمونہ" بتا کر معترض کو چپ کر دیا۔ عیسائی پادریوں نے جو یورپ کی علمی تحقیقات سے خوفزدہ ہو کر اپنی انجیل کی حفاظت میں حواس باختہ تھے، اور پاپائے رومۃ الکبریٰ نے جو محافظ دین ہونے کی حیثیت میں علمائے فطرت کو دار و صلیب پر چڑھانے میں مصروف تھا، اِن کو نوح علیہ السلام کے طوفان کا بقیہ قرار دیکر اپنی جان چھڑانی چاہی، مگر حقیقت کے بالمقابل باطل کب تک ٹھیر سکتا تھا۔ جب کئی کئی گز لمبے ڈھانچے اور پورے سر، اور پیر، اور دھڑ برآمد ہونے لگے، اور میلوں کی گہرائی تک تمام سطح زمین آباد نظر آئی تو پادری دُم دبا کر بھاگے؛ سب مسیحی یورپ دم بخود ہو گیا؛ علمائے فطرت کی چڑھ بنی۔ اُنہوں نے کامل غور و خوض کے بعد اعلان کر دیا کہ دنیا عہد عتیق کے شمار کے مطابق محض چھ ہزار سال سے ہی آباد نہیں بلکہ تخلیق کا سلسلہ لکھوکھا برس سے جاری ہے! یہ ہڈیاں لامحالہ اُن حیوانوں کی ہیں جو روئے زمین پر انسان سے پہلے بسر رہے تھے۔ اُن کے ڈھانچے پانی کے سیلاب، ہوا کے جھکڑ یا اور مختلف اسباب کے ذریعے سے سمندروں میں چلے گئے؛ آبی حیوانوں کے ڈھانچے وہیں تہ میں گرتے رہے، بالآخر جب رفتہ رفتہ رسوبات اور ذرّات کی تہ اُنپر جمی، دب گئے۔ فطرت نے ان کو نہایت حفاظت سے یادگار کے طور پر محفوظ رکھا، اُن کی شکلیں برقرار رکھیں، اُن کے کیمیاوی اجزا تقطیر حوامض و املاح کے باعث بدل گئے مگر شکل نہ بدل سکی۔ انسان کی نوعی تخلیق ان حیوانات کے مدتوں بعد ہوئی اور بتدریج تمام ہوئی۔ اِس بنا پر سطح زمین کے لاتعداد رنگا رنگ طبقے فطرت کی عظیم الشان کتاب کے رنگا رنگ "ورق" ہیں؛ یہ رکازات باقیہ اِن اوراق پر خدا کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے "حروف" ہیں؛ انسان کو یہ عالم آر "کتاب" اسلیئے دی گئی ہے کہ اسکو پڑھے اور اُس خلاق عظیم کی عظمت کا اندازہ بچشم خود کرے!

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۝ (۶۷: ۱۵)

لوگو! وہ خُدا منعم حقیقی ہے جس نے زمین کو تمہارے لیئے میدان کر دیا ہے کہ تم اِسکے اطراف و اکناف میں دل کھول کر پھرو، خدا کے

اور جوں جوں اقوامِ عالم ترقی کی تگ و دَو میں ایک دوسرے پر سبقت لیجا رہی ہیں انفرادی معیشت اور اجتماعی حفاظت کا سوال اور بھی لاینحل ہوتا جا رہا ہے۔ آج معاشرت کی اِس حیران کن مسابقت میں تمدّن کی لاانتہا ضروریات، اور تہذیب کے اَن گنت لازمات جزوِ زندگی بن گئے ہیں؛ علم کی حیرت انگیز جدّت آفرینی اور عمل کی محیّر العقول جولانی نے میدانِ حیات ناقابل گذر کر دیا ہے؛ ذرائع کی ناقابل یقین توسیع کے باوجود

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۹) عجیب و غریب اعمال کا بچشم خود مشاہدہ کرو، اور اس کا رزق کھاؤ، ترقی اور آسودگی کے بامِ بلند پر چڑھو، لیکن اِس بات کو یاد رکھو کہ تم نے ایک نہ ایک دن اُسکے حضور میں کھڑے ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔

کتابِ فطرت کی اِس حیرت انگیز اہمیت کو پیشِ نظر رکھکر مغرب کے طبعی حکما نے اجارِ زمین کے اُس حصۂ عظمیٰ کو جن کی تخلیق سمندر کی وساطت سے ہوئی پانچ بڑے بڑے جلیل القدر اور طویل المدّت زمانوں یعنی "القدیمۃ الاولیٰ"۔ "القدیمۃ الاخریٰ"۔ "الحیات الوسطیٰ" "الجدیدۃ القصویٰ"۔ اور "الجدیدۃ الادنیٰ" کے صخور پر منقسم کیا ہے۔ پہلی قسم یعنی **القدیمۃ الاُولیٰ** کے طبقوں میں جنکی گہرائی زمین کے بعض حصّوں میں میلوں تک پہنچتی ہے اور جو اور سب طبق کی تہ میں ہیں، کسی ذی حیات مخلوق کا باقی نشان آجتک نہیں ملا، اگرچہ ان کی تہوں کے اندر بعض مشکوک سی لکیریں اور سوراخ پائے جاتے ہیں جنسے شبہہ پڑتا ہے کہ وہ کسی بے استخوان حشرات الارض کے نشانات قدم ہیں۔ باقی چار حصّے حیرت انگیز ترتیب اور تسلسل کے ساتھ عجیب و غریب حیوانات کے بقیہ آثار (رکازات) سے پُر ہیں، سطحِ زمین کا کوئی حصّہ اُن سے خالی نہیں۔ "**القدیمۃ الاُخریٰ**" کے طبق میں جن کی تقسیم چھ بڑے بڑے حصّوں میں کیگئی ہے، زندگی کے آثار غیر مشکوک طور پر نمایاں ہیں۔ استخوان کے عام فقدان کے باعث سب مخلوق **غیر ذی فقری** (یعنی ریڑھ کی ہڈی کے بغیر) ہے۔ پہلے حصّے میں (خورد بینی حیوانات سے قطع نظر جنکے نشانات کا باقی رہنا ناممکن ہے) سرطان نما قشری حیوانوں (القشریات) کی ایک تعداد کثیر پائی جاتی ہے جو آج سطحِ زمین سے قطعاً ناپید ہو چکے ہیں۔ اِسی حصّے میں اسفنج، مفصلی اور دو برگی حلزون (گھونگھے) کی ابتدائی نوعیں رونما ہوئی ہیں۔ دوسرا حصّہ اِن "سرطانی" انواع سے نسبتاً کم آباد ہے۔ مگر مرجان (مونگے) کی فی الحال ناپید انواع، اسفنج، شوکیۃ القشر لولبی (پیچدار) حلزون، اور ناموجود "سنجانی" حشرات سے پُر ہے۔ تیسرے حصّے میں "قشریات" کشمکشِ حیات کے باعث نہایت قلیل التعداد اور نحیف ہو چکے ہیں، مگر نجم نما آبی حیتان کی ابتدا ہو رہی ہے۔ دریائی حلزون زور دار ہیں، ریڑھ کی ہڈی والے (ذی فقری) جانوروں کی نشاۃ اوّل کہیں کہیں نمودار ہے مگر نہایت ابتدائی اعضائی ترکیب کی مچھلیوں کے سوا اور کوئی حیوان اِس جنس کا کہیں نظر نہیں آتا۔ البتہ سرطانی قشریات اعضائی ارتقا کر کے ہزار پائے بن گئے ہیں۔ آبی عقرب، جن کی کوئی قسم آج نہیں ملتی، کہیں کہیں جلوہ گر ہے۔ نمل (چیونٹی) کی ابتدائی انواع، پردار اور بے پر، دونوں پائی جاتی ہیں۔ چوتھا گروہِ طبق مچھلیوں کی بے شمار ناپید انواع سے پُر ہے۔ ارضی حیوانات کی اکثر انواع وہی ہیں جو تیسرے حصّے میں تھیں۔ مگر اقسام نسبتہً بہت زیادہ ہو گئی ہیں، مرجان کی کثرت ہے۔ "القدیمۃ الاخریٰ" کے طبقات کا پانچواں حصّہ روئے زمین کی انقلابی نشوونما کا وہ یادگار زمانہ ہے جس میں انسان کی آیندہ بہبودی کے عجیب و غریب سامان پیدا ہوئے اِس زمانے میں سطحِ زمین پر **نباتات** کا وہ **عظیم الشان** دَور دَورہ ہُوا جسکی مثال آجتک پھر پیدا نہ ہو سکی۔ بڑے بڑے سر بفلک درخت جن کے تنے موجودہ درختوں سے کئی کئی گنا بڑے تھے سطحِ زمین کے سب بالا و پست میں پھیل گئے۔ ہزارہا اقسام کی نئی نباتات کا ظہور ہُوا، بالآخر اِسی سرسبز نباتات کے ہزاروں میل تک پھیلے ہوئے خزانے پایاب جھیلوں اور دَلدلوں میں جمع ہو کر صدیوں کے بعد **معدنی کوئلہ** بن گئے، جسپر آج یورپ کی بے مثال ترقی اور تمکّن فی الارض کا اکثر حصہ ہے؛ قرآن حکیم میں اِسی اہم نعمت خدا کا تذکرہ، اور اِسی بے مثال صناعی کا بیان سورۂ یٰسٓ کے اندر ہے (سورۂ فاطر میں بُھجنگ کالی (غَرَابِيبُ سُودٌ) چٹانوں کا اشارہ بھی اِسی معدنی کوئلے کی طرف ہے جنکا ذکر آیۂ (۳۵، ۲۷) صفحہ ۲۸ میں ہو چکا ہے):

ذاتی آسائش مفقود، اور بین الاقوامی امن ممتنع الحصول ہوگیا ہے، عمران وحفظانِ صحت کے التزامات نے آبادی کی المناک کثرت پیدا کردی ہے، ہلاکت کے شہر شکن سامان اور بربادی کے کوہ پاش وسائل کا مہیّا کرنا ہر متمدن قوم کا منتہائے عمل ہوگیا ہے۔ وہ روٹی کا ٹکڑا جو انسان کو نشاءِ اوّل میں قلیل ہی قلیل سعی اور ادنےٰ سی ادنےٰ تدبیر کے باعث مِل رہتا تھا آج انتہائی جدّوجہد کے بغیر میسّر نہیں ہوتا۔ علاوہ اِن

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۰) قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ۝ (۳۶: ۷۹-۸۰)

اے محمدؐ! اِن منکرین بعث کو جواب دو کہ تمہاری بوسیدہ ہڈیوں کو از سرِ نو زندہ وہی خلّاقِ عظیم کرے گا جس نے اوّل بار انکو نیست سے ہست کیا تھا، اور وہ اپنی پیدا کی ہوئی ہر چیز کے سب کیف و حال، اور اسکی تمام ممکنات سے بخوبی واقف ہے۔ وہ وُہ کارساز جلیل اور وُہ بنائے رحیم ہے جس نے تمہارے استعمال کے لیئے سرسبز درختوں کے بوسیدہ تنوں سے آگ کے عظیم الشان خزانے پیدا کیئے اور آج تم انہی خزانوں کو اپنے مصرف میں لاکر ترقی کے بامِ بلند پر چڑھ رہے ہو!

آج اِن گرانبہا خزانوں کے تہ در تہ طبقے ہزارہا گز گہرے وسط یورپ اور امریکہ، وسط ایشیا اور شرقِ ہند، روم، عرب اور مصر کی سرزمینوں میں دبے ہوئے انسانی سعی و عمل کا انتظار کر رہے ہیں۔ معدنیات زمین کے اِسی حصّۂ کبرےٰ میں پردار مچھلیاں کثرت سے دبی ہیں۔ گویا مچھلیوں کی نسبتاً ادنیٰ مگر استخوانی ارمخلوق کے ارتقا سے پرندوں کی مقابلۃً اعلیٰ مخلوق کے ابتدائی اسباب پیدا ہو رہے ہیں۔ انکی اقسام ترقی کرتے کرتے موجودہ مچھلیوں کے لگ بھگ بن چکی ہیں۔ اسفنج اور بوبی حلزون، کیڑے اور مکوڑے زیادہ طاقتور اور بہتر اعضائی ترکیب کے بنتے جاتے ہیں۔ لیکن جس خاص جنس کا ظہور اِس عہدِ ارتقا میں اوّل مرتبہ ہُوا وہ پیٹ کے بَل چلنے والے دابّہ ہیں۔ اُن میں سے ایک نوع کسی منقار دار چھپکلی کی ہے جس کی ایک باقی قسم ابھی تک نیوزیلینڈ کے بعض متعلقہ جزائر میں سسک سسک کر اپنی حیات کے آخری دن گذار رہی ہے!

لیکن طبقات زمین کے اِس "درک اسفل" سے قطع نظر "الحیات الوسطیٰ" کے طبق فی الحقیقت وہ حیران کن طبقے ہیں جن کے اندر اُس خلّاقِ عظیم کی کبریائی سب سے زیادہ واضح طور پر آشکارا ہوئی ہے۔ دریائی اور ساحلی کیکڑے قدیم قشری سرطانوں اور عقربوں سے ارتقا کرتے کرتے موجودہ کیکڑوں کے متشابہ بن گئے ہیں، مچھلیاں بدرجہا بہتر اور صالح تر ہو رہی ہیں، اُن کے پھیپھڑے اور سر استخوانی ڈھانچے اور متناسب دُمیں آجکل کی مچھلیوں کے اعضا سے مشابہ ہو چلی ہیں۔ پیٹ کے بل چلنے والی چھپکلیاں (حرزنان) نہایت تیز رفتاری سے ترقی کر رہی ہیں۔ اُن کی منقاریں رفتہ رفتہ موجودہ حرازین کے دندان دار مونہوں سے بدل گئی ہیں، ایک گروہ اِسی جنس کا دریائی مسکن اختیار کر چکا ہے۔ جہاں پر آجکل کے دریائی دودھ پلانے والے حیوانوں (ذات الثدی یا مرضعات) کا پیش خیمہ بن رہا ہے۔ "الحیات الوسطیٰ" کے اِسی پہلے حصّۂ طبق میں حرازین کے فرعی ارتقا کے باعث رضاعی حیوانوں کے مشکوک یا متشابہ آثار بھی پائے جاتے ہیں۔ اکثر وہ اعضائی خاصیات اور آلی امتیازات جو اِس جنس کے لیئے مختص ہیں، بعض اعلیٰ اقسام کے حرازین میں نمودار ہو رہی ہیں۔ دوسرے حصّۂ طبق میں حرزنی جنس کے حیوانات کی یہ حیرت انگیز کثرت اور پرورش ہوئی ہے کہ اُن کے بقیہ آثار کو دیکھکر عقل دنگ رہجاتی ہے۔ بڑے بڑے عظیم الشان پیٹ کے بل چلنے والے جانور جن کے ڈھانچے کئی کئی گز لمبے ہیں اور جنکی رانوں کی قد آدم کے برابر ہڈیاں اور گزوں لمبی دُمیں اُن کو اژدہوں کے مماثل کر دیتی ہیں، اِس زمانے میں سطحِ زمین پر معمور دکھائی دیتے ہیں۔ اِن ڈھانچوں میں سُم قدم، چنگال قدم، اور پنجہ قدم، تینوں قسم کے حرزنان

Marfat.com

مشکلات کے مادّیت کے غلبے نے اقوامِ متمدّنہ میں روحانیت سے عام انحراف پیدا کر دیا ہے، جسمی طاقت اور مادّی اقتدار پر ناز، کبریائی کا ادّعا اور بہیمی اخلاق سے تخلّق، طبیعت ثانیہ ہو گئی ہے، مکر و دروغ مجامع عالم کا شعار، بلکہ طغرائے امتیاز بن گیا ہے، بین المِلّی خُلق اور اتحادِ عالم کا نصب العین خواب و خیال ہو چکا ہے، طاقتور اقوام کی سبعیّت اور درندگی کی یہ شان ہے کہ ایک دوسرے کی تباہی کے ہولناک سامان روز بروز بڑھ رہے ہیں

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۱) شامل ہیں گویا پرندوں اور رضاعی حیوانوں کی طرف ارتقا کا میلان ابھی سے ظاہر ہے۔ حزونی اژدہوں کے اعضا کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیس بیس گز لمبی چھپکلیاں اپنی پچھلی دو ٹانگوں کے بل سطح زمین پر کودتی پھرتی تھیں، یا عظیم الشان تماسحوں (مگرمچھ) کی طرح پایاب ساحلوں اور دریاؤں کے دہانوں پر شکار کی گھات میں پڑی رہتی تھیں۔ امریکہ کے بعض حزونوں اپنی جسامت کے لحاظ سے اسقدر عظیم الشان تھے کہ آج سطح زمین کا بڑے سے بڑا جانور اُن کے بالمقابل دیوار کی چھپکلی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا! ایک متقاردار حزون جسکے پانوں کی ساخت پرندوں کے پنجوں سے بہت مماثل تھی، اسقدر قدآور تھا کہ الف لیلہ کا سیمرغ بھی اسکے آگے محض ایک کنجشک نظر آتا ہے، اُسکی تمام مُحدّب کمر پر ریڑھ کی ہڈیوں کے عین اوپر دو دو گز اونچی گھریلو مرغ کی مانند کلغی تھی، اور مخروطی دُم کے اوپر ڈیڑھ ڈیڑھ گز لمبے اور ہاتھی کی ٹانگ کے برابر موٹے کئی کانٹے تھے، اونچائی میں چار انسانوں کے قد کے برابر اور دُم سے لیکر چونچ تک بلا مبالغہ دس گز لمبا تھا!

یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ۚ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (۳۵ : ۱)

وہ رب عظیم اپنی مخلوق میں جو مناسب سمجھتا ہے زیادہ کر دیتا ہے۔ لوگو! بگوش ہوش سُن رکھو کہ وہ خدائے بے مثال ہر بات کر دینے پر قادر ہے!

"الحیات الوسطیٰ" کے اسی زمانے میں فرعی ارتقا کے باعث اُڑنے والے اژدہوں کی ایک تعداد کثیر نظر آتی ہے۔ اُن کے تمساح (مگرمچھ) کی مانند لمبے لمبے دنداں دار مُنہ اور خفّاش (چمگادڑ) کی مثل جھلّی والے پر اس بات کی شہادت ہیں کہ یہ ہولناک "پرندے" درندوں سے بدرجہا خوفناک تھے۔ معمولی اژدہوں کے پروں کا پھیلاؤ بھی آٹھ آٹھ گز تک پہنچتا تھا۔ دُم سے لیکر چوٹی تک ہر ایک کی لمبائی کئی کئی گز تک تھی، اور الف لیلہ کے رُخ کی مانند یہ دہشت انگیز درندے جہاں اُڑتے تھے اپنے پروں کے پھیلاؤ سے زمین پر اندھیرا کر دیتے تھے[1]!

لیکن فرعی ارتقا کی اِن حیرت انگیز عجائب نمائیوں سے قطع نظر جو اصلی ارتقا اس زمانے میں نمودار ہوا وہ پَر والے پرندوں کا ظہور ہے۔ اِن طبقات میں مُرغ ہوا کی صرف ایک قسم محفوظ رہ گئی ہے جو آجکل کے پرندوں سے کچھ کچھ مماثل ہے۔ رضاعی (ذات الثدی) حیوانات کے آثار خال خال نظر آتے ہیں۔ لیکن حزونی اور رضاعی اجناس کے سلسلہ تکوین کی درمیانی کڑیاں صاف طور پر ظاہر ہیں۔ "انڈے دینے والے رضاعی حیوان" جو مرغ اور چارپائے کے بین بین نظر آتے ہیں کثرت سے ہیں۔ تھیلی والے رضاعی حیوانات کی جو حزونوں اور مویشیوں کی درمیانی کڑی ہیں، رونق لگی ہے۔ مقدم الذکر نوع کی دو قسمیں آج بھی آسٹریلیا کے بعض حصّوں میں پُرانے وقتوں کی یادگار کے طور پر قائم ہیں۔

ارضی، ہوائی اور دریائی تماسحوں اور اژدہوں کا قیام "الحیات الوسطیٰ" کے تیسرے اور آخری حصے میں بھی بدستور رہا۔ لیکن اُنکی جسامت اس زمانے میں اور بھی حیران کن ہو گئی۔ ایک ارضی حزون جسکے جسم کی نسل موجودہ اُود بلاؤ سے بہت کچھ ملتی جُلتی تھی، اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا پانچ گز کے قریب بلند نظر آتا ہے۔ بعض ہوائی تمساح اُڑتے وقت تین تین گز لمبے خفّاشی پر پھیلا سکتے تھے۔ بعض امریکی دریائی انواع کی لمبائی سر سے لیکر دُم تک پچاس پچاس گز ناپی گئی ہے! ایک ارضی تمساح کی ہڈیاں اسی زمانہ قدیم کے طبقوں میں سے ابھی (خیر ۱۳۴۱ھ ۱۹۲۲ء) چھ ماہ نہیں گذرے

[1] ابن بطوطہ (المتوفی ۷۷۹ھ ۱۳۷۷ء) اور مارکوپولو (المتوفی ۷۲۵ھ ۱۳۲۳ء) نے اِن ہیبت ناک پرندوں کا ذکر اپنے سفرناموں میں کیا ہے۔

Marfat.com

الغرض عقل کی بے اندازہ کارفرمائیوں اور فوق الضرورۃ چارہ جوئیوں نے آج عقدۂ معاش میں وہ صورتِ اشکال پیدا کردی ہے جو فی الحقیقت ناقابلِ تحمل ہے!

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ ۖ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ۝ (۳۳: ۷۲)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۲) کہ ہند کی سرزمین میں دریائے جہلم کے قریب نکلیں مگر اُس کا ڈھانچا اسقدر وزنی تھا کہ تیس نفر اُسکو بمشکل اُٹھا کر اپنی جگہ پر لے جاسکے! الغرض جس حیرت انگیز طریق پر رب زمین و آسمان کی ان ہولناک اجناس نے انسان کے زمین پر وارد ہونے سے پیشتر زور پکڑا تھا، اُس سے گمان ہوسکتا تھا کہ انسان جیسی بظاہر کمزور، نووارد اور بے نوا مخلوق اُن کے ہوتے ہوئے کچھ حفظ و قیام حاصل نہ کرسکے گی، مگر شارع فطرت کو ان کا روئے زمین پر دیر تک رکھنا منظور نہ تھا؛ کارخانۂ طبیعت کے اٹل قوانین اُنکے تمکن فی الارض کی مخالفت میں حتمًا تھے؛ بقاو معیشت کے پیہم مجادلے میں اُنکی جسامت، اُنکی قوتِ لایموت کی مقدار، اُن کا ممتنع السیر، کاہل الوجود اور بطئ النسل ہونا ہی اُنکے بقا کا مانع تھا؛ وہ سب کے سب ایک اقلِ قلیل مدت میں صفحۂ زمین سے محو کردیئے گئے، اور باعمل اور صالح تر مخلوق کو اُن کا جانشین کردیا گیا۔ "الحیات الوسطٰی" کے بلند ترین طبقات جسقدر ان اجناس سے پُر نظر آتے ہیں، اُسیقدر "الجدیدۃ القصوٰی" کے احجار کا دک اسفل اُنسے نسبتًا خالی پایا جاتا ہے۔ مقدم الذکر زمانے کے زیر و بالا سب طبقات میں اُن کے حیرت انگیز ہجوم آفرین تکثر کے بعد بلند تر طبق میں اُنکا یک لخت معدوم ہوجانا فطرت کے طالب العلم کے لیئے از بس عبرت آموز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سعی و عمل، تگ و دو، صبر و ابتلا کے اس عظیم الشان معمل میں اُنکی سعی کچھ مشکور نہ ہوئی؛ بدیع کائنات تعالٰی کو جو بذاتِ خود شبانہ روز سعی و عمل میں مصروف ہے، اور ہر آن "کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" کا مصداق ہے، اُن کا جمود، اُن کا ناکارہ پن، اُنکی گرانجانی کچھ پسند نہ آئی، اور ایک دو "یوم" کے اندر اندر اُن کو روئے زمین سے حک کردیا گیا۔ قرآن کریم میں سورۂ قصص کے اندر اُس ربِ عظیم کے اسی بے مثال اختیار کی طرف اشارہ ہے جس کے مطالب کی عظمت کو طبقاتِ زمین کی "کتاب عظیم" میں بچشمِ خود دیکھکر ہر صاحب نظر کا کپکپا جانا یقینی ہے!

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ (۲۸: ۶۸)

اور اے محمد! تیرا پروردگار زمین و آسمان کے اِس بیکران محیط میں جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، اور پھر پیدا کرنے کے بعد اُن کی سعی و عمل کا امتحان لیکر جو مخلوق چاہتا ہے پسند کرلیتا ہے، اور جسکو مناسب سمجھتا ہے روئے زمین سے محو کردیتا ہے (یَخْتَارُ) اور جو فرضی معبود اور حاکم اعلٰی انسانوں نے اپنی طرف سے گھڑ لیئے ہیں انکو تو یہ عظیم الشان اختیار کچھ بھی نہیں! اے ساکنانِ زمین! وہ خدائے عظیم اُن تمام من گھڑت مطاعوں اور معبودوں سے بدرجہا بلند تر اور ارفع ہے جن کو لوگ اسکے برابر بناتے رہتے ہیں (یُشْرِكُونَ)۔

اور اسپر طرہ یہ کہ اگر اس قیام و دوام، اِس رد و قبول، اِس فنا و بقا اور اِس شکست و فلاح کے اختیار کرنے کی کوئی شرط قرآن کریم پیش کرتا ہے تو وہ بھی مغربی طبیعیوں کی علمی تحقیقات کی تائید میں "عمل صالح" ہی ہے جو اِس آیۂ کریمہ سے پیشتر کی آیت میں بوضاحت تمام بیان کردی گئی ہے:

فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ ۝ (۲۸: ۶۷)

پھر جو مخلوق اُسکے قانون کیطرف لوٹ آئی (تَابَ) اور جسنے ایمان کی اٹل قوتیں اپنے اندر قائم رکھیں (آمَنَ) اور جسنے عمل صالح کیئے تو قریب ہے، کہ وہی اس دنیائے کسب و عمل میں کامیاب ہوگی۔ (توبہ اور ایمان کی تفصیل کے لیئے ابھی بہت دیر ہے مگر یہاں پر ایک عارضی ترجمہ کردیا گیا ہے)۔

Marfat.com

ہم نے فہم و ادراک کی امانت کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے پیش کیا کہ شاید وہ اُسے قبول کریں،
مگر اُنھوں نے بزبانِ حال اِس عظیم ذمہ داری کے حامل ہونے سے انکار کیا، اور اسکی اہمیت کو پاکر خوفزدہ
ہوگئے۔ بالآخر انسان نے اسکو اُٹھانا قبول کیا مگر وہ درحقیقت بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی جاہل تھا جو یوں
ناحق اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالا!

عالم الغیب کے حضور میں شاید تمدن کی اِسی رست وخیز، اور عمرانِ حاضرہ کی اِسی نفسانفسی کی قیامت نما

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۳) ایک اور موقع پر نسل انسانی کو اِنہی معنوں میں خدا کا محتاج گردانا گیا ہے، ساکنانِ زمین کو قانونِ فطرت اور حکمِ خدا کی کامل متابعت کی ترغیب دی گئی ہے، اور ان سب کو یکسر ہلاک کرکے کسی خلق جدید کے متمکن فی الارض کرنے کی دھمکی اِس حیرت انگیز جرأت، صحت اور وثوق سے دی ہے کہ اعمالِ خدا کا علم رکھنے والا انسان بے اختیار لرز جاتا ہے۔ لیکن یہ آیاتِ کبریٰ اپنے اصلی رنگ میں لامحالہ اُسوقت نظر آئیں گی جب کتاب کے متن (غالباً چھٹی مجلد) میں تمام سورہ کا مربوط ترجمہ کردیا جائے گا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۝ (۳۵: ۱۵-۱۷)

اے ساکنانِ زمین! تم سب کے سب کسی حال اور رنگ ڈھنگ میں ہو بہر نوع اُس خدائے عظیم کے محتاج ہو، اُس کے لطف و کرم کے محتاج ہو، ہدایت اور رہنمائی کے محتاج ہو، قانون پر چلنے کے محتاج ہو۔ اور کمی یہ شان ہے کہ وہ تم سب سے حتماً بے نیاز ہے اور باوجود اِس بے نیازی کے سزاوار حمد ہے۔ وہ اِسقدر بے پروا خدا ہے کہ اگر تمہارے اعمال کو دیکھکر مناسب سمجھے تو تم سب کو تختۂ زمین سے یکسر اُچک لے، اور کسی نئی مخلوق کو تمہاری جگہ لا بسائے، اور جانے رہو کہ یہ خدا کے لیئے کچھ بھی دشوار نہیں (وہ تم سے پہلے بارہا اِسی طرح کرچکا ہے، اور پھر کرنے میں اُسکو کوئی تکلیف نہیں ہوتی)۔

ایک عجیب و غریب مشاہدہ جو یہاں پر "صلاحیت" کے صحیح مفہوم کو سمجھنے کے لیئے نہایت غور طلب ہے، اور جو "الحیات الوسطیٰ" کے اِن عظیم الشان اژدہوں کے متعلق کیا گیا ہے یہ ہے کہ وہ آجکل کے بڑے سے بڑے تمساحوں اور سنسارؤں کے بالمقابل نہایت چھوٹے چھوٹے دماغ رکھتے تھے۔ بعض حالات میں، باقی جسم کے تناسب کو پیش نظر رکھکر کاسۂ سر (جمجمہ) بھی بے اندازہ مختصر تھا، بعض میں گوشت اور اعصاب کی زیادتی کے باعث بظاہر سر کافی بڑا دکھائی دیتا تھا، مگر حجرۂ دماغ ناقابل یقین طور پر تنگ تھا، حتیٰ کہ موجودہ مگرمچھ کا دماغ تناسب بدن کے لحاظ سے دس گنا بڑا ہے۔ اِن مشاہدات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ دور از کار نہیں کہ کشمکش حیات کی اِس شکستِ فاش میں جو اِن حیوانوں کو نصیب ہوئی دماغی قویٰ کو بھی بہت بڑا دخل تھا۔ کمزور دماغی طاقتوں والے حیوان مقابلۃً جلد مٹ گئے، جن کی قوتِ مدرکہ بڑھتی گئی محفوظ رہے آجکل انسان کی نظروں میں بیوقوفی اور کند ذہنی کا مجسمہ گدھا ہے مگر اُس کا انسان کے لیئے مفید ہونا خود اسکی نسل کی حفاظت کر رہا ہے۔ اگر وہ بھی مزاحمتِ حیات کے میدان میں اور حیوانوں کے بالمقابل جم کر کھڑا ہوجاتا اور انسان کے سایۂ عاطفت میں پناہ نہ لیتا تو شاید کبھی کا صفحۂ زمین سے نابود ہوگیا ہوتا!

"الجدیدۃ القصویٰ" کے ادنیٰ طبقات زیادہ تر اُن دیرینہ حیوانات کے آثار سے پُر ہیں جو "القدیمۃ الاولیٰ" کے زمانے سے رفتہ رفتہ ارتقا کرکے بہتر بنگئے ہیں۔ حلزون اور اسفنج، حیتان (مچھلیاں)، ہزارپائے، مرجان، نجم نما مچھلیاں، قبہ دار حلزون، حشرات الارض شقایق بحری، خارپشت بحری، وغیرہ وغیرہ نہایت کثرت سے ہیں۔ حزون (چھپکلیاں)، حربا (گرگٹ)، ثعبان (اژدہے)، تنین (منقاری اژدہے)، تمساح (مگرمچھ)، خفاش (چمگادڑ)، وغیرہ وغیرہ نسبتاً بہت کم ہیں۔ لیکن پرندے غیر مشکوک طور پر نمایاں ہوگئے ہیں۔ اُن کے منقار و ندانہ دار ہیں

Marfat.com

تصویر درپیش تھی جو انسان کو قبولِ امانت کے وقت ظلوم وجہول ٹھیرایا تھا، مگر تصویر کے اِس تاریک پہلو سے ایک لمحے کے لیے قطع نظر کرکے جو اہم سوال آج اِس زمانے میں پیدا ہوتا ہے یہ ہے کہ مسئلۂ ارتقا کے رو سے وہ **کونسی صلاحیت** ہے، اور قرآن کریم کی لازوال صداقت کے تتبع میں وہ **کیسا ایمان**، اور **کیا اعمالِ صالحہ** ہیں جنسے آج اقوامِ یورپ کو مادی ترقی کے انتہائی منازل پر پونہچاکر "اعلون" بنے، اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۴) گویا ہوائی تماسحوں سے ارتقا ظاہر ہے۔ رضاعی حیوانات کی بعض نامکمل نشانیاں نچلے حصے کے بعض اعلےٰ طبق میں نمودار ہیں مگر ٹھیٹھ رضاعی حیوان اِن طبقوں میں بھی بہت کم ملتا ہے۔

"الجدیدۃ القصویٰ" کے اعلیٰ طبق میں بھی قریب قریب یہی حال ہے، مگر اکثر اجناس کا بہتر اور صالح تر ہوجانا بیش از بیش ظاہر ہے۔ لیکن **"الجدیدۃ الادنیٰ"** کے طبقات وہ سبق آموز اور عبرت انگیز طبقات ہیں جن کی مخلوق کے مطالعے سے سطح زمین کی موجودہ مخلوق کا تدریجی ارتقا اظہر من الشمس ہوجاتا ہے۔ اِن حصص زمین میں حیوانات کے آثار باقیہ نہایت وضاحت اور حفاظت کے ساتھ ملتے ہیں۔ ادنیٰ حیوانات کی ایک شاندار تعداد ارتقا کی ہوئی ملتی ہے۔ حرازین کی قسم کے حیوانات اکثر نابود ہوگئے ہیں مگر **رضاعی اجناس** کی ایک بہت بڑی تعداد آبی گاؤ، اود بلاؤ اور ویل مچھلی (حوت) کی صورت میں پیدا ہورہی ہے، مچھلیاں آجکل کی ساحلی مچھلیوں سے ترکیب اعضا میں زیادہ مشابہ ہورہی ہیں، مگر مچھ اور سنسار کہیں کہیں نظر آتے ہیں، عقرب، عنکبوت، ہزار پائے وغیرہ وغیرہ ایک حد تک قائم ہیں، حشرات الارض کی سب قسمیں کثرت سے ہیں، پتنگے اور تتریاں پہلی دفعہ جلوہ گر ہیں، پیٹ کے بل چلنے والے جانوروں کی یادگار میسنڈکوں میں رہ گئی ہے، پرندوں نے اپنی چونچوں کے اندر دانت رکھنا قطعاً چھوڑ دیا ہے لیکن اُن کی جنس کا داخلی ارتقا حیرت انگیز طریقے پر ہوا ہے۔ اِسی کے زور اثر سے اُڑنے کی بجائے دوڑنے والے پرندے (یعنی مرغ میدان) جلوہ گر ہیں، نعامہ (شترمرغ) اور اسی جنس کی اور انواع جو آج صرف عرب اور افریقہ تک محدود ہوگئی ہیں. نصف کرۂ شمالی، یورپ اور شمالی امریکہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔ گویا خط استوا کی طرف کوچ بعد میں شروع ہوا۔ نیوزیلینڈ میں آج صرف ایک قسم نعامہ کی رہ گئی ہے مگر ابھی دو سو برس نہیں گذرے کہ شترمرغ سے نسبتہً بہت بڑے بڑے پرندے جن کی اونچائی چار چار گز تک پونہچتی تھی، اُن اقطاع میں آباد تھے جنکو بالآخر اُس سرزمین کے اصلی باشندوں نے نابود کردیا۔ جزیرۂ مدغاسکر میں کچھ اوپر سات صدیاں گذریں کہ ایک عظیم الشان مرغ رہا کرتا تھا جسکے قد آدم کے برابر انڈے ابھی تک الف لیلہ کے افسانوں میں بطور یادگار کے رہ گئے ہیں مگر اسکا نشان آج صرف ہڈیوں میں ملتا ہے۔

"الجدیدۃ الادنیٰ" یا "الجدیدۃ الحاضرہ" کے اعلیٰ طبق کی مخلوق اور موجودہ مخلوق میں بہت کم فرق نظر آتا ہے۔ عجیب و غریب رضاعی حیوانات کی ایک تعداد کثیر سے یہ سب طبقے پُر ہیں۔ اُن کی نو مختلف نوعیں شناخت کی گئی ہیں جن میں ویل مچھلی کی قسم کے مرضعات، آبی گاؤ، سُم دار مویشی، کُترنے والے موش، گوشت خور گربہ، کرم خور خارپشت، چمگادڑ، بغیر دانت کے رضاعی حیوان، اور بوزنہ وش انواع شامل ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک نوع اِس زمانے میں بھی پائی جاتی ہے۔ رضاعی اقسام میں عجیب و غریب حیوانات مرامیس (گینڈے) ہیں، جن کی بعض قسمیں نہایت خوفناک تھیں جو نابود ہوگئیں۔ ہاتھی کی بعض حیرت انگیز قد آور انواع اِسی زمانے میں ظاہر ہوئیں۔ ایک بالوں والا یال دار ہاتھی (میمتھ) جو انسان کا ہمعصر تھا، اور موجودہ دو اقسام سے کم از کم دوگنا بڑا تھا، شمالی سائبیریا اور انگلستان میں نہایت کثرت سے ملتا ہے۔ اُسکے دانت سائبیریا میں اِس کثرت سے ملتے ہیں کہ روسی تجارت کی محبوب شئے بن گئے ہیں۔ موجودہ فیل کی بقیہ دو اقسام کا بھی انسان کی دستبرد سے مدت تک محفوظ رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ہاتھی دانت کی تجارت کو موجودہ مقدار میں برقرار رکھنے کے لیے دنیا میں ہر سال ایک لاکھ ہاتھیوں کا

Marfat.com

مستخلف فی الارض، کا مقام حاصل کرنیکا قطعی مستحق قرار دیا ہے، اور مسلمانوں میں وہ کیا ضعفِ ایمان اور کیا غیر صالحہ اعمال آگئے ہیں جنسے اُنکی ہزار سالہ عظمت کو محو کرکے اُنکو تنزل کا مترادف اور جہانبانی کا نااہل کر دیا ہے؟

پیشتر اسکے کہ یہ عظیم الشان سوال، اِس کتاب کے طول و عرض میں† ایک مُدلّل اور ناقابلِ انکار طریقے پر طے کر دیا جائے، اِس امر کا فیصلہ ضروری ہے کہ مفسّرین نے جن سہل اور محدود معنوں میں آیۂ استخلاف کو لیا ہے کِس حد تک اُس کی مشروط اور مطلق لغت کے تابع، اور سیاقِ کلام کے مطابق ہے: اولاً اس آیت کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۳۵) شکار ہوتا ہی۔ اور چونکہ ہتھنی پندرہ سال میں صرف ایک بچہ جنتی ہے، اور موجودہ حیوانوں میں سب سے زیادہ بطئ النسل ہی، اسلیے چند اور صدیوں کے اندر اِس نوع کا تباہ ہوجانا بھی یقینی ہے۔ لیکن "الجدیدۃ الحاضرہ" کے اعلیٰ طبق میں خدا کی جس حیرت انگیز عالم آرا، اور احسن الخلق مخلوق کا ظہور ہوا وہ **حضرت انسان** ہے۔ ادنیٰ طبقوں میں کچھ مشکوک سی ہڈیاں ملتی ہیں جنکو ضاعی حیوانات اور ابتدائی انسان کی "درمیانی کڑی" کہا جاسکتا ہی، مگر قطعی طور پر کچھ مل نہیں سکا۔ ایک مدّت مدید تک حکمائے مغرب اِس "درمیانی کڑی" کی تلاش میں سرگردان رہے، اور ابتک ہیں۔ اعلیٰ طبق میں ابتدائی انسان کے ڈھانچے صاف طور پر ادنیٰ حیوانوں سے ارتقا کیئے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اُنکے جسم نسبتاً قوی ہیں مگر دماغ کے حجرے موجودہ انسان کے بالمقابل بہت چھوٹے ہیں۔ قدیم غاروں میں اُنکی ہڈیاں نہایت صفائی سے دبی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اُنکے ساتھ ساتھ اکثر اوقات پتھر اور لوہے کے بید ھنگے ہوئے برتن بھی دبے ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ آفرینش کے ابتدائی ایام میں انسان اپنے آپ کو زور آور حیوانوں سے بچانے، اور سردی اور گرمی سے محفوظ رکھنے میں مصروف رہا، اِس وجہ سے مدت مدید تک وہ کوئی معاشری ترقی نہ کر سکا۔ پہاڑوں کی غاریں اور وادیوں کے اوٹ اُسکے مستقل نشیمن تھے، حفظِ نفس اُسکا منتہائے وحید تھا۔ بالآخر جب انفرادی دفاع مفید نظر نہ آیا تو عقلِ سلیم نے اجتماعی اور معاشری حیات اختیار کرنے پر مجبور کیا، اور آج اُسکی یہ حالت ہی کہ علم و عمل کے بامِ بلند پر چڑھکر فطرت کی عالم آرا قوتوں کو قابو میں لانے کی سعی کر رہا ہے!

ارتقائے حیات کی متذکرہ صدر تشریح میں جو بات نہایت قابلِ لحاظ ہی یہ ہے کہ سلسلہ تکوین متعدد مستقل منازل طے کرکے انسان تک پہنچا۔ "القدیمۃ الاخریٰ" کے پہلے حصے میں زندگی صرف غیر ذیفقری اور مفصلی مخلوق تک محدود رہی؛ دوسرے اور تیسرے حصے میں اِن بے استخوان اور مضغہ وش حشرات سے ریڑھ کی ہڈی والے (ذیفقری) بے دست و پا جانور پیدا ہوئے جن کی نشاۃ اوّل مچھلی سے ہوئی؛ چوتھے اور پانچویں حصوں میں مچھلیوں کا اعضائی ارتقا اوج کمال کو پہنچا؛ چھٹے حصے میں پردار مچھلی کے ساتھ ساتھ پیٹ کے بل چلنے والے دابّہ کا ظہور ہوا۔ "الحیات الوسطیٰ" میں بے دست و پا مچھلی اور دابّہ سے پر و پادار پرندوں کا ارتقا ہوا۔ پھر "الجدیدۃ القصویٰ" کے زمانے میں دو پاؤں والے پرندوں اور حرازین کے ارتقا سے چار ٹانگوں والے ذات الثّدی حیوان پیدا ہوئے جو اِس سلسلے کی آخری کڑی ہیں۔ اِن انواعِ شریفہ کا مقدمۃ الجیش "الحیات الوسطیٰ" کے ادنیٰ طبق میں ہی نمودار ہوگیا تھا مگر فرعی ارتقا احسن الخلق انسان پر آکر مکمل ہوا۔ طبیعی حکما کا اندازہ ہے کہ یہ تمام نوعی اور جنسی تبدیلیاں لاکھوں بلکہ کروڑوں برس میں جاکر واقع ہوئیں، اور بتدقیق تمام ہوئیں۔ ادنیٰ مخلوق ہی بلند تر طبقوں میں اُسی ایک سلسلہ توالد و تناسل کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً اعلیٰ مخلوق میں مبتدل ہوتی رہی۔ کسی نئی نوع یا جنس کا ناگہاں اور بلا واسطہ ظہور مافوق الطبیعی یا خارق عادت اصول پر نہیں ہوا جیسا کہ عوام کا خیال ہی۔ قرآن حکیم نے سورۂ نور میں حیوانات زمین کی اِس وحدت اصل و نسل کو، اور جوارحِ حیوانی کے اِس تدریجی اور سلسلہ وار انقلاب کو اُن غیر مشکوک، پر معنی، اور نتیجہ خیز مُبیّنات میں ادا کیا ہے جن کے حقیقت کشا انکشاف کو صحیفۂ فطرت میں بچشم خود دیکھکر خدا کی طاقت کا ہر شخص کے دلمیں مشخص ہوجانا، نہیں بلکہ تخلیق عالم اور سرِ حیات کی اصلیت کے متعلق صراطِ مستقیم کا پتہ لگ جانا یقینی ہے!

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ

† اِس سوال کے متعلق قطعی فیصلہ غالباً پانچویں مجلد سے پہلے نہ ہوسکے گا۔ ۱۲ کُلَّ کی تعمیم، مَّآءٍ کی تنکیر و تنوین اور خَلَقَ کا لفظ ظاہر کرتا ہی کہ یہاں مراد ایک سلسلہ تناسل ہی۔ منہ ۲۰ کی آیہ (۲۱: ۳۰) کا آئندہ

Marfat.com

خطاب بلا قید وقت عام مسلمانوں† کیطرف ہے، مگر معاہدہ لامحالہ اُنکے ایک گروہ ہی سے باندھا گیا ہے اگرچہ وعدے کی توسیع ایمان اور اعمال صالحہ کی موجودگی میں ہر مسلمان تک ہو سکتی ہے۔ اِس بنا پر مسلمانانِ عالم میں سے صرف اُسی گروہ کا استخلاف شرط ہے جو ایمان اور اعمال صالحہ رکھتا ہو: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (۲۴: ۵۵)۔ ثانیاً استخلاف فی الارض کا میثاق، جزیرۃ العرب پر تسلط یا سیادتِ حرمین کے معنوں میں کسی فرد واحد، یا اُسکی نسل، یا زیادہ سے زیادہ عرب قوم کے ساتھ ہو سکتا تھا، سب مسلمانانِ عالم سے ضروری تھا۔ ثالثاً كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ، نے معاملہ بالکل صاف کر دیا کیونکہ اسلام سے پہلے حرمین پر

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۳۶) يَمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۲۴: ۴۵-۴۶)

اور لوگو! اس خلاق عالم کی طاقت کی یہ شان ہے کہ اس نے روئے زمین کے تمام حیوانوں کو ایک ہی نطفے اور ایک ہی سلسلہ توالد و تناسل کے ذریعے سے (مِنْ مَّآءٍ) پیدا کیا، اور آج اِس مدت تناسل کا نتیجہ یہ حیرت انگیز ہے (دَآبَّةٍ) کہ اُن حیوانوں میں سے بعض وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو صرف دو پاؤں پر چلتے ہیں، اور بعض وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں (اور یہ محیر العقول تباین اور اختلاف اسی ترتیب و تسلسل سے اُس ایک نطفے کی قوت تولید میں ظاہر ہوا ہے)، لوگو! خدا جو شے جس ذریعے سے مناسب سمجھتا ہے پیدا کر دیتا ہے، بگوش ہوش سُن رکھو کہ وہ ہر بات کے کر دینے پر قادر ہے۔ اے ساکنانِ زمین! ہم نے تم کم علم اور کوتاہ نظر انسانوں پر یہ حقیقت کشا اور جہاں نما آیات اوج آسمان سے اُتاری ہیں تاکہ تم پر تکوین حیات کا راز بین ہو جائے، اور یاد رکھو کہ خدائے عظیم اُسی کو علم کے صراط مستقیم پر لے جاتا ہے جسکو مناسب سمجھتا ہے۔

کیا آج سطح زمین کے طول و عرض میں مذاہب عالم کی آسمانی کتابوں کے اندر تکوین حیات کی اِس سے بہتر، صحیح تر اور مکمل تر داستان کہیں موجود ہے؟

طبقات زمین کی تعمیر کے یہ پانچوں زمانے جن کا ذکر اوپر ہوا اور جنہیں زمین و آسمان کی پیدائش فی الحقیقت تکمیل کو پہنچی، اور ظہور انسان سے لیکر آجتک کا زمانۂ حال جسمیں بنی نوع انسان کا ارتقا مکمل ہو رہا ہے، مالک کون و مکاں کی حکیمانہ لغت میں وہ "سِتَّةِ اَيَّامٍ" (آیہ ۳۲: ۴ صفحہ ۱۴۱) ہیں جنمیں اُسنے زمین و آسمان کو پیدا کیا: یوم کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۱۰ میں گذر چکی ہے، اور لفظ ستہ سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم زمین و آسمان کی تدریجی اور ارتقائی تعمیر کا ہمنوا و مؤید ہے۔ پس عہد عتیق کا دعوے کہ دنیا صرف چھ ہزار برس سے قائم ہے از روئے قرآن محض غلط ہے، اگرچہ ستہ ایام کا ذکر اُس الہامی کتاب میں بھی موجود ہے حکمائے مغرب نے زمین کی مدت تعمیر کو چھ زمانوں میں اس بنا پر تقسیم کیا ہے کہ اُنکی مخلوق کے مابین ایک صریح تباین اور قطعی بالامتیاز پیدا ہے جسکے باعث چھ طبقے اور زمانے ایک دوسرے سے طبعاً اور خلقاً الگ نظر آتے ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ یہی وجہ افتراق اُس بدیع کائنات کے پیش نظر ستہ ایام کے الفاظ میں مضمر ہو مگر یہ بحث کسی آیندہ موقع پر بتفصیل کیجائے گی۔

قصیر الجسم ہاتھی جسکا ذکر اصل کتاب (صفحہ ۲۵) میں ہوا، دراصل فریقہ کا باشندہ تھا جو کشمکش حیات کے باعث در بدر پھر کر چند صدیاں گذریں نابود ہو گیا۔ اُسکی ہڈیاں آج جزیرۂ مالٹا میں ملتی ہیں۔ ایک نوع کی اونچائی گھٹتے گھٹتے ڈیڑھ گز اور دوسری کی صرف ایک گز رہ گئی تھی۔ نئی دنیا کا ہندوئے احمر جو آجکل روئے زمین سے ناقابل یقین سرعت سے ناپید ہو رہا ہے، سولہویں صدی کے احتلال امریکہ کے بعد یورپی اقوام کی جارحانہ و ستبد اور ستم ایجادیوں کا شکار ہوا۔ فرنسادی مستعمرین نے اِس بیخ کنی میں سب سے زیادہ شرمناک حصہ لیا۔ ایک موقع پر مہلک متعدی بیماریوں کے جراثیم سے آلودہ کمبل، رواداری اور غریب پروری کے بہانے سے اُنہیں تقسیم کر دیئے جس سے اِرد گرد کی آبادی سال بھر میں آدھی رہ گئی۔ لیکن تمدن کے مجادلۂ بقا میں آج وہ اور دوسری غیر صالح قومیں جس تیزی سے محو ہو رہی ہیں اس داستان سے کہیں زیادہ دردناک ہے!

† اگر نہیں تو آج 'مِنْكُمْ' کا خطاب بیمعنی ہے اور تمام آیت سے کوئی مستقل نتیجہ اخذ نہیں ہوتا ❊ مطالب کے لیے دیکھو صفحہ ۷، لیکن 'مِنْكُمْ' کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔

یا عرب میں استخلاف اِن خاص معنوں میں نہ تھا، اور نہ عرب کے متخاصم قبائل ایمان اور اعمال صالحہ کا دعوٰے کر سکتے تھے۔

درحقیقت اِس آیۂ کریمہ میں، شارع فطرت نے مسلمانانِ عالم کے سامنے وہ عظیم الشان دستور العمل پیش کر دیا ہے جو ہر کیفیت میں، اور ہر موقع پر اُن کی انفرادی اور اجتماعی، اعتقادی اور عملی، روحانی اور مادّی زندگی میں کامل طور پر کارآمد ہو سکے۔ اِسی نصاب عمل میں افراد کے اخلاق کی صلاحیت، اعمال کی درستی، اعتقادات کی سلامتی، ہمت کے قیام، قوت کے توازن، دینی بہبودی، اور دنیاوی مرفّہ الحالی کا سامان موجود ہے، اور اِسی ضابطے کے اندر اقوام کے سیاسی غلبے، اقتصادی ترقی، اجتماعی اقتدار، علمی ارتقا، اور تسلّط فی الارض کے جراثیم مخفی ہیں۔† "استخلاف فی الارض" جسکا وعدہ خدائے پاک نے بلا قیدِ وقت مسلمانوں سے کیا، محض ایک کمزور اور مرنجان و مرنج ملکی تسلط ہی کا دوسرا نام نہیں جو مسلمانوں کو کچھ دیر ہوئی سبز زمین عرب پر حاصل تھا، اور اب بھی زمین کے دو ایک ٹکڑوں پر حاصل ہے، بلکہ وہ تمام روئے زمین یا اُسکے بڑے سے بڑے حصّے پر کامل سیاسی اقتدار، اور مکمّل اجتماعی اور اقتصادی غلبے کا نام ہے؛ وہ قومی آزادی، عملی بیداری، علمی اور ادبی اِحیا، جمعی عصبیّت، اور اخلاقی عُلُوِ مرتبت کا وہ انتہائی معراج ہے جو صحیح معنوں میں مسلمانانِ عالم کو کئی سو سال تک قرونِ اولیٰ و متوسطہ میں حاصل رہا، اور معانی کی خاص حدود کے اندر یورپ کی بعض اقوام کو اِس وقت حاصل ہے؛ وہ مغرب کی سیاسی اصطلاح میں امن کے زمانے میں اپنی بہتری کی خاطر ہر ملّی اور بین الملّی وسیلے کا اختیار، اور ایامِ جنگ میں اپنے بچاؤ کے لیئے ہر جائز اور مناسب حربے کا استعمال ہے؛ حرمین شریفین کی حفاظت، جزیرۃ العرب کی کامل سیاسی آزادی، اور رسمی خلافت کا قیام و استحکام، اُسکے کُل کا صِرف ایک جزو لاینفک ہے؛ وہ آیۂ استخلاف کے الفاظ میں شارع فطرت کی اپنی بنائی ہوئی شریعت، اپنے پسند کیئے ہوئے نظامِ عمل، اور اپنے اختیار

† اِن مہتم بالشان دعاوی کا ثبوت آگے چل کر اِس کتاب میں جا بجا ملے گا۔

Marfat.com

کیئے ہوئے مسلک و مذہب کا زمین پر حقیقی تمکن، اور معنوی تسلط ہے: وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا[1] (۲۴:۵۵)۔ وہ مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی عروج، قومی اور انفرادی تفوق اور علمی اور ذہنی تقدم کی وہ خوشگوار منزل ہے جہاں ایمان اور عمل صالح کی قوت افزا وساطت سے ہر شکست کا فتح میں، ہر فنا کا بقا میں، اور ہر خوف کا امن میں تبدیل ہو جانا یقینی ہے۔

جس طرح ہر متنفس میں بقائے نسل اور تحفظ ارث کی خواہش ایک طبعی امر ہے اسی طرح پر ابتدائے آفرینش سے آجتک، ہر زندہ قوم کا منتہائے نظر قیام سلطنت اور حفظ نسل رہا ہے۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو لفظ استخلاف سے تعبیر کیا ہے، اور ظاہر کر دیا ہے کہ اسلام سے پہلے بھی اقوام عالم میں یہ فطری جذبہ موجود تھا۔ شارع دین نے بعینہ اسی قطع کے تخلف کا وعدہ، سابقہ اقوام کی مانند مسلمانوں سے بھی کیا، اور اسی قرینے سے اُس نے جا بجا 'وراثت زمین' کے نام سے موسوم کیا ہے:۔

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ† ○ (۷: ۱۲۸)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ان مشکلات کی حالت میں اللہ سے مدد مانگو اور مستقل مزاج بنے رہو۔ زمین تو سب اللہ ہی کی ہے، وہی اپنے بندوں میں سے جسکو مناسب سمجھتا ہے وارث بنا دیتا ہے اور بالآخر جیت تو اُنہی کی ہے جو مقام خدا سے ڈرتے رہتے ہیں۔

---

[1] اور وہ خدائے عظیم اس دین کو جو اُس نے مسلمانوں کے لیئے پسند فرمایا ہے متمکن کر کے رہے گا، اور اس حالتِ خوف کو بھی جو آج دشمن سے لاحق ہے، امن سے بدل دے گا۔

---

† گویا اس آیۂ کریمہ کے رو سے 'وارث زمین' وہی قوم بنتی ہے جس کے افراد میں صبر اور استقلال بدرجۂ اتم موجود ہو۔ اس بنا پر آیۂ استخلاف کو پیش نظر رکھکر 'عملوا الصّٰلحٰت' کی ایک شق 'صبر' ہے۔ 'استعانت باللہ' سے مراد، درگاہ خدا میں عاجزی کرنیکے علاوہ احکام خدا سے استعانت بھی ہے لیکن خود 'صبر' کے معانی بھی آج مسخ ہو چکے ہیں 'یشاء' کے محولۂ بالا معانی کا ثبوت دیر میں آئے گا۔ 'عاقبۃ' کے معنی یہاں پر قیامت کی آخرت کے نہیں، اور نہ اس سے معانی مربوط ہو سکتے ہیں۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم کسی قوم کی سعی و عمل کا اس دنیا میں منتج بخیر یا بشر ہونا ہے۔ انہی معنوں میں 'عاقبۃ' کا لفظ آیۂ 'افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم' (۴۰: ۸۲) میں، یا 'افلم' کی بجائے 'اولم' کے ساتھ (۴۰: ۲۱)، (۳۵: ۴۴)، (۳۰: ۹) میں استعمال ہوا ہے جسکے معنے یہ ہیں "تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیں کہ اُن لوگوں کا کیا بُرا انجام ہوا جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں"۔ 'متقین' کی تشریح میں ابھی دیر ہے، لیکن ترجمے میں مطالب کی تصریح کر دی ہے۔

Marfat.com

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۭ (۷ : ۱۳۷)

اور اس مبارک اور زرخیز سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بالآخر ہم نے اُنہی لوگوں کو کیا جو کمزور گنے جاتے تھے۔ اور خدا کا وعدۂ نیک تو بنی اسرائیل کے حق میں ٹھیک پورا ہوا کیونکہ اُنہوں نے عزم و استقلال سے دشمن کی سختیوں کی برداشت کی تھی۔

اِسی ضمن میں ایک اور جگہ بعینہٖ آیۂ استخلاف کا مضمون ہے:-

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ † ۝ (۲۱ : ۱۰۵-۱۰۶)

---

† اِس آیۂ کریمہ میں صبر کا انجام اور بھی واضح طور پر وراثت زمین ہے۔ گویا صبر کے معنی استقلال اور استقامت سے سب مشکلات کا مقابلہ کرتے رہنا ہے، ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا، اور اپنی بربادی کا تماشہ دیکھنا نہیں یہ آیۂ عظمیٰ مسئلہ ارتقا کی تشریح کے ضمن یعنی صفحہ ۱۹ کے تحت المتن میں آچکی ہے۔ مزید تشریح کے لیے وہاں دیکھنا چاہیئے۔

‡ اِن آیاتِ الٰہی میں 'وارثین زمین' کی مکمل تشریح 'عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ' کے الفاظ میں کردی گئی ہے 'صلاح' کی تعریف از روئے قرآن مجید جامع و مانع ہے۔ علیٰ ہذا القیاس لفظ 'عبادت' کی۔ مگر یہ امر نہایت غور طلب ہے کہ مسئلہ ارتقا کے 'بقائے اصلح' کا مفہوم اِس آیۂ کریمہ (۲۱ : ۱۰۵) کے دعوے کے کسقدر عین مطابق ہے۔ 'عبادت' کا لفظ عبد سے مشتق ہی جسکے معنی غلام کے ہیں۔ اور وہی قوم درحقیقت عابد ہے جو خدا کی عملاً غلام ہے، جو اُسکے قانون اور احکام پر عمل کر رہی ہے۔ ورنہ کوئی رسمی نمازگذار اور باقی احکام سے غافل قوم عابد کہلانے کی مستحق نہیں ہوسکتی کیونکہ ملازمت کی شرط اوّل آقا کے احکام کی تعمیل ہے۔ لیکن 'عبادت' کے متعلق مکمل بحث اصل کتاب میں آگے چل کر جا بجا آئے گی۔

'صلاح' کی ایک اہم شق ہم نے 'صبر' بتلائی۔ لیکن اگر 'صلاح' کے معانی کی ایک جھلک کتاب کے اِس ابتدائی حصے میں دیکھنی ہو تو اِس آیۂ کریمہ پر غور کرنا ضروری ہے جس میں شارع کائنات نے نوزائیدہ بچے کو 'صالح' کہا ہے:

فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَاۗءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (۷ : ۱۸۹-۱۹۰)

پھر جب خاوند کے لطف سے بیوی کا حمل ٹھیر گیا اور وہ رفتہ رفتہ بوجھل ہوتی گئی تو مرد اور عورت دونوں ملکر دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! اگر تو ہمکو یہ بچہ صحیح الاعضا (صالح) متناسب البدن (صالح) جیتا جاگتا (صالح) خوبصورت (صالح) دیگا تو ہم تیرے بڑے ہی شکرگذار ہونگے۔ پھر جب اِن دونوں کو وہ خدائے عظیم صحیح اور سالم، توانا اور تندرست (صالح) بچہ عطا فرماتا ہے تو اُس منعم حقیقی کے ساتھ اُسی انعام دی ہوئی چیز کو شریک کرنے لگتے ہیں، اِس بچے کی محبت میں اسقدر منہمک ہوجاتے ہیں کہ خدا کے برابر اُسکو کر دیتے ہیں، اُسی کو اپنا بُت بنا لیتے ہیں۔ تو لوگو! خدائے عظیم اُس شے سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے جو یہ لوگ اُس سے شریک کرتے ہیں۔ (پچھلے حصے کا ثبوت بعد میں آئے گا)

اِن آیات سے واضح ہو کہ بچے کا صالح ہونا اسکا فی الحقیقت بے نقص اور تندرست، صحیح الاعضا اور سالم الجسم ہونا ہی ہو۔ یہی وہ سامان ہے جو باپ کے حمل ٹھیرنیکے بعد لگا رہتا ہے۔ ورنہ ماں کے پیٹ سے بچے کا نیک پیدا ہونا بے معنی ہے اور نہ یہاں جوان بنکر نیک ہونیکا ذکر ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے 'صالح' قوم وہی ہے جسکا ہر عضو درست ہو، متناسب ہو۔ بڑھا گھٹا نہ ہو، اُسکے ہر حصے میں یکساں بیداری ہو، حیات کا جوہر لطیف اُسکی ہر رگ و پے میں دوڑ رہا ہو وغیرہ وغیرہ۔ جبتک مسلمانانِ عالم اِن معنوں میں صالح رہے وراثت زمین اُنکے پاس رہی۔ جب صلاح کے معنی محدود ہوگئے تو اِس آیت (۲۱ : ۱۰۵) کی نارواتاویلیں بھی ہوئیں مگر کلام خدا کے صحیح مفہوم میں ردوبدل قطعاً محال ہے۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (۶ : ۱۱۶) اِسکی شہادت ہے۔

Marfat.com

اور ہم زبور میں تمام احکام کی شرح وذکر کے بعد یہ بات لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث تو ہمارے صالح العمل بندے ہی ہیں۔ بلاشبہ اسمیں اطاعت گذار قوم کے لیئے ایک بڑا پیغام ہے۔

اور سورۂ زمر کے اخیر میں:-

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝ † (۳۹: ۷۴)

اور وہ لوگ کہیں گے کہ شکر ہے اُس خدا کا جسنے اپنا یہ وعدہ بھی سچ کر دکھایا، اور اس سے پیشتر زمین کا وارث بھی ہمیں کو بنایا، اب ہم بہشت میں جہاں بھی چاہیں رہیں گے؛ تو دیکھو کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا اجر ہے!

اب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ آیۂ استخلاف میں فاطر ارض وسمانے خاص مسلمانانِ عالم کے ساتھ ایک ایسے کامل سیاسی غلبے کا حتمی وعدہ کیا ہے جو محض سرزمین عرب پر قبضے کے متعلق، یا اس کمزور اور برائے نام خلافت کے قیام پر ہی مشتمل نہیں جسکو یورپ کی خون آشام طاقتیں آج ایک لمحے کے لیئے چین نہیں لینے دیتیں، بلکہ اُسکا نصب العین دنیا کے عظیم تر حصے پر حقیقی اور قرار واقعی سیاسی اور اجتماعی حکومت ہے۔ اِس نعمت عظمیٰ کے حصول کے بغیر نہ تو خدائے پاک کا دین کسی معنوں میں اکنافِ عالم میں متمکن ہو سکتا ہے، اور نہ وہ خوف جو آج ہر سمت سے مسلمانانِ عالم پر طاری ہے کسی طرح امن سے بدل سکتا ہے۔

---

† یہاں پر لوگوں نے 'الْاَرْضَ' کے معنے ارض جنت لے لیئے ہیں۔ مگر اس دل خوش کن تاویل کی کوئی سند نہیں۔ اَوْرَثَنَا کا ماضی کا صیغہ اور نَتَبَوَّاُ کا حال کا صیغہ اِس کا شاہد ہے کہ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ کا واقعہ پیشتر کا واقعہ ہے۔ اور جب الْجَنَّةِ کا ذکر آگے صاف ہے تو خدا کے کلام میں ایک آیت کے اندر یہ بے نتیجہ تکرار پیدا کرنا محض لغو ہے۔

دوسری بات جو غور طلب ہے یہ ہے کہ اس آیۂ کریمہ میں بھی 'فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ' کہہ کر سعی وعمل پر کسقدر زور دیا گیا ہے۔ گویا عمل وہ چیز ہے جسکا نتیجہ وراثت زمین ہے۔ اور وراثت زمین کا نتیجہ ہی الْجَنَّةَ آخرت میں ہے!!

ایک اور اہم بات جو قابل لحاظ ہے یہ ہے کہ ان سب آیات (یعنی (۷: ۱۲۸)، (۷: ۱۳۷)، (۲۱: ۱۰۵) اور (۳۹: ۷۴) میں بھی 'الْاَرْضَ' کا لفظ مطلق معنوں میں استعمال ہوا ہے کسی خاص حصۂ زمین کی تخصیص اِن میں نہیں جیسا کہ بعض شارحین نے آیۂ استخلاف میں فرض کر لیا ہے۔

Marfat.com

یہ آیت اُسوقت نازل ہوئی تھی جب دینِ الٰہی کے سچے علمبرداروں، اور بے ریا عمّالوں کی ایک چھوٹی سی جماعت، کفارِ مکّہ کے سلوک سے تنگ آکر مدینے میں پناہ گزین ہوگئی تھی۔ دشمن کے پے در پے حملوں کے باعث خوف و ہراس ہر طرف طاری تھا؛ مجبوری اور بے چارگی کا یہ عالم تھا کہ ایک لمحے کے لیے بھی ہتیار بدن سے جدا نہیں ہو سکتے تھے؛ مَردوں اور عورتوں کی نیم شبی آہیں، اور عورتوں اور بوڑھوں کی صُبحگاہی دعائیں آسمانوں کو ٹکرا رہی تھیں۔ مایوسی اور اضطراب کی ان گھڑیوں میں، خدائے پاک کی غیرت نے جوش زن ہو کر مُسلمانوں کو بشارت دی کہ اگر تمہارے ایمان میں یہ استواری، اور اعمال میں یہ صلاحیت ہے تو یقین جانو کہ دنیا کی کوئی طاقت تم کو مقہور و مغلوب نہیں کر سکتی؛ تم خدائے واحد کے پرستاروں کی ایک عاجز اور حقیر جماعت ہو، مگر یاد رکھو کہ قادرِ مطلق کی جناب میں تمہارے کاموں کی حقیقی وقعت، اور تمہارے ایمان کی سچّی قدر ہے؛ تمہارے سینوں میں صداقت کے موجزن دریا، اور حقانیت کے اُمڈتے ہوئے طوفان ہیں؛ تمہارے دلوں میں خدا کی محبّت کا سچّا ولوع، اور رسول کی اطاعت کا سچّا ولولہ ہے؛ تم بے خان و ماں ہو، مگر تمہاری نظروں میں آخرت کی لازوال متاع، اور عقبیٰ کی راحت افزا منزل ہے؛ تم بے سر و سامان ہو، مگر تمہاری اَتھک کوششیں اور اتحادِ عمل ہی خدا کی دائمی نصرت کا سامان ہیں؛ تم قلیل التعداد ہو، مگر جہاں جاتے ہو استقلال کے فرشتے تمہارے ہمرکاب، اور حوصلوں کے غیبی لشکر تمہاری تائید پر ہو جاتے ہیں: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ (۳۳ : ۹)؛ تم ایک ہو، مگر قوتِ ایمان اور صلاحِ عمل کی برکت سے

---

۱۵ اے ایمان والو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو جو اسنے تم پر کیا تھا جب کہ تم پر لشکر کے لشکر آچڑھے تھے۔ تب ہم نے اُن پر آندھی بھیجی اور اسکے علاوہ اور لشکر بھی جو تم کو دکھائی نہ دیتے تھے۔ یہ سب کچھ اس لیے تھا کہ اللہ تمہارے مردانہ وار اعمال کو بغور دیکھ رہا تھا اور تمہاری تائید و نصرت پر بہمہ وجوہ تُلا ہوا تھا۔

---

† ۵ھ ہجری میں غزوۂ خندق کے موقع پر اس جلیل القدر آیت کا نزول ہوا۔ آیت کے آخری حصے "وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا" سے ضمناً یہ ظاہر ہے کہ صدرِ اسلام کے مومنوں کا سعی و عمل ہی نصرتِ خدا کا باعث ہوا تھا۔ نیز یہ کہ شارع کائنات کی توجہ سعی و عمل کی طرف کس قدر ہے اور اسکا انعام کیا ہے۔

Marfat.com

دس نجاتے ہو، تمہارا عزمِ صمیم اور سچا ایثار ہی تمہارے لیئے پیغامِ بقا ہے: دشمن کے ہجوم نے ایک لمحے کے لیئے تم کو مرعوب اور بے بس کر دیا ہے، مگر میرا تم سے وعدہ ہے کہ اگر تم میں یہی خوبیاں رہیں تو تم نہ صرف خانہ کعبہ کے قطعی محافظ، اور سرزمین عرب کے حقیقی وارث بنو گے بلکہ کسریٰ کی دیرینہ عظمت کے اصلی حقدار، اسکندر کی عالم آرا سلطنت کے مسلّم جانشین، بکرماجیت کی بھارت کے سچے سپوت، اور قیصر کے دنیاوی جاہ و اُبہت کے بہترین خلف ٹھیرو گے!

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ † اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ ‡ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝ (۱۴: ۱۳-۱۴)

اور منکرینِ خدا نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال باہر کرینگے یا ہار کر تم پھر ہمارے مذہب میں آملو گے۔ اِس پر خدا نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ تم بدستور اپنی سعی میں لگے رہو ہم یقیناً ان ظالموں کو ہلاک کر دینگے اور ان کے پیچھے تم ہی کو اس سرزمین میں بسائیں گے۔ یہ صلہ اس قوم کا ہے جو میرے مقام و منصب سے ڈر کر میرے احکام کی اطاعت کرتی رہی، اور جسنے میرے عذاب سے بچنے کی کوشش کی۔

اِس بحث و تمحیص کے بعد یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ آیہ استخلاف مسلمانوں کے ساتھ وراثت زمین کے متعلق ایک **مشروط وعدہ** ہے، اجتہاری اور بلا قید شرط نہیں۔ جب تک مسلمانانِ عالم **ایمان** اور **اعمال صالحہ** کے صحیح مفہوم پر کم و بیش قائم رہے زمین کے ایک عظیم تر حصّے کی وراثت اُن کے قبضے میں رہی، دین اسلام کا تمکن مستقل ہوتا گیا، اور یکے بعد دیگرے ہر مخالف طاقت کا خوف امن سے بدل گیا۔

---

† اِس موقع پر "اَرْضِنَا" سے مراد منکرینِ خدا کا وطن ہے اور اِس لحاظ سے (۱۴: ۱۳) میں "الْاَرْض" کے معنے بلاشبہ اُسی مخصوص سرزمین کے ہیں۔ مگر آیۂ استخلاف یا اور متذکرۂ صدر آیات میں جہاں "الْاَرْض" کا لفظ واقع ہے تخصیص کسیلئے نہیں ہو سکتی کہ اِن میں کسی خاص وطن کا ذکر نہیں

‡ یہاں صاف ظاہر ہے کہ "مَنْ" کسی فردِ واحد کے لیئے نہیں آیا بلکہ تمام قوم کے لیئے استعمال ہوا ہے۔ اجتماعی حرف موصول کی اِس قطع کی مثالیں قرآن حکیم میں آگے چل کر جا بجا ملیں گی۔ ایک مثال مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۳، آیہ (۷: ۳۵)، میں گذر چکی ہے: فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

Marfat.com

قرآن کی اعجاز نما تعلیم نے ایک اقلِ قلیل مدت میں عرب کے رہزنوں اور مردم کُش وحشیوں کو روحانیت اور ایمان کے حلقۂ اثر میں لاکر، اُنکی کایا پلٹ دی۔ ریگستان کے اِن بے مُہار حُدی خوانوں کو، جن کی زندگیاں سالہا سال سے ریت کے چٹیل اور خشک میدانوں میں تشنۂ امل اور آوارۂ مراد کٹتی تھیں، خدا کی حبلِ متین میں جکڑ کر، کامرانِ صلاح اور سُبک گامِ عمل کر دیا۔ بداعمالی اور فسق کے یہی آزادہ رَو بندے، جن کے ہر فرد کو قتل و غارت پر ناز، اور ہر شخص کو بدکاری کا اِدّعا تھا، چشمِ زدن میں طاعت کی لذّت اور عشقِ خدا کی خلش سے آشنا ہو کر، عبودیت کے رہ نورد بن گئے۔ اخلاق کی درستی کے ساتھ ساتھ دنیاوی اعمال میں صلاحیّت آگئی۔ وہی طاقتِ عمل جو داحس اور بسوس† کی خانہ جنگیوں میں قومی تخریب کا باعث ہوا کرتی تھی، قرآن کی حُسنِ تجویز سے اعلائے حق میں صرف ہوئی؛ وہی خوش اعتقادی جو لات و منات، ہُبل و عزّیٰ کی جاہلانہ پرستش سے قبائلِ عرب کو نصیب تھی، خدائے واحد کی سرفرشانہ عبادت سے بدل گئی۔ بالآخر ایمان کے اِنہی بے محابا فدائیوں، اور عملِ صالح کے اِنہی نامصلحت اندیش، والہوں نے باطل کو دنیا سے یک قلم محو کر کے، اُسکے ہر گوشے میں صداقت کی گونج اور فدویّت کی ہیبت پیدا کر دی! کلامِ الٰہی نے منتشر قوتوں کو جمع، کمزور جذبات کو مضبوط، اور نفسانیت کو مغلوب کر دیا۔ وحشیانہ عادات کو مناسب سطح پر لاکر، اقتصاد اور میانہ روی کی ہدایت کی۔ حسیاتِ ملّیہ کو متحرک اور وسیع الاثر کر کے عالم گیر اسلامی اخوّت کا سبق دیا۔ نیّتوں کی راستی اور ارادوں کی درستی کو اعمال کے عواقب پر مقدّم کر کے ہیجانِ عمل پیدا کر دیا۔ جائز مراسم اور مفید روایات کو مفید تر پیرائے میں بدل کر پھر رائج کیا۔ الغرض ارادات اور اعتقادات کی

---

† زمانۂ جاہلیت کی دو مشہور خانہ جنگیاں حرب بسوس اور حرب داحس کے نام سے موسوم ہیں۔ اول الذکر لڑائی بنی بکر اور بنی تغلب کے درمیان ۴۹۴ء میں شروع ہوئی اور چالیس برس تک جاری رہی۔ وجہ یہ ہوئی تھی کہ ایک شخص کا اونٹ کہیت میں چلا گیا۔ کہیت والی نے اونٹ کو مارا بلکہ غصّے میں آکر اُس کے تھن کاٹ ڈالے، اِس پر فریقین میں لڑائی چھڑ گئی۔ پھر رفتہ رفتہ عرب کے سب قبائل اس لڑائی میں شریک ہو گئے، اور ستر ہزار آدمی اس خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھے۔ حرب داحس گھوڑ دوڑ میں کسی شخص کے گھوڑا بدکانے پر ۵۶۸ء میں شروع ہوئی اور ترسٹھ برس تک جاری رہی! اِس لڑائی کا خاتمہ اُس وقت ہوا جب بعض قبیلے حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ مگر قبیلوں کے قبیلے اُس وقت تک کٹ مرے تھے!

Marfat.com

کامل صلاحیت کو 'ایمان' سے، اور عبادات اور معاملات کی کامل درستی کو 'اعمالِ صالحہ' سے تعبیر کر کے شریعت اور سیاست کی بُنیاد ایک پتھر پر رکھدی۔ اور چند برسوں کے اندر اندر عرب کے اِن سیہ کار اور فاقہ مست گداؤں کو شناسائی خدا کے ساتھ ساتھ بادشاہتِ زمین کی ہر رمز سے آگاہ کر کے عالم ستانی کے لائق اور جہانبانی کا اہل بنا دیا!

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيْرًا ۝ (۱۷: ۹)

بیشک یہ قرآن اپنے عاملوں کو اُسطرف لیجاتا ہے جو سب سے زیادہ راست اور قیام آفریں ہے اور اُن صاحب ایمان لوگوں کو جو صالح العمل ہیں بشارت دیتا ہے کہ اُنکے لیئے بڑا اجر ہے۔

پس اگر آج تیرہ سو سال کے بعد اسلام کا لہلہاتا ہوا چمن مایوسی اور شکست کی ماتم سرا بن گیا ہے، اگر آج اُسکی ہر روش بربادی کے سپرد، اور اُسکا ہر گوشہ خرابی کا امین بن چکا ہے، اگر اُسکی بدطالعی اور خانہ ویرانی کے افسانے دشمن کے شکر خند اور قہقہے بن رہے ہیں، اگر اسکی بے آبروئی اور فاقہ مستی کا ماجرا شرمندۂ بیان اور رُوکشِ تشہیر نہیں رہا، اگر آج اُسکی ذلت اور مسکنت کی چوٹ جگروں کو فگار اور سینوں کو پاش پاش نہیں کرتی، اگر بے حسی کے موت آفریں زہر نے آج اُسکے ہر فرد کو بے پروائے سعی اور بیگانۂ عمل کر دیا ہے، اگر افلاس کی غیرت اور بے حرمتی کی آن آج اُسکو منت کشِ چارہ گر ہونے نہیں دیتی، اگر اس کی نعش جاں سپار پر آج ایک سچا ماتمی اور نوحہ گر موجود نہیں، نہیں نہیں، اگر اسکے عزاداروں کی آسماں رس فغاں اسکے بخت خوابیدہ کو جگا نہیں سکتی، اگر اسکے یتیموں کے دلفگار آنسو، اور بھک منگوں کی جاں گداز آہیں فرشِ زمین میں شگاف اور سقفِ آسمان میں سوراخ نہیں کرتیں، اگر اسکے پسماندوں کی محشر انگیز سینہ کوبیاں اللہ میاں کے عرش کو متزلزل نہیں کرتیں، اگر خدائے پاک کی غیرت اور شانِ عفو، زمیں پاش سجدوں اور فلک شگاف دعاؤں کے باوجود، جوش زن اور متحرک نہیں ہوتی، اگر آج محبوبِ خدا اور حبیبِ ملت نبیؐ کی **شفاعت** بھی اُمت کے حق میں کارگر ہوتی نظر نہیں آتی، نہیں العیاذ باللہ نہیں! اگر خود اُمت اپنی مجرمانہ غفلت اور ظالمانہ طریقِ عمل،

Marfat.com

عداوتِ رسولؐ اور عصیانِ خدا کے باعث رحم کی قطعی غیر مستحق، اور شفاعت کی یقیناً نااہل ہوگئی ہے۔ اور آسمانی اور زمینی بلائیں آج ہر طرف سے اُسکے اُجڑے ہوئے جھونپڑوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ویران کر رہی ہیں تو اِسکی وجہ یہی ہے کہ مسلمان قرآن کے مقاصد سے قطعاً نا آشنا ہوگئے ہیں اور **ایمان** اور **اعمالِ صالحہ** کے اصلی مفہوم سے کوسوں دور جا پڑے ہیں!

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي† اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ (۲۵: ۳۰-۳۲)

اسوقت رسولؐ پاک اللہ کی جناب میں بصد حسرت عرض کرینگے کہ آہ! اے میرے پروردگار میری اُمت نے تیرے اِس بھیجے ہوئے قرآن کو لغو سمجھکر چھوڑ دیا! اور بعینہٖ اسطرح ہم نے ہر نبی کی مخالفت میں احکام خدا سے مجرمانہ تغافل کرنے والوں کی ایک جماعت بنا رکھی ہے، مگر اس مایوس کن حالت میں بھی تمہیں راہ سجھانے اور مدد کرنے کو تمہارا پروردگار بس ہے۔ اور آج منکرینِ خدا جو اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن سارے کا سارا ایک دم سے رسول پر کیوں نہیں نازل کیا گیا اور جستہ جستہ کیوں اُترا، فی الحقیقت مناسب یہی تھا کیونکہ ہم اُنکو مطمئن کرنے کی بجائے سب سے پہلے اسکی صداقت اور عظمت کو تمہارے دلنشین کرنا اور تمہارے قلبِ سلیم کو مطمئن کرنا چاہتے تھے۔ اور اسی غایت کو پیشِ نظر رکھکر ہم نے اسکو ٹھیر ٹھیر کر اُتارا کہ اسکی ایک ایک آیت کی اہمیت کو تمہارے دل پر کالنقش فی الحجر کردیں۔

---

† 'قوم' کا لفظ قرآن کریم میں مختلف جگہ پر خاص اُس اُمت کے لیئے آیا ہے جس کی ہدایت کے لئے کوئی رسول بھیجا گیا ہو۔ مثلاً آیات (۶ : ۶۶)، (۱۱ : ۳۶)، (۴۳ : ۴۴)، (۴۳ : ۵۷) میں، اور بالخصوص آیہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (۱۴ : ۴) میں، "اور ہم نے کوئی رسول اپنے ہاں سے نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہ ہمارا پیغام اُسی زبان میں لے جاتا ہے جو اُسکی قوم کی ہے تاکہ اُنپر ہمارے منشا کو غیر مشکوک طور پر واضح کردے"۔ جس سے ظاہر ہے کہ متذکرہ صدر آیت (۲۵ : ۳۰) میں قرآن کو لغو سمجھکر متروک کردینے کا اشارہ بالخصوص قوم عرب کی طرف ہے۔ اور چونکہ کتاب خدا کے عربی زبان میں ہونے کے باعث، اِس کے مقاصد اور مطالب اہل عرب کو، عجم کے بالمقابل، بدرجہا واضح تر ہونے چاہیئے تھے، اسلیئے آج فقدانِ مطالب کی اکثر ذمہ داری اہل عرب کی گردن پر ہے، نہ باقی دنیائے عجم پر۔ آیندہ اوراق میں چلکر بتایا جائے گا کہ اسلاف صالحین سے قطع نظر جن کے سلیم الذہن طبقے قرآن کے عظیم الشان مطالب سے کماحقہٗ واقف تھے، اور جن کے علم و عمل نے ہی فی الحقیقت اسلام کو تمدن کے فلک الافلاک تک پونہچادیا تھا، اخلاف عرب نے کتاب خدا کو بُحر و بیابان بنانے میں کسقدر مستقل حصہ لیا۔ اسکے مطالب میں کیا کیا آمیزشیں کرکے ایک دنیا کو اِس سے بیزار کردیا۔ آج اِس زمانے میں بھی مسلمانانِ عالم کے اکثر مذہبی اور معاشری، تمدنی اور اجتماعی معاملات میں اہل عرب کا روایتی اقتدار اس انتہائی حد تک نمایاں ہے کہ اسلام کی موجودہ حالت کی اکثر ذمہ داری بھی اہلِ عرب پر ہی عاید ہوتی ہے۔ اسلام کی داستان زوال کے ہر مرحلے میں یہ اِسقدر روشن ہے کہ تاریخ کے ہر وسیع النظر طالب العلم کا اس تلخ حقیقت سے انکار کرنا قریباً محال ہوگیا ہے۔

Marfat.com

آج قرآن کی سچی عظمت دلوں سے محو ہوگئی ہے! اُسکے عالم افروز مطالب اور محیر العقول معانی کو دلنشین کردینے والے دس متنفس زندہ نہیں رہے؛ اُسکے حیرت انگیز ربط اور مکمل لائحہ عمل کو عیاں کرنے والا ایک فرد باقی نہیں رہا! اُسکی بُرہان ساطع اور حکمت لامعہ، رسمی ادب اور سطحی تعظیم کے گرد آلود جُزدانوں اور ریشمین غلافوں کے اندر سربلند طاقوں میں چھپی ہے؛ اسکی حجت قاطعہ، زبان کی عام نافہمی، تراجم کی حسرت آفرین کمی، اور مطالب کی نفرت انگیز تشریحوں کے باعث ہجر و ہذیان بنکر دردناک کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہے۔ طہارت کے سقیم عذروں، رموزِ اوقاف اور اسالیبِ قرأت کے فوق الضرورۃ خوف آلود فتواؤں نے اِس عظیم الشان کتاب کو اور بھی متروک و مہجور کردیا ہے۔ اِسکے کھُلے کھُلے احکام کے مطالب، اور سیدھی سادی آیتوں کے معانی بھی لغت، صرف و نحو، علم الانشا، علم المعانی، علم البیان، علم البدیع، علم رسم الخط وغیرہ وغیرہ، کے اُن لامتناہی نکات اور مصنوعی رعایات کی شرح و بسط کے نیچے دب گئے ہیں جو عرب زباں دانوں نے محض اپنی زبان کو جِلا دینے کی خاطر ترتیب دیئے تھے۔ قرآن کا صحیح مطالعہ عرب تو درکنار، دنیائے عجم کے نزدیک بھی آج زیادہ تر اِنہی غیر متعلق علوم و فنون کا شبانہ روز درس و التزام ہے جو اہل عرب نے خود قرآن ہی کو معیارِ فصاحت و بلاغت مان کر اُسی کے تتبع میں قرنوں† بعد اختراع کیئے تھے۔ مسلمانوں کا دردانگیز قحط عقل، اور اُن کی مضحکہ خیز کم فہمی آج عرب کی کورانہ تقلید میں مغز کو چھوڑ کر پوست کی محبت میں گرفتار ہے، اور قرآن کی نہایت ادنیٰ، وہمی، اور سطحی فضیلت کو اہل غرض کی

---

† علم نحو کی ابتدا خلیل ابن احمد (المتوفی ۱۷۵ھ/۷۹۱ء) سے ہوئی، اگرچہ ابو الاسود الدؤلی (المتوفی ۶۹ھ/۶۸۸ء) نے اس موضوع پر چند ابتدائی تعارف لکھیں۔ سیبویہ (المتوفی ۱۸۰ھ/۷۹۶ء)، اور کسائی (المتوفی ۱۹۰ھ/۸۰۵ء) نے بعد ازاں اس فن کو مستقل کیا۔ علم صرف عام طور پر کسائی سے منسوب ہے مگر اسکا اصلی موجد ابو عثمان بکر بن محمد مازنی بصری (المتوفی ۲۴۸ھ/۸۶۳ء) ہے۔ علم اللغت کی ابتدا ابو عبیدہ (المتوفی ۲۱۰ھ/۸۲۵ء) نے کی، علم انشا کا ظہور ابو جعفر منصور عباسی (المتوفی ۱۳۶ھ/۷۵۴ء) کے عہد میں ہوا۔ علم المعانی والبیان پر پہلی کتاب غالباً عبد القادر جرجانی (المتوفی ۴۷۱ھ/۱۰۷۸ء) نے خلیفۃ المقتدی باللہ کے عہد میں لکھی۔ علم بدیع کا موجد ابن المعتز (المتوفی ۲۹۵ھ/۹۰۸ء) ہے جو خلیفۃ المعتز کا بیٹا اور المعتمد باللہ کا بھائی تھا۔ درس و تدریس قرآن کے متعلق باقی فنون کی ابتدا بھی نزول قرآن کے قرنوں بعد ہوئی۔ کتاب الٰہی کا مطالعہ صدر اسلام میں اِن تمام تکلفات سے بے نیاز ہو کر ہوتا رہا۔ لیکن کیا اِن فنون کی عدم موجودگی میں آج کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے کہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے عہد کے مسلمان قرآن کے مطالب سے بعد کے مسلمانوں کے بالمقابل کم آشنا تھے، یا اُس کی نبوی تعلیم اور معنوی خوبیوں سے کم واقف تھے؟

اپنی بنائی ہوئی دلیل، اور اپنی پیدا کی ہوئی سند سے ثابت کرنے کی لاطائل سعی کر رہی ہے!

تو سرما دیدۂ بر شعلہ می تازی ز خاکستر

بہ بینی حسن خاکستر چو در روشنگراں بینی

آہ! اِس المناک تکلف اور مجرمانہ ظاہر پرستی کا خمیازہ مسلمانوں کو آج اُٹھانا پڑا ہے جبکہ صدیوں کے اِس بے سود اجتہاد، اور تضیع وقت نے اُنہیں اپنی محبوب کتاب کے مہتم بالشان مقاصد سے اسقدر علٰحدہ اور دائمی بہبودی کے حیرت انگیز دستور العمل سے اِسقدر دور کر دیا ہے۔ کاش! جس تصنّع اور ظاہر نوازی سے خلیل ابن احمدؒ، ابو الاسود الدؤلی، سیبویہ، کِسائی، قطرب اصمعی وغیرہم نے قرآن کو ادب و بلاغت کی صحیح محک مان کر اُسے کئی ایک مستقل علوم ادبیہ کا ماخذ و مصدر قرار دیا تھا اگر رازی، ابن رشد، فارابی، ابن حزم، اشعری وغیرہم علیہم الرحمۃ بھی کتاب الٰہی کے دروں کو قانونِ فطرت کا صحیح ضابطہ، اور مشیّت خدا کی صحیح تصویر مان کر اُسی طریقے پر مستقل اور نا قابلِ ردّ علوم الکلام اور علوم الطبیعۃ کی بنیاد ڈالتے، اور قرآن کا تمام ضابطہ عمل عیاں کر دیتے، تو آج اسلام اِس اندوہناک مصیبت میں مبتلا نہ ہوتا۔ برخلاف اِسکے علم کلام میں مسلمانوں کی تمام تر سعی نہایت نازک اور خارج از بحث، مابعد الطبیعی اور غیر مفید موضوعوں کے غلط استنباط اور غلط اجتہاد میں صرف ہوئی۔ معارفِ الٰہی، اوصافِ نبوّت، ماہیّتِ وحی، حقیقتِ روح، بحث امامت، جبر و قدر، احوالِ قیامت، عذاب قبر، خلقِ قرآن، وغیرہ وغیرہ، ایسے مسئلے تھے جن سے کسی غائر نظر کے بعد بھی کوئی یقینی فائدہ یا قطعی نتیجہ مترتب نہیں ہو سکتا تھا۔ یونان کے ضعیف اور لفاظ، غیر مستند اور خیال آرا فلسفے نے اِن مباحث کو چھیڑ کر مسلمانوں کے اعتقادات میں دردناک تصادم پیدا کر دیا۔ اہلِ سُنّت اور شیعہ، خوارج، معتزلہ، قرامطہ وغیرہا کے علاوہ جبریّہ، قدریّہ، مُشبّہ، مُرجیہ، باطنی، ناصبی، غالیہ، وغیرہ وغیرہ بیسیوں فرقے اسلام میں پیدا ہو گئے! اجماع امت شک میں تبدیل ہو گیا، قرآن کے مطالب کی تنظیم و تنسیق قطعاً رک گئی، استدلال کا تمام تر رجحان معتقدات اور ظنّیات کی طرف ہو گیا، معاملات اور یقینیات کی طرف توجہ نہ رہی۔

Marfat.com

اِن نامراد قضیّوں میں پڑکر مُسلمان قرآن کی حقیقت سے اور بھی دور ہوگئے۔ جمہور عُلمائے دین کی اعتقادات میں بالغ نظری اور معاملات کی طرف کم نگہی آج ایک بہت بڑی حد تک اِسی مفسدانہ اور شر انگیز فلسفیانہ اجتہاد کا بقیہ ہے۔

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ○ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ○ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ○ (۲۳: ۵۲-۵۴)

اور مسلمانو! یاد رکھنا کہ یہ تمہاری اُمت اپنے اصلی اساس کے اعتبار سے ایک ہی گروہ ہے جو میری سرکردگی اور سرداری میں قائم ہے۔ اور وہ اصل اساس خدا کا خوف ہے (†) پس مجھ ہی سے ڈرتے رہو، اور مشترک خوف کے باعث ایک اُمت بنے رہو۔ آہ! لیکن خدا کا خوف اُن سے زائل ہوتا گیا، اور لوگوں نے آپس میں پھوٹ پیدا کر کے اپنا اپنا مسلک جُدا کر لیا۔ اب ہر فرقہ اپنی اپنی بات پر خوش ہے۔ پس اِن سب کو غفلت میں پڑا رہنے دو۔ یہاں تک کہ امرِ الٰہی اُنکے اِس گناہِ عظیم کی پاداش میں سب کا فیصلہ کر دے!

علم کی صداقت آزما فضا، اور عمل کے فیصلہ کن میدان میں آج اِس **یونانی فلسفے** کی دھجیاں اُڑ چکی ہیں۔ سطحی خوب صورتی، لفظی نزاع، غلط مقدمات، ظنّی استدلال، عقر نتائج، وغیرہ وغیرہ، کوئی ایسی مد نہیں جسکے رو سے اسکی اصلیّت، حسب نسب، اور نامۂ اعمال کی قلعی نہ کھل گئی ہو۔ خود مسیحی یورپ بھی آج اپنے کمال قوت اور عدیم المثال تمکّن کے غرور میں کبھی کبھی اِس پرانی، باتونی، اور بے وفا معشوقہ کی داستان دل لگی اور افسوس کے طور پر لے بیٹھتا ہے جسکی دلفریب باتوں کی بلائے محبّت میں وہ مُسلمانوں کی شہ پر دو سو برس تک گرفتارِ وصال اور منتظرِ نتائج رہا۔ مگر مسلمان ہیں کہ ایک ہزار سال سے زیادہ اِس راندۂ عالم اور مضعفِ یقین، اِس تہیدست اور قلاش محض عجوزہ کے تبسّم زیرِ لبوں اور عشوہ سنج نگاہوں کے

---

† حاکمِ وقت کا خوف بشرطیکہ سچا خوف ہو رعیت کے افراد کے مابین سچا اتحاد پیدا کر دیتا ہے۔ اگر کوئی جماعت کسی ایک شخص کے ماتحت رہ کر متحد نہیں ہوئی تو اُسکو لامحالہ اُس حاکم کا کچھ خوف نہیں۔ خوف کے ہوتے ہوئے تفرقہ ناممکن ہے۔ اور یہ بات ہر منتظم محکمے اور ادارت میں روزمرہ نظر آتی ہے۔ پس تقوٰے اور اتقا کی ایک اہم قرآنی شق اتحاد اور وحدت اُمت ہے۔ اور وہی قوم دراصل متقی ہے جو خوف خدا کے باعث متحد بنکر رہے! اِس عالم آرا اصول کی تائید آگے چلکر جا بجا ملے گی۔ یہاں پر اِس سے بحث نہیں۔

Marfat.com

گھائل ہیں اور اپنی دینی اور دنیاوی کشائش کی راہ ابتک اِس ناپاک فلسفے کے قدموں تلے دیکھ رہے ہیں! کیا خدا کے پاک کا تنبیہی اور تادیبی اشارہ جو آیۃ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ[۵۱] (۵۶ : ۷۹) میں ہے، اور جسکی سطحی تعمیل اور دور از کار تاویل† میں مسلمان اِس جوش و خروش سے استعاذوں، استغفاروں، اور پے در پے طہارتوں کے بغیر قرآن کا

---

[۵۱] اِس قرآن عظیم کو پاک بندوں کے سوا کوئی چھونے نہیں پاتا۔

† اِس معنی خیز اور حقیقت نما آیت کا غلط استعمال جسقدر مسلمانانِ عالم نے پے در پے کئی قرنوں سے بالالتزام کیا ہے شاید ہی کسی دوسری ایک آیت الٰہی کا کیا ہو۔ کتاب خدا کے قدیم ترنسخوں میں جسقدر اس کا سرورق پر زیب عنوان ہونا کہیں تحقیق نہیں، اسیقدر اسلام کے زمانہ انحطاط سے آجتک یہ آیت نہایت استقلال کے ساتھ قریب قریب ہر مجلد کا سرنامہ بنتی رہی ہے۔ قرآن کریم کا ہر عالم اور جاہل مولف بلا امتیاز اسکو سرورق پر کہیں نہ کہیں جگہ دیتا رہا ہے، اور اسکی شمولیت کو اپنی تالیف کا جزو لاینفک قرار دیکر اپنے زعم میں دنیا کو خدا کی ایک 'منہیٔ مہم' کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے، اور طرفہ تر یہ کہ اُسکے غلط العام مفہوم کے متعلق اپنے دل میں ذرا سا شک بھی نہیں رکھتا۔ مگر ہر قوم کے زوال کی داستان دراصل اُسکی حسیات کے زوال کی داستان ہے، جب سعی و عمل کا اصلی ہیجان افراد کے قلوب سے رفتہ رفتہ فرو ہو جاتا ہے، اور طبیعتیں آرام پسند بن جاتی ہیں تو انسان اپنے دل کی تسکین کے لیے چند ایسی باتیں اعتقاد کے طور پر لے لیتا ہے جن کے کرنے میں کم سے کم تکلیف ہوتی ہے، اور اُن کے کر لینے سے ایک ڈھارس سی بندھی رہتی ہے۔ جبتک مسلمانانِ عالم، کتاب خدا کو کسی جلیل القدر حاکم کا فرمان خسروی یقین کرکے اسکے ایک ایک حرف پر عمل کرنا ناگزیر سمجھتے رہے، اسکی اہمیت اور عالی نسبتی سے خوفزدہ رہ کر لرزتے رہے، اور اسکی تعمیل میں اپنے تن بدن کو تکلیف میں ڈالتے رہے، قرآن کی تعظیم کا صحیح مفہوم عمل اور صرف عمل ہی رہا۔ لیکن جب سعی و عمل سے گریز کرنا آرام دہ نظر آیا تو لوگوں نے قولِ خدا کی لفظی اور زبانی تعظیم کو اپنے اعتقاد کا جزو کبیر بنا کر اپنے نفس کو دھوکا دیا، اِسی کو حاکم اعلےٰ کا صحیح منشا سمجھنے لگے، اسی کو حکم حاکم کی مرگ مفاجات فرض کر لیا، اِسی میں اپنا تمام تر اعتناء و انہماک صرف کر دیا۔ پھر نفس فریب کار کی اِس خوشنما بہانہ سازی نے قرآن کی تعظیم ریشمین جزدانوں میں بند رکھنے، یا کبھی کبھی تبرک کے طور پر تلاوت کر لینے پر محدود کر دی، اور جب اس مکر و ریا کو نباہنا بھی طبیعت پر گراں گذرنے لگا تو اُسکو ہر وقت بالائے طاق رکھنے کا شیوہ اختیار کر کے گویا خدا کو بالائے طاق رکھدیا! آج یہی ابلیس کی بنائی ہوئی منقیانہ دلیل ہر فرد متنفس کے دل میں موجزن ہے، اور باوجودیکہ انسانی تعلق اور تعبد کا انداز ہمیشہ سے یہ ہے کہ کسی مشاہرہ دہ حاکم کے مکتوب کو دیکھکر کئی کئی راتوں تک نیند حرام ہو جاتی ہے، اور دن تیاری اور تعمیل میں صرف ہوتے ہیں۔ اور فہم مطلب کے اضطراب میں اُس منشور خسروی کو اُٹھا اُٹھا کر پڑھا، اور پڑھ پڑھ کر رکھدیا جاتا ہے، اور عمل کے سوا کسی دوسری تعظیم کا خیال تک نہیں گذرتا، تاہم مسلمانوں کے نزدیک آجکل تعظیم احکم الحاکمین، اور تکریم جل و علےٰ کی بہترین تجویز یہی ہے کہ اُسکے مکتوب کو طاق نسیاں پر رکھکر پھر اُس کی خبر نہ لی جائے، اور ہر دم باوضو نہ ہونے کا یا اور شیطانی عذر رکھکر اسکو ٹال دیا جائے۔ آہ! لیکن جسوقت کسی قوم کی نیتیں بگڑ جاتی ہیں، جب تکلیف کی بجائے آرام اُن کا شیوۂ عمل بن جاتا ہے تو کوئی منطق، کوئی دلیل، کوئی حس مشترک اُنکو بہتر بنانیکے لیے کارگر نہیں ہوتی، ورنہ خوف خدا کے اُس لشکر انگیز اور کشور کشا زمانے میں جب کہ قرآن کے یہی الفاظ سردار اُمت اور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب پر براہ راست آسمان سے وحی ہو رہے تھے، آپ کی چاہیتی اور رازدار بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ کلام خدا کو چمڑوں، اور کھجور کی شاخوں اور ہڈیوں پر لکھکر اُسی طرح علی الحساب ایک صندوق میں ڈال دیا جاتا تھا اور وہ صندوق رسولؐ خدا کی چارپائی کے سرھانے پڑا رہتا تھا!

لیکن اس استدلال سے قطع نظر جن معانی میں آیۃ مُطَهَّرُوْنَ (۵۶ : ۷۹) قرآن کریم کے اندر استعمال ہوئی ہے۔ اُن کا مسلمانوں کی اس خود ساختہ تاویل سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ سورۂ واقعہ کے ربط کو ظاہر کرنے کا یہ موقع نہیں مگر چند پہلی اور پچھلی آیتوں کے سیاق سے ظاہر ہے کہ نہ

درس تو در کنار، اُسکے اوراق پر اُنگلی بھی نہیں رکھنے دیتے، یہی معنی رکھتا تھا کہ تم اِس پاکیزہ کتاب کے خدائی مقولات اور اَنمول جواہرات کو یونانی فلسفے کے ناپاک سنگِ امتحان پر رگڑ رگڑ کر، اپنی ہی ناقص عیاری اور نااہلی کا ثبوت دو، اور دنیا کو ابدالآباد تک محوِ حیرت اور شرمسار کر دینے والی صداقتوں کے مابین الدّفتین خزانوں کو

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۵۰) اِس آیت میں کسی بات سے منع کیا گیا ہے اور نہ اِنہا مقصود ہے بلکہ معترضین کو کتابِ خدا کے مفید عام ہونے، اسکے علم کے سب انسانی علم و خبر سے بالاتر ہونے، اور اسکی تعلیم کے مصدرِ عزت و امن ہونے کا دعوے حیرت انگیز الفاظ میں پیش کیا گیا ہے:

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۝ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ۝ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ۝ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ۝ فَلَوْلَآ إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ۝ وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ۝ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ ۝ (۵۶: ۷۵-۸۵)

تو اے راہ گم کردہ غفلت زدو! اور اے احکام خدا کو مکرے ٹالنے والے بہانہ سازو! (الفاظ اَيُّهَا الضَّآلُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ۝ (۵۶: ۵۱) کا ترجمہ، جو اس سے پیشتر آچکے ہیں، اور جہاں سے برابر مُکَذِّبِیْن قرآن اور ضَآلِّیْن کی طرف خطاب ہو رہا ہے۔ حتّٰی کہ (۵۶: ۹۲) میں بھی انہی الْمُكَذِّبِينَ الضَّآلِّينَ کی طرف عود کیا گیا ہے،) میں تم کو آسمان کی اِس پہنائے بیکران میں کروڑوں میل بلند ستاروں کے مقاماتِ عالیہ کو گواہ ٹھیرا کر کہتا ہوں (أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ۝) اور بگوش ہوش سُن لو کہ اگر تم کو علم ہوتا تو سمجھ لیتے کہ اِن آسمانی رصدگاہوں کی شہادت ایک بہت ہی بڑی اور قطعی شہادت ہے، کہ یہ قرآن عظیم ایک بڑی ہی بلند پایہ (كَرِيمٌ) بڑی ہی قابلِ قدر و عزت (كَرِيمٌ) اور بے حد لائق غور و خوض (كَرِيمٌ)، اور فراخورِ عشنا و انہماک (كَرِيمٌ) کتاب ہے۔ ہمارے نزدیک اِس کے احکام کی عزت، اِسکے مضامین کی قدر و منزلت، اُن کی اہمیت، ضرورت، اور نافعیت، فی الجملہ اسقدر ہے کہ گویا کئی تہوں میں رکھے ہوئے (مَّكْنُونٍ) اَنمول موتیوں کی طرح بین الدّفتین لپٹی پڑی ہے، جسکو بوجہ اِس کے نایاب اور بے بہا ہونیکے پاک صاف اور اہل آدمیوں کے سوا کوئی چھونے نہیں پاتا (لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝) کم فہمو! قدر شناس انسانوں کے دلوں میں اِس کتاب عزیز کے احکام کی یہ وقعت کیوں نہو، یہ تو ایزدِ بے مثال کا اُتارا ہوا کلام ہے جو مخلوقِ زمین و آسمان کا پالنے والا ہے، اور سب کو امن و راحت دینا جسکا اولین پیش نہاد ہے (رَبِّ الْعَالَمِينَ)۔ تو کیا تم ایسے قابلِ قدر، ایسے منفعت بخش اور اسقدر نایاب کلام سے مُداہنت اور مسامحت روا رکھو گے (أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنتُم مُّدْهِنُونَ ۝) کیا اِن بے بہا احکام کی تعمیل سے گریز کرنا، اُن کو جھوٹ سمجھکر اُن سے بے اعتنائی برتنا اپنا روزینہ اور ذریعہ معاش بنالوگے (وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ۝)! تو خیر کچھ پرواہ نہیں شوق سے کرو۔ لیکن اے اجل زدو! اِس فرمانِ حسروی کو اُسدن کیوں نہ جھٹلاؤ جب کہ اجتماعی شکست و ریخت کے قیامت انگیز سمے میں تم میں سے ایک ایک فرد کی جان بدن سے کھچکر حلق میں آپہنچے گی، اور تم اُسوقت ٹکر ٹکر پڑے دیکھ رہے ہوگے اور ہرگز کچھ نہ کر سکوگے! پھر اُسدن ہم تم سے بھی زیادہ تمہارے حلق سے قریب تر (أَقْرَبُ إِلَيْهِ) کھڑے تمہارا گلا گھونٹ رہے ہونگے، اور تم کو خبر تک نہ ہوگی (وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ ۝)!

اِس مربوط ترجمے سے جس میں ہر آیت کے مطالب کو بعد کی آیت سے سلسلہ وار پیوست کر دیا گیا ہے، یہ ظاہر ہے کہ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ کے الفاظ احکامِ الٰہی کی قدر و منزلت کو ساکنانِ زمین کی نگاہ میں عیاں کر دینے کے لیے بطور استعارہ استعمال کیے گئے ہیں۔ کتابِ خدا کو آیہ (۵۶: ۷۷) میں كَرِيمٌ کا خطاب دیا ہے اور آیہ (۵۶: ۷۸) میں اسکے تکرم کی تو کید مزید لفظ مَّكْنُونٍ سے کر دی ہے۔ گویا یہ کتاب وہ دُرِّ شہوار اور وہ گوہرِ نایاب ہے کہ موتیوں کی طرح تہوں میں لپٹی پڑی ہے۔ یہ کسی شے کو لپیٹے رکھنا ہی انسان کے نزدیک انتہائی تعزز کا معیار رہا ہے، اور بعینہٖ یہی تشبیہ رب جل و علیٰ نے حورانِ بہشتی کے متعلق آیہ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۝ (۵۶: ۲۳) میں فرمائی ہے، گویا وہ حوریں تہوں میں رکھے ہوئے موتیوں کی مانند ہیں۔ حوروں کا فی الواقع لپٹی ہوئی ہونا یہاں مراد ہے اور نہ قرآن کا عرش معلّٰی پر آیت زیرِ بحث (۵۶: ۷۸) میں، بلکہ مقصود احکامِ خدا یا انعامِ خدا کی قدر و قیمت

Marfat.com

چھوڑکر، کاسۂ گدائی ہاتھ میں لیئے ہوئے، یُونان کی مسخ شدہ حکمت کے دریوزہ گر بنو!

آفتاب اندرون خانہ وما — دربدر میرویم ذرہ مثال
گنج در آستین ومیگردیم — گرد ہر کوئے بہر یک مثقال

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۵۱) کا جتلانا ہے۔ اِسی قدر و قیمت کی مزید تائید لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (۵۶ : ۷۹) کے الفاظ سے کردی ہے، یعنی وہ لپٹے ہوئے موتی اسقدر قیمتی اور آبدار ہیں کہ میلے ہاتھوں کا اُن کو چھونا بھی منع ہے۔ یہی تخصیص سورۂ الرحمٰن میں حوروں کے متعلق کی ہے: لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ (۵۵ : ۵۶ و ۷۴)، یعنی "کسی جن و انس نے ان کو اس سے پہلے چھُوا تک نہ ہوگا"۔

اب رہا یہ سوال کہ کتاب خدا کی قدر و منزلت آیا اسی سطحی تعظیم میں ہے جو کم ہمت مسلمان آج کر رہے ہیں، یا اُسکے مشمولہ احکام کی تعمیل کرنا ہی قرآن کریم کی صحیح قدر شناسی اور عزت ہی۔ اِس کا جواب آیۂ مُدْهِنُوْنَ (۵۶ : ۸۱) اور آیۂ تُكَذِّبُوْنَ (۵۶ : ۸۲) میں ہے۔ اِن دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کریم سے مداہنت، یہی ہے کہ مکر اور چرب زبانی سے کام لیکر اسکے احکام کی آرام دہ تاویلیں کر دیجائیں، اُن کی تعمیل سے گریز کیا جائے، اور نری سطحی آؤ بھگت کرکے العیاذ باللہ خدا کو دھوکا دیا جائے۔ یہی کفر کے صحیح معنی ہیں اور یہی تکذیبِ آیاتِ الٰہی ہے۔ جیساکہ دوسری مجلد میں واضح کر دیا جائے گا۔ خدا کی نظروں میں مُکذّب، وہی شخص ہے جو اُسکے کہے پر عمل نہیں کرتا خواہ وہ اُسکے قول و کلام کا مُنہ سے رسمی اقرار کرے یا نہ کرے۔ اِنہی معنوں میں رسول خدا صلعم کے زمانے میں کثر اہل عرب مکذّب تھے۔ مُنہ سے مقر ہوجانا اور عملاً تکذیب کرنا، خدا بلکہ فی الحقیقت ہر اولو الامر کے نزدیک وہ فعل عبث ہی جس کی کچھ اُجرت نہیں۔

تعجب ہے کہ احکام الٰہی کو عملاً ماننے کی اس حیرت انگیز تحریص و ترغیب کے باوجود آیۂ مُطَهَّرُوْنَ کے معانی یہ لیئے جاتے ہیں کہ خدا نے اِس کتاب کو ہاتھ مُنہ دھوئے بغیر چھونے سے منع فرمایا ہے، اور صرف رسمی تعظیم مقصود ہے۔ ایک سلیم الذہن شخص کے نزدیک یہ تشریح نہایت لغو اور مضحکہ انگیز ہے۔ یہ خدا کی شان سے حتماً بعید ہے کہ اپنے فرمان خسروی کی ایسی ناقص اور بے معنی تعظیم کرنے کا حکم دے جو آج کسی معمولی سے معمولی حاکم کو بھی قطعاً گوارا نہیں، اور جسکا نتیجہ اسکی تبلیغ و اشاعت کو بیحد محدود اور نامسلمان ملکوں میں قطعاً مسدود کر دینا ہو۔ مگر اس تمام استدلال سے قطع نظر، کیا آج غیور مسلمانوں اور بالخصوص سات کروڑ ہندی مُسلموں کے لیئے یہ ڈوب مرنے کا مقام نہیں کہ آیۂ مُطَهَّرُوْنَ کی اِس تاویل کو بالاتفاق تسلیم کرتے ہوئے بھی اُن کی فاقہ مستی اور بے نوائی، اُنکی بے حسی اور لاابالیت اِس حد تک پونہچ چکی ہے کہ قرآن کریم کی اکثر اشاعت اور طباعت کافر ناپاک ہندوؤں کی وساطت سے ہو رہی ہے۔ اُن کا اِس کتاب کو چھُونا تو درکنار، عین سرورق پر آیۂ مُطَهَّرُوْنَ کے ساتھ ساتھ اُنکے نام نامی لکھے جاتے ہیں، اور کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ کیا اندھیر ہو رہا ہے!

میرا مقصود اِس تمام بحث و تمحیص سے حتماً یہ نہیں کہ کلام الٰہی کی ظاہری تعظیم نہ کی جائے یا کم کر دیجائے، بلکہ یہ کہ صحیح قدر شناسی صرف اُس کے احکام کی تعمیل میں ہے اور بس۔ جو شخص قولِ خدا پر عمل کرنے کی نیت سے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال رہا ہے وہی اُسکے قول کی تعظیم کر رہا ہے، وہی اُسکو مان رہا ہے۔ ہمیں شک نہیں کہ اکثر اوقات یقین و عمل کے ساتھ ساتھ ایک ظاہری ادب بھی خود بخود پیدا ہوجاتا ہے۔ مگر ایسا اجتباری لحاظ کسی وجہ سے قابل اعتراض نہیں۔ جس بات پر اعتراض ہے یہ ہے کہ کتاب خدا کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں ریا و مکر کی تعظیم نہ ہو، جمود و فریب کی عزت نہ ہو، آرام دہ تکلف نہ ہو، تسکین دہ بناوٹ نہ ہو، دل سے انکار اور مُنہ سے اقرار نہ ہو، نفس کو دھوکہ نہ ہو، شیطان کی مساعدت نہ ہو، خدا سے گریز نہ ہو! اگر یہ ہے اور ساتھ ہی جنت کی لَو بھی لگی ہے تو مسلمان وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ[۵۱] (۳ : ۵۳) کے مضمون کو یاد رکھیں اور سمجھ لیں کہ اس خوش اعتقادی کا کیا انجام ہوسکتا ہے!

(باقی بر صفحہ آیندہ)

---

۵۱ اور اِدھر اُن لوگوں نے مکر کیا تو اُدھر خدا اپنی چال چل رہا تھا اور اللہ مکاروں کے بالمقابل بہترین چال چلنے والا ہے۔

Marfat.com

مغربی حکمت کے اِن شیدائیوں نے آہ! اِس تیرہ سو برس کے اندر قرآن کی مقدس مجلدات کو درس کے ہر موقع پر آنکھوں سے لگاتے اور بار بار چومتے وقت ایک مرتبہ بھی اُسکے اُن دعاوی پر غور نہیں کیا جنکو وہ ہر نئے موضوع کے عنوان میں، ہر دقیق بحث کے ضمن میں، اور ہر تازہ اکتشاف کے آخیر میں پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ آہ! قرآن حقیقت کے اِن گمراہ متلاشیوں کو سوفسطائی فلسفے سے ہٹا کر حق و یقین کے راہ راست پر ہی لا رہا تھا جب اُس نے کہا تھا کہ اسکی آیات حکمت کے کامل اُستاد، اور غالب البرہان خدا کے اپنے ہاں سے اُتری ہیں: تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ[۵۱] (۳۹: ۱)؛ اُس بے مثال ہستی کا روئے سخن حکمت کے اِنہی نامراد ہرجائیوں کی طرف تھا جب اُس نے قرآن کو حکمت کی بے بدل اور جامع و مانع کتاب قرار دے کر اُسکی قسم کھائی تھی: يٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ[۵۲] (۳۶: ۱-۴)؛ وہ ربّ عزیز و حکیم، فی الحقیقت، انسان کو اُسکی اپنی ایجاد کی ہوئی ہر حُجّت اور حکمت سے عملاً بے نیاز کر رہا تھا، جب اُس نے اپنی بھیجی ہوئی بُرہان، اور اپنے بنائے ہوئے قانون کو "کتاب حکیم" کا جامع اور مانع لقب دیا تھا: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ[۵۳] (۱۰: ۱)؛ شارع زمین و آسمان کی مراد حکمت کے اِنہی نادان اور کم علم فلسفیوں کو صراط مستقیم پر لانے کی تھی جب اُس نے جتلا دیا تھا کہ تمہارا اُمّی نبیؐ تو قرآن کے مہتم بالشان حقائق

---

۵۱ سورۂ زمر کے علاوہ جس کا حوالہ متن میں دیا گیا، یہی آیت دو اور جگہ زیب عنوان ہے جن کا حوالہ یہاں پر دیا جاتا ہے: تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۴۵: ۲)، تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (۴۶: ۲)، سورۂ مومنون میں "العزیز العلیم" ہے: تَنْزِيلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (۴۰: ۲)۔ ترجمہ اِن کا یوں ہے: یہ تحریری پیغام (الکتٰب) بارگاہ جلّ و علیٰ کی طرف سے تمام عالم کے نام ہے جو بڑا غالب القوٰے (بڑا صاحب علم (۴۰: ۲)) اور بڑا صاحب حکمت ہے۔

۵۲ قرآن حکیم اِس بات کا شاہد ہے کہ بیشک تم خدائے عظیم کے پیغامبروں میں سے ہو، اور اسی صراط مستقیم پر چل رہے ہو جو مقصود خدا ہے۔

۵۳ یہی آیت سورۂ لقمان کے زیب عنوان بھی ہے: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ (۳۱: ۲)۔ ترجمہ یوں ہے: یہ احکام آلٰہی (اٰیٰت) اُس قانون جلیل سے ماخوذ ہیں جو ایک مجتمعہ حکمت کتاب ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۵۲) 'مواقع النجوم' کی قسم کا صحیح مفہوم، اسکی عظمت کی تشریح، اور خلقوم تک پہنچنے والی موت کی صحیح کیفیت کا ذکر پہلی موقع پر کر دیا جائے گا۔ محولۂ بالا ترجمے میں مطالب بہت کچھ عیاں کر دیئے ہیں، اور ظاہر ہے کہ مواقع النجوم کی شہادت لامحالہ اُس افق اعلیٰ کی شہادت ہے جو انسان کو کمالِ علم کے باعث حاصل ہو جاتی ہے، اور جو عرب کے پیغمبر اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حتماً حاصل ہو گئی تھی۔ اِس کیفِ نبوت کا ذکر مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۲۱ میں ہو چکا ہے۔

Marfat.com

حکیم وعلیم خدا کے ہاں سے براہِ راست سیکھ کر آتا ہے: وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ (۲۷: ۶) اور اُسکی آیات پڑھکر دنیا کو حکمت اور طہارتِ نفس سکھلاتا ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۳: ۱۶۳)؛ اور آموزِ ازل[۳]

---

[۱] اور اے محمدؐ! اس میں شک نہیں کہ تم قرآن کی عظیم الشان حکمتوں کو حکیم وعلیم خدا کے پاس سے سیکھ کر آتے ہو۔

[۲] لوگو! اس خدائے عظیم نے ایمان والوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ اِن بے علم اور اُجڈ، اَن پڑھ اور انجان اہل عرب میں (فِيْهِمْ، دیکھو (۶۲: ۲)) اُن ہی میں کا، اور حسب پسند ایک رسول بھیجا جو آج فرستادہ خدا ہونے کے باعث اس قدر صاحب علم ہوگیا ہے کہ اُن پر خدا کے عالم آرا احکام واضح کر رہا ہے (يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ)، ان کو آلائش گناہ سے پاک صاف کر رہا ہے، اُن کو قانون الٰہی (الْكِتٰبَ) کا علم دے رہا ہے، خدائے علیم وحکیم کی حکمت سکھلا رہا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو یہ جاہل لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

قریب قریب یہی مضمون 'فِيْهِمْ' اور 'يُعَلِّمُهُمُ' کی ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ چار اور موقعوں پر آیا ہے۔ سورۂ جمعہ میں ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۶۲: ۲)

لوگو! وہ خدا ہی تو ہے جس نے عرب کے اَن پڑھ اور اُجڈ لوگوں کی ہدایت کیلئے اُن ہی میں کا ایک اُمّی اور پہلے آسمانی صحیفوں سے ناآشنا شخص اپنا قاصد بنا کر بھیجا، وہ شخص آج فرستادۂ خدا ہونیکے باعث ہی اسقدر صاحب علم ہوگیا ہے کہ اہل عرب پر خدائے عظیم کے عالم آرا احکام واضح کر رہا ہے، اُنکے دلوں کو اپنی زندگی کے پاکیزہ نمونے اور زورِ عمل سے آلائش عصیان وجمود سے پاک کر رہا ہے (يُزَكِّيْهِمْ)، اُنکو قانون الٰہی کا علم دے رہا ہے، خدائے حکیم کی حکمت سکھلا رہا ہے، ورنہ اس سے پہلے تو یہ جاہل لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

سورۂ بقرہ میں ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲: ۱۵۱)

اے ساکنانِ عرب! یہ احسانات جو اوپر شمار ہوئے اُسی قطع کے ہیں جیسا وہ عظیم الشان احسان کہ ہم نے تم کو راہ راست پر لانیکے لیئے تم ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ہمارے احکام تم پر واضح کرتا ہے، تمہارے نفس کو گناہ کی آلائش سے پاک کرتا ہے، تمکو قانون الٰہی کا علم دے رہا ہے عزیز وحکیم خدا کی حکمت سکھلا رہا ہے، اور المختصر یہ کہ تمکو ان عظیم الشان حقائق فطرت کا علم دے رہا ہے جن کا اس سے پہلے تمہیں کچھ علم نہ تھا۔

ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا بھی یہی انداز تھا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۗ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۲: ۱۲۹)

اے ہمارے پروردگار! تو اِن بے علم اور انجان اہل عرب میں اُن ہی میں کا ایک رسول بھیج، جو تیرے احکام اِن پر اچھی طرح واضح کر دے، اُنکو تیرے قانون جلیل کا علم دے، تیری جلیل القدر حکمت کا درس دے، اور اُنکی اصلاح کرے (يُزَكِّيْهِمْ) اِسمیں شک نہیں کہ تو بڑا ہی غالب البرہان اور صاحب حکمت خدا ہے۔

سورۂ نساء میں ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (۴: ۱۱۳)

اور اے محمدؐ! اس خدائے ذوالجلال کا تم پر بڑا ہی فضل ہوا جو اُس نے اپنی کمال عاطفت سے یہ کتاب عظیم تم پر اُتاری، اور یہ کتاب کیا ہے، اور اصل مجسمہ حکمت ہے، جسکے ذریعے سے خدائے علیم وحکیم نے تم کو وہ حقائق عالیہ سکھلائے ہیں جن کا تم کو اِس سے پیشتر علم نہ تھا۔

Marfat.com

نے یونانی فلسفے کے اِن خوشہ چینوں کو قرآن ہی کیطرف بُلایا تھا جب اسکی سچّی اور بے عیب حکمت کو بشریت کے ہر نقص سے بری، اور انسانی صِناعت کے ہر سُقم سے پاک ٹھیرایا تھا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا[۵۱] سکتہ (۱۸: ۱)، اور صاف فرمادیا تھا کہ ساکنانِ عالم کو محیطِ ظلمت سے پہنائے نور میں نکالنے والی یہی کتاب ہے: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ[۵۲] (۱۴: ۱)؛ آہ! مغربی منطق کے اِن ذلّہ برداروں نے، قرآن میں یونانی فلسفے کے ذریعے سے اجتہاد کرتے وقت نہ سمجھا کہ قرآن کی قطعیّت اور کفایت کی یہی دلیل بس ہے کہ وہ ایک کامل باعلم اور کامل باخبر ذات کی طرف سے ہے: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ[۵۳] (۱۱: ۱)، اور اس بنا پر اسکے معارف و حقائق میں کسی ناقص، غیر قائم اور عارضی شئے کو دخیل کرنا خدا اور حکمتِ خدا کو العیاذ باللہ ناقص سمجھنا ہے!

---

۵۱ تمام تعریف اور شکر خدا ہی کو سزاوار ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن اُتارا اور اسمیں کسی قسم کی کجی نہ رکھی۔
قرآن حکیم کی حکمت میں کجی نہ ہونے اور اسکی صداقتوں کے ازلی اور ابدی ہونے کے متعلق دو اَور اشارے ہیں جو اس جگہ لکھ دیئے جاتے ہیں۔ سورۂ زمر کی آیت (۳۹: ۲۷) سے قرآن کی جامعیت اور مانعیت کا دعوٰے بھی نکلتا ہے:

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝ (۳۹: ۲۷-۲۸)

اور لوگو! ہم نے تمہارے سمجھانے اور تمہیں صحیح طرزِ عمل بتلانیکے لیئے اِس قرآن کے اندر ہر ممکن مثال دیکر سارا دستور العمل واضح کردیا ہے تاکہ لوگ اِس سے نتائج اخذ کریں، اور بعد ازاں اُنپر عمل کریں۔ یہ قرآن عربی زبان میں ہے، اِسکی حکمت عالیہ میں کسی قسم کی کجی نہیں رکھی اور اسکا مُنتہائے نظر یہ ہے کہ تمام عالم کے لوگ اس بیمثال حکمت پر عمل کرکے عذابِ الٰہی سے بچیں۔

لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ ؕ (۴۱: ۴۲)

باطل کو اِس کتابِ عظیم سے مقابلہ کرنے کی تاب نہیں، نہ اسکو پیچھے سے وار کرنے کی جرأت ہے۔ جھوٹ نہ اسکے سامنے سے آسکتا ہے (مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ)، نہ پیچھے سے (مِنْ خَلْفِهٖ)۔ نہ آج اِسکو کوئی انسانی حکمت جھٹلا سکتی ہے، نہ آج کے بعد اِسکو کہیں سے گزند پہونچ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ حقیقتِ عظمٰی اِس حکیمِ اجل، اُس استادِ ازل کی اُتاری ہوئی ہے جس کی حمد ثنا میں ایک عالم رطب اللساں ہے!

۵۲ یہ قرآن ایک بڑے پائے کی کتاب ہے۔ اِس کو ہم نے تم پر اِس غرض سے اُتارا کہ تم لوگوں کو حکمِ خدا کی اطاعت پر آمادہ کرکے جہل کے اندھیرے سے علم کی روشنی میں لاؤ اور انکو عزیز و حمید خدا کی طرف لے جاؤ۔

۵۳ یہ قرآن وہ بے بدل کتاب ہے کہ اسکے احکام دلائل و براہین سے بخوبی ثابت اور مستحکم کیئے گئے ہیں اور پھر حکیم و خبیر خدا کے اپنے ہاں سے اُن کی مکمل شرح و بسط کی گئی ہے۔

Marfat.com

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶ : ۸۹)

اور اے پیغمبر! ہم نے تمپر یہ کتاب اس پائے کی نازل کی ہے کہ اسمیں ہر ممکن شئے کے متعلق (جسکا واسطہ انسان سے پڑتا ہے) تفصیلی بیان موجود ہے، اور تسلیم کرنے والی قوم کے لیے یہ کتاب تو سرتاسر ہدایت ہی، رحمت ہے، اور اسکی سلامتی اور حفظ و امن کی بشارت ہی!

اِن حیرت انگیز دعاوی کے بعد مسلمانوں اور قرآن کو "تسلیم کرنے والوں" کا فرض تھا کہ وہ اپنی دینی اور دنیاوی دونوں زندگیوں کے اصولی قواعد اور بنیادی ضوابط کی تلاش میں انسانی حکمت کے ہر مسلک خیال، اور قیاس و رائے کے ہر نظری مذہب سے حتماً بے نیاز ہو جاتے، وہ اللہ کا حاوی علم، اور خدا کا محیط فلسفہ موجود ہوتے ہوئے کسی افلاطون یا ارسطو کی حکمت کے محتاج نہ بنتے، وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کو خوش سلوبی سے سُلجھانے کیلئے تمام تر رجوع اسی کتاب کی طرف کرتے، وہ دین اور دنیا کے ہر مسئلے اور ہر طرز عمل کے متعلق سب بشارت اور رحمت، سب نور اور ہدایت، سب علم اور خبر اسی کتاب سے لیتے، وہ قرآن ہی کو اعتقادی اور عملی مناظرات کی حقیقی سنام، اور کلام الٰہی کو ہی روحانی اور مادّی مجاہدات کی مضبوط اساس مانتے، وہ کتابِ خدا کو نہ صرف ذاتی فلاح کا بے مثال ذریعہ اور روحانی تقرّب کا واحد وسیلہ سمجھتے، بلکہ معاشری عمران کا سنگِ بنیاد، اجتماعی استحکام کا مرکزِ ثقل، اور قومی تقدّم کا محورِ عمل یقین کرتے، وہ اقوام کی ترقی کے اسباب، انحطاط کے وجوہات، بادشاہت اور تسلّط فی الارض کے طریقے، حصول قوّت کے مآخذ، علوم و فنون کے مصادر، فطرت کے قوانین†، الغرض اُن سب نکات کے کھوج جن پر ائتلافی زندگی کا تمام حصر ہے، اِسی قرآن سے لیتے اور اُنپر عمل پیرا کرتے۔ منّانِ لم یزل اور منعمِ حقیقی نے قرآن ہی کو مسلمانانِ عالم کا کامل ضابطۂ عمل اور مکمّل آئینِ مذہب قرار دے کر کہا تھا کہ آج میں نے اسلام کو تمہارے لیئے پسند فرما کر دین و دنیا کی تمام نعمتیں تم کو بخش دی ہیں!

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا † (۵ : ۳)

آج ہم تمہارے دین کے تمام دستور العمل کو تمہارے لیئے مکمّل کر چکے، ہم نے اپنی تمام نعمت تم پر پوری کر دی اور

† مسئلہ ارتقاء کے تحت المتن (صفحہ ۱۱-۳۷) میں اس عظیم الشان حقیقت کو واضح کرنیکی ایک حد تک سعی کی گئی ہے۔ † نبوت کے سال اخیر ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے خطبے کے موقع پر یہ آیۂ جلیلہ نازل ہوئی۔

Marfat.com

اسلام کو تمہارے لیئے بطور آئین عمل پسند فرمایا۔

کلام الٰہی کی اس مہتم بالشان اور محرکۃ الآرا حیثیت کو پہچاننے کے لیئے نہایت سیدھے سادے اجتہاد کی ضرورت تھی۔ شارع اسلام نے قرآن کو ایک روشن اور بیّن حقیقت قرار دیا تھا: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝[۵۱] (۲۶ : ۲)، مگر ساتھ ہی سورۂ قمر میں یہ امر بار بار یاد دلا دیا تھا کہ اسکے اوامر و نواہی، مواعظ و حِکَم، طریق توجیہ اور طرز استدلال سے پورے طور پر مستفید ہونیکے لیئے ذکر و فکر، صحیح استنباط نتائج، اور عمل کی قطعی ضرورت ہے: وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝[۵۲] (۵۴ : ۱۷)۔ صاحب قرآن اور فاطر زمین و آسمان نے قرآن کو ہدایت کا سرچشمہ، رحمت الٰہی کا مبدء، اور بشارت کا مصدر قرار دیا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اُسکے حقائق عالیہ کو پورے طور پر سمجھنے کے لیئے کامل یقین، کامل ایمان، انتہائے استقلال، اور کمال بصیرت کی ضرورت ہے: قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝[۵۳] (۷ : ۲۰۳)

---

۵۱ "یہ آیات اس کتاب جلیل کا ایک حصہ ہیں جو واضح ہے، اور جسکے مقاصد صاف صاف بیان کر دیئے گئے ہیں"۔ یہی آیت سورۂ شعراء کے علاوہ سورۂ یوسف اور سورۂ قصص کے زیب عنوان بھی ہے: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ (۱۲ : ۱)، (۲۸ : ۲)۔ سورۂ حجر کے شروع میں "قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ" کے الفاظ ہیں: تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۱۵ : ۱) "یہ آیاتِ الٰہی اس الکتٰب کی ہیں جو قانون خدا ہے، اور اس قرآن کی جو ہر طرح پر واضح اور روشن ہے"۔ سورۂ نمل میں "كِتَابٍ مُّبِيْنٍ" کے الفاظ ہیں: تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۲۷ : ۱) "یہ آیاتِ الٰہی قرآن کریم کی ہیں اور اس کتاب کی جو واضح اور روشن ہے"۔ سورۂ زخرف (۴۳ : ۲) اور سورۂ دخان (۴۴ : ۲) میں صرف وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ ہے جس کا ترجمہ یہ ہو سکتا ہے "قرآن کریم جو ایک روشن اور مشرح فی البیان کتاب ہے اس بات کا شاہد ہے"۔

اِن آیات کا صحیح مفہوم ترجمے میں ادا کرنا از بس مشکل ہے یہاں پر ایک عام ترجمہ کر دیا گیا ہے جس سے مقصود قرآن کو واضح کتاب ثابت کرنا ہے۔ لیکن یہ امر کہ "كِتَابٍ مُّبِيْنٍ" اور "الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ"۔ "الکتٰب" اور "کِتَاب" کے الفاظ کا صحیح مقصود کیا ہے علٰحدہ بحث ہے جو دوسری صحبت میں کی جائے گی۔ "الکِتٰب" اور "کتاب" کے الفاظ اس سے پیشتر بھی چند آیتوں میں آچکے ہیں، اور اس موضوع کی مستقل اور فیصلہ کن بحث سے پیشتر بھی آئینگے۔ لیکن اِن کے اصلی مفہوم کو اُسی بحث پر چھوڑ دینا چاہیئے۔

۵۲ اور فی الحقیقت ہم نے قرآن کو تو لوگوں کے اخذ نصیحت کی خاطر آسان طور پر بیان کر دیا ہے۔ پس کوئی ہے جو اس سے سچی نصیحت پکڑ کر اس کے احکام پر عمل کرے!

سورۂ دخان کے اخیر میں ہے: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (۴۴ : ۵۸)، ہم نے اس قرآن عظیم کو تمہاری زبان میں محض اسلیئے آسان کر دیا ہے کہ تمہاری قوم کے لوگ اس سے نصیحت اخذ کریں"۔ "يَسَّرْنٰهُ" کا اشارہ ایک اور جگہ بھی آیا ہے: (۱۹ : ۹۷) مگر وہ آیت آگے چلکر متن کتاب میں آئے گی۔ آیۂ مُّدَّكِرٍ قرآن کریم میں سورۂ قمر میں تین جگہ آئی ہے یعنی (۵۴ : ۱۷)، (۵۴ : ۲۲)، (۵۴ : ۴۰) میں

۵۳ تم ان لوگوں سے کہدو کہ میں تو اسی پر عمل کرتا ہوں جو میرے پروردگار نے مجھ پر وحی کی ہے۔ یہ قرآن تو فی الحقیقت بڑی سوچ سمجھ کی باتیں ہیں جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ ان میں اگر ہدایت اور رحمت ہے تو اس قوم کے لیئے جو اسکی حقیقت پر کامل ایمان رکھتے ہوئے اس میں تدبر کرے (لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝)۔

Marfat.com

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (۴۵ : ۲۰)۔ اُستاد لم یزل اور حلّالِ مشکلات نے قرآن کو آسان، اور مبین، کہنے کے باوجود مجسّمہ بصائر اور پیکر حکمت فرمایا تھا مگر ساتھ ہی یہ معنی خیز تشریح کردی تھی کہ اس کی آیات کی صحیح اور مکمّل تفصیل صاحب علم قوم کے سوا کسی کو ودیعت نہیں : كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝[۵۲] (۴۱ : ۳)، وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ† هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝[۵۳] (۷ : ۵۲) ہادیٔ دین اور ماحیٔ اختلاف خدا نے قرآن کو تضاد کے بدنما اور بشری عیب سے قطعًا بلند تر ٹھیرایا تھا مگر اس بات کو بوجہ احسن واضح کردیا تھا کہ اگر انسان کو اسکی آیات بیّنات میں کسی جگہ اختلاف کا شائبہ نظر آتا ہے، یا نقض و ضد کا گمان گذرتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اُس کے ظاہر اور باطن، سیاقِ بحث اور سباقِ کلام یا محلِّ وقوع اور شانِ نزول پر غائر نظر نہیں ڈالی گئی، جسقدر اسکے مطالب میں تدبّر اور صحیح استدلال کیا جائے گا اُسکا اختلاف مٹتا جائے گا۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝ (۴ : ۸۲)

تو کیا یہ لوگ قرآن کے مقاصد و مطالب پر غور نہیں کرتے اور نہیں دیکھتے کہ وہ سب آپسمیں متحد اور متفق ہیں۔ کیا ان کو اتنا بھی شعور نہیں کہ سمجھیں کہ اگر یہ کسی غیر خدا کا بنایا ہوا قانون ہوتا تو لامحالہ اسمیں بیحد اختلاف پاتے۔

---

[۵۱] یہ قرآن تو تمام عالم کے لیئے بصیرت اور تدبّر کی باتیں ہیں۔ ہدایت اور رحمت اُسی قوم کو حاصل ہو جو اسکی سچائی اور منجانب اللہ ہونے پر بالاستقلال یقین رکھکر اسمیں تدبّر کرے (لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ)۔

[۵۲] یہ قرآن عظیم ایک کتاب ہے جس کی آیات جلیلہ کے عظیم الشان مطالب کو ایک عربی متن کی صورت میں (قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا) اس قوم کے لیئے مشرح اور مفصل کردیا گیا ہے جو 'علم' رکھتی ہو (لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ)۔

[۵۳] اور حقیقت حال یہ ہے کہ ہم ان نادان اور اجڈ اہل عرب کے پاس وہ بے بدل کتاب لائے ہیں جس کی شرح و تفصیل ہم نے 'علم' سے کردی ہے، جو صاحب علم قوم اس قانون جلیل کے حقائق عالیہ کی صحت پر بالالتزام ایمان رکھکر اس میں تدبّر کرتی ہے۔ اُس کے لیئے تو یہ کتاب سراسر ہدایت اور رحمت ہے (لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ)۔

---

† 'علم' کی صحیح اور ناقابل انکار تعریف 'عمل' کے عنوان کے تحت تیسری مجلد میں آئے گی۔ وہاں پر بصراحت تمام واضح کردیا جائے گا کہ کتابِ خدا کی مراد 'علم' سے بعینہ کیا ہے اور اس کے موجودہ مفہوم میں کس قدر حیرت انگیز تحریف ہوئی ہے۔ اس آیۂ کریمہ (۴۱ : ۳) سے بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ قرآن صرف 'صاحب علم' قوم کے لیئے اُترا ہے اور اس بنا پر اسکے حقائق عالیہ کو وہی قوم کما حقہٗ سمجھ سکتی ہے جو 'علم' رکھتی ہو۔ مسئلہ ارتقا کے تحت المتن میں اس 'علم' کی ایک جھلک دکھلادی گئی ہے اور ایک دو اور مباحث آگے چلکر اسی مجلد میں آئیں گے۔ مگر 'علم' کی تعریف تسلیم کیئے بغیر کتابِ خدا کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانا ازبس مشکل ہے۔

Marfat.com

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ (۱۶ : ۴۴)

اور اے محمدؐ! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب نصیحت اسلیئے اتاری ہے کہ تم لوگوں پر اچھی طرح عیاں کردو کہ اُن کیلئے کیا احکام اُترے ہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہ خود سوچیں اور تدبر کرکے نئے مطالب دریافت کریں، اور تطابق پیدا کریں۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○† (۳۸ : ۲۹)

اے پیغمبر! یہ قرآن عظیم بڑی برکت اور رونق پیدا کرنے والی کتاب ہے۔ اسکو ہم نے تیری طرف محض اسلیئے اُتارا ہے کہ لوگ اِسکی آیات پر کامل تدبُّر کریں، اور صاحب عقل و فراست لوگ اس سے صحیح نتائج اخذ کرکے عبرت حاصل کریں۔

یہی خالص **تدبّر، ذکر و فکر، ایمان و یقین، علم و بصیرت، صحیح استدلال اور تطابق** ایسے آئینی اُصول تھے جن کی بنا پر کلامِ الٰہی کے حُجّۃ بالغہ ہونے پر ایک سچّا اور نا قابلِ رد اجتہاد قائم ہوسکتا تھا۔ قرآن کے حیرت انگیز سربستہ رازوں، اور سربمُہر حکمتوں کے لیئے کسی خارجی فلسفے کی ضرورت نہ

---

† 'اُولُوا الْاَلْبَابِ' کی قرآنی تعریف بھی 'عمل' کے عنوان میں آئے گی۔ لیکن اِن تینوں ((۱۴ : ۵۲) (۱۶ : ۴۴) (۳۸ : ۲۹)) اور قابل کی 'بصائر' والی ((۷ : ۲۰۳) (۴۵ : ۲۰)) آیات کو پیش نظر رکھکر اُس مہلک تخیّل کا یکسر قلع قمع ہوجاتا ہے جسکے رو سے مسلمانانِ عالم کی ایک کثیر تعداد نے قرآن میں تدبّر کرکے اس کے مطالب کو دریافت کرنا گناہ سمجھ لیا ہے۔ آج اِس عام انحطاط کے زمانے میں غالب رائے یہی ہے کہ قرآن کسی تدبّر کا متحمل نہیں، اس کے حقائقِ عالیہ کا ذہن سے کچھ تعلق نہیں، اس کے مطالب میں فہم کو دخیل کرنا گناہ ہے، اسکی تشریح میں عقل کو کام میں لانا بدعت ہے، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جو لوگ "علم اسرار الدین" کے منشا و وجود سے واقف ہیں جس کی رسمی بنیاد قرنِ اوّل میں حضرت عمرؓ نے رکھی، اور جنہوں نے اُس تنقیح و استقصا کا مزا چکھا ہے جو خود رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صحبت میں اور اصحابِ صُفّہ کے مابین سالہا سال تک ہوتی رہی، اور جس کو بلا استثنا سب صحابہ کرام نے ایمان و یقین کی خشت اوّل قرار دے کر قرآن حکیم کی ایک ایک آیت کے مطالب کی تعمیر میں مہینوں اور برسوں تک تدبّر کرنا عین ایمان سمجھا تھا، اُن کے نزدیک اِس زہر آلود تخیّل کی کچھ وقعت نہیں۔ اگر مالک زمین و آسمان اور بخشندۂ فہم و ادراک کا کلام انسان کی بڑی سے بڑی تنقید، ہر ممکن سے ممکن آزمائش، اور سخت سے سخت معیار کا متحمل نہیں تو وہ ذی شعور انسان کے لیئے وجوباً قابل قبول نہیں۔ کتاب کے اِس ابتدائی حصّے میں بھی صاحبِ نظر کے لیئے کئی مثالیں پیش ہوچکی ہیں لیکن آگے چلکر ہر صاحب اِس امر کا آشکارا ثبوت ہوگا کہ قرآنِ حکیم کی آیات کس قدر محکم، کس قدر صحیح، کس قدر مطابق، اور کس قدر عمیق و بلیغ ہیں۔ کوتاہ نظر انسان کا علم اُن کے علم کے بالمقابل کس قدر ہیچ ہے۔ خدائے بیمثال کی طرف سے انسان کو صلائے عام ہے کہ اُن کو بغور تمام پرکھے، الٹ پلٹ کر دیکھے، بار بار دیکھے، مگر اُنکے ایک حرف کے متعلق کوئی کمی، کوئی کم علمی، کسی نادانی کا دریافت کرنا قطعۃً محال ہے۔ اِس کتاب میں کلام الٰہی کے تمام مطالب اِسی **تطابق** کے اصل اصول کو پیش نظر رکھکر واضح کیئے گئے ہیں اور جو بیگانگت اور صحت اِس ترکیب سے اِن مطالب میں قائم ہوئی ہے ہر صاحب نظر کے سامنے ہے۔ خود انہی آیاتِ الٰہی یعنی آیۂ مبین (۲۶ : ۲) و آیۂ تذکر (۵۴ : ۱۷) اور آیات بصائر (۷ : ۲۰۳) (۴۵ : ۲۰) کے مطالب میں بظاہر کچھ اختلاف سا نظر آتا تھا مگر ادنیٰ سے تامل نے اسکو آیۂ یعلمون (۴۱ : ۳) کی وساطت سے رفع کردیا ہے۔

Marfat.com

تھی۔ ربِّ علیم و حکیم نے اہلِ اسلام کی رہ نمائی اور سرخروئی کے لیئے، قرآن کے بیمثال عجائب خانے کے اندر، سعی و عمل کے ہزاروں کرشمے، خوشحالی اور امن کے صدہا طلسم، قوت و اقتدار کے لاانتہا دفینے، اور علم و حکمت کے بیسیوں اساسی اصول اسکے مختلف طاقچوں اور گوشوں، دیواروں اور محرابوں کے سپرد کر دیئے تھے مگر آہ! اُن کی ظاہری شکلیں بھی آج اعتقاداتِ باطلہ، غلط مطالب، اور غلط اجتہاد کے خس و خاشاک کی تہ میں محو ہو چکی ہیں! مسلمانوں کا موجودہ فلسفہ آج اس معجز العقل عجائب خانے کے انمول موتیوں کو سپردِ خاک کر کے، عمارت کی چوکھٹوں اور دہلیزوں، طاقوں اور محرابوں، روشندانوں اور کھڑکیوں، چھتوں اور نالیوں کی ثناخوانی میں مصروف ہے، اور کم فہمی اور بدویّت کی غیظ آفرین بے توجہی سے اِن پاکیزہ جواہرات پر فصاحت کا جاروب پھیر کر، شاعرانہ واہ واہ یا جزدانی تعظیم کے 'جمادے چند' سے ہی اُن کی قدر و قیمت کا فیصلہ کرنا چاہتا ہے! آج قرآن کی کُل کائنات میں مسلمانوں کا مبلغ اجتہاد اور اُنکی اہم داستانِ حکمت، قیامت کے بے سند قصّوں، قبر کے مظنون عذابوں، روح کی مفروض قسموں، اخلاقی امراض کی آفتوں، کفر کے بے دلیل اور مضحکہ انگیز فتواؤں، نشست و برخاست کے موضوعی آداب، توبہ و استغفار کے بناوٹی اسالیب، اور طہارت و استنجا کے وضعی طریقوں کی ندامت انگیز تشریح ہے! کیا یونانی فلسفے کی المناک خیال آفرینی، اور مسلمانوں کے دردانگیز فقدانِ علم و فکر کا یہ نتیجہ نہیں ہُوا کہ آج ظنّ و وہم کے اِن ہوائی قلعوں کی تعمیر میں اسلام وہ سب کچھ کھو بیٹھا ہے جو صرف چند برس تک مسلمانوں کو قرآن پر ادنیٰ اور ابتدائی عمل کے انعام میں مِلا تھا۔

وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝ (۴۳: ۲-۵)

† "الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ" کے معانی کے متعلق، جیسا کہ صفحہ ۵۷ کے تحت المتن میں ظاہر کیا گیا ہے، ابھی کچھ بحث کرنا پیش از وقت ہے لیکن اِن آیات یعنی (۴۳: ۲-۳) اور (۱۲: ۱-۲) سے کم از کم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ (۴۳: ۲) میں کسی روشن اور بیّن کتاب کی شہادت پیش کی گئی ہے اور جَعَلْنٰهُ (۴۳: ۳)

Marfat.com

لوگو! کتاب مبین اِس امر کی شاہد ہے کہ ہم نے کتاب خدا کو عربی زبان میں محض اسلیئے کردیا ہی کہ تم اُسکے دستورالعمل کو بآسانی سمجھ لو۔ اور یہی قرآن جسکو تمہارے سمجھنے کی خاطر عربی لباس پہنایا گیا ہے اُس اُمّ الکتب کا ایک حصّہ ہے جو ہمارے ذہن میں ہے اور جو ایک مقتدر اور مخزن حکمت کتاب ہے۔ تو کیا اِس وجہ سے کہ تم لوگ اِس کتاب کے حقیقی مقاصد نہ سمجھنے میں حد سے بڑھے جاتے ہو اور ہمارے مطلب کو نہیں پاتے ہم اِس کتاب کے مطالب کو تم سے سرتاسر اِسطرح اُچک لیں کہ تم خاک بھی نہ سمجھ سکو؟

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (۱۲: ۱-۲)

اے ساکنانِ زمین! یہ آیات الٰہی اس جلیل القدر کتاب سے ماخوذ ہیں جو روشن اور واضح ہے۔ اور ہمیں شک نہیں کہ ہم نے اِس کتاب مبین کو اپنے ہاں سے عربی زبان کا لباس پہناکر عربی اللسان قرآن اِس لیئے بنایا ہے کہ تم لوگ اِس کے اسرار عالیہ کو سمجھکر عقلمند بن جاؤ۔

قرآن کے مقاصد اور اسلامی فلسفۂ اخلاق پر یونانی حکمت کے اِس مُہلک اثر کے علاوہ اور بھی فساد آفرین اثرات پڑے جن کا تعلّق خود اہلِ عرب کی جبلّت اور طینت سے تھا۔ عرب ظہور اسلام سے پہلے یونانیوں

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۰) اور اَنْزَلْنٰهُ (۱۲ : ۲) کی ضمیر ہُو کا مرجع بھی اسی "کتب مبین" کی طرف ہے۔ گویا خدائے بیمثال نے کسی کتاب مبین کو شاہد بناکر یہ کہا ہے کہ ہم نے اُس کتاب مبین کو عربی زبان کا لباس پہناکر عربی قرآن اسلیئے بنادیا ہی کہ تم عقلمند بن جاؤ۔ ان آیاتِ الٰہی کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیئے بیحد غور و خوض درکار ہے لیکن صفحہ ۲۹ کے تحت المتن سے جو علم طبقات الارض کے متعلق ہے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ "الکتاب المبین" دراصل صحیفۂ فطرت ہی ہے۔ اور اسکو مبین اسلیئے کہا گیا ہے کہ ہر شخص کے پیش نظر ہے۔ اگر اِس مفہوم کو تسلیم کرلیا جائے تو آیات (۴۳ : ۲-۴) کے معانی صاف ہوجاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

"لوگو! یہ صحیفۂ کائنات جو تمہاری نظروں کے سامنے روشن اور عیاں ہے اس امر کی گواہی دے رہا ہے (وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ) کہ ہم نے اِس کارگاہ اکبر کے تمام پوشیدہ قانون کا ترجمہ سہل الفہم اور عربی اللسان قرآن میں اسلیئے کردیا ہے (جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا) کہ تم اسکے رازہروں کو سمجھکر ہوشمند بن جاؤ (لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ)۔ (گویا اِسلام دین فطرت ہے اور قرآن کریم صحیفۂ فطرت کے قانون کا لُب لباب ہے۔)

حکمائے مغرب نے بھی جریدۂ فطرت کو کتاب سے تشبیہ دی ہے اور اسکا مثل ایک کتاب کے معرفت خدا کے نکات اور معلومات عالیہ سے پُر ہونا تسلیم کیا ہے۔ اور دراصل یہی وہ عظیم الشان کتاب ہے جو خدائے عظیم نے خود اپنے ہاتھوں سے مرتب کی ہے۔ اعمال خدا کے اسرار و حقائق کے متعلق اِس سے روشن تر کتاب کا ملنا قطعاً غیر ممکن ہے بشرطیکہ اسکا صحیح مطالعہ ہوسکے۔ لیکن اِسکا صحیح مطالعہ کرنا آسان کام نہیں۔

آگے چلکر "الکتاب المبین" کے اِن معانی کی حیرت انگیز شہادت قرآن کریم کی مختلف آیات سے ملیگی۔ یہاں صرف مطالب کو قابل فہم بنانے کی غرض سے پیش از وقت متنبہ کردیا گیا ہے۔ رہا اِس بات کو پایہ ثبوت تک پونہچانا کہ قرآن کا قانونِ عمل کسقدر صحیفۂ فطرت کے قانون کا ہُوبہُو عکس ہے، اور کیونکر فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰ : ۳۰) صفحہ ۴۱ کا مصداق ہی اِسکی شہادت اصل کتاب میں جابجا ملے گی۔ بہرحال نفس مطلب کی تائید اُن تمام آیات سے جو صفحہ ۵۷ پر "تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ" کے تحت المتن میں بیان ہوئیں بصراحت تمام ہوتی ہے جہاں الْكِتٰبِ اور قُرْاٰنٍ

Marfat.com

کی طرح اوہام پرستی اور خیال آرائی میں ماہر تھے۔ اُن کے مذاہب اور ادیان میں، اُنکی عبادات اور معاملات میں، اُنکی رسموں اور رواجوں میں تخیّل اور توہّم کا عظیم تر حصّہ شامل تھا۔ اُن میں غیب دانی اور کہانت کا بکثرت رواج تھا۔ زود اعتقادی کی یہ حد تھی کہ عورتیں† بھی نبوّت کا دعوٰے کر کے قبائل سے بیعت کرالیا کرتی تھیں۔ قیافہ شناسی، تفاؤل و تشاؤم، تنجیم و تسخیر، میسر و ازلام، سیمیا، وغیرہ وغیرہ ایسے اعتقادات و اہیہ تھے جن پر صدیوں سے نہایت ایماندارانہ عمل چلا آتا تھا۔ ظنّ و قیاس سے واقعات کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۱) مُبِیْنٍ (۱۵:۱) اور الْقُرْاٰنِ اور کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ (۲۷:۱) کے درمیان ظاہری شناخت قائم کر کے کتابِ فطرت اور کتاب خدا کو ایک سمجھنے کا پر معنی اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن اسی مطلب کی ایک اور آیت بھی غور طلب ہے جس میں خود قرآن ہی کو کتاب مبین کا لقب دیا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۙ (۵:۱۵)۔ "لوگو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے یہ قرآن کیا آیا ہے گویا نور اترا ہے اور کتاب مبین اُتری ہے"۔ گویا قرآن اور کتاب مبین (یعنی صحیفۂ فطرت) ایک ہی شے ہیں۔ لیکن ان معانی کی مزید شہادت اصل کتاب میں اپنے موقع پر ملے گی۔

اُلْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ کے اِن معانی کے بعد دوسرا سوال یہ ہے کہ "اُمُّ الْکِتٰبِ" کیا شے ہے۔ لیکن ادنیٰ سے تامل کے بعد یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ اگر "الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ" صحیفۂ فطرت کا وہ حصّہ ہے جہاں تک انسان کے حواس ظاہری پہنچ سکتے ہیں تو "اُمُّ الْکِتٰبِ" لا محالہ تمام کائنات ہی جس کا ایک عظیم تر حصّہ انسان کے دست قدرت اور علم سے قطعاً باہر ہے اور جس کا کامل علم لامحالہ اُس ذات باری کو ہے جس نے اسکو اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اسی لیئے اسکو "لَدَیْنَا" کہا گیا ہے اور چونکہ صحیفۂ کائنات ہی تمام علم و حکمت کا مخزن ہے اسلیئے اسکو "لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ" کا خطاب دیا گیا ہے۔ عوام کی زبان میں "اُمُّ الْکِتٰبِ" کو مفسرین نے "لوح محفوظ" کہا ہے لیکن اگر بہ نظر عمیق دیکھا جائے تو یہ صحیفۂ کائنات ہی کو عظیم الشان کتاب ہے جو لاکھوں اور کروڑوں برس سے محفوظ ہے۔ اسی کے اندر خدا کا علم، اسکا قانون، اسکی حکمت چھپی پڑی ہے۔ وہ اس کے علاوہ کوئی بڑی لمبی چوڑی مجلد نہیں جو یہود کی زبان میں ساتویں آسمان پر عرش خدا کے کنارے پر رکھی ہے اور جس کی لمبائی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے"۔ اِس نکتے کو پیش نظر رکھکر آیۂ (۴۳:۴) کے مطالب صاف ہو جاتے ہیں: "اور یہ قرآن عظیم اس صحیفۂ کائنات کے عالم آرا قانون کا ایک جزو ہے (وَاِنَّهٗ فِیْۤ اُمِّ الْکِتٰبِ) جو وقت ہمارے پاس پڑا ہے (لَدَیْنَا) اور جو ایک بڑے پائے کا قانون (لَعَلِیٌّ) ہے اور حکمت سے پُر ہے (حَکِیْمٌ)"۔ جب دین اسلام کے رُو سے خدائے عزوجل کے وجود کو انسان کی شکل و صورت سے قطعاً کوئی مماثلت نہیں تو خدا کی بنائی ہوئی اُم الکتب بھی کاغذ کی بنی ہوئی انسانی کتابوں سے اصلاً مختلف ہونی چاہیئے۔

† زمانۂ جاہلیۃ کے اہل عرب کے نزدیک کہانت اور نبوت میں بہت کم فرق تھا۔ سب وہ لوگ جو آیندہ یا گذشتہ واقعات پر اطلاع رکھنے کا دعوٰے کرتے تھے کاہن کہلاتے تھے۔ جو اس کے علاوہ شعبدہ بازی اور عجائبات دکھلانے کا ادعا کرتے نبی کہے جاتے تھے۔ چنانچہ ان شرائط کو بزعم خود پورا کرنے والے افراد ہر قبیلے اور قریے میں موجود تھے۔ اقعی، جذیمہ ابرش، اسود عنسی، ابن ابی سرح، مسیلمہ، وغیرہ وغیرہ چند مشہور کاہنوں اور نبیوں کے نام ہیں۔ ایک مشہور عورت سجاح بنت حارث نے جو قبیلہ تمیم کی شاخ بنی یربوع سے تھی رسول خدا کے زمانے میں نبوت کا دعوٰے کیا مگر مسیلمہ کے بالمقابل ایک مدت تک اسکا زور نہ چل سکا۔ رسول خدا کی وفات کے بعد پھر اسی عورت نے جزیرہ بنی تغلب میں نبوت کا دعوٰے کیا اور بنی تمیم کو اپنا حمایتی بنا کر اسلام کے لیئے ایک مستقل خطرے کی صورت پیدا کر دی۔ اسلام سے پہلے بھی ایسی کاہنہ عورتیں عرب میں ظاہر ہوئیں اور خلق خدا کو اپنے تابع کر لینے میں چند لمحوں تک کامیاب ہوتی رہیں۔ تفاؤل اور تشاؤم کا رواج بھی اہل عرب میں اسلام سے پہلے انتہائی حد تک پہنچ چکا تھا۔ عرب کے اِن اعتقاداتِ واہیہ کا بقیہ ابھی تک عالم اسلام کے اندر استخاروں اور مچگونیوں کے شرعی تقدس میں رُونما ہے۔

Marfat.com

پیش بینی، اور غیر متعلق واقعات کو ذات پر محمول کر لینا اُنکے خمیر میں داخل ہو گیا تھا۔ من گھڑت روایات اور آبائی مزخرفات کا ایک عظیم الشان طومار اُن کا علم ادب بلکہ اخلاقی ضابطہ بن گیا تھا۔ فصاحت اور شعر گوئی کا یہ عشق و ولولہ تھا کہ عین میدان جنگ میں، سفر و حضر میں، خطابات اور مناظرات بلکہ عالم خواب† میں، رجز و سجع بے تامل کہہ دیتے۔ ظہور اسلام سے پیشتر بیسیوں برس تک، فصاحت کے یہ جنونی امرالقیس، زہیر، لبید بن ربیعہ وغیرہم کے مُعلّقات السبع کے سامنے فی الحقیقت ماتھا رگڑتے رہے، اور مُجمہرات اور منتقیات السبع‡ کے مصنفوں کو اپنے تخیل اور فصاحت، حتیٰ کہ اعمال و اعتقادات کا سچا رہنما مانتے رہے۔ صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تمام مراسم شنیعہ کو جہنّم کا شعلہ اور غضب الٰہی کی آگ دکھا کر یک قلم معدوم کر دیا۔ تمام مذاہب و ادیان ملیامیٹ ہو گئے؛ توہم پرستی قطعاً جڑ سے اُکھڑ گئی تکہن اور نبوت کے متعلق سب مافوق الفطرۃ عقائد اور دعاوی قرآن کے ایک ادنیٰ اشارے سے باطل ہوتے گئے: اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ (۷: ۱۸۴)[1]۔ نجوم پرستی اور سحر کے تمام شعبدے بیکار ہو گئے؛ قرآن کی روشن اور نمایاں حقیقت کے سامنے کذب و دروغ سب فنا ہو گیا: وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ

---

[1] کیا ان لوگوں نے اس بات پر کبھی غور نہیں کیا کہ اُنکے پیشوا (یعنی رسولِ خدا) کے اندر کوئی جن تو ہے نہیں، وہ کوئی پاگل تو ہیں نہیں کہ اُن کی بیہودہ اور ان ہونی فرمائشیں قبول کرتے پھریں وہ تو صرف کھلم کھلا اور صاف طور پر عذاب خدا سے ڈرانے والے ہیں اور بس۔

---

† عالمِ خواب میں شعر کہنے کے متعلق اہل عرب کی بعض روایتیں مشہور ہیں جن کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔

‡ مُعلّقات کے سات قصائد مشہور ہیں۔ ان کے مصنف امرالقیس، زہیر ابن ابی سلمیٰ، حارث بن حلزہ، لبید بن ربیعہ، عمرو بن کلثوم، طرفہ بن العبد، اور عنترہ بن شداد ہیں۔ "مجمہرات" بھی سات قصیدے تھے جو نسبتاً کم مشہور ہیں۔ نابغہ ذبیانی، عبید بن الابرص، عدی بن زید، بشر بن کازم، امیہ بن ابی الصلت، خداش بن زہیر، نمر بن تولب العکلی، ان قصائد کے مالک تھے۔ "منتقیات" تیسرے طبقے کے قصائد ہیں۔ جن کے مصنف مسیب بن علس، مرقش بن جریر، مرقش الاصغر، عروۃ بن الورد، ابید بن صمہ، مہلہل بن ربیعہ، اور عثمان بن سوید تھے۔ یہ سب شعراء اکثر زمانۂ جاہلیۃ ہی کے تھے۔ معلقات کے سات قصائد خانۂ کعبہ کی دیواروں پر لٹکتے رہتے تھے۔ لوگ اُن کو آکر دیکھتے اور ان کے سامنے سجدہ کرتے۔ تذکرۃ الحکم فی طبقات الامم میں معلقات پرستی کی مدت ڈیڑھ سو برس لکھی ہے۔ مگر امرالقیس کے عہد حیات (سنہ ۵۳۰ء) اور ابتدائے اسلام کے زمانے (سنہ ۶۲۱ء) کو پیش نظر رکھکر اس مدت عبادت میں بہت کچھ مبالغہ معلوم ہوتا ہے علاوہ ازیں بعض جدید محققین نے ان قصائد کے دیوار کعبہ پر آویزاں ہونے سے بھی یکسر انکار کیا ہے۔ اور معلقات کے قصیدے کو حماد الراویہ سے منسوب کیا ہے۔ بہر نوع واقعات کچھ ہی ہوں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان قصائد کی عرب میں خاص عزت تھی۔ اور کوئی شے ان کے بالمقابل قدر و قیمت میں ٹھیر نہ سکتی تھی۔

Marfat.com

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ (۱۷ : ۸۱)؛ فصاحت کے طاقتور اور فساد انگیز طلسم کو توڑنے کے لیئے کلامِ الٰہی نے اپنے بے ارادہ زور کلام سے ہی خاموش مگر ترکی بہ ترکی جواب دیکر عرب کو ہمیشہ کے لیئے دم بخود کر دیا؛ معلقات کی پرستش از خود ماند پڑ گئی؛ عرب کی طاقت گویائی گویا اچک لی گئی۔ مگر ساتھ ہی عرب کے اِس مالیخولیائی وصف کی علانیہ تکذیب و توہین کے ارادہ سے، اور کتاب الٰہی کی حیثیت کو شعر و فصاحت سے بے انتہا بلند تر جتلانے کیلئے، شارع اسلامؐ نے شاعروں کو اللہ کے رستے سے بھٹکے ہوئے، وہم و گمان کی وادیوں میں سرگردان، جھوٹے اور سفری قرار دیا۔

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ (۲۶ : ۲۲۴-۲۲۶)

اور جیساکہ عرب خیال کرتے ہیں رسولِ خدا شاعر بھی نہیں۔ شاعر تو خود گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہ لوگ ہی اُنکے پیچھے لگتے ہیں۔ کیا تو نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ وہ عالم وہم و خیال کے ہر میدان میں پڑے بھٹکتے ہیں اور اکثر اپنے بارے میں فخر کے طور پر وہ کچھ کہتے ہیں جو کبھی کرتے نہیں۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ † وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ۝ لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ (۳۶ : ۶۹-۷۰)

اور ہم نے رسول خدا کو کچھ شاعری تو نہیں سکھائی اور نہ شاعری اُنکی شان ہی کے لائق ہے۔ یہ قرآن تو نری نصیحت ہی نصیحت ہے، ہاں البتہ واضح کتاب ہے۔ اور اسکے مُبین ہونے سے مقصود یہ ہے کہ باحس اور بیدار لوگوں کو عذابِ آتی سے ڈرائے اور ساتھ ہی منکروں پر ہمارے عذاب کی دھمکیاں برحق ثابت ہوں۔

؎ اور اُن سے کہدو کہ اب حق آگیا اور باطل نیست و نابود ہو گیا۔ اور فی الحقیقت اُس نے تو ایک نہ ایک دن مٹنا ہی تھا۔

---

† اِس آیت میں اور اور کئی موقعوں پر جن کی تفصیل آگے آئے گی مخالفین نے قرآن کو 'شعر' کہا ہے۔ حالانکہ قرآن موجودہ معانی میں شعر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ موزوں نہیں، بلکہ تمام کا تمام مقفّٰی بھی نہیں حقیقت یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب ہر اُس شئے کو جس میں نظافت بیان ہو، ایجاز و خطابت ہو یا جسکی عبارت مقفّٰی ہو، بلا لحاظ وزن 'شعر' کہا کرتے تھے۔ فصاحت کا معیار بھی اُن کے نزدیک یہ تھا کہ خوبیٔ مضمون کے ساتھ ساتھ الفاظ خوش اسلوبی سے پیوست کیئے گئے ہوں، ان میں ترنم ہو، مطالب سادہ اور دلچسپ ہوں، ان میں غیر ضروری عمق نہ ہو، لیکن ضمن کا ہونا یا نہ ہونا ضروری نہ تھا۔ اِسی بنا پر اہل عرب سجع، رجز، خطبات، مناظرات اور قصائد سب کو 'شعر' میں داخل سمجھتے تھے۔ اور چونکہ اِس قطع کے شعر کا جزو اعظم ہمیشہ سے یہی ہے کہ انسان کے سفلی اور سطحی جذبات یا صرف سامعی محسوسات کو برانگیخت کرتا ہے، اور باطنی تربیت اسمیں مدنظر نہیں ہوتی اِس لیئے قرآن کو اپنے متعلق ایسی فصاحت کے معترف بننے میں چڑ تھی۔ اِسی نقطۂ نظر سے قرآن نے جابجا شعر ہونے سے انکار کیا ہے اور اِسی لحاظ سے وہ فصیح ہی

Marfat.com

اِن اعتقادی خرابیوں سے قطع نظر، عرب کا سب سے نمایاں اور مہلک عیب اُن کا باہمی انتشار اور **نفاق** بھی تھا۔ سب قبیلے ایک دوسرے کے خلاف آمادۂ جدال رہا کرتے تھے، بغض وحسد اُن میں کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا تھا، سب کی سب سے کچھ رسم وراہ نہ رہی تھی، اُن کی ذاتی اور شتینی عداوتیں تھیں، حریفانہ کاوشیں اور خاندانی رنجشیں تھیں، حسب ونسب کے فخریہ جھگڑے، اور بداعمالی کے اِدّعائی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۶۴) نہیں۔ تعجب ہی کہ باوجود اس صریح اور پے در پے انکار کے آج مسلمانان عالم قرآن کو انہی معنوں میں فصیح مانتے ہیں جن سے اُسکو عمداً احتراز ہے۔ قرآن کے تمام طول وعرض میں اُسکی فصاحت کے متعلق ایک حرف کہیں موجود نہیں، نہیں بلکہ فصاحت کا لفظ بھی، سوا قول موسیٰ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا (۲۸: ۳۴) کے جو حضرت ہارونؑ کے متعلق استعمال ہوا ہے کہیں نظر نہیں آتا! آئندہ اوراق میں اِس امر کے متعلق توضیح کردی جائے گی، لیکن قرآن کے "فصیح فی البیان" ہونے کا مہلک اور شرمناک تخیل مسلمانوں کی ہر رگ وپے میں اسقدر سرایت کرچکا ہے کہ اب اِس کتاب عظیم کی اور کوئی خوبی اُن کے وہم وگمان میں بھی نہیں آتی۔ اگر فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ[۵۲] (۲: ۲۳) کی صلائے عام جو خدا نے قرآن حکیم کے متعلق جابجا دی ہے، فی الحقیقت اسکی فصاحت، اسکی شاعرانہ، اسکے صنائع اور بدائع کی خوبیوں کے متعلق ہے، اور اِس کتاب جلیل کی عالم آرا **حکمت**، اُسکے ناپیدا مثال **علم**، اسکی حیرت انگیز **صداقت** اور بے نظیر **ہدایت** سے اِس دعوے کو چنداں واسطہ نہیں، تو آج ابو القاسم حریری کے مقامات کا ایک ایک ورق، یا امرؤالقیس ابن حُجر کے قصائد کا ایک ایک بیت ان انسانی کمزوریوں اور تکلفات، اِن خود ساختہ تُرّات اور لغویات سے اِسقدر پُر ہے کہ قرآن کی عبارت اُن کے بالمقابل حتماً نہیں ٹھیر سکتی۔ اگر فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ[۵۳] (۱۱: ۱۳) سے صاحب القرآن کی مراد فی الحقیقت یہی تھی کہ برجستہ الفاظ اور چست بندشوں، یا قوافی اور استعاروں کی مناسبت میں اسکا اَدبی مقابلہ کیا جائے، اور دین اسلام کو کسی اہل زبان اُمت کے لغو مشاعروں کا اکھاڑہ بناکر خدائے زمین وآسمان کے "ذوق سلیم" کی داد (العیاذ باللہ) دلوائی جائے، تو آج مسیلمہ کذاب کا افترا کیا ہوا "قرآن" بھی جس کی چند پریشان آیتیں کہیں کہیں ملتی ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لائے ہوئے قرآن سے کسی اسلوب میں کم نظر نہیں آتا، کیونکہ اُس مفتری علی اللہ کی سحر بیانی نے بھی آخر انہی عرب قبائل کی ایک تعداد کثیر کو عین صدر اسلام میں برسوں تک دم بخود کر رکھا تھا جو جوش اعتقاد مسلمانوں کے قول کے مطابق اِس سے پیشتر قرآن کی اَدبی خوبیوں پر مرمٹے تھے! قرآن اگر آج زمین کے طول وعرض میں پھیل کر ساکنانِ عالم کے لیے مشعل نور وہدایت بن گیا ہے، اور مسیلمہ کا تمام قافلہ لُٹ کر پیوندِ زمین بن چکا ہے، تو اسکی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کی زبان علم ادب کے اُن رسمی قواعد کے رو سے بہتر ہے جن کو خود انسان ہی نے وضع کیا، نہ اس لیے کہ مالک بَر وبحر آسمان اور بادشاہ ارض وسما نے بادشاہ ہوکر بیچارے انسان کے اسالیب بیان کا بہترین تتبع کیا ہے، بلکہ اِس لیے کہ یہ تصنیف جلیل کلام ملوک میں وہ مَلِک الکلام ہے جس کی حکمت اور حقیقت جس کا علم وفضل، نور وہدایت سب انسانی تصانیف سے حتماً بالاتر ہے! یہ ناپیدا کنار علم کا مخزن ہونا ہی وہ ما ت کن فضیلت تھی جسکے آگے مغرور سے مغرور گردنیں جُھک گئی تھیں، جس کے سامنے بادشاہوں نے گردن خم کردی تھی، عرب اور عجم سب دم بخود ہوگئے تھے، عمرؓ (رضی اللہ عنہ) سا آنموڑ اور سخت گیر دشمن مُر گیا تھا، ابو سفیان نے بالآخر توبہ کرلی تھی، اور آج بھی اگر قرآن عظیم سے دل میں باغی اور منہ سے مُقِر مسلمان اسکے آگے از سرِ نو گردن اطاعت خم کرسکیں گے تو اسکی شاعرانہ حیثیت کو دیکھکر نہیں، بلکہ لامحالہ اسکے علم ہی کے قائل ہوکر رہینگے! سورۂ ہود میں ہے (باقی)

---

[۵۱] وہ یعنی ہارونؑ مجھ سے زیادہ اپنے کلام میں فصیح ہے۔ [۵۲] تو اِس قرآن جیسی ایک سورۃ تو کہیں سے لے آؤ۔ [۵۳] تو اسی طرح کی من گھڑت دس سورتیں تم بھی بنالاؤ۔

Marfat.com

اعلان تھے، ذاتیات پر بے اندازہ فخر و طعن تھا۔ اِس بنا پر اُن کے درمیان ادنیٰ سی بات پر نارِ حرب مشتعل ہوجاتی تھی۔ پھر اِن خانہ زاد لڑائیوں میں قبیلوں کے قبیلے اپنی بسالت اور تہور، اپنے شرف اور تفاخر، اپنے زور و عمل کے جوہر دکھانے کے لیئے شوقیہ مل جاتے تھے۔ پھر خود نمائی اور نفس پسندی کی آن اکثر اوقات اِس حد تک نمایاں ہوجاتی تھی کہ برسوں کے مقاتلے اور انتہائی کُشت و خون کے باوجود مصالحت کو نام زبان پر لانا بے غیرتی میں داخل تھا۔ ہادیٔ اسلام نے اِس ہلاکت انگیز معاشرت کو حکومت خدا اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ٦٥) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (١١ : ١٣-١٤)

کیا قرآن کے منکر کہتے ہیں کہ محمدؐ اسکو اپنی طرف سے گھڑ لایا ہے۔ انہیں کہہ دو کہ ہاں تم بھی ایسی ہی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ، اور اگر تم اِس الزام دہی میں سچے ہو تو خدا کو چھوڑ کر تمام دنیا جہان کے لوگوں کو، جہانتک تمہاری طاقت ہو، مدد کے لیئے بلاؤ کہ تمہاری بنائی ہوئی سورتیں مقابلے میں پوری اُتر سکیں۔ پھر اگر لوگ اِسپر بھی تمہاری اِس دعوت کو قبول نہ کریں تو جانے رہو کہ یہ قرآن عظیم اِس خدائے زمین و آسمان کے علم کو اپنے ساتھ لیکر اُترا ہے (اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ) اِس شارع کائنات کی ناپیدا کنار حکمت کا امین ہے اور وہ وہ علیم بے مثال ہے جسکے مثل کوئی دوسرا حتماً نہیں (وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) تو کیا تم اِس ناممکن الحصول فضیلت کو پیش نظر رکھکر اسکو کتاب خدا تسلیم کرنیکے لیئے تیار ہو؟

خدائے زمین و آسمان معاذاللہ کوئی شاعر نہ تھا کہ لوگوں کو ادبی مقابلے کے لیئے بلاتا، اس کی بڑی اور کارگر دھمکی یہی ہے کہ انسان کا علم اُسکے بالمقابل محض ہیچ ہے، یہی وہ شے ہے جو شاگرد کو اُستاد کے سامنے، محکوم کو حاکم کے حضور میں، جاہل کو عالم کے روبرو، مستغیث کو منصف کے آگے حتماً چُپ کرادیتی ہے! اِسی کے ہوتے ہوئے کسی کو دم مارنے کا یارا نہیں ہوتا! اگر بعثت رسولؐ کے زمانے میں تمام کا تمام عرب فصاحت کا شیدا تھا، اگر عرب کو اپنی شاعری کے بالمقابل تمام دنیا گنگ نظر آتی تھی، تو بھی خدا پر اسکا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اور نہ اِس موقع کو غنیمت جانکر (العیاذ باللہ) خدا اپنی فصاحت کو ظاہر کرنے کا اشتیاق رکھتا تھا۔ اُس پاک ذات نے اگر قرآن کو عربی زبان میں اتارا تھا تو محض اسلیئے کہ عرب کی گمراہ قوم قانونِ خدا کو سمجھ جائے: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (١٢ : ٢)[51] اُسکے منشا کو اخذ کرے: اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (٤٣ : ٣) اُن کا کوئی لنگ عذر باقی نہ رہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ[53] (١٤ : ٤) اُن کی بہانہ سازیاں معدوم ہوجائیں، انکو اِس تشریح و تبیین کے بعد کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہے، اُن کے لیئے باعث تذکیر و اعتبار ہو: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ[54] ۝ (٤٤ : ٥٨) مصدر امن بشارت ہو: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا[55] ۝ (١٩ : ٩٧) اِس سے زیادہ قطعاً اور قاطبۃً کچھ نہیں۔ اور اگر مسلمانانِ عالم اِسپر بھی کسی مضحکہ انگیز وہم میں گرفتار ہیں اور قرآن کو کسی عربی ہزل گو یا ہندی نکتہ بند کا مجموعہ خیالات سمجھتے ہیں تو سمجھتے رہیں اِس سے کلام الٰہی کی عظمت اور صداقت میں لزوماً کوئی فرق نہیں آتا۔

اِس میں شک نہیں کہ ہر وہ کتاب جس کا منشا علم و یقین کی طرف رہنمائی کرنا ہو، جو صدق نیت اور خلوص دل سے لکھی گئی ہو، جو سرتاپا راستی

---

[51] مطالب کے لیئے دیکھو متن صفحہ ٦٠-٦١ [52] دیکھو متن صفحہ ٦١۔ [53] دیکھو تحت المتن صفحہ ٤٦۔ [54] دیکھو تحت المتن صفحہ ٥٧ [55] اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہناکر محض اِس لیئے آسان کردیا ہے کہ تم اِس کے ذریعے سے خدا سے ڈرنے والی قوم کو خوشخبری کی خبر دو، اور عرب کی جھگڑالو اور نفاق پرور قوم کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔

خوف احکم الحاکمین کے حلقۂ اثر میں لاکر کالعدم کردیا۔ سب فرقہ بندیاں اور نفاق آرائیاں جسے اکھاڑ دیں، صدیوں کے دشمن دوست کردیئے، سینوں کی کدورتیں نکال پھینک دیں، دلوں سے کینے یکسر اُچک لیئے، اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (۴۹:۱۰) کا شکر انگیز فرمان بارگاہِ خداوندی کے ہاں سے دکھلا کر چند برسوں کے اندر اندر محکوم اور شکست زدہ اہل عرب کو فرماں فرمائے عالمیان اور بادشاہ وقت بنادیا!

یہ سب کچھ اسلام اور قرآن کا ناقابل انکار معجزہ تھا مگر عرب کی جبلّت اور طینت کو کون بدل سکتا تھا؟ وہ عادتیں اور خاصیتیں جو اُن کی فطرت میں ہزار در ہزار برس پہلے سے چلی آتی تھیں کس طرح چشم زدن میں اُنسے رخصت ہوکر اپنا نقش پا نہ چھوڑتیں؟ وہ مِلّی اوصاف جو قرنوں اور صدیوں پہلے اُنکی مٹی میں خمیر ہوچکے تھے، اُن کے طبعی میلانِ کار کو کیسے بے اثر چھوڑ دیتے؟ قرآن کی قاطع الظن اور متحد الاعمال تعلیم کی فدایانہ تعمیل میں عرب اپنی ظاہری عبادات اور مرسومات کو بدل سکتے تھے، اپنی آبائی روایات اور اعتقادات کو بادی النظر میں چھوڑ سکتے تھے، اپنے داخلی مناقشات اور قبائلی تنازعات کو علی رؤس الاشہاد محو کرسکتے تھے، بلاغت اور فصاحت کے ذاتی اِدّعا کو بھی طوعاً و کرہاً خیرباد کہہ سکتے تھے، مگر طبائع کے باطنی رُجحان اور اصلی طریق تخیل کو ہرگز نہ بدل سکتے تھے۔ اُنکا مسلک وہم و خیال یونان کی قدیم وہمی روایات سے ہزارہا سال قدیم تر تھا۔ اُنکی قبائلی زندگی کی بُنیاد روز آفرینش سے اِسی انداز پر چلی آتی تھی۔ وہ اِسی وہمی اور اعتقادی ماحول کے بگڑے ہوئے طِفلک، اور اِسی فرقہ آرائی اور انتشار کے کُہنہ مشق استاد تھے۔ اِس بنا پر اُن میں کسی حقیقت کشا علمی صداقت یا عافیت انگیز

لہ ایمان والے تو آپس میں بھائی بھائی ہی ہیں۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۶۶) اور حقیقت پر مبنی ہو؛ جس میں واقع الامر کی تائید اور صراط مستقیم کی تاکید ہو، جس کا منتہائے نظر انسان کو امن کا راہ رہت دکھانا، اور اجتماعی ہلاکت سے حتی الوسع بچانا ہو، ہر ایسی کتاب خود بخود اپنے زور بیان کے باعث، اپنی صداقت اور عُمقِ نظر کی وجہ سے بلیغ بلکہ بسا اوقات فصیح بھی بن جاتی ہے، لیکن اس بلاغت اور فصاحت کا شاعرانہ تکلف اور آورد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اِنہی معنوں میں قرآن حکیم بھی بلیغ ہے۔ جیسا کہ آگے چلکر جا بجا واضح ہوگا۔

بہرنوع محولہ بالا آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کے متعلق شاعرانہ فصاحت کا دعوٰے سرتاپا اہل عرب یا مسلمانانِ عالم ہی کی ایجاد ہے۔ صاحب القرآن کو اِس سے کوئی تعلق نہیں۔

Marfat.com

معاشری آئین کا معنًا اور اصالۃً رائج ہو جانا ازبس متعذر تھا۔ اِسی قطع کی ایک متفرق اور اوہام پسند نوحؑ کی قوم، اِن سے صدہا برس پیشتر، اپنے ضعف ایمان اور طغیان کے باعث غضب آلٰہی کے تنور میں دردانگیز طور پر غرق ہو چکی تھی: (سورۂ ہود ۱۱: ۳۵-۴۹)؛ اِسی جزیرۃ العرب کے ایک حصّے میں عادؑ ثمود کی احکامِ آلٰہی سے متذبذب اور آیاتِ خدا کی مکذب قومیں بالآخر اللہ کے عذاب غلیظ اور صیحہ سے دوچار ہوئی تھیں (سورۂ ہود ۱۱: ۵۰-۶۰)؛ اِسی دیار کے بسنے والے اصحاب مَدین، صدیوں پیشتر کم وزنی اور شرک کرتے کرتے غضب آلٰہی کی چیخ کے شکار ہو گئے تھے (سورۂ ہود ۱۱: ۸۴-۹۵)؛ اور وہ دراصل اِسی مٹی میں رہنے والے وہم زدہ لوگ، اور قریب قریب اِسی آب و ہوا میں پلے ہوئے فرقہ بند آدمی تھے جنھوں نے وادیٔ سینا میں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت بیضا کو ہاتھ میں لیکر، اُسکی غیبت میں، اپنی پُرانی عادت کے مطابق اللہ سے انکار، اور بچھڑے کی پرستش شروع کر دی تھی (سورۂ اعراف ۷: ۱۴۸-۱۵۱)؛ نہیں بلکہ وہ اِنہی عرب کے ہم اصل (سامی) اور قریب النسل (عبرانی)، ہم مشرب اور ہمسائگت میں رہنے والے بھائی بند تھے جنھوں نے حکومت، فارغ البالی، زرخیز زمینوں، معتدل آب و ہوا، چشموں اور نہروں، اور انواع و اقسام کے طیّبات رزق کی بے قدری کر کے بالآخر ذُلّ و مسکنت کی وہی پُرانی طرزِ معیشت کو پسند کر لیا تھا:

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ (۲: ۶۱)

اور اے بنی اسرائیل! کیا تمہیں وہ وقت یاد ہے جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ اے موسیٰ! اب تو ہم ایک ہی قسم کے اِن اچھے اچھے کھانوں اور اس سرزمین کے شکار وغیرہ سے تنگ آ گئے ہیں تو آپ ہمارے لیئے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ شیرینی درخت حاجؔ اور ٹبیر (من و سلویٰ) کی بجائے ہمارے لیئے زمین سے جو چیزیں اُگتی ہیں، یعنی ترکاری اور ککڑی، گیہوں اور مسور اور پیاز، پیدا کرے۔ موسیٰ نے کہا کیا تم فضیلت اور حُریت کے اِس مقام رفیع کو چھوڑ محکومیت اور افلاس کی ادنیٰ معاشرت کو پسند کرتے ہو۔ اچھا تو یہاں سے کسی متمدّن شہر کو چل پڑو جہاں کی حاکم قوم تم کو

فلاحت اور زراعت میں لگادے گی، اور تم کو وہی کچھ مل رہے گا جو مانگتے ہو۔ پھر ان پر ذلت اور محتاجی لیس دی گئی اور وہ خدائے قاہر کے غضب میں آگئے! یہ سب اِس لیئے کہ اُنہوں نے خدا کے مستعد کیئے ہوئے احکام سے غفلت برتنی شروع کردی تھی، اور رُسُل کو ناحق قتل کیا تھا، اور نیز اِس لیئے کہ اپنے امیر جماعت کی نافرمانی کی تھی اور کاہلی، کاہجوری، اور ناقدرشناسی میں حد سے زیادہ تجاوز کیا تھا۔

صدرِ اسلام کے اہل عرب نے بلاشبہ صاحبؐ شریعت کی زندگی میں ہی کلام الٰہی کے آگے سربسجود ہوکر اپنا سارا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا؛ وہ سارے کے سارے ایک اقل قلیل مُدت میں ماسوی اللہ کے قطعی منکر، اور خدا اور رسول کے قطعی مطیع ہوگئے تھے؛ قرآن اُن کا واحد منتہائے عمل، اور کتابِ خدا اُنکی ایک جو لانگاہ نظر بن گئی تھی؛ اُسکے محض ابتدائی اصول پر بے دھڑک اور بلا تامل عمل کرنیکے شکرانے میں منعم لم یزلؐ نے دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت، اور زمین کی وسیع تر وراثت اُن کو سپرد کردی تھی؛ وہی نہروں والے جنات جنکا وعدہ، بادی النظر میں خدا نے آخرت میں کیا تھا، قرآن کے مبادیات اور ایمان کے حرف اوّل پر بیحیا با عمل کے عوض میں اُن کو اِس دنیا میں ہی مِل گئے تھے؛ اُن کے مشعلستانِ ایمان دل، اور محشرستانِ عمل جگر، اُن کو چند برسوں† میں ہی سمندروں کے پار، عراق عرب کے میدانوں، افریقہ کی تپتی ہوئی ریتوں، اور اُندلس کی خوشگوار چوٹیوں پر لیگئے! یہ سب کچھ اہل عرب کی بےنظیر خوبیوں کا ایک منظر تھا مگر جب زمین کی بادشاہت مِل گئی، اور امن کے لازمات حاصل ہوگئے تو سلطنت کے تمکن و استقرار کیلئے قرآن میں استدلال اور اجتہاد ناگزیر ہوگیا، عرب کی مختصر سیاسیات میں توسیع اٹل نظر آئی؛ تب اسلام کے یہ جاں باز

---

† ایک مورخ نے تخمینہ لگایا ہے کہ رسولِ خدا کی وفات (سنہ ۱۱ھ سنہ ۶۳۲ء) کے بعد بارہ برس کی مدت میں (گویا فاروق اعظمؓ کے عہد خلافت کے اختتام (سنہ ۲۳ھ سنہ ۶۴۴ء) تک) مسلمانوں نے چھتیس ہزار شہر اور قلعے اپنے قبضے میں کرلیئے تھے۔ چار ہزار بتخانوں اور ہیکلوں کو اپنے تصرف میں لاکر مسجدوں میں تبدیل کیا۔ گویا اسلامی افواج کی اوسط رفتارِ تقدم مسلسل بارہ برس تک یہ رہی کہ ایک دن میں نو شہر یا قلعے سر کرلیتے تھے، جو آج کسی قاہر سے قاہر یورپی فوج کے لیئے ازبس متعذر ہے۔ خود المانیہ، اپنی ناپیدامثال جُندیت کے باوجود، حال (یعنی سنہ ۱۳۳۳ھ سنہ ۱۹۱۴ء) کے محاربہ عظمیٰ میں اس رفتار کے عُشرِ عشیر تک بھی نہ پونہچ سکی۔ اور یوں تو دول یورپ کے برخلاف جارحانہ تقدم چند مہینوں تک قائم رکھنا بھی اسکے لیئے بالآخر پیام موت بنکر رہا۔ حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا رقبہ بائیس لاکھ مربع میل تھا۔ ہجرت کے ایک سو برس بعد تک مسلمان پُرانی دنیا کے تینوں براعظموں میں پھیل گئے، ایشیا میں دریائے اٹک کی حد اُنکے ایک طرف، اور یورپ میں فرانس کے جنوبی اور وسطی میدان دوسری طرف تھے، افریقہ کا تمام شمالی علاقہ بھی انہی کے دست قدرت میں تھا، گویا ماسوا روسیہ للکبریٰ کی سلطنت کے قریب قریب سب مہذب دنیا پر ان کا تسلط ایک صدی کے اندر اندر ہوگیا تھا۔

Marfat.com

فدائی جو اپنے تمدّن کی تمام اگلی روایات اور کُلیات کو خدا کی راہ میں متروک کر چکے تھے، اِسکے دقیق مطالب کی طرف متوجّہ ہونے لگے؛ کچھ عرصہ قرآن کی جمع و ترتیب میں صرف ہو چکا تھا، کچھ اور تصریف کتابت میں خرچ ہوا؛ نقاط اور حرکات ایجاد کی گئیں†، مگر اعراب کے استعمال سے معانی کی نوعیّت کے متعلق ایک علیٰحدہ اور انوکھا اجتہاد قائم ہونا شروع ہوا؛ عرب اپنی وہمی، نفاق آرا، اور مجادلانہ طبیعت سے مجبور ہو کر اِس جد و جہد میں ہمہ تن مصروف ہو گئے؛ تلفّظ کی زیروں اور زبروں اور اختلاف معانی پر؛ تراکیب الفاظ اور تغیّرات عوامل پر مستقل مناظرات ہونے لگے؛ کوفے اور بصرے میں نحویوں کے دو مقتدر اور متخالف گروہ قائم ہو گئے۔ اِن فساد آفرین مجاہدوں میں، تلاش سند کے بہانے سے، عرب قبائل کی مختلف لغات اور جاہلیّہ کا سارا علم ادب مدوّن ہو گیا؛ راویوں کی مختلف جماعتیں جاہلی اور مُخضرمی شعرا کے رطب و یابس سب ابیات اور قبائل کی جھوٹی سچی سب روایتیں پیش کرنے لگیں۔ اُدھر عرب کی ارباب ذوق، نازک اور ظنّی طبیعتیں قرأت کے سطحی اختلافات کی بھی متحمّل نہ ہو سکیں؛ علما کا ایک پُرمغز گروہ اختلاف قرأت، رموز اوقاف، اور ترتیل قرآن کی طرف لگ گیا۔ فصاحت و بلاغت کی ان مُہلک یا دو ہانیوں میں عرب جو اپنا بیشتر اعتقاد قرآن کی بے مثال فصاحت ہی پر رکھتے تھے؛ اور جو اپنی قادر الکلامی اور سخن شناسی کے کبھی منکر نہ ہوئے تھے، اِسی ناگوار اجتہاد کو اسلام کی بہترین خدمت سمجھنے لگے۔ شعر و سخن کی اِن دلدادہ طبائع، اور وہم و وسوسہ کی اِن مجبور فطرتوں میں کلام خدا کی محبّت نے استدلال کی،

---

† قرآن کی مختلف سورتوں کی آیتوں کی داخلی ترتیب خود صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی میں کر دی تھی، مگر ایک مدت تک یہ سورتیں علی الحساب اہل عرب کے سینوں کے اندر محفوظ رہیں اور کتابت قرآن کا سوال پیدا نہ ہو سکا؛ غزوہ یمامہ کے بعد جب حضرت عمرؓ نے خلیفہ اوّل کو توجّہ جمع قرآن کی طرف دلائی تو صدیق اکبرؓ نے زید بن ثابتؓ کی وساطت سے قرآن کو جمع کیا۔ لیکن اِس وقت سورتوں کی باہمی ترتیب کا خیال غالباً نہیں کیا گیا۔ خلیفہ ثالثؓ (المتوفی ۳۵ھ ۶۵۶ء) کے عہد میں سورتوں کی مستقل ترتیب عمل میں آئی جو آج تک قائم ہے۔ پہلے پہل قرآن کی کتابت شاید حمیری خط میں تھی۔ پھر اِس کے بعد کچھ تصرف کر کے کوفی خط کو لے لیا۔ بعد ازاں زیر، زبر، پیش، جزم، وغیرہ وغیرہ حرکات اور نقاط ایجاد کیے گئے، اور اِس خط کو اور بھی ترقی ہوئی۔ پھر دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جب مسلمانوں نے اندلس اور افریقہ کو فتح کر لیا اور اُن کا منصوبہ بنے ۱۳۵ھ ۷۵۲ء میں بغداد پر قبضہ کر کے اُس کو علوم عربیہ کا مرکز بنایا تو خط بغدادی کی ابتدا ہوئی جو آج بعض اہم تبدیلیوں کے بعد ہر جگہ جاری ہے۔

Marfat.com

بجائے الفاظ بینی اور ظاہر نوازی، اور اجتہاد کی جگہ خیال آرائی اور بلند پروازی از خود پیدا کردی؛ فصاحت پرستی صحیح معنوں میں از سرِ نو شروع ہوگئی! قرآن ہی سے ثابت کرنے کی ناروا کوشش کی گئی کہ انسانوں اور جنّوں کا متفق گروہ بھی اُسکی ایک سورت جیسی فصیح و بلیغ "تصنیف پیدا کرنے سے متعذر ہے": وَمَا

---

† سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (۱۷: ۸۸)

اے محمدؐ! تم علی الاعلان کہہ دو کہ اگر اس پہنائے عالم کے سب جنّ و انس بھی اس بات پر مجتمع ہو جائیں کہ اس قرآنِ عظیم کی مانند ایک دوسرا قرآن بنا لیں تو ہرگز اس جیسا نہ لا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی مدد پر تُلے ہوئے ہی کیوں نہ ہوں (جن کی تشریح اپنے موقع پر آئے گی یہاں اس سے بحث نہیں)

یہاں ظاہر ہے کہ قرآن کریم کی فصاحت یا عبارت آرائی کے متعلق ایک حرف نہیں کہا گیا۔ کیونکہ اگر مقابلہ فصاحت ہی میں تھا تو تمام دنیا کے جنّ و انس کو دعوت دینے کی کیا ضرورت تھی، صرف قادر الکلام اہل عرب ہی کو بُلایا ہوتا جن کا مقابلہ کچھ معنی بھی رکھ سکتا تھا پس جب دعوت عام ہے تو موازنہ بھی لامحالہ کسی ایسی خوبی کا ہے جسکے متعلق ہر شخص حتی المقدور کچھ نہ کچھ دعوےٰ کر سکتا ہے اور وہ خوبی علم، حکمت یا ہدایت کے سوا کچھ نہیں ہو سکتی۔ اس امر کا تصفیہ کہ محوّلۂ بالا آیت (۱۷: ۸۸) میں مِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ کے الفاظ سے بعینہٖ کن معنوں میں مثیل قرآن کے ممکن نہ ہونے کا دعوےٰ کیا گیا ہے، سورۂ انفال کی ایک اور آیت سے بھی ہوتا ہے جو اس لحاظ سے از بس معنی خیز ہے:

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ (۸: ۳۱)

اور ان نابکار اہل عرب کے انکار کی یہ شان ہے کہ جب ہماری آیتیں انکو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو مغلوب اُٹھتے ہیں کہ ہاں ہاں ہم نے محمدؐ کے قرآن اور اُسکے دعوےٰ پیمبری کی حقیقت کو خوب سمجھا (قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا)، اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی ہی پیش پا افتادہ باتیں بنا لیں (لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا)، ان میں رکھا ہی کیا ہے، یہ تو وہی ڈھکوسلے ہیں جو اگلے لوگ ہم کو ہمیشہ سے سناتے چلے آئے ہیں۔

یہاں ظاہر ہے کہ مِثْلَ هٰذَا کا اشارہ قرآن حکیم کے نفس موضوع اور مشمولہ حکمت اور ہدایت ہی کی طرف ہے جس کی منکرین عرب نے اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ کہہ کر تخفیف کرنی چاہی ہے۔ اگر ادبی اور لفظی خوبیوں کی طرف اشارہ ہوتا تو اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ کے الفاظ بے موقع اور بے معنی تھے کیونکہ اَسَاطِيْر کے لفظ سے غیر فصاحت کے معنی قطعاً نہیں نکلتے اور نہ اَوَّلِيْنَ سے مراد پرانے اُدباء اور فصحاء کی جماعت ہے۔ انہی معنوں میں 'مِثْل' کا لفظ سورۂ طور کے اندر واقع ہوا ہے:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝ (۵۲: ۳۳-۳۴)

(کیا لوگ کہتے ہیں کہ محمدؐ اس قرآن کو اپنی طرف سے بنا لایا ہے یہ تو ان کام چوروں کے لنگ عذر اور کٹ حجتیاں ہیں، اصل بات یہ ہے (بَلْ) کہ وہ سرے سے ایمان لانے کی نیت ہی نہیں رکھتے (لَا يُؤْمِنُوْنَ)۔ (کیونکہ ایمان لانیکے ساتھ ہی قرآن پر عمل کرنا اُنپر واجب ہو جاتا ہے) اور وہ اپنے اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اس جیسی ایک بات بھی تو لے آویں۔

یہاں بھی صاف طور پر قرآن کا مثیل شعر و فصاحت میں طلب نہیں کیا گیا بلکہ مقصود اسکے مضامین کو قدر و قیمت میں برتر ثابت کرنا ہے۔ اسکے شعر ہونے سے انکار تین آیتیں پہلے اسی سورۃ میں ہو چکا ہے: اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝ (۵۲: ۳۰) یعنی کیا لوگ رسولِ خدا کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ تو محض ایک شاعر ہے (جس نے اپنے زورِ تخیل کے باعث چند خوشامدی پیدا کر لیے ہیں۔ اسکی واہ واہ تبھی تک ہے جبتک وہ زندہ ہے) اور ہم تو اس امر کے منتظر ہیں کہ موت کا حادثہ اُسکو آدبوچے اور اسکی سب لن ترانیاں خاک میں مل جائیں"۔

هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۶۹: ۴۱-۴۳)

متن وعبارت کی خوبیاں، اور نطق کی گہرائیاں پیش نظر ہوتی گئیں؛ فصاحت کے عاشقوں کی ایک جماعت بلاغت کو مستقل فن بنانے میں مصروف ہوگئی؛ قرأت اور ترتیل کے موضوعہ اُصول کی بنا پر ادنیٰ سی ماندگی کے عوض میں، عرب وعجم سب کے لیئے، اللہ کی سرکار سے دردناک سزائیں مقرر ہوئیں۔ آہ! لیکن ان مجاز پرستانِ دین کو اس اعتنا واہتمام کے باوجود یہ کہنے کی توفیق ہرگز عطا نہ ہوئی کہ قرآن کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھنے کی حقیقی غایت خدا کے نزدیک صرف اس قدر ہے کہ اُسکی ایک ایک آیت کے مطالب عوام کے دلوں پر کالنقش فی الحجر ہوجاویں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝ (۲۵: ۳۲)

اور منکرین دین جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن سارے کا سارا ایک دم سے کیوں نازل نہیں ہوا تو انہیں کہہ دو کہ فی الحقیقت یہی مناسب تھا۔ کیونکہ ہم اس کے مطالب تمہارے قلب پر دل نشین کرکے تمہیں مطمئن کرنا چاہتے تھے اور اسی وجہ سے ہم نے اسکو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اُتارا۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ (۱۷: ۱۰۶)

اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کرکے اِس لیئے اُتارا کہ تم وقتاً فوقتاً مہلت کے ساتھ اُسے لوگوں کو پڑھکر سناؤ اور اسکے مطالب دلنشین کردو، اور اسی مصلحت سے ہم نے اُسے رفتہ رفتہ اتارا۔

سلہ اور یہ قرآن کسی شاعر کا کلام تو ہے نہیں، افسوس کہ تم اسکی حقانیت پر بہت کم ایمان رکھتے ہو جو اسے قول شاعر قرار دیتے ہو۔ نہ یہ کسی کاہن کے ڈھکوسلے ہیں۔ افسوس تم اس سے بہت کم نصیحت پکڑتے ہو جو اسے ایسا سمجھتے ہو۔ یہ تو پروردگار عالم کیطرف سے اُترا ہوا کلام ہے۔

---

† یہ تیسرا موقع ہے کہ قرآن کے شعر ہونے سے بصراحت تمام انکار کیا گیا ہے۔ ایک موقع ابھی ابھی صفحہ ۷۱ پر اور ایک صفحہ ۶۴ پر گذر چکا ہے۔

‡ یہ آیہ جلیلہ صفحہ ۴۶ پر پہلے بھی آچکی ہے مگر اُس جگہ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ کے مطالب کی تشریح نہیں کی گئی تھی۔ سورۂ ہود کے اخیر میں ہے:

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۱۱: ۱۲۰)

اور یہ سب جو کچھ ہم تمکو اپنے گذشتہ پیغامبروں کے حال بیان کرتے ہیں، (اُنکی کامیابیوں اور دشمن کی ناکامیوں کی اطلاع دیتے ہیں) اس سے غرض ومطلب یہی ہے کہ ہم تمہارے دل کو مضبوط کردیں، تمہارے عزم کو مصمم کردیں (مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ) قانون خدا کی اہمیت کو واضح کرکے تمہارے دل کو اُسکی صداقت کے بارے میں مطمئن کردیں (مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ) اور اسمیں شک نہیں کہ تمہیں اس موضوع کے اندر ایک عظیم الشان حقیقت (الحق) منکشف کردی گئی ہے (جو تمہارے آئندہ طرز عمل کیلئے مفید ہوگی) اور علاوہ ازیں ایمان والوں کے لیئے بھی اس سورت میں نصیحت اور عبرت ہے!

حقیقت کی اہمیت سے یہاں بحث نہیں مگر یہ امر ظاہر ہے کہ نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ کے معنی دل کو مطمئن کرنے کے ہیں۔

Marfat.com

.....وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ (۷۳:۴)

اور قرآن کو خوب سوچ سمجھکر پڑھا کرو۔

ظاہر پرستی کے اِن لاانتہا اور شبانہ روز مشاغل کے باعث قرآن کے مطالب میں حقیقی تدبر محال تھا۔ اسلام کی دماغی قوت کا بہترین حصہ اس دردناک طور پر ضائع اور منتشر ہوتا گیا۔ قرآن کی درس و تدریس تمام عالم اسلام میں اِنہی اصول پر ہونے لگی۔ اِس اثنا میں جمع و تدوین احادیث کے نئے نظریے نے اجتہاد کا رُخ ایک اور ہی طرف بدل دیا۔ سینکڑوں محافظین دین تسلسل اور تواتر کے ناممکن اور غیر یقینی اجتہاد میں مصروف ہوگئے۔ راویانِ احادیث کے حسب نسب اور نامہ ہائے اعمال کی ایک نہایت وضعی مگر پُرازکار تحقیق شروع ہوگئی۔ احادیث کی صحت کا معیار اہل عرب نے پھر اُسی عقیدتمندی اور غلبۂ وہم کی بنا پر، کتاب الٰہی سے تطبیق یا کم از کم عدم تضاد کی بجائے، رُواۃ کے ذاتی اعتبار کو قرار دیا۔ دینی اور خدائی معاملات میں اِس ناروا ارادت کا اظہار، اور نسیان کار انسان سے یہ عقیدتمندانہ سلوک عرب کی ظاہر پرستی اور ناحقیقت شناسی کی ایک اور دلیل تھی جسکا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ قسم قسم کی احادیث، موقع اور مطلب کے بنا بننے کے لیے معتبرین کے نام پر موضوع ہونے لگیں حتّٰی کہ اُن کی چھان بین محال ہوگئی، اور بیحد قیمتی وقت صرف ہوا۔ کلام الٰہی کے مطالب میں براہ راست اجتہاد اُسیقدر کم ہوتا گیا، اور ضمناً مسلمان ایک حسرت انگیز طریقے پر، قرآن کے ناقص اور غیر مکمّل، مغلق اور غیر مشرح ہونے کے خاموش قائل ہوگئے!†

درحقیقت اِس تمام سطحی جدّوجہد کے بروئے کار نہ آنے کی اصلی وجہ اہلِ عرب کا طریق تخیّل تھا۔ عرب کی گذشتہ ہزارہا سالہ تاریخ میں اُن کا واسطہ تخیّل کی دو ہی شقوں سے پڑتا رہا۔ شاعرانہ شق کی بنا پر انہوں نے قرآن کے ظاہری محاسن کو دیکھنا شروع کیا اور بالآخر اسکو کمال پر پہنچا دیا، عجیب و غریب رسمی علوم ایجاد کرکے اسکے صنائع اور بدائع کی مکمّل تدوین کی، نفس قرآن کو ایک زیر و زبر کے اختلاف سے پاک کرکے

---

† احادیث کے معیارِ صحت کی حقیقت اور متعلقہ معاملات کے بارے میں ایک مبسوط بحث عنقریب تیسری مجلد میں آئے گی۔

Marfat.com

ابدالآباد تک انسانی تصرف سے محفوظ کردیا۔ اوہامی شق کی بناپر عرب نے قرآن کے باطن میں بھی استدلال شروع کردیا تھا مگر چونکہ طبائع میں غیب کی باتوں سے الفت تھی، اور کہانت، وسواس، ظنّ، اور فرضیت کے عناصر غالب تھے اِس لیئے کتاب الٰہی کو کھولتے ہی اُن کا خیال ماہیتِ خدا، حقیقتِ نبوّت، کیفیتِ وحی، ملائکۂ جنّات، موت و مابعد الموت، بہشت و دوزخ وغیرہ وغیرہ، کی طرف معًا منتقل ہوگیا۔ یہ سب موضوعات لامحالہ اِس نمط کے تھے کہ اُن کے متعلق تخیّل کی بلند پروازی بدرجۂ اتم ہوسکتی تھی ظنّ وتخمین کے اِن معاملات پر عرب اور عجم نے دل کھول کر بحثیں کیں؛ جاہلیّہ عقائد کے اکثر لازمات کو اسلامی لباس پہناکر اِن اتھاہ مضامین میں خلط مبحث کردیا۔ مگر چونکہ ازمنۂ جاہلیہ کے عقائد، یونانیوں کے علم الاصنام کی غیر مانند، مدوّن بھی نہ ہوئے تھے، خود قبائل میں پہلے سے ہی اِن ظنّیات کے متعلق بے انتہا تفرقہ موجود تھا، اور اُن کی صحّت کی تائید یا تردید بھی قرآن سے نہ ہوسکتی تھی، اسلیئے اِس نوع خیال کا لازمی نتیجہ **فرقہ بندی** ہوئی، عرب نے اِس حادثۂ عظمیٰ سے بہت پہلے مسئلہ امامت کے متعلق ایک غیر اسلامی اور جاہلی عقیدے کی بناپر تفرقہ ڈال کر، اسلام کو دو ناقابلِ وصال گروہوں میں تقسیم کردیا تھا، مگر اب ظنّی اجتہاد سے اِلٰہیّات کی سطحی موشگافیاں کرکے، ایک خدا، ایک رسول، اور ایک قرآن کے بارے میں بھی عقائد و آرا کا دردناک اشتتات پیدا کردیا: كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۵: ۹۰-۹۳)[1] جامع المتفرقین خدا نے، جو مسلمانوں کی ایمانی اور عملی دونوں

---

[1] یہ قرآن تو گویا ہم نے کسی اور قوم پر نہیں اتارا کہ وہ سارے کو من عن مانکر اسکے مطالب میں تطابق قائم کریں، بلکہ دراصل اس تفرقہ آرا قوم کی طرف اتارا آ جو حسب خاطر اسکے ٹکڑے ٹکڑے کرکے آپسمیں بانٹ لینے والے ہیں۔ اپنے اپنے حصّے کو علیحدہ کرکے تفریق پیدا کرتے ہیں۔ پس تیرے پروردگار کی قسم کہ ہم ان سب سے اُن کے اِن بداعمال کی ضرور باز پرس کرینگے!

---

[2] قرآن کو عِضِیْنَ (ٹکڑے ٹکڑے) کرنیکے معانی یہی ہیں کہ اُسکے کسی ایک حصّے کو لیکر اپنے مطلب کے معنی پیدا کرلینا، اسی پر اپنی اکثر توجہ صرف کرنا، اور باقی حصّوں کو نظر انداز کرکے فرقہ بند بننا جیسا کہ آج ہر اسلامی فرقے کا شیوہ عمل بن گیا ہے گویا فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (۲۳: ۵۳) کا مصداق بننا، جسکی تشریح صفحہ ۴۹ پر گذر چکی ہے۔ یہ طریق تخیل ظاہر ہے کہ کسقدر مُہلک ہے۔ جبتک کسی تصنیف کا تمام لایحۂ عمل پیش نظر نہو، اُسکے کسی ایک حصّے کے ظنّی معانی انسان جو چاہے بنا سکتا ہے مسلمانان عالم نے کتاب خدا کو اکثر اِسی نقطۂ نظر سے دیکھکر اپنے فرقے بنا لیئے ہیں۔ اِسی لیئے آج انہیں دردناک پرسش ہو رہی ہے: فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۵: ۹۲-۹۳) ضمنًا ان آیاتِ الٰہی سے یہ بھی مترشح ہے کہ قرآن حکیم فی نفسہ تمام کا تمام مربوط ہے۔ اور یہ انسان ہی ہے جو آیات کے حسب مطلب معانی بیان کرکے اُسکو بے ربط کرتا ہے لیکن یہ حقیقت اُسوقت اظہر من الشمس ہوگی جب فتہ رفتہ ہر ایک سورت کو اس کتاب میں مربوط المعانی ثابت کردیا جائے گا۔

Marfat.com

زندگیوں کو چٹان کی طرح مضبوط دیکھنا چاہتا تھا، لامحالہ ظن کے انہی ناہموار نتائج کو پیش نظر رکھکر، اسکی بعض قسموں کو قطعی طور پر گناہ قرار دیا تھا، مگر قرآن کریم کے ان عظیم الشان مقاصد تک پونہچنے کے لیئے تابعین عرب کو اسکی آیات میں حقیقی تامل اور تدبر کی ضرورت تھی!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (۴۹: ۱۲)

اے ایمان والو! اکثر قسم کے ظن سے بچتے رہا کرو کیونکہ بعض ظن داخل گناہ ہیں۔

اسلام کی ارضی سلطنت کے استمرار و تمکن کے لیئے یہ فساد آفرین مباحث کس طرح مفید ہو سکتے تھے قرآن کے متعلق ان لفظی تنازعات اور سطحی کج بحثیوں میں ہی مسلمانوں کی زندگی کے کم و بیش دو سو برس صرف ہو گئے۔ اس اثنا میں حفاظت قرآن کے مفید اور بے مثال عمل کے ماسوا عرب تخیل کا لے دیکر یہی نتیجہ ہوا کہ کلام الٰہی کی درس و تدریس کے ضمن میں عوام کے سامنے جاہلیۃ کا سارا علم ادب، اُن کی طرز معاشرت، اُن کی روایاتِ واہیہ، اُن کے اوہامِ باطلہ، اور اُن کا دیرینہ اخلاق مدوّن ہو کر التزام کے ساتھ پیش نظر ہو گیا۔ اِن بے سود تصریحات اور ناگوار انکشافات کے سم آلود اثر کے باعث، اسلام کی تسلیم اعتقاد میں صدہا غیر متعلق اور مفروضہ باتیں از خود دخیل ہو گئیں۔ قرآن کا سب سے بڑا معجزہ اسکی جید عبارت اور حسن بیان میں منتقل ہو گیا! اسکی تلاوت عرب سخن فہمی اور زباں نوازی کی بہترین داستان بن گئی۔ پھر فصاحت اور نغز گوئی ہر خاص و عام کا مستقل بلکہ مستند شغل ہو گیا۔ عرب اور عجم قیل و قال میں، تحریر و تقریر میں، زباندانی کا اہتمام ذوق و شوق سے کرنے لگے۔ اُدھر قرآن کی فرضی تائید پر جنات اور ملائکہ کے متعلق عقائد کی تدوین ہونے لگی۔ بہشت اور دوزخ کے مختلف مقامات اور مدارج وضع کیئے گئے۔ عذاب قبر کی تشریحوں کے متعلق کلام الٰہی سے دور از کار استناد کیا گیا۔ ماہیتِ خدا، حقیقتِ نبوت، کیفیتِ وحی وغیرہ کے مختلف نظریوں کے باعث، قرآن، رسول، بلکہ خدا کے متعلق بھی طرح طرح کے توہمات و شکوک عوام میں پھیل گئے۔ قرآن کی اکثر آیات میں عجیب و غریب تاویلیں ہونے لگیں۔ بدعت کا عام اجرا ہو گیا۔

Marfat.com

پھر قیاس کے اِن بے نتیجہ مجادلات، آرا کی اِس عام کشاکش، اور الفاظ وحی کے جاذبی اثر کے باعث عوام کے غیر مطمئن اور تشنہ نتائج دل کہانت کے جاہلی عقائد کی طرف از خود مائل ہو گئے۔ قرآن کا مطالعہ محض رسم و تبرک کے طور پر رواج پا تا گیا۔ کلام آلہی کے الفاظ میں غیبی برکت اور طبّی تاثیر مانی جانے لگی۔ تمام پرستی اور زیارت قبور کی جاہلی علامات نمایاں ہونے لگیں، فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ[1] (۹:۷۰، ۹:۷۰)۔ پھر آیندہ احوال اور خانگی معاملات، حتّٰی کہ ملّی اور بین الملّی مناقشات کی پیش بینی کی غرض سے کلام خدا سے تفاؤل کیا جانے لگا! احادیث نبویؐ اور حروف مقطّعات قرآنیہ سے زوال و بقائے قوم، مدّتِ قیام عالم، اور بقائے اسلام کی تشریحیں نکالی گئیں! سحر و طلسمات کا وجود قرآن سے غلط مستنبط کر کے، اور حلول جنّات وغیرہ وغیرہ جاہلی عقیدوں کا منفی ثبوت† غیر متعلق اور دور از کار آیات سے از سر نو نکالکر عجیب و غریب فریب سے اُن کی قرآنی تحریم و تردید کی نوعیت بدل دی! اِنہی مراسم جاہلیہ اور عقائد واہیہ کی تجدید کے سلسلے میں مُسلمانوں کو نجوم کے مفروضہ اعمال سے بھی لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ رفتہ رفتہ آثار کواکب کے جاہلیہ عقائد کی تائید، ایک نہایت شرم انگیز طریقے سے کلام خدا کی وساطت سے کی جانے لگی۔ بعض فرقِ صوفیانے بھی تنجیم کے ان متعدّی اور ہلاکت انگیز اثرات میں پابگل ہو کر، طبائع کوکبی، اور اُرواح فلکی، کو مظاہر اسمائے آلہی فرض کیا، اور مکر و دروغ کے خجالت آفرین ڈھکوسلے 'اسرار الحروف' کے نام سے وضع کیے! تیسری صدی کے اخیر میں زیدیّہ اور رافضیّہ فرقوں نے امام جعفر صادق علیہ الرحمۃ کی تقلید کے بہانے سے، کلامِ آلہی کو قطعًا ناقابلِ فہم قرار دے کر، اسکے اسرار و رموز کا حلّ جفر اور رمل سے مناسب

---

[1] تو اللہ ان پر ظلم نہیں کر رہا تھا بلکہ وہ تو اپنی جانوں پر آپ ظلم کر رہے تھے۔

---

† اِس منفی ثبوت کی ایک مثال صفحہ ۶۳ آیۂ (۷: ۱۸۴) میں گذر چکی ہے۔ "مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ" سے بعض خوش اعتقادوں نے یہ مستنبط کیا ہے کہ اگرچہ رسولِ خدا میں (معاذ اللہ) جن نہیں گھسا تھا مگر عام لوگوں کے بدنوں میں جنّات کے گھس جانے کی قرآن تائید کرتا ہے! جن کی حقیقت کے متعلق مکمل بحث غالبًا چوتھی مجلّد سے پہلے نہ ہو سکے گی۔ مگر جستہ جستہ اشارات درمیانی مجلّدات میں بھی آئیں گے۔

جانا! اِن اوہام کی گرفت بالآخر اسقدر وسیع ہوگئی کہ عین اُسوقت جبکہ اسلامی عظمت وجبروت کا آفتاب نصف النہار پر ٹھیرا ہُوا تھا، اور اللہ کی بخششوں کے خزانے مسلمانوں کو ہر طرف سے مالا مال کر رہے تھے اسلام کا مقتدر امیر المؤمنین، خلیفۃ المسلمین، ہارون الرشید، قرآن اور اسلام کو بالائے طاق رکھکر فلکیات کے مطالعے میں بذات خود اِس نیت سے مستغرق تھا کہ آثار نجوم سے اطلاع پاکر بقائے سلطنت کی بشارت اور نزولِ حوادث کے حالات معلوم کرے!

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝ (۴۳: ۳-۵)†

ہم نے کتاب خدا کو عربی زبان میں اسلیئے کر دیا تھا کہ تم اسکے عظیم الشان مطالب کو پاکر عقلمند بن جاؤ، اور یہی قرآن ہمارے ہاں امّ الکتب میں درج ہے جو ایک بڑی بلند نظر اور پُر از حکمت کتاب ہے۔ تو کیا اِس وجہ سے کہ تم اس کتاب عظیم کی اصلی غرض و غایت سے دور ہوتے جاتے ہو ہم اس کو تم سے یکسر کیوں نہ اُچک لیں؟

کیا اِن اعمال کے بعد انسان کی گذشتہ ہزارہا سالہ تاریخ میں، کفر اور ضلالت، جہل اور ابلہی، مکر اور سیہ کاری کی اِس سے بہتر اور روشن تر مثال پیدا ہو سکتی ہے جیسی کہ سلف راشدین علیہم الرحمۃ کے ان ناخلف عرب و عجم نے ظہورِ اسلام کے پانچ سو سال بعد تک، قرآن کے مطالب پر غور کرنے، اور اللہ کی مُفت بخشی ہوئی سلطنت کو محفوظ و مستحکم کرنیکے بہانے سے دنیا کے سامنے پیش کی؟ کیا خود ابلیس، اپنی شبانہ روز مصروف کاری، شیطانی اغوا، اور طاغوتی مکر و حیل کے باوجود، اپنے سارے نامۂ اعمال میں، اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق کے دلوں پر ایک ہی وقت میں اُس کامل حکومت کی کوئی مثال پیش کر سکتا ہے جو ہم کے

---

† یہ آیات صفحہ ۶۰ پر گذر چکی ہیں مگر مُسْرِفِيْنَ کی تشریح اُس موقع پر چھوڑ دی گئی تھی۔ 'مسخ حقیقت' کے عنوان میں اس قرآنی اصطلاح اور اکثر ایسے الفاظ کی مکمل تشریح آئے گی۔ اور ظاہر کر دیا جائے گا کہ یہ اصطلاح قرآن حکیم میں کن وسیع اور مختلف معانی میں استعمال ہوئی ہے۔ یہاں پر ہر صاحبِ نظر بطورِ خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ یہی معنی جو ہم نے اصل کتاب میں کیئے ہیں، مطالب کو مربوط کر سکتے ہیں۔ اِن کا بعد کی آیتوں سے ربط بھی ظاہر ہے۔ 'اَلذِّكْرَ' کا لفظ قرآن کے معنوں میں جابجا مستعمل ہوا ہے۔ مثلاً آیۂ (۱۶: ۴۴) میں جو صفحہ ۵۹ پر آئی ہے۔ اِن آیات میں خطاب تمام تر اہل عرب کی طرف ہے۔

Marfat.com

ہلاکت انگیز عفریت، اور جہل کے موت افزا دیو نے عرب کی بے علم و ہنر قوم کو کامل طور پر مسحور کر کے قائم کی؟ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ (۲: ۲۶)[۵۱]؛ کیا اسلام کی ازلی صداقت اور قرآن حکیم کی ابدی حقانیت کی آڑ میں، مکر و دروغ کا یہ علانیہ جواز، ماسوی اللہ کی یہ آشکارا عبادت، اوثان جاہلیہ کی یہ فاش عبودیت، فی الحقیقت بنی اسرائیل کی پرستش عجل سے بہت بڑھکر جہالت، خودکشی، اور ظلم نہ تھا جس سے اہل عرب نے آج اس اخیر دم تک توبہ نہیں کی؟ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (۲: ۵۴)[۵۲]؛ کیا قرآنی آیات کو بازو پر باندھ کر شفا کی امیدیں رکھنا، اُسکے اوراق سے فالیں نکالکر نتائج کا چشم براہ رہنا، کلام الٰہی کے حروف کو طلسماتی فسون سمجھکر فوری اثر کا منتظر رہنا، حادثات زمانہ کو اللہ کے آسمانی کُروں پر محمول کر کے غیب جاننے کی سعی کرنا، اور اس طرح پر خدا کے وجود کا بالجہر امتحان لینا، دراصل بنی اسرائیل کی خدا کے آشکارا دیدار کی خواہش، اور اُن کے مشروط ایمان کے مترادف نہ تھا جسکی سزا میں بالآخر اُن پر بجلی گری تھی؟ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ (۲: ۵۵)[۵۳]؛ نہیں، کیا پھر انہی عرب پر شدید العقاب خدا نے بنی اسرائیل کی مانند، اُنکے مفتریانہ اعمال اور فسق و ظلم کی پاداش میں جلد تر عین اُن کی سلطنت کے قلب میں ہلاکو کی بجلی نہ گرائی، اور اُن کی شش صد سالہ عظمت کو تاتاریوں کے طوفان جرار سے چند دنوں کے اندر خُرد بُرد نہ کیا؟ کیا یہی عرب آٹھ سو سال تک اُندلس کے روح پرور

---

[۵۱] بہتوں کو اسی سے گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت کرتا ہے۔ لیکن گمراہ انہی کو کرتا ہے جو درحقیقت فاسق ہیں۔ (اور ہلاکت کے اہل دیکھو صفحہ ۸ سطر ۱۳)

[۵۲] اور لوگو! کیا تمہیں وہ وقت یاد ہے جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے بھائیو! درحقیقت تم نے بچھڑے کی پرستش اختیار کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے پس اپنے خدا کی طرف پھر آؤ، اسکی جناب میں توبہ کرو، یا اگر یہ نہیں کرتے تو اپنے آپ کو ہلاک کر دو، غرق ہو جاؤ، اور مر جاؤ (فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ†) خدا کی نگاہ میں تمہارے لیئے یہی بہتر ہے کہ یا توبہ کرو یا مر جاؤ۔ پھر اُن لوگوں نے توبہ کی تو خدا نے بھی اُن کی توبہ قبول کر لی۔ ان پر عطا کی ہوئی نعمتیں بحال رکھیں، اُن سے کچھ مواخذہ نہ کیا، اور وہ خدائے عظیم باز آجانے والوں کے حق میں بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا، اور بڑا ہی رحم کرنے والا ہے۔

[۵۳] اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم تمہیں ہرگز فرستادۂ خدا یقین نہ کریں گے جب تک ہم خدا کو آشکارا نہ دیکھ لیں۔ پھر تم کو بجلی نے آدبوچا اور تم دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

---

† گویا فَتُوْبُوْا اور فَاقْتُلُوْٓا میں فاء سے مقصود اختیار جتلانا ہے۔ فَتُوْبُوْا کے بعد امر فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ سے پہلے وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا کے الفاظ مقدر ہیں۔

Marfat.com

چشموں ، سایہ دار بادلوں ، دلفریب گھاٹیوں ، پُر فضا وادیوں ، اور حیات افزا جنتوں میں رہکر اللہ کی نافرمانی کے عوض میں ، عبادت طاغوت کی سزا میں ، 'ممنوعہ درخت' کے پاس نہ جانے کے بدلے میں ، غیب پر سے نقاب اُلٹنے کی جزا میں ، اللہ کے آشکارا دیدار کی خواہش کی سرزنش میں ، بالآخر اُسکے زبردست ہاتھ سے بیک بینی و دوگوش اِس بے آبروئی اور درگت سے نہیں نکالے گئے کہ آج اِس داستان کو دُہراتے ہوئے پسینہ آجاتا ہے ؟ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ † وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ (۲ : ۵۷) [1] کیا آج آٹھ سو برس کی بے مثال حکومت اور جاہ و جلال کے بعد ، اُس سرزمین میں ، اُن کا ایک متنفس اور ایک نوحہ گر بھی باقی رہا ہے جو اُنکی خاموش مزاروں پر سرنگوں ہوکر چار آنسو ہی بہا دیا کرے !

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ † وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ ۖ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝ (۱۹ : ۹۷-۹۸)

---

[1] اور ہم نے تمہیں ایسے قطعات زمین پر آباد کیا جہاں ابر تم پر سایہ کئے رہتا تھا۔ اور تم کو شیرینی درخت حاج اور عمدہ اقسام کے بٹیر کھانے کو دیئے ، اور اجازت دی کہ جو کچھ عمدہ رزق ہم نے تم کو دیا ہے شوق سے کھاؤ لیکن تم نے اِن نعمتوں کی بیقدری کی تو ان لوگوں نے ہم پر کچھ ظلم نہیں کیا ، وہ تو اپنی جانوں پر آپ ظلم کرتے رہے۔

---

† یہ لفظ تشریح ہے جو جُملانے بنالی ہے کہ بنی اسرائیل جہاں جاتے بادل کا چتر اُنکے سر پر رہتا تھا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ جزیرہ نما سینا کے جن شمال مشرقی حصص میں بنی اسرائیل فتح کنعان سے پیشتر رہے وہ پہاڑی علاقہ تھا۔ 'عین قادیش' کا تمام گرد و نواح جہاں چھ لاکھ بنی اسرائیل کے خروج کے بعد موسیٰ علیہ السلام چالیس برس تک ڈیرہ ڈالے رہے ایک نہایت خوشگوار ملک تھا ، آب و ہوا میدانی علاقوں سے نسبتاً اب بھی خنک ہے ، موسمی نہریں ، چشمے اور دریا جابجا نظر آتے ہیں۔ درخت حاج جس کی شیرینی کو قرآن اور تورات نے مَنّ سے تعبیر کیا ہے بکثرت ملتا ہے۔ پرندوں کی بھی بہتات ہے۔ مصر اور سینا کے تپتے ہوئے بیابانوں سے نکلکر بنی اسرائیل کا اِن علاقوں میں آباد ہونا اُنکے لیے نعمت غیر مترقبہ تھا۔ قرآن نے اسی حقیقت کو "ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ" کے خوب صورت الفاظ میں ادا کیا ہے اور اگر قرآن فصیح و بلیغ ہے تو حقیقت اِنہی معنوں میں کہ اسکا تمام اسلوب بیان نہایت مختصر اور مؤثر ہے ، اور اس سے بہتر انداز و ہم و گمان میں نہیں آسکتا۔

بنی اسرائیل کی تاریخ بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔ یہ موضوع تاریخ القرآن کا ہے جو اِس کتاب کا آخری حصہ ہے۔ اسی لیے انکے ظلم کی تشریح کو اُس موقعے کیلئے چھوڑ دیا گیا ہے۔

† 'تبشیر' کے بالمقابل 'تنذر' اور 'متقین' کے بالمقابل 'قوما لدا' کے الفاظ آئے ہیں۔ جسسے ظاہر ہے کہ خدا کی نظروں میں 'متقی' قوم دراصل وہی ہے جو آپس میں جھگڑے پیدا نہ کرے اور متحد بن کر رہے۔ اتقا کے اِن معانی کا ثبوت جابجا آگے چلکر آئیگا : تقوٰے کی رائج الوقت تشریح یعنی پرہیزگاری بے معنی اور بے نتیجہ ہے۔ اور قرآن حکیم میں اسکی کوئی سند موجود نہیں۔ اقوام کے بارے میں اسکا اطلاق اور بھی بے معنی ہے۔ اصل کتاب میں ہم نے فی الحال نقلی معنی کر دیئے ہیں۔ لیکن اتقا کے ان معانی کی ایک جھلک صفحہ ۴۴ کی آیہ (۲۳ : ۵۲) میں صاف نظر آتی ہے۔ جہاں مقام خدا کا ڈر اِس بات پر منتج کر دیا گیا ہے کہ انسان اُمّہ واحدہ بنکر رہے : وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝ (۲۳ : ۵۲)۔ کسی آقا (رب) کا سچا ڈر یہی ہے کہ اُسکے غلام آپس میں نہ لڑیں اور نہ کوئی غیور حاکم باہمی جدال کو گوارا کر سکتا ہے۔

Marfat.com

اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہنا کر محض اس لیے آسان کر دیا ہے کہ تم اسکے ذریعے سے خدا سے ڈرنے والوں کو خوش حالی کی خبر دو، اور عرب کی جھگڑالو اور اکھڑ قوم کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔ اور ہم ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ کیا اب تم اُن میں سے کسی کو بھی دیکھ رہے ہو، یا اُن کی بھنبھناہٹ تک بھی سنتے ہو!

آج یہی اللہ سے نڈر اور جھگڑالو قوم جس نے دین کی ہر جزوی بات میں پھوٹ، اور ہر فرع و اصل میں تفرقہ ڈالکر خدائے پاک کے محبوب مذہب کو نہایت بیدردی سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا جس کے شدید کفر و نفاق کی روئداد، رسولؐ خدا کے حین حیات میں ہی قرآن کے قریب قریب ہر ورق پر روز روشن کی طرح ثبت ہے: اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ؕ[۹۱] (۹:۹۷)، جس کے مکر و فریب، جھوٹی قسموں، لنگ عذروں اور منافقانہ دوستیوں سے تنگ آکر علیم و حکیم خدا نے اُن کے عظیم تر حصّے کو قرآنی ہدایت، اور حدودِ خدا پہچاننے کا قطعی نااہل قرار دیا تھا، جس کی کج بحثیوں، بیہودہ سوالوں، اور لغو فرمایشوں کا جواب دیتے دیتے اللہ کا محبوب نبیؐ اپنی جان کو ہلاک کر رہا تھا: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝[۹۲] (۲۶: ۳-۴)، جسکے باہمی جنگ جدل کی سرگذشت، اور آپس کے فتنہ و فساد کی داستان بعثتِ نبیؐ کے بعد بھی، تاریخ عالم کا سُرخ تر اور خونیں تر ورق ہے! آہ! یہی قوم کسریٰ، اور دارا کے سر بفلک ایوانوں میں شکار کھیل کر، بابل اور نینوا، مصر اور کارتھیج کے مٹے ہوئے نشانوں پر گھوڑے دوڑا کر، نمرود اور فرعون کی مغرور کھوپریوں کو لکد کوب کر کے، بالآخر اپنے ظلم کی سزا میں، ذُلّ و مسکنت کے اُنہی خراب آباد صحراؤں میں، ندامت انگیز قناعت کے ساتھ اپنی زندگی کے آخری دن بسر کر رہی ہے جو اس کے

---

[۹۱] یہ جنگلی اور بادیہ نشین لوگ از روئے کفر و نفاق بڑے سخت ہیں اور در حقیقت اس لائق ہیں کہ کتاب خدا کے احکام کی حدود نہ جانیں، اور خدا تو ان کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے اور بڑا صاحب حکمت ہے جو انہی کے ذریعے سے اسلام کا بول بالا کر رہا ہے!

[۹۲] اے پیغمبر! تم تو اُن کے پیچھے اپنی جان بھی ہلاک کر دو گے کہ یہ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ اگر ہم مناسب سمجھیں تو اسی وقت ان لوگوں پر آسمان سے ایسا عذاب بھیجیں جس کے آگے ان کی گردنیں جھک کر رہ جائیں۔

Marfat.com

اصلی ساکن تھے، مگر اللہ کا المناک انتقام افسوس! آج بھی کم ہوتا نظر نہیں آتا، اور یورپ کی حرص سلطنت، جوع الارض، اور حریت کش اقتدار سے انہیں اور بھی ذلیل و پامال کرنا چاہتا ہے!

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ † ○ (۲۸ : ۵۹)

اور اے پیغمبر! یہ تمہارے خدا کا دستور نہیں کہ وہ کسی بستی کو ہلاک کرے جبتک اُسکے اہم اور مرجع خلق حصے میں اپنا پیغامبر نہ بھیج لے جو واضح طور پر ہمارے احکام لوگوں کو سنا دے، اور اسپر بھی ہم بستیوں کو تباہ نہیں کرتے جبتک اُن کے رہنے والے مقررہ حدود سے تجاوز کر کے ہماری اصطلاح میں ظالم نہ ٹھہریں

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ † ○ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ (۶ : ۴۷-۴۸)

اے پیغمبر! اِن سے کہدو کہ کیا تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ اگر عذاب خدا تم پر ناگہاں یا آشکارا آئے تو سوائے ظالم قوم کے کوئی اور بھی ہلاک ہوگا۔ اور پیغمبروں کو تو ہم اسی لیئے بھیجتے ہیں کہ خوش حالی اور عذاب کی دونوں صورتیں پیش کردیں۔ پھر اسکے بعد جو قوم ایمان لے آئی، اور جنہوں نے اپنی حالت کی اصلاح کرلی، اُن کی زندگی بے خوف و خطر ہے!

بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ † ○ (۴۶ : ۳۵)

---

† 'ظلم' اور 'فسق' کی قرآنی اصطلاحیں منجملہ اُن جامع و مانع مصطلحات کے ہیں جن کی تشریح میں ابھی بہت دیر ہے۔ اسی قسم کے چند اور الفاظ (مثلاً ایمان، صلاح، شرک، کفر، اتقا، وغیرہ) اس سے پیشتر گذر چکے ہیں اگر اُن کا صحیح مفہوم بھی معرض التوا میں ڈالدیا تھا۔ سردست جو مقصود ان آیات کے پیش کردینے سے ہے یہ ہے کہ قرآن کے رو سے جو قوم صفحۂ عالم سے نابود ہو رہی ہے، جسکا سیاسی اور اجتماعی اقتدار گھٹ رہا ہے، جو ہلاکت کے قعر عمیق کیطرف بڑھ رہی ہے، وہ شارع کائنات کی نظروں میں بلا لحاظ مذہب و ملت 'ظالم' اور 'فاسق' ہے۔ اجتماعی ہلاکت کا متعارف مفہوم یہی ہے کہ اُس قوم کا سیاسی اقتدار سطح زمین سے محو ہوجائے۔ ورنہ کسی قوم کے تمام افراد کا لغوی معنوں میں ہلاک ہوجانا شرط نہیں اور نہ تاریخ اسکی کوئی مثال پیش کرسکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اجتماعی ہلاکت کا لازمی نتیجہ اکثر اوقات یہی ہوا ہے کہ اُس اُمت کے افراد بھی روئے زمین پر سے محو ہوگئے ہیں حتیٰ کہ اُن کا ایک فرد بھی باقی نہیں رہا، جیسا کہ صفحہ ۹۰ کی آیہ (۱۹ : ۹۸) سے ظاہر ہے مگر یہ ایک تدریجی عمل ہے جو سلب قوت کے صدیوں یا قرنوں بعد تک ہوتا رہتا ہے۔ مسئلہ بقائے 'اصلح' کو پیش نظر رکھکر آیہ (۶ : ۴۸) میں "فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ" کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔ انہی دو آیات یعنی (۶ : ۴۸-۴۸) سے ضمناً یہ بھی ظاہر ہے کہ پیغمبران خدا کی بشارت اور تخویف کی نوعیت کسی قوم کی اجتماعی سلامتی یا اجتماعی ہلاکت ہی ہے۔ اُن کی رسالت کا منشا یہی ہوتا ہے کہ اقوام کو حفظ و بقا کے رستے پر لیجائیں یا نافرمانبرداری کی صورت میں ہلاکت کا اٹل پیغام سنائیں۔ یہ نکتہ نہایت قابل لحاظ ہے کیونکہ اسکی طرف اشارہ جابجا اصل کتاب میں آئیگا۔ بعینہٖ یہی بات آیات (۱۹ : ۹۷-۹۸) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۹۰ کے متن میں آچکی ہیں

Marfat.com

اے لوگو! یہ ایک اہم پیغام تھا جو ہم نے تم کو پونہچا دیا! تو کیا اسکے بعد، فاسق قوم کے سوا اِس دُنیا میں کوئی اور قوم بھی ہلاک ہوسکتی ہے؟ (یعنی وہی ہلاک ہوتی ہے جو ہماری اصطلاح میں 'فاسق' ہو)۔

عرب تخیّل اور اسلامی فلسفے کی اِس مختصر حکایت کے بعد کیا کوئی صاحبِ نظر ایک لمحے کے لیئے بھی اِس طرزِ عمل کا ممنون، اور اِس فلسفۂ خیال کا شرمندۂ احسان ہوسکتا ہے؟ کیا جنّوں کے حالات کُرید کُرید کر بیان کرنا، اُن کے حسب نسب، ذُرّیت، حتّٰی کہ حکمت اور علم ادب† کی تشریحیں کرنا، ملائکہ کو فرضی گروہوں میں تقسیم کرکے اُن کے بے سند اور عجیب و غریب فرائض مقرر کرنا، آسمان و زمین کے آر پار سُرنگیں اور پُل باندھنا، بہشت کی نہروں درختوں اور مقاموں، دوزخ کے طبقوں پُلوں ایندھنوں حتّٰی کہ کلید برداروں اور محافظوں کے نام وضع کرکے، خلقِ خدا میں تذبذب یقین پیدا کرنا ہی عرب کے نزدیک وُہ حیرت انگیز علم لدُنّی تھا جسے احمد مرسل (علیہ الصّلوٰۃ والسلام) حکیم و خبیر خدا کے ہاں سے لایا تھا؟ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۙ (۵۳ : ۲۳)؛ کیا رعد، صراط، صاعقہ، سدرۃ المنتہٰی، کوثر، تسنیم، طُوبیٰ، عِلّیّون، وغیرہ وغیرہ، سیدھے سادے اور مُمثّل الفاظ کی تشریح میں عرب مفسرین کا آسمانوں اور بادلوں، ہواؤں اور عرشِ معلّٰے، خلدِ بریں اور مساکنِ ارواح کی سیریں کرانا اور دینِ متین کو یکسر افسانہ بنا دینا ہی قرآن کے مطالب میں وہ حقیقی تدبّر و تفکّر تھا جس کی خدائے پاک نے

؎ یہ تو نرے نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آبا و اجداد نے اپنی طرف سے رکھ لیئے ہیں، خدا نے تو اِن ناموں کی کوئی سند اُتاری نہیں۔ یہ لوگ تو محض ظنّ پر چلتے ہیں یا جو کچھ دل چاہتا ہے گھڑ لیتے ہیں، حالانکہ ان کو اپنے پروردگار کے ہاں سے کامل ہدایت مل چکی ہے۔

† ابوالشّیص سہل بن ابی غالب خزرجی جو خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں مقبول شاعر تھا اِس بات کا مدعی تھا کہ اُسکو ایک جنیہ نے دودھ پلا کر پالا تھا۔ اُس نے اپنے دعوے کی تصدیق میں ایک کتاب جنّوں کی نسب اور حکمت اور اشعار وغیرہ کے بیان میں لکھی اور خلیفۂ وقت کو خوش کرنیکے لیئے اعلان کیا کہ اُسنے جنّوں کی مخلوق سے امین بن ہارون الرشید کے حق میں بیعت لی ہے۔ یہ کتاب ایک مدّت تک مقبولِ عوام رہی چند اشعار آج بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔

‡ ان الفاظ کی تشریح حتی الوسع اپنے اپنے موقع پر آئے گی۔ اہل عرب نے اِنکے متعلق بے سروپا افسانے بنا لیئے ہیں جن کی کوئی سند نہیں دینِ اسلام اغیار کی نظروں میں آج اِنہی توجیہوں کے باعث تمسخر کا سامان بن رہا ہے۔ 'صَاعِقَہ' کا تمثیلی مفہوم ہم نے صفحہ ۰، پر ظاہر کرنیکی سعی کی ہے عرب نے 'صَاعِقَہ' کو شہاب ثاقب سے گرے ہوئے لوہے کی تلوار یا گرز سمجھ لیا ہے جسکو 'مَلَک' کا فرشتہ اپنے ہاتھ میں لیکر مارتا ہے۔

تاکید کی تھی؟ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝ (۱۷: ۳۶)؎

؎ اور جس بات کا تم کو یقینی علم نہیں اسکے پیچھے نہ ہولیا کرو۔ کیونکہ کان، آنکھ اور قلب سلیم سب سے اِس امر کی پرسش ہوگی کہ اُنکی تجو بات کا تتبع کیوں کیا گیا۔ (علم وہی ہے جو سمع و بصر اور قلب سلیم (عقل) سے براہِ راست حاصل ہو!)

---

† اِس عظیم الشان آیت میں 'علم' کی ایک نہایت حکیمانہ تعریف کردی گئی ہے، اور فیصلہ کردیا ہے کہ شارع کائنات کی نظروں میں 'علم' وہ شئے ہی جو براہ راست سمع اور بصر اور فؤاد کے ذریعے سے حاصل ہو۔ گویا جس شئے کی تصدیق کان، آنکھ، اور ذہن سلیم کریں وہ 'علم' ہی: جو اس کے ماسوا ہے وہ 'ظن' ہے، اور علم کے یقینی مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔ 'فؤاد' کا عام مفہوم عربی زبان میں 'قلب' ہے۔ مگر عرب کے نزدیک 'قلب' ایک وسیع اصطلاح ہے جسکا اطلاق انسان کے اُن اعضائے شریفہ پر ہوتا ہے جو اُس کی فہم و ادراک کے متعلق ہیں۔ اس قول کی تصدیق میں دو مثالیں صفحہ ۲، کی آیت (۲۵: ۳۳) اور اُسی صفحہ کے تحت المتن کی آیت (۱۱: ۱۲۰) میں گذر چکی ہیں اور باقی تصریحات اپنے اپنے موقع پر آئینگی۔ لیکن سورۂ حج کی اِس آیت سے قلب کا مفہوم قطعاً عیاں ہے: اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۝ (۲۲: ۴۶)۔ یعنی کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ اُن کے 'دل' ہوتے جن سے تعقل کرسکتے، یا کان ہوتے کہ بگوش ہوش سُن سکتے۔ اور خدا کی دردناک سزاؤں سے عبرت پکڑتے۔ کیونکہ دراصل آنکھیں تو اندھی نہیں ہوتیں لیکن 'دل' جو سینوں کے اندر ہوتے ہیں اندھے ہوجایا کرتے ہیں"۔ گویا عرب کی اصطلاح میں 'دل' ہی فہم و ادراک کا نشیمن ہے اور اسی کے ذریعے سے سب تعقل ہوتا ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے 'فؤاد' کا زیادہ صحیح ترجمہ 'قلب سلیم' ہے جس میں لامحالہ ذہن بھی داخل ہے۔ اور چونکہ جبتک کسی شئے کو ذہن تسلیم نہ کرلے، دل کے لیئے اسکا تسلیم کرنا غیر ممکن ہے اسلیئے 'ذہن سلیم' ہی 'فؤاد' کا صحیح مفہوم ہوسکتا ہے۔ اِسی 'فؤاد' میں باقی حواس ثلثہ (یعنی لامسہ، ذائقہ اور شامہ) بھی شامل ہیں کیونکہ اُن کی محسوسات کی اطلاع بھی 'سامعہ اور باصرہ کی مانند، ذہن ہی کو ملتی ہے۔ علم کی یہ حیرت انگیز تعریف اِسقدر جامع اور مانع ہے کہ آج مغرب کی تمام حکمت اور عمل کی بنیاد، بلکہ اُن کی تمام تلاش و تفحص کا معیارِ تصدیق یہی سمع و بصر اور قلب سلیم کی شہادت ہے۔ علم کے عظیم الشان قصر کی تعمیر انکے ہاتھوں آج انہی ارکان ثلاثہ کے زور پر ہورہی ہے۔ اُن کی نظروں میں کوئی بات واقع الامر نہیں، کوئی شئے حقیقت کہلائے جانے کی اہل نہیں جبتک کان نے بار بار اسکے واقع الامر ہونے کی گواہی نہ دی ہو، آنکھ نے ہر مرتبہ اُسکو اچھی طرح دیکھ بھال نہ لیا ہو: دل نے بلا عذر اُسکی معقولیت کو نہ مانا ہو۔ یہی اُن کے نزدیک 'علم' ہے۔ اور جو اسکے سوا ہے 'ظن' ہے اور اسلیئے قابل التفات نہیں۔ اِسی سچے معیار کو پیش نہاد بناکر انہوں نے اُن تمام انسانی مکتشفات کو 'علم' کے نام سے موسوم کیا ہے جن کی بنیاد براہ راست تجربے اور مشاہدے پر ہے۔ علم طبعیات، علم ہیئت، علم جر ثقیل، علم حرارت، علم تشریح الابدان، علم جغرافیہ، علم طب وغیرہ وغیرہ انکے نزدیک صحیح معنوں میں علم ہیں۔ فلسفہ، قانون، ادب، صرف و نحو، بلاغت، عروض وغیرہ وغیرہ جن کی اساس قیاس، رائے، یا وضعی اجماع پر ہے، 'علم' کے بلند مقام تک نہیں پہنچ سکتے، اور نہ سمع و بصر اور قلب سلیم کو ان سے کچھ تعلق ہے۔ بیکن (المتوفی ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۶ء) کے مشہور اور عالم انگیز مسئلہ استقرار (۱۰۲۹ھ ۱۶۲۰ء) کی تمام بنیاد 'علم' کی اسی جامع اور مانع تعریف پر ہے۔ اور یہی وہ مسئلہ تھا جس نے مغرب کو ازمنۂ مظلمہ کی جہالت سے نکالکر ایک اقل قلیل مدت میں "نشأۃ الثانیہ" کی حیرت انگیز علمی ترقیوں کیطرف رہنمائی کی تھی!

علم کے صحیح اور ناقابل انکار قرآنی مفہوم کے متعلق اصل کتاب میں ایک طول و طویل بحث بعد میں آئے گی، مگر کتاب کے اِس ابتدائی حصے میں سورۂ بنی اسرائیل کی اِس جلیل القدر آیت کے متعلق یہ سرسری توضیح اسلیئے بھی ضروری ہے کہ قرآن حکیم میں اِس نہی مُہتم یعنی آیہ وَلَا تَقْفُ ..... (۱۷: ۳۶) کو ربانی حکمت کا ایک مستقل جُز قرار دیا گیا ہے، جو بعد کی آیہ: ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ (۱۷: ۳۹)، یعنی "یہ احکام ہیں جو تمہارے پروردگار نے اپنی حکمت کاملہ سے اخذ کرکے تم پر وحی کردیئے ہیں" سے ظاہر ہے۔ اِس حکمت عظمیٰ کے متعلق ایک پرمعنی بحث عنقریب تیسری مجلد میں آئے گی لیکن ہر صاحب نظر قرآن حکیم کی اِس آیہ کبریٰ یعنی (۱۷: ۳۶) کے صحیح مطالب کو پاکر بطور خود سمجھ سکتا ہے کہ آج جن اقوام عالم نے 'علم' اور صحیح 'علم' کو اپنا رہنما

کیا تعویذوں اور گنڈوں، رمل اور جفر، تفاؤل اور حساب جمل سے آیندہ واقعات اور اسرار غیب کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۸۳) بنایا ہے، جنہوں نے قرآن کے اِس اہم حکم کی تعمیل میں اپنے آپ کو لغو اور بے سند، اٹکل پچو اور بے تکی باتوں کا شکار بناکر قوم کی ذہنی اور عملی قوتوں کو تباہ نہیں کیا، وہ آج ترقی کے فلک الافلاک پر کس طرح چڑھ رہے ہیں، اور دوسری قوموں کے بالمقابل کسقدر طاقتور بن چکے ہیں!

لیکن اور اُمتوں سے قطع نظر، خاص مسلمانانِ عالم نے جس حیرت انگیز خوش اعتقادی سے پچھلی چند صدیوں سے عالمِ عُقبیٰ کی جسمانی تصویر اپنے ذہنوں میں جمانے کی بے طرح سعی کی ہے، جو بے سند قصّے بہشت اور دوزخ کی مکانیت کے متعلق اپنے شاعرانہ تخیّل کے بابت گھڑ لیئے ہیں، جو عجیب و غریب خیالی سماں اُن کی فرضی کیفیت کے بارے میں بلا شہادت باندھ لیا ہے (مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ط (۵۳ : ۲۳) صفحہ ۸۲) بجائے خود اُن کے ضعف یقین کی دلیل ہے۔ دنیائے آخرت کی صحیح ماہیت کے متعلق بحث کرنے کا یہ موقع نہیں، مگر باوجود اُس تمثیلی کیفیت کے جو قرآن نے انسانوں ہی کی زبان میں اُس ساعۃ عظمیٰ کے بارے میں جابجا بیان کی ہے جس کا واقع ہونا اٹل ہے، اور باوجود اُس مثالی کیف و حال کے جو بہشت کی بے مثال آسائش، اور دوزخ کی بے مثال تکلیف کے متعلق بار بار ظاہر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو سرورِ کائنات کے اُس مشہور قول کی بھی کچھ وقعت پیش نظر نہیں جس میں بہشت اور دوزخ کی بابت فیصلہ کر دیا ہے کہ "لا عینٌ رأت لا اُذنٌ سمعت ولا خطر علیٰ قلب البشر" یعنی اُسکو کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سُنا، اور نہ اسکا خیال ہی کسی بشر کے قلب پر گذرا ہے"۔ جب حال یہ ہے کہ سمع اور بصر اور فؤاد ان کی صحیح کیفیت تک نہیں پونہچ سکتے، اور اُنکا "علم" حاصل کرنا اُن کے واقع ہونے سے پیشتر محال ہے تو حیرت ہے کہ مسلمان "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ" کے محاکمے کے باوجود کیوں اُن کے پیچھے پڑے ہیں اور فرضی قصّے بنا بناکر اپنے دین کو غیروں کی نظر میں مضحکہ انگیز بنا رہے ہیں۔ عالمِ عُقبیٰ کے بارے میں جو تعلیم اسلام نے دی ہے فقط یہ ہے کہ وہ ہے، اُسکا واقع ہونا یقینی ہے اور بس:

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ (۵۶ : ۱-۳)

اے لوگو! ذرا غور کرو کہ جب وہ کپکپا دینے والا سانحہ واقع ہوگا، اور قیامت جس کے ہونے میں ذرا شک و شبہ بھی نہیں تمہارے سروں پر آموجود ہوگی تو تمہارا کیا ہی خستہ حال ہوگا۔ اُسدن تمہارے اعمال کی حقیقت صاف کھُل جائیگی، بہتیروں کو ابدالآباد تک ذلیل کر دے گی اور بہتیروں کے درجے ہمیشہ کے لیئے بلند کر جائے گی۔

اِس حادثۂ کبریٰ کے واقع ہونے کا ناقابل انکار ثبوت کتاب کے متن میں اپنے موقع پر آئیگا۔ رہی یہ بات کہ وہ کب ہوگا، کہاں اور کیونکر ہوگا، جزا کیا ہوگی سزا کس طرح ہوگی، کیا کیف و حال ہوگا، کیا منظر پیش ہوگا، یہ سب امور انسان کے احاطہ علم سے باہر ہیں کیونکہ سمع و بصر اور فؤاد کے حیّز درک میں آنیکا امکان نہیں رکھتے۔ اِسی بنا پر اُنکے بارے میں بحث کرنا بھی عبث ہے۔ اور نہ قرون اولیٰ میں ان کی کسی ایک شق کے متعلق بحث کرنے کی اجازت تھی۔ سورۂ اعراف میں ہے:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ (۷ : ۱۸۷)

اے پیغمبرؐ! لوگ تمہیں قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ آخر اس سانحہ عظمیٰ کا تھل بیڑا بھی کہیں ہے، کوئی شناخت کرنے کی علامت یا نشان بھی ہے۔ اِن کو کہہ دو کہ اُسکا علم تو صرف میرے خدا ہی کے پاس ہے۔

جو بات نتیجہ خیز ہے یہ ہے کہ اُس "الساعۃ" کے واقع ہونے پر کامل اور علمی یقین ہو، اسکی اہمیت اور صداقت کو پاکر بدن میں کپکپیاں پیدا ہوں۔ دار الجزا کی امید میں سعی و عمل دو چند ہوتا جائے، شوق کا حس بڑھے، خوف کا تکیف ظاہر ہو۔ نہ یہ کہ نادیدہ انعام کے فرضی قصّے گھڑ لیئے جائیں، اُنکو دُہرا دُہرا کر بے اثر، اور سعی و عمل کو کالعدم کر دیا جائے۔ انعام میں قوت تشویق اور سزا میں طاقت تخویف تبھی تک ہے جبتک اُنکی صحیح کیفیت معلوم نہیں، اور ساتھ ہی انکے بہترین یا بدترین ہونے میں کلام نہیں۔ یہی انداز اِس موضوع کے متعلق تمام قرآن عظیم کا ہے مگر افسوس کہ آجکل کے مسلمانوں نے اِس راز کو اکثر نہیں سمجھا۔

ٹوہ لگانا، اور اِس مکر و حیل سے آیاتِ خدا کو کوڑیوں کے مول بیچنا ہی قرآن حکیم کی وہ محیّر العقول حکمت آموزی تھی جس کا دعوٰے حکیم حقیقی نے بار بار کیا تھا؟ کیا صرف و نحو، علومِ لُغت† اور فنونِ بلاغت کو اسلامی دینیات کا جُزلاینجزّٰی قرار دے کر سبع اسابیع‡، حماستین اور مقاماتِ حریری کے صنائع اور بدائع کا مطالعہ کرنا ہی فی الحقیقت "قَوْمٌ یُّؤْمِنُوْنَ" و "قَوْمٌ یُّوْقِنُوْنَ" کے لیے وہ "ھُدًی وَّ بُشْرٰی" اور "ھُدًی وَّ رَحْمَۃٌ"‡ تھی جس کا قرآن میں ملنے کا وعدہ کیا گیا تھا؟ فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝[1] (۵۲: ۲۹-۳۱)؛ کیا قرآن کے پُرحکمت اور پُرمغز قصّوں، تشبیہوں اور مثلوں، سورتوں اور آیتوں کی فرضی اور بے سند تاویلیں بناکر، اللہ کی پاک اور بے عیب کتاب کو سحر اور تکہن، خوارق اور عجائبات کا جامع قرار دینا، انبیاؑ کو عجیب و غریب کرامات کا عامل قرار دیکر اُن کو تماشہ گر اور حقّہ باز سمجھنا ہی اُس تذکیر و اعتبار، اُس تفکّر و تدبّر کے مترادف تھا جس کی تلقین کلام الٰہی نے کی تھی؟ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝[2] (۷: ۱۷۶)،

---

[1] تو اے پیغمبر! تم اپنی نصیحت کیے جاؤ کیونکہ تم اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے نہ تو بازیگر (کاہن) ہو اور نہ سودائی (مجنون)۔ کیا لوگوں نے تمہاری نسبت یہ مشہور کر رکھا ہے کہ محمدؐ تو محض ایک شاعر ہے جس نے اپنے زورِ تخیّل اور شعر و سخن سے ہی چند افراد کو اپنا گرویدہ کر لیا ہے۔ اِس کی پیروی اور اسکی دھکیاں تبھی تک ہیں جبتک وہ زندہ ہے۔ اور ہم تو اِس امر کے منتظر ہیں کہ موت کا حادثہ اسکو آدبوچے اور اس کی سب لن ترانیوں کو ختم کر دے۔ تم اِن سے کہدو کہ بہت اچھا تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں پھر معلوم ہو جائے گا کہ کس کی دھکیاں محض پاور ہوا باتیں نہیں، اور کس کی ہدایت صرف نقش بر آب تھی۔

[2] پس تم ان کو یہ باتیں بیان کرو تاکہ اِن پر غور کرکے مستقل نصیحت اخذ کریں۔

---

† صفحہ ۸۳-۸۴ کے تحت المتن سے ظاہر ہے کہ علم لغت آجکی اصطلاح میں درحقیقت علم نہیں علیٰ ہذا القیاس صرف و نحو یا بلاغت کے فنون۔ اسی لحاظ سے علوم کو دواوین میں گھیرا ہے۔

‡ متاخرین عرب نے اپنے علم ادب میں سے ہر طبقہ شعرا کے سات اعلےٰ پائے کے قصیدوں کو "معلقات" کے انداز پر منتخب کرکے سات حصوں میں منقسم کیا ہے اور اس مجموعے کا نام "سبع اسابیع" رکھا ہے۔ اِن سات حصوں کے نام یہ ہیں: معلقات، مجمہرات، منتقیات، مذہبات، مراثی، مشوبات، ملحمات۔ پہلے تین مجموعوں کی تفصیل صفحہ ۶۳ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ باقی شعرا کے نام یہ ہیں: مذہبات (حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ، مالک بن عجلان، قیس بن خطیم، احیحہ بن جلاح، قیس بن اسلت، عمرو بن امرالقیس)، مراثی (ابوذویب ہذلی، محمد بن کعب، اعشیٰ باہلی، علقمۃ الملطوس، ابوزبید طائی، مالک بن ریب نہشلی، متمم بن نویرہ) مشوبات (کعب بن زہیر، نابغہ جعدہ، قطامی، حطیئہ، تمیم بن مقبل، شماخ، عمرو بن احمر) ملحمات (فرزدق، جریر، اخطل، عبید راعی، ذوالرمّۃ، کمیت بن زید، طرماح)۔

‡ صفحہ ۵۷-۵۸ کے متن کی آیات (۷: ۲۰۳) اور (۵۲: ۷) اور (۲۰: ۱۴۵) کی طرف اشارہ ہے یا (۱۲: ۱۱۱) کی طرف جو آگے آرہی ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ (۱۲ : ۱۱۱)۔ اگر صاحب القرآن عزّ اسمہٗ کی حقیقی غرض و غایت اِسی فلسفے اور اِسی حکمت سے تھی، اگر کتابِ خدا میں بصیرت اور تدبر کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا، اگر غور و فکر اسی نمط پر اسکے حقائق کو بیّن کر سکتا تھا: وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (۱۶ : ۴۴)، اگر یہ عالم افروز اور مبیّن کتاب دنیائے اسلام کو اسی طور پر ظلمت سے نور میں نکال سکتی تھی، نہیں، اگر آیۂ استخلاف کے وعدے کے مطابق یہی ایمان اور یہی اعمال صالحہ ہونے چاہیئے تھے جو عرب اور عجم نے صدیوں اور قرنوں تک ملکر کیئے تو آج کیوں قرآن حکیم کے یہی سچے مترجم، کیوں کتاب مبین کے یہی اصلی مفسّر، یہی پکّے مومن اور صالح العمل اہل عرب†، ایک قلیل سے قلیل زمانے میں، شدید العقاب خدا کے عذاب مہین کے اِس دردناک طریقے پر شکار ہو چکے ہیں کہ خدا کی گز بھر زمین بھی صحیح معنوں میں ان کی وراثت میں نہیں رہی؟

۱؎ بلاشبہ دانا آدمیوں کیلیئے اِن لوگوں کے حالات میں بڑی عبرت ہے اور یہ قرآن کوئی بنائی ہوئی یا جھوٹ بات تو ہے نہیں بلکہ جو کچھ اُسکے سامنے ہے اسکی تصدیق ہے اور فی الحقیقت یہ تو تمام آئینِ جہان کی تفصیل ہے اور اُس قوم کیلیئے جو ایمان داری سے اسکے احکام پر عمل پیرا ہے ہدایت اور رحمت ہے۔ ۲؎ اور ہم نے یہ کتاب نصیحت تم پر اسلیئے اتاری ہے کہ تم اسکے حقائق عالیہ کو اُنپر اچھی طرح عیاں کردو، اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہ بطور خود اسمیں تفکر کریں اور نئے حقائق دریافت کریں۔

---

† اِس آیت کے صحیح مفہوم، اور بالخصوص تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ کے معانی کے متعلق ایک مستقل باب باندھا گیا ہے جو غالباً پانچویں مجلد میں آئیگا۔ ایک اور مستقل بحث اسی ضمن میں عنقریب آنیوالی ہے اسلیئے یہاں پر اِس آیۂ کریمہ کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہم نے الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ کا ایک لفظی ترجمہ کرکے مطالب کو نظر انداز کردیا ہے۔

✤ اِس جگہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ مقاصد قرآن کی غلط اشاعت کا مجرم خاصتہً اہل عرب کو کیوں قرار دیا ہے حالانکہ عباسیہ سلطنت میں علما، ادبا، متکلمین اور مفسرین اکثر عجمی الاصل تھے اور قرآنی مطالب کی نشر و تبلیغ بھی عجمیوں کی وساطت سے ہوئی۔ چنانچہ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں اِس موضوع پر ایک مستقل باب باندھا ہے۔ یہ اعتراض بظاہر وزن دار معلوم ہوتا ہے مگر ادنیٰ تامل کے بعد اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عجمی حکما و فضلا نے قرون عباسیہ میں مقاصد قرآن اور باقی علوم و فنون کی تبلیغ جو کچھ کی سب کی سب عرب روایات اور عرب اثر، عرب تخیل اور عرب حکومت کے ماتحت رہکر کی۔ دینیات کے متعلق تمام علوم کا مرجع و منتہا قرآن تھا اور وہ عربی میں تھا، احادیث کی روایت عربی زبان میں تھی، بحث مباحثے، اسناد اور حوالہ جات سب عربی میں تھے، تصانیف کی زبان عربی تھی، انکے اکثر موضوعات بھی عرب تاریخ، عرب خصوصیات اور اخلاق عرب اعتقادات اور روایات پر یکسر مبنی تھے۔ نہیں بلکہ عجم مصنفین نے قول محال کے اعتبار سے اپنے آپکو عرب میں مدغم کرنیکی سعی اِس شد و مد سے کی تھی کہ صرف تصنیف کو دیکھکر مصنف کی اصل نسل کا پتہ لگانا آج بھی بہت مشکل ہے۔ اِس مقام نظر سے یہ کہنا کہ مقاصد قرآن کی غلط اشاعت کی ذمہ داری عرب پر ہی ہے، حقیقت کے اعتبار سے کچھ غلط نہیں۔ آج ہند کی سرزمین میں انگلستان کی شہنشہی، تمدنی اور اخلاقی روایات کی اکثر نشر و تبلیغ متفرنج ہندیوں کے ہاتھ سے ہو رہی ہے۔ ٹھیٹھ انگریز جو اِس اشاعت میں حصہ لے رہے ہیں مقابلتہً صفر ہیں۔ لیکن باایں ہمہ یہ کہنا کسقدر نادرست ہے کہ ہندوستان کے اخلاقی افلاس اور مادی انحطاط کے مجرم ہندوستانی ہیں، انگریز نہیں۔ حاکم قوم کی حکومت ہی اِس بات کی روشن دلیل ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے انکے ایما بلکہ انہی کے کیئے سے ہو رہا ہے، آلۂ کار خواہ کوئی بھی ہو۔ اِس نقطۂ خیال سے دین متین کو بیجا دھندیان بنا دینے کے مجرم اہل عرب ہی ہیں اور اسی لیئے سزا بھی انہی کو جلد تر ملی۔ لیکن اِس موضوع پر ایک ابتدائی بحث صفحہ ۶۴ کے تحت المتن میں بھی ہو چکی ہے۔

Marfat.com

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ○
إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ○ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ○ (۲۱: ۱۰۵-۱۰۷)

اور ہم زبور میں تمام ضروری تفصیل کے بعد یہ بات قطعی طور پر واضح کر چکے ہیں کہ زمین کے وارث تو ہمارے صالح العمل بندے ہی ہیں۔ درحقیقت اس میں اطاعت گذار قوم کے لیے ایک اہم پیغام ہے۔ اور اے محمدؐ! ہم نے بلاشبہ تم کو سارے جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے تاکہ انہیں قیام و بقا کے سب شیب و فراز سے مطلع کر دو۔ (۶: ۴۸)†

وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ○
فَأَعْرِضْ عَن مَّن تَوَلَّىٰ ۝ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ○ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ ○
وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَىٰ ○ (۵۳: ۲۸-۳۱)‡

---

† صفحہ ۸۱ کی آیات (۶: ۴۷-۴۸) کے تحت المتن میں پیغمبران خدا کی تبشیر و تنذیر کی نوعیت واضح کر دی تھی۔ (۶: ۴۸) میں ہے وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ۔ علی ہذا القیاس یہاں پر وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ہے۔ اس نقطہ نظر سے پیغمبر خدا کے رحمۃ للعالمین ہونے کی کیفیت بھی واضح ہے یعنی یہ کہ دنیا کو اجتماعی ہلاکت کی راہ سے ہٹا کر حفظ و بقا کی راہ پر چلانا ہی وہ پیام رحمت اور بشارت تھی جو وہ لائے تھے۔ اس بنا پر ہم نے یہ توجیہ ترجمے میں داخل کر دی ہے۔ پیغام رسول کو رحمۃ للعالمین ثابت کرنے میں ابھی دیر ہے۔ یہ تمام کتاب اسکی شہادت میں ہے۔

‡ ان آیات الٰہی کے مطالب اور 'علم' و 'ظن' کے صحیح مفہوم کے متعلق صفحہ ۸۳-۸۴ کا تحت المتن پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ یہاں پر دو ایک اہم باتوں کا فیصلہ کر دیا ہے، اولاً یہ کہ 'علم' کے بالمقابل 'ظن' اس دنیا میں کچھ بکار آمد نہیں ہو سکتا: (وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا)۔ یہ حقیقت اسقدر جلیل القدر ہے کہ مسلمانان عالم نے چند صدیوں سے اسپر کافی غور نہیں کیا، اور ظنیات میں پڑ کر قوم کی عملی قوتوں کو بیکار کر رہے ہیں۔ ثانیاً یہ کہ 'علم' کا تتبع کرنا، یا بعبارت اخریٰ اپنی تمام معلومات کی بنا تجربے اور مشاہدے پر قائم کرنا درحقیقت سبیل خدا پر چلنا ہے۔ اور یہی 'ہدایت' کی ایک اہم شق ہے: (ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُم مِّنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَىٰ)۔ ثالثاً یہ کہ تمام انسانی مساعی میں یقینیات کو پیش نظر رکھنا اور 'علم' کو رہنما بنانا گویا 'حسن عمل' کرنا ہے۔ اسی حسن عمل کا نتیجہ زمین و آسمان کے بہترین انعام ہیں جو مسلمانوں کو کئی قرنوں تک بالالتزام ملتے رہے اور جو آج غنی عن العالمین خدا نے ان سے چھین کر ان اقوام کے سپرد کر دیئے ہیں جن کا سعی و عمل ان کو 'علم' کے راہ راست پر لیجا رہا ہے۔

ضمناً ان آیات الٰہی میں 'صلاح عمل' کی ایک اہم شق صاف ہو گئی جس کو آج اس چودھویں صدی کے مسلمان قطعاً بھول گئے ہیں۔

* 'حیاۃ دنیا' کی صحیح تعریف 'عمل' کے عنوان میں آئے گی۔ یہاں ہم نے ایک لگتے ہوئے معنے کر دیئے ہیں مگر انکی قرآنی سند سورۂ آل عمران کی اس آیت سے ظاہر ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ (۳: ۱۳)

لوگو! دنیا کے اس دارالامتحان میں انسان کی نفسانی خواہشوں کو مثلاً بیبیوں اور اولاد سے محبت کرنا، سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں کو جمع کرنا، اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور مکانوں سے دلبستگی رکھنا، بھلا کر کے دکھلایا گیا ہے۔ لوگو! یہی 'حیات دنیا' کی متاع ہے جسکا قیام چند روزہ ہے اور خدا کے نزدیک انسان کی بہترین جائے بازگشت تو ان اشیا کی بے اندازہ محبت سے الگ تھلگ ہو کر اسکے احکام کیطرف رجوع ہونا ہی ہے۔ (وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ)۔

Marfat.com

اِن کو اِس کے متعلق کچھ علم تو ہے نہیں۔ وہ تو نرے ظن اور اٹکل پر چلتے ہیں، اور ظن یقین کے بالمقابل کچھ بکار آمد نہیں ہو سکتا۔ پس اے پیغمبر! جو شخص ہمارے حقیقت نما قرآن (ذِکرِنا) سے روگردانی کرے، اور دنیاوی شغل و اشغال میں مگن رہنے کے سوا اسکو کسی اور بات سے غرض و مطلب نہ ہو، تم اُس سے علیٰحدہ ہو جاؤ۔ اِن کا مبلغ علم یہی کچھ ہے جو وہ ظاہر کر رہے ہیں۔ خدا ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کے دکھائے ہوئے راہ راست سے بھٹک گئے ہیں، اور وہ ان کو بھی اچھی طرح سمجھتا ہے جو راہ ہدایت پر قائم ہیں۔ اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے وہ تو اللہ ہی کا ہے تاکہ اس میں سے بہترین شے حسنِ عمل کرنے والوں کو، اور بدترین عذاب بُرے عمل کرنے والوں کو دے۔ (یہاں ذِکرِنا سے مراد خدا کی یاد قطعاً نہیں بلکہ کتاب خدا ہے والا مطالب مربوط نہیں ہوتے کیونکہ پہلے اور بعد کی آیتوں میں 'علم' کا ذکر ہے اور قرآن کا مجسمہ علم ہونا ثابت ہے (دیکھو صفحہ ۶۴-۶۷) ذِکر بمعنی قرآن کئی جگہ آیا ہے۔ (دیکھو (۱۶:۴۴) و (۱۵:۹) صفحہ ۸۹ و ۹۲ میں)

کیا کلام الٰہی کے یہ ظاہر پرست اور وہم زدہ شارحین اُسکی آیات میں استدلال کرتے وقت اِس حقیقت کو بھول گئے تھے کہ اسلام کی دنیا میں آنے کی تنہا غرض ساکنانِ عالم کو خدا کی عبودیت اور قانون احکم الحاکمین کی اطاعت کی طرف منتقل کرنا ہے، اور اِس بنا پر اسکی تشریحوں میں زمانۂ جاہلیت کے اِن خناسی وساوس اور ظنی واہیات کو پھر دخیل کر دینا اسلامی تعلیم کے سراسر منافی، اور کتابِ خدا کی صریح توہین ہے؟: قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۝ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۝ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ (۲۳: ۶۶-۷۰) [۵۱] کیا قرآن حکیم کو اہلِ عرب کی سخن فہمی، ظاہر آرائی، اور باطل طرازی کی شرم انگیز داستان بناتے وقت اُنھوں نے یہ خیال نہ کیا کہ جب خود قرآن شعر و فصاحت کا مدعی ہی نہیں بلکہ منکر ہے: بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ (۲۱: ۵)، اور اور اہلِ کتاب بھی اپنی آسمانی

---

[۵۱] میری آیتیں تم پر واضح کیجاتی تھیں مگر تم ازروئے غرور قرآن کو قصے کہانیاں اور لغو سمجھکر اپنے گذشتہ اعتقادات کی طرف رجعت فہقری کر جاتے تھے۔ تو کیا ان لوگوں نے ہمارے اس قول عظیم پر غور ہی نہیں کیا، یا کیا انکے پاس کوئی طرفہ شے آئی تھی جو ان کے باپ دادا کے پاس نہیں آئی تھی؟ کیا یہ لوگ اپنے رسولؐ کی راستبازی، حق پروری اور یقین گوئی سے واقف نہ تھے کہ اب اسکی ان خصائص سے منکر ہیں؟ کیا اب آیات خدا کو یوں توڑ مروڑ کر، اور قصے کہانیاں سمجھکر گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ مجنون ہے! وہ تو دنیا کے پاس جو کچھ لایا ہے، حق لایا ہے۔ لیکن افسوس کہ ان میں سے اکثر حق بات ہی سے متنفر ہیں!

[۵۲] ان عربوں نے تو قرآن کو سحر کہنے پر ہی بس نہ کیا بلکہ لگے کہنے کہ یہ تو پریشان خیالات ہیں جو رسول نے اِدھر اُدھر سے اکٹھے کر لیے ہیں، بلکہ رہے یہ جھوٹی جھوٹی باتیں اپنے دل سے بنالی ہیں، بلکہ درحقیقت وہ تو ایک شاعر ہے جو قافیہ بندی اور خیال آرائی میں ماہر ہے! اگر وہ فرستادہ خدا ہے تو ہمارے پاس اگلے نبیوں کی سی کوئی نشانی لاوے۔

† یہ چوتھا موقع ہے کہ قرآن نے بصراحت شعر ہونے سے اعراض کیا ہے۔ پہلے موقعے صفحہ ۶۴، ۷۱، ۷۲ پر گذر چکے ہیں۔

کتابوں کے بارے میں جو اُسی خدائے واحد کی طرف سے ہیں، اور لامحالہ اُسیکا کلام ہیں، فصاحت کا اِدّعا حتماً پیش نہیں کرتے، جب خود اہل اسلام خدا کے تورات کو "مُستبین" کہنے کے باوجود، اُسکے فصیح ہونے کا گمان تک نہیں کرتے: وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝[1] (۳۷: ۱۱۷)، جب خود خدائے عظیم کا آسمانی کتابوں کے بارے میں دعوٰے اُن کی بے مثال ہدایت میں ہے: قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝[2] (۲۸: ۴۹)، تو قرآن کے سطحی محاسن کو اس اعتنا و اہتمام سے دیکھنا اور باطن کو یکسر نظر انداز کر دینا، اُس کی

---

[1] اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو مشرح اور بلیغ فی البیان کتاب دی۔

[2] اے پیغمبرؐ! ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر قرآن اور تورات دونوں کتابیں جھوٹی ہیں اور تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم بھی خدا کے ہاں سے کوئی اور کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے ہدایت میں بہتر ہو۔ پھر میں بھی اسکی پیروی کرنے کو تیار ہوں۔

---

† تورات کے متعلق جو دعاوی قرآن کریم نے کیئے ہیں مفصلہ ذیل حوالوں سے ظاہر ہیں:۔

سورۂ مائدہ میں ہے: اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ (۵: ۴۴)۔ "ہم ہی نے توراۃ کو اتارا، اُسمیں ہدایت اور نور ہے"۔ سورۂ انعام میں ہے: قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ (۶: ۹۲)۔ "ان سے پوچھو کہ وہ کتاب کس نے اتاری تھی جسکو موسیٰؑ لایا تھا اور جو ساکنانِ عالم کے لیئے نور اور ہدایت تھی"۔ اِسی سورۃ میں توراۃ کے متعلق ہے: ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً (۶: ۱۵۵)۔ "تمام خوبیوں پر مشتمل ہے اور تمام اشیاء کی تفصیل ہے اور ہدایت اور رحمت ہے"۔ اگر ان خوبیوں میں ادبی بلاغت اور شاعرانہ فصاحت بھی شامل ہے تو مسلمان کیوں آج اسکو فصیح و بلیغ نہیں کہتے۔ سورۂ اعراف میں الواح موسیٰؑ کے بارے میں ہے: وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ۝ (۷: ۱۵۴)۔ "اور ان الواح کے متن میں ان لوگوں کے لیئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت تھی"۔ سورۂ بنی اسرائیل میں علی ہذا القیاس، وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (۱۷: ۲) یعنی "ہم نے کتاب موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کیلیئے ہدایت بنا دیا ہے"۔ سورۂ قصص میں اسی تورات کے بارے میں بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (۲۸: ۴۳) آیا ہے۔ یعنی "تمام عالم کے لیئے بصیرت اور تدبر کی باتیں ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں"۔ سورۂ سجدہ میں پھر وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (۳۲: ۲۳) آیا ہے۔ سورۂ مومن میں هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ (۴۰: ۵۴) فرمایا ہے، یعنی "دانا اور صاحب عقل لوگوں کے لیے ہدایت اور عبرت ہے"۔ سورۂ احقاف میں امام کا غرّۃ القدر لقب بھی اسی کتاب کے بارے میں آیا ہے وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ (۴۶: ۱۲)۔ سورۂ انبیاء میں ضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۲۱: ۴۸) یعنی متقیوں کیلیئے نور اور عبرت ہے"۔

انجیل کا تعارف ربّ زمین و آسمان نے ان الفاظ میں کرایا ہے:۔

سورۂ آل عمران میں ہے: وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ (۳: ۳)۔ یعنی "اسی نے توراۃ اور انجیل کی الہامی کتابیں بھیجیں جو قرآن سے پیشتر ساکنانِ زمین کے لیئے ہدایت تھیں"۔ سورۂ مائدہ میں ہے: وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۝ (۵: ۴۶) یعنی "اس میں نور اور ہدایت ہے"۔ اور اسی آیت میں وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۵: ۴۶) کے الفاظ ہیں یعنی "خدا سے ڈرنے والوں کے لیئے ہدایت اور نصیحت ہے"۔

قرآن کے متعلق بعض دعاوی اس سے پیشتر اصل کتاب میں آچکے ہیں مگر تقابل کے خیال سے تمام آیات کو یہاں پر جمع کر دیا جاتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے: هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۳: ۱۳۷)۔ یعنی "یہ قرآن ساکنانِ زمین کے لیئے ان کے دستور العمل کی تشریح ہے اور خدا سے ڈرنے والوں کے لیئے ہدایت اور عبرت ہے"۔ سورۂ انعام میں ہے: اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۝ (۶: ۱۱۵)۔ یعنی اسی خدائے پاک نے تمہاری طرف مفصّل کتاب اتاری جسکے بعد کسی تشریح کی گنجایش نہیں ہے"۔ اِسی سورۃ میں کچھ آگے چلکر ہے: وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ (۶: ۱۵۵)

Marfat.com

قدر و قیمت کو بے انتہا کم کرنا اور اسکی حقانیت سے انکار کرنا ہے؟ کیا قرآن میں فلسفیانہ اور فقیہانہ، لغوی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۸۹)، یعنی "اور یہ بھی ایک کتاب ہے جسکو ہم ہی نے اُتارا۔ یہ بھی بڑی برکت پیدا کرنے والی شے ہے، پس اسکے قدم بقدم چلو"۔ اسی آیت سے ذرا آگے ہے: فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ۔(۱۵۸:۶)۔ یعنی "تو جان لو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس واضح دلیل آچکی ہے جو تمہارے لیئے ہدایت اور رحمت ہے"۔ سورہ اعراف میں ہے: وَلَقَدْ جِئْنَٰهُم بِكِتَٰبٍ فَصَّلْنَٰهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۷:۵۲)۔ "اور ہم اُن کے پاس ایک ایسی کتاب لائے ہیں جسکی تفصیل ہم نے اپنے علم سے کردی ہے۔ جو قوم اس پر عمل پیرا ہے اس کے حق میں ہدایت اور رحمت ہے"۔ سورہ یونس میں اسی کتاب کو هُدًى اور رَحْمَةٌ کے سوا مَوْعِظَةٌ اور شِفَآءٌ کہا گیا ہے: يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۔(۱۰:۵۷)۔ یعنی "اے ساکنانِ زمین! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کیطرف سے آخری دستور العمل (مَوْعِظَةٌ) پہنچ چکا ہے، وہ دراصل تمہاری بد باطنیوں اور نفسانی امراض کی شفا ہے، اور جو قوم اسکی صداقت پر ایمان لاکر اسکے احکام پر عمل پیرا ہے اُسکے لیئے ہدایت اور رحمت ہے"۔ سورہ ہود میں کتابِ خدا کی صداقت، موعظت اور عبرت پر زور دیا گیا ہے: وَجَآءَكَ فِى هَٰذِهِ ٱلْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۔(۱۱:۱۲۰)، صفحہ ۷۲ کے تحت المتن میں اس کا ترجمہ گذر چکا ہے۔ سورہ یوسف میں اسی قرآن عظیم کو تفصیل كُلِّ شَىْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۱۲:۱۱۱) کہا گیا ہے جسکی تشریح صفحہ ۸۶ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ سورہ رعد میں اسکو قانونِ خدا کی قطعی سند (حُكْمًا) منشائے احکم الحاکمین کی آخری شہادت (حُكْمٌ)، اور العِلْم کا خطاب دیا گیا ہے: وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَئِنِ ٱتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُم بَعْدَمَا جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ وَلَا وَاقٍ (۱۳:۳۷)۔ یعنی "اور اسیطرح ہم نے اس قرآن عظیم کو عربی زبان میں منشائے ایزدی کی سند بنا کر اتارا ہے اور اگر اے محمدؐ! تو نے اِس علم کے ہوتے ہوئے لوگوں کی خواہشات کا تتبع کیا تو یاد رکھنا کہ خدا کی دردناک سزا سے بچانے والا تیرا کوئی حامی نہوگا"۔ سورہ نحل میں پھر وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۱۶:۶۴) کے الفاظ آئے ہیں۔ اسی سورہ شریفہ میں قرآن کو تِبْيَٰنًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ (۱۶:۸۹) فرمایا ہے جس کے معانی صفحہ ۵۶ کے متن میں گذر چکے ہیں۔ ذرا آگے بڑھ کر پھر اسی کے متعلق هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ (۱۶:۱۰۲) ہے۔ سورہ انبیاء میں ہے: وَهَٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنزَلْنَٰهُ (۲۱:۵۰)۔ "یہ بہت برکت پیدا کرنے والی کتاب ہے جسکو ہم نے اُتارا"۔ سورہ نمل میں دو جگہ بوضاحت تمام یہی مضمون ہے: هُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ (۲۷:۲)، وَإِنَّهُۥ لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ (۲۷:۷۷)۔ سورہ عنکبوت میں کتاب خدا کو ایمان والوں کے لیئے رحمت اور عبرت فرمایا ہے: إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۲۹:۵۱)۔ سورہ لقمان میں هُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِينَ (۳۱:۳) ہے، یعنی حُسنِ عمل کرنے والوں کے لیئے ہدایت اور رحمت ہے"۔ هُدًى وَشِفَآءٌ کے الفاظ سورہ حٰمٓ السجدہ میں پھر آئے ہیں: قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ هُدًى وَشِفَآءٌ (۴۱:۴۴)، یعنی "اے پیغمبر کہہ دو کہ قرآن عظیم اُن لوگوں کے لیئے جو اسکو کتاب خدا تسلیم کرکے اسپر عمل پیرا ہیں ہدایت اور شفا ہے"۔ اور سورہ جاثیہ میں تو قرآن کو تمام عالم کے لیئے بصیرت اور تدبر کا مجسمہ کہکر، عمل پیرا قوم کے لیئے ہدایت کا لازوال مصدر اور رحمت خدا کا بے مثال ذریعہ قرار دیا گیا ہے: هَٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ (۴۵:۲۰)۔ اور سورہ احقاف میں اسکو حُسنِ عمل کرنے والی قوموں کے لیئے قیام و بقا کی بشارت بتا کر ایک عالم کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دی گئی ہے: وَبُشْرَىٰ لِلْمُحْسِنِينَ (۴۶:۱۲)۔ یعنی "حسن عمل کرنے والی قوم کیلئے قیام و بقا کی بشارت ہے"۔ اسی بشارت کی نوعیت کیلئے دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۱۔

یہ تمام آیات قرآنی جو قرآن کے طول و عرض میں مختلف مواقع پر آئی ہیں اور جن کے حیرت انگیز تطابق اور توافق کو دیکھکر کتابِ خدا کا طالب العلم اس کے استقلال کا از خود قائل ہو جاتا ہے، اِس امر کی صریح شہادت ہیں کہ خدا کی نظروں میں تورات، انجیل اور قرآن کی مشترک خوبی اُن کی بے مثال ہدایت میں ہے۔ یہی اُن کا جزوِ اعظم ہے۔ کسی ادبی یا لغوی، سطحی یا رسمی تفوق کا اِن آیات میں ذکر تک نہیں۔ جس شے پر بجا فخر ہے وہ اُن کے نفس موضوع پر ہے، ہدایت اور نور پر ہے، رحمت اور بشارت پر ہے، عبرت اور موعظت پر ہے، برکت اور شفا پر ہے، علم اور بصیرت پر ہے، حکمت اور امامت، تفصیل اور جامعیت پر ہے، استقلال اور کمال پر ہے۔ اسکے ماسوا کسی دوسری شے پر نہیں۔ اور جب توراۃ و انجیل کو قریب قریب اُنہی اوصاف کے ساتھ موصوف

Marfat.com

اور منطقی اجتہاد کرتے وقت اُنہوں نے اِس امر پر غور نہیں کیا کہ اسلام ایک کامل مذہبِ عمل اور کلام الٰہی ایک کامل کتاب شریعت ہے، اور اِس لحاظ سے اِسکے نکات کو حل کرنے یا تکمیل درس کیلئے کسی ناقص فلسفہ، کسی جاہلی نقل وروایت، کسی مصنوعی لُغت†، حتیٰ کہ کسی یقینی اور غیر یقینی حدیث کی بھی

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۹۰) کیا ہے جو قرآن حکیم کے حق میں آئے ہیں اور تمام عالم کو صلائے عام دیدی کہ توراۃ اور قرآن سے بہتر کتاب تو لے آؤ: قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ (۲۸: ۴۹)، تو قرآن کی فصاحت کا وہ مخصوص ادعا جو عرب نے صرف اپنی زبان کی برتری جتلانے کے لیے اپنے دل سے گھڑ لیا ہے اُس وقت تک محض باطل اور بے معنی ہے جبتک کہ توراۃ کی عجمی زبان (یعنی عبرانی) کو بھی اسیقدر فصیح نہ مان لیا جائے لیکن مغرور عرب کو گنگ عجم کے ساتھ یہ ناقابل برداشت رقابت اور شرکت کب گوارا ہو سکتی ہے۔ اور جب یہ منظور نہیں تو اس مہلک تخیل کی تر نہا قرن تک نشر واشاعت کر کے باقی دنیائے اسلام کو کیوں دھوکہ دے رکھا ہے کہ قرآن کی بڑی سے بڑی فضیلت اسکی شاعرانہ بلاغت ہی ہے، اسی پر ایک دنیا مرمٹی تھی، اسی کے جوش اعتقاد میں عرب سرنگوں ہو گیا تھا، عمر بھر کا شاعری سے بیزار انسان دم بخود ہو کر اسلام لے آیا تھا، ایک ایک آیت کی فصاحت پر سب عرب وعجم سر دُھنتے تھے، اُندلس کی چوٹیاں فرش جبیں ہو گئی تھیں، کسریٰ کا تخت ہل گیا تھا۔ اگر حال یہی تھا تو قرآن آج بھی موجود ہے۔ اسمیں ایک حرف کے برابر تغیر و تبدل نہیں ہوا۔ آج اسکی بلاغت کو دیکھکر ان اہل عرب کے کانوں پر جوں تک کیوں نہیں رینگتی۔ آج وہ کیوں اپنی بے حمیتی کے جوش میں مکے اور مدینے کو، قرآن اور اسلام کو غیر کے ہاتھوں بیچ رہے ہیں اور ٹس سے مس تک نہیں ہوتے!

قرآن کی کل کائنات میں سے دیکھ اگر کوئی آیت ہی جس کی بنا پر اسکی شاعرانہ فصاحت کا دعوےٰ چند لمحوں کیلئے کھڑا ہو سکتا ہے تو وہ ذیل کے الفاظ ہیں جنکو توڑ مروڑ کر حسب حال کر لینا نسبتاً آسان ہے: وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (۱۶: ۱۰۳)، "اور ہم خوب جانتے ہیں کہ کٹ حجتی لوگ افواہیں اُڑاتے پھرتے ہیں کہ محمدؐ کو یہ قرآن عظیم ایک چلتا پرزہ انسان سکھلاتا ہے عجب احمقیت ہے کہ جس شخص کیطرف سکھانے کی نسبت کرتے ہیں اُسکی زبان تو عجمی ہو، اور یہ قرآن شستہ اور سلیس عربی زبان ہو" یہاں زیادہ سے زیادہ نتیجہ جو ایک سلیم العقل شخص نکال سکتا ہے یہ ہے کہ قرآن کی زبان اسقدر صاف ابستھری ہے کہ کم از کم کوئی عجمی یا غیر عرب شخص اسکی نقل نہیں کر سکتا۔ اس سے زیادہ نتیجہ نکالنا حتماً ناروا ہے۔ نہیں بلکہ اس آیت سے صاف اس امر کا امکان باقی رہتا ہے کہ کوئی عرب اہل زبان قرآن کی عبارت کی نقل اُسی سلاست سے کر سکے۔ اگرچہ عجمی کے حیز امکان سے یہ بات قطعاً خارج ہے جب ایسی سلیس عبارت کا مثیل پیدا کر لینا اعجمی کی استطاعت سے باہر ہے تو یہ کہ ایک عربی الاصل شخص کی استطاعت سے بھی باہر سمجھنا بیجا اور غلط ہے۔ اگر یہی بات تھی تو عجمی اور عربی میں تفریق کرنیکی کیا ضرورت تھی، صرف کہہ دیا ہوتا کہ وہ تو محض ایک انسان ہے اور یہ قرآن ایسی شستہ زبان ہے کہ ابن آدم سے اسکا مثل پیدا ہونا محال ہے۔ میرے خیال میں یہ آیت بجائے خود اس امر کی روشن دلیل ہے کہ قرآن کی بے مثال فضیلت کم از کم اسکی عبارت آرائی اور لفظی فصاحت نہیں۔

† 'علم لغت' پر پہلی کتاب جیسا کہ صفحہ ۴۷ کے تحت المتن میں ظاہر کر دیا گیا ہے تیسری صدی ہجری کے اوائل میں تیار ہوئی۔ یہ خصوصیت صرف عربی زبان تک محدود نہیں بلکہ ہر زبان کا یہی رویہ رہا ہے کہ اسکی لغت صدیوں اور قرنوں بعد میں مدون ہوتی رہی ہے۔ جب جب کسی زبان کو روئے زمین پر استقلال حاصل ہوتا گیا، لوگوں نے اُسکے الفاظ کو لیکر رائج الوقت معانی کو مرتب کر دیا۔ اور اُس خاص زمانے کو مدنظر رکھکر ایک لغت تیار کر لی۔ لیکن کسی زبان کے معانی الفاظ کی تاریخ بجائے خود ایک انقلابی داستان ہے اور حیات قومی کے ارتقا، بقا و فنا سے اُسکا ایک نہایت گہرا تعلق ہے۔ لوگ زمانے کی چلن کے مطابق الفاظ کو لیکر اُسکے حسب مطلب معانی وضع کر لیتے ہیں، پھر جوں جوں محسوسات اور اعمال میں تغیر ہوتا جاتا ہے، معانی بدلتے جاتے ہیں۔ اس مقام نظر سے کسی زمانے کی بنائی ہوئی لغت صرف اُسی زمانے کے مروجہ معانی کی سند ہو سکتی ہے، ماقبل اور مابعد کے مطالب میں اسکو چنداں حکم نہیں ٹھیرایا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زبان میں الفاظ کی ایک تعداد کثیر ہر زمانے میں موجود رہتی ہے جن کے مفہوم کی اصلیت بگڑ بگڑ کر زائل ہو چکتی ہے کچھ نامکمل تشریح سے، کچھ غلط رواج سے، کچھ عادت کے انجمادی اثر سے، کچھ صورت کے معنوی فساد سے الفاظ کا صحیح اور اساسی مفہوم محرف

ضرورت نہیں: اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ (۵: ۵۰)؛ کیا وہ اس قانون جلیل کو

---

۵۰ تو کیا یہ لوگ زمانۂ جاہلیت کا حکم (یعنی سند) چاہتے ہیں لیکن اس قوم کے لیے جسکو قرآن کی حقانیت پر کامل یقین ہو اللہ سے بہتر حکم (سند) کسکا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۱) ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ بسا اوقات مرور وقت کے باعث اسکا اعتراف کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ ہر زبان میں اس قسم کے الفاظ کی صدہا مثالیں موجود ہیں جنکے اعادے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ لیکن خاص قرآن کی لغت کے اندر جو معنوی انقلاب استداد عہد کے باعث وقتاً فوقتاً ہوتا رہا ہے مسلمانوں کی حیات کے ہبوط کی بہترین مثال ہے۔ 'ایمان'، 'شرک'، 'عبادت'، 'کفر'، 'صلاح'، 'تقویٰ'، 'ہدایت'، 'ظلم'، 'فسق' وغیرہ وغیرہ بیسیوں الفاظ قرآن میں موجود ہیں جنکے مطالب جزءً یا کلیۃً مسخ ہو چکے ہیں۔ اُن کا اصلی تکیف دل حتماً محو ہو گیا ہے۔ ایمان آج کسی رسمی کلموں کو دُہرانے کا نام بنا ہوا ہے، عبادت دو چار رسمی سجدوں تک محدود ہو گئی ہے، اصلاح کے کوئی مستقل معانی نہیں رہے، تقویٰ پرہیزگاری کی بے معنی اصطلاح کے مرادف بن گیا ہے، ہدایت کا صحیح مفہوم ذہنوں سے قطعاً نکل چکا ہے وغیرہ وغیرہ۔ کوئی انسان کی بنائی ہوئی لغت ان الٰہی مصطلحات کے صحیح مفہوم کو ادا نہیں کر سکتی۔ قرآن حکیم نے اول مرتبہ ان الفاظ کو زبان عرب سے لیا، اور ہر لفظ کے متعلق ایک مستقل مفہوم مدنظر رکھکر اپنی لغت وضع کی، پھر اس مفہوم کی تلقین رسول خدا سے تیئیس برس میں براہِ راست کرا کر ایک خاص ماحول پیدا کیا۔ جوں جوں اس ماحول کا اثر ناپید ہوتا گیا معانی بدلتے گئے۔ مگر ان الفاظ کا الٰہی اور نبوی مفہوم اب تک قرآن کے اندر موجود ہے بشرطیکہ انسان اُسکے دریافت کرنے کی سعی گوارا کر سکے۔ اِنہی معانی میں کتاب خدا تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (۱۶: ۸۹) اور تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ (۱۲: ۱۱۱)، اور فَصَّلْنٰهُ عَلٰي عِلْمٍ (۷: ۵۲)، اور اَلْكِتٰبَ مُفَصَّلًا (۶: ۱۱۵)† ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے وہ سب تغیر پذیر اور موضوعی لغات سے بے نیاز ہے۔ اِس حقیقت کبریٰ کا ناقابل انکار ثبوت کتاب کی آیندہ مجلدات میں پیش کر دیا جائے گا۔ یہاں پر مدعا صرف نفس دعوے کی تعیین ہے۔ یہ معانی کے لحاظ سے سب انسانی لغات سے بے نیاز ہونا، اور اپنے دائرے کے اندر ایک محکم اور مبسوط، مفصل اور مکمل، مشرح اور ناتغیر پذیر کتاب ہونا ہی قرآن کے انسانی تصرف سے محفوظ ہونے کی دلیل ہے اور اسی لیے اس کی شان میں کہا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (۱۵: ۹)

لوگو! ہم ہی نے اِس قرآن عظیم کو تم پر اتارا اور ہم ہی باوجود تمہاری سب جدت پسندی اور تغیر آرائی کے اِس کے ظاہر اور باطن کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اسکے مطالب کو روئے زمین پر سے نابود ہونے سے محفوظ رکھیں گے۔

لوگ قرآن کے متعلق جو تشریح چاہیں بنالیں، اس کی آیات کو توڑ مروڑ کر جو مطلب چاہیں نکال لیں، تاویل کے انبار کے انبار لگا دیں یا مکر کے طومار بکھیر دیں۔ مگر ان کے صحیح اور واحد معانی خود قرآن کے اندر موجود اور محفوظ ہیں، ایک ایک لفظ کی مکمل اور مفصل شرح اپنی اوراق کے اندر ہے۔ قرآن کا ایک حصہ دوسرے حصے کی اور ایک جزو دوسرے جزو کی نمایاں تائید اور کامل تفسیر کر رہا ہے۔ نہ اس کو کسی فلسفے کی ضرورت ہے، نہ حکمت کی، نہ لغت اور نہ حدیث کی۔ وقت، حالت، موقع، زمانہ، مصلحت وغیرہ وغیرہ کا اسکے مطالب پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اِسکے کلمات صدق اور عدل پر ختم ہو چکے ہیں: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۔ (۶: ۱۱۶)†، اب اِن کے معانی کو، ان کے الٰہی مقاصد کو کوئی خارجی طاقت بدل نہیں سکتی کیونکہ خدا خود اس کا محافظ ہے۔ اُسی نے اسکو اسقدر مفصل اور مکمل کر دیا ہے کہ اب اِس کے الفاظ کے علاوہ مطالب بھی ابدالآباد تک محفوظ ہیں۔ انسان کا یارا نہیں کہ مکر و تاویل سے یا قیاس و رائے سے ان میں تبدیلی پیدا کر کے خدا کو اپنا ہم آہنگ کر سکے!

اللہ اللہ! کتاب خدا کے جامع اور مکمل ہونے پر ایک وقت وہ کاشف غطا یقین تھا کہ روئے زمین کا ہادیٔ اعظم اور سالار انبیاء وفات سے چار دن پہلے بیہوشی کے عالم میں قلم دوات اور کاغذ طلب فرماتا ہے کہ ایک تحریر لکھدے جسکے بعد اُمت گمراہ نہ ہونے پائے۔ لیکن عرب کی اُس بہترین اُمت کا وہ اولوالعزم اُمتی عمرؓ اِس فرمایش کو سنکر ذرا نہیں گھبراتا اور اطمینان قلب کے ساتھ کہدیتا ہے کہ ختم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو درد کی شدت ہے جس کی وجہ سے بے ربط باتیں کر رہے ہیں ورنہ کتاب خدا تو ہمارے لیے ابدالآباد تک کافی ہے، اب ہمیں کچھ شے بڑھانے کی نہیں رہی!

† اِن آیات کے مطالب اور سلسلے کیلئے دیکھو بالترتیب صفحہ ۵۶ و صفحہ ۸۶ و صفحہ ۵۸ و صفحہ ۹۳۔ ‡ دیکھو صفحہ ۹۳ آیہ (۶: ۱۱۶)

Marfat.com

منجانب اللہ اور مکمل یقین کرتے ہوئے اِس نتیجے پر نہیں پونہچ سکتے تھے کہ اسلام کے حقیقی محافظ نے قرآن کی آیاتِ بینات میں مسلمانوں کی حالتِ ضعف کا اُن کے عہدِ قوت کا، اُن کے وقت جنگ کا، اُنکے خوف و حُزن کا، ان کے دَورِ امن کا، ان کے انفرادی مقام اور اجتماعی حیثیات کا، الغرض ان کی دائمی بہبودی کا کامل دستور العمل جمع کر دیا ہے؟ کیا امن اور تہذیب، اجتماعی تقدم اور علم، تغلب اور تمکن، قضا اور قانون کا لائحہ عمل ڈھونڈتے وقت وہ اُن قطعی اور عام احکام کو پیش نظر نہیں رکھتے تھے جو مسلمانوں کو ہر ممکن حالت میں صراطِ مستقیم دکھانے کیلئے کافی تھے، اور جن میں شارع اسلام نے صاف صاف فرما دیا تھا کہ اللہ کا طریقہ معلوم کرنیکے لیئے کلام الٰہی کی حکمت اور موعظت یکسر کافی ہے، بلکہ دینی اور دنیاوی سب معاملات کی بہترین حکم خدائے عظیم کی یہی مفصّل اور جامع و مانع کتاب ہے!

أَفَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ أَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُوْنَ ○ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ † ○ (۶: ۱۱۵-۱۱۸)

---

† ان آیاتِ الٰہی کے مطالب کی تشریح کا ایک حصہ صفحہ ۹۲ کے تحت المتن میں گذر چکا ہے۔ یہاں پر ایک دو باتیں جو نہایت قابل غور ہیں بیان کر دیجاتی ہیں:
اولاً 'یَعْلَمُوْنَ' (۶: ۱۱۵) اور 'السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ' (۶: ۱۱۶) اور 'اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ' (۶: ۱۱۷) اور 'اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ' (۶: ۱۱۸) کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہاں پر قرآن حکیم کی فضیلت 'علم' بتلائی گئی ہے اور دعویٰ کیا گیا ہے کہ جو لوگ فی الحقیقت اس کتاب عظیم کا 'علم' رکھتے ہیں انکو یقین ہو چکا ہے کہ یہ کتاب اُس 'السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ' یعنی بڑے سمع رکھنے والے اور بڑے علم والے کے ہاں سے اُتری ہے۔ (۶: ۱۱۵) میں قرآن کے مفصّل اور مصدر علم ہونیکا دعویٰ ہے تو (۶: ۱۱۶) میں اسکے مکمل اور ناقابل بدل، صادق اور عادل ہونے کا ادعا ہے۔ (۶: ۱۱۷) میں کہا گیا ہے کہ اس کتاب کا بتایا ہوا دستور العمل ہی 'سبیل خدا' ہے اسلیئے کہ صحیح 'علم' پر مبنی ہے۔ اور جو شے اس علم کے مخالف یا ماسوا ہے 'ظن' ہے۔ مگر ہی یہی ہے کہ اس لائحہ عمل سے پرے ہٹا جائے اور اس علم کو نظر انداز کر دیا جائے۔ 'ہدایت' یہ ہے کہ اس خزینۂ علم کو مستقل دستور العمل بنا لیا جائے۔

اِن نکات کو پیش نظر رکھکر (۶: ۱۱۷) اور (۶: ۱۱۸) کے مطالب کا تطابق صفحہ ۸۷ کے متن کی آیات (۵۳: ۲۸) اور (۵۳: ۳۰) سے ظاہر ہے۔ اور 'سبیل' کے معانی عیاں ہو جاتے ہیں۔ گویا 'سبیل خدا' وہ ہے جو 'علم' سے حاصل ہو اور چونکہ 'علم' سمع و بصر اور فواد سے حاصل ہوتا ہے اس لیئے جو شے 'مشاہدے اور تجربے' سے حاصل ہو وہ سبیل خدا ہے۔ 'السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ' خدا کا بھیجا ہوا کلام بھی علیٰ ہذا القیاس 'علم' ہے۔ اور اس پر چلنا بھی سبیل خدا پر چلنا ہے۔

Marfat.com

تو کیا یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میں (یعنی رسولؐ) ماسوا خدا کے کوئی اور حَکَم تلاش کروں، اور تمہارے معاملات کا قرآن کے ماسوا کسی اور کتاب کے مطابق فیصلہ کیا کروں، حالانکہ اُس خدا نے تمہاری طرف مشرح اور مبسوط کتاب بھیجی جسمیں ہر طرح کی تفصیل موجود ہے۔ اور جن لوگوں کے لیئے درحقیقت ہم نے یہ کتاب بھیجی ہے وہ تو خوب جانتے ہیں کہ یہ خدا ہی کی طرف سے ہے، اور حقائق عالیہ سے پُر ہے۔ تو اے پیغمبر! ان کے لغو اعتراضات کو سُن کر اس کتاب کے مفصّل اور کامل ہونے میں کہیں شک نہ کرنا۔ تمہارے پروردگار کے سب کلمات اس کتاب میں صدق و عدل پر ختم ہو گئے ہیں، اب کچھ بات کہنے کے لائق نہیں رہی، اور نہ اس کے کلمات کے صدق و عدل کو کوئی خارجی طاقت ہی بدل سکتی ہے، اور وہ خدائے عظیم انسانی ضروریات کو بڑا سمجھنے والا اور آئندہ احوال کا بڑا علم رکھنے والا ہے۔ اور اے پیغمبر! اگر تو اس کتاب خدا کو چھوڑ کر اکثر اُن کی جو زمین میں بستے ہیں، پیروی کرے گا تو وہ تم کو خدا کے راہ راست سے بھٹکا دیں گے۔ یہ لوگ تو محض ظنیات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں، علم و یقین کا ان میں نام تک نہیں۔ تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اسکے دکھائے ہوئے رستے سے بھٹک رہا ہے اور کون صراط مستقیم پر ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۡ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (۲۹: ۵۰-۵۲)

---

† ان آیات الٰہی میں معترضین کی اس فرمایش کو کہ رسول خدا پر نشانیاں (یعنی معجزے) اُترنے چاہیئے تھے، مسترد کر دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ معجزے خدا کے پاس ہیں، اور رسولؐ تو تم کو اجتماعی ہلاکت سے ڈرانے کیلئے آئے ہیں۔ تماشہ دکھلانیکے لیئے نہیں آئے۔ آگے چلکر فرمایا ہے کہ یہ قرآن عظیم بذات خود ایک آیت الٰہی (معجزہ) ہے کیونکہ لوگوں کے پاس اجتماعی بقا اور امن کی بشارت (رَحْمَةً) لیکر آیا ہے اور اسکے ذریعے سے مستقل عبرت (ذِكْرٰى) حاصل ہوتی ہے۔ کیا یہ معجزہ کم ہے کہ تمہارے پاس ایک شخص ایسی جلیل القدر ذات کا کلام لائے جو آسمان و زمین کا کامل علم رکھتا ہو (يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) گویا یہاں پر بھی قرآن کی فضیلت 'علم' بتلائی گئی ہے اور اسی لحاظ سے اسکو تمام معجزوں سے برتر قرار دیا گیا ہے۔ جو نادان قرآن کو معجزہ اسلیئے قرار دیتے ہیں کہ اسکی شاعری اور فصاحت بیمثال ہے ان کے لیئے یہ آیات ازبس قابل غور ہیں۔ یہ نکتہ اور بھی واضح اسوقت ہو جاتا ہے جب ان آیات سے پیشتر کی آیت یعنی بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ (۲۹: ۴۹) کو پیش نظر رکھا جائے۔ جہاں صاف طور پر فرمایا گیا ہے کہ "یہ قرآن عظیم صاحب علم لوگوں کے سینوں میں روشن اور ناقابل انکار آیات (احکام) کا مجموعہ ہے"۔

ان آیات کا آخری حصہ یعنی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (۲۹: ۵۲) بھی نہایت قابل غور ہے۔ یہاں پر معجزات پر ایک نہایت خفیف اور معنی خیز چوٹ کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ معجزات کو دیکھ سُنکر کسی کو رسول خدا ماننا فی الحقیقت ایک ناپائدار اور غیر قائم ظنی اور وہمی باتوں پر ایمان لانا ہے۔ اسمیں کلام نہیں کہ بڑے سے بڑے معجزے کا اثر بھی مقامی اور وقتی ہی ہوتا ہے اور کچھ مدت کے بعد زائل اور باطل ہو جاتا ہے۔ یہاں پر

Marfat.com

اور یہ جو عرب لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس شخص پر اپنے پروردگار کیطرف سے عجیب و غریب نشانیاں کیوں نہیں اُتریں تو اے پیغمبر! اِن سے کہدو کہ معجزے تو خدا ہی کے پاس، اور اُسی کے دست قدرت میں ہیں، اور میں تو صرف ایک عمنے اب خدا سے ڈرانے والا اور احکام کو کھلے طور پر بیان کر دینے والا ہوں۔ کیا ان لوگوں کے لیئے یہ بات کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اُتاری جو انپر واضح کر دیجاتی ہے، اور جسمیں اُس قوم کے لیئے جو اسکے حقائق عالیہ پر ایمان رکھتی ہو، رحمت اور نصیحت ہے۔ اِن سے کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ بس ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کی سب باتوں کا علم رکھتا ہے، اور جو لوگ ظنی اوہمی، باطل اور غیر یقینی باتوں پر اعتقاد رکھتے ہیں اور خدا کے نافرمان ہیں وہی بالآخر گھاٹے میں رہیں گے۔

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ † الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ○ (۱۶ : ۱۲۵)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۴) معجزات کی ماہیت سے بحث کرنے کا مقام نہیں اور نہ اُن کے وجود سے انکار کرنا اس کتاب کا منتہائے نظر ہے۔ یہ بحث غالباً تیسری جلد میں نہایت شرح و بسط سے کیجائے گی اور بتایا جائے گا کہ قرآن عظیم کسقدر کم از کم اپنے عہد نزول میں، معجزوں کو غیر ضروری گردانتا ہے اور اپنی صداقت کا تمام اتکا اپنے علم اور حکمت کو قرار دیتا ہے۔ مگر سردست یہ ظاہر ہے کہ خدا کو جو رسول اور عوام کے درمیان گواہ ٹھیرایا گیا ہے: (قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا) اس سے مقصود یہی ہے کہ یہ کتاب جو اُن کے سامنے ہے مخزن علم ہے اور اُس ذات پاک کی اُتاری ہوئی ہے جو آسمانوں اور زمین کا علم رکھتا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ ہے: (قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (۲۵ : ۶)) یعنی اے پیغمبر! اعلان کر دو کہ اس کتاب کو اس پاک ذات اور عالی تبار خدا نے اُتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھید کا علم رکھتا ہے!" گویا کہا گیا ہے کہ اس کتاب کو بطور خود جانچ تول کر دیکھ لو اگر اس میں وہ علم اور حکمت موجود ہے جو تم کسی خدا کی بنائی ہوئی کتاب میں ہونے کے متوقع ہو تو اسکو مان لو، ورنہ رد کر دو۔ یہی میری صداقت کی دلیل ہے۔ میں معجزوں سے اپنے آپ کو منوانا نہیں چاہتا۔ اور جو لوگ صرف معجزوں کے ذریعے سے کسی کی سچائی کو آزمانا چاہتے ہیں اور نفس پیغام کو نہیں دیکھتے، یا جو سرے سے خدا کے منکر ہیں اُنہی کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ ہر کس و ناکس کچھ نہ کچھ خرق عادت باتیں دکھلا سکتا ہے یا دعا کر سکتا ہے کہ یہ بجلی میری وجہ سے گری، یہ قحط میری بددعا سے پڑا وغیرہ وغیرہ۔

آج چونکہ مسلمانانِ عالم نے قرآن کو اس نظر سے دیکھنا چھوڑ دیا ہے اور علم و مشاہدے کو چھوڑ کر باطل اور بے حقیقت باتوں پر ایمان لائے ہوئے ہیں اسی وجہ سے وہ گھاٹے میں ہیں (أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ) اور اسوقت تک رہیں گے جبتک حقیقت کو اپنا رہنما نہ بنائینگے۔

† کلام خدا کو بار بار "الحکمۃ" کہا گیا ہے جیسا کہ صفحہ ۴۰ کے تحت المتن کی آیات (۲ : ۱۶۲)، (۲ : ۱۵۱)، (۲ : ۱۲۹) اور (۴ : ۱۱۳) سے ظاہر ہے قرآن کے لیئے "موعظۃ" کا لقب بھی نہیں بدآیا ہے جیسا کہ صفحہ ۹۰۰ کے تحت المتن کی آیات (۳ : ۱۳۸)، (۱۰ : ۵۷) اور (۱۱ : ۱۲۰) سے ظاہر ہے۔ پس بنا پر آیت کے مطالب صاف ہیں یعنی لوگوں کو اس قرآن ہی کے دستور العمل کی طرف بلاؤ۔ کیونکہ خزینۂ علم و حکمت ہونیکے باعث سبیل رب یہی ہے۔ ماقبل کی آیات (۱۶ : ۱۲۴ - ۱۲۵) سے اِن مطالب کا تطابق بھی ظاہر ہے۔ جن لوگوں نے اِس آیہ شریفہ کے یہ معانی سمجھے ہیں کہ عوام کو حکمت (یعنی دانشمندی) سے، اور اچھی اچھی نصیحتیں کر کے اپنے پروردگار کی طرف بلایا کرو، وہ ایک سطحی، لایعنی اور غیر متعین بات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اور اصلیت کو پہنچنے کی سعی نہیں کرتے۔ ان کا مقصود صرف "جَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" کے الفاظ سے پورا ہو سکتا تھا۔ پھر تکرار کی ضرورت کیا تھی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن مصدر علم و یقین ہے۔ پس اسی کو بنیاد قرار دیکر سبیل خدا کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ یہ علم و یقین کیطرف رہنمائی کرنا ہی سبیل خدا پر چلانا ہے۔ دیکھو تحت المتن ‡ صفحہ ۸۰ و ۹۳۔

Marfat.com

اے پیغمبر! اپنے پروردگار کے راہ راست کی طرف لوگوں کو اس قرآن ہی کے ذریعے سے بلایا کرو، کیونکہ یہی حکمت کاملہ اور موعظہ حسنہ ہے۔ اور اگر ان کے ساتھ اس کے متعلق کوئی بحث چھڑ جائے تو نہایت پسندیدہ طور پر اور نرمی سے کرو۔ پھر اس کے بعد جو اُسکے دکھائے ہوئے راہ راست سے بھٹک گیا، اور جو ہدایت پاگیا اُن سے خدا ہی بہتر واقف ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ † ○ (۵ : ۴۵)

اور جو لوگ ہر اہم معاملے میں کلام اللہ کو حَکَم نہیں ٹھیراتے وہی 'ظالم' ہیں۔ (اور ہلاکت کے مستوجب دیکھو صفحہ ۸۱۔ آیات (۲۸ : ۵۹)، (۶ : ۴۷-۴۸))

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ † ○ (۵ : ۴۷)

اور جو لوگ ہر دو رس معاملے میں قرآن سے اخذ نتائج نہیں کرتے وہی 'فاسق' ہیں۔ (اور ہلاکت کے اہل (۴۶ : ۳۵) دیکھو صفحہ ۸۱۔ اور تحت المتن صفحہ ۸)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ † ○ (۵ : ۴۴)

اور جو لوگ ہر معاملے کے متعلق کتاب خدا کو حَکَم نہیں ٹھیراتے وہی منکر خدا ہیں۔ اور اجتماعی ہلاکت کے اہل۔

آج قانونِ اُمم کی یہ مُفصّل کتاب، یہ سُنّت خدا کا ناممکن البدل، مرقّع، یہ الٰہی محکمہ، قضا و قدر، یہ علمی معجزات، کا سحرستان جلال‡ انسان کی قرنہا قرن کی باطل آرائی، طرفہ اندیشی، اور عجائب نوازی کے بعد

---

† اِن تینوں آیتوں میں 'کفر'، 'ظلم' اور 'فسق' کے الفاظ ایک ہی موضوع کے متعلق استعمال کیے گئے ہیں۔ قرآن کی لُغت میں یہ تینوں اصطلاحیں اسقدر خوفناک اور لرزہ انگیز ہیں کہ کسی قوم پر ان کا خدائی اطلاق اسکو انتہائی سزا کا مستوجب یکسر قرار دیتا ہے۔ صفحہ ۸۱ کے متن میں کتاب خدا کا محاکمہ 'ظالم' اور 'فاسق' اقوام کے بارے میں پیش کر دیا گیا تھا، اور وہ یہ تھا کہ ایسی قوموں کی ہلاکت روئے زمین پر یقینی ہے، دیکھو آیات (۲۸ : ۵۹)، (۶ : ۴۷)، (۴۶ : ۳۵)۔ یہی بات آیات لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۔ (۱۴ : ۱۳-۱۴) سے بھی ظاہر ہے جو صفحہ ۴۳ کے متن میں آچکی ہیں۔ 'کافر' قوم کے متعلق یہی محاکمہ قرآن میں جا بجا موجود ہے؛ سورۂ مومن میں ہے: فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (۴۰ : ۲۲)، یعنی "پھر انہوں نے کفر کیا تو خدا نے بھی اُن کو دھر پکڑا۔ اور یکسر ہلاک کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ وہ خدا بڑا طاقتور اور شدید العقاب ہے۔" گویا کفر اور اجتماعی ہلاکت آپس میں توأم ہیں۔

سورۂ سبا میں سیل عرم کی ہلاکت کے بعد ہے: ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝ (۳۴ : ۱۷) "یہ تھی سزا جو ہم نے اُن کو کفر کی پاداش میں دی، اور کیا سوائے کافر قوموں کے ہم کسی اور کو بھی ایسا بدلہ دیتے ہیں" یعنی نہیں دیتے، گویا ظاہر ہے کہ کافر قوم کی ہلاکت بھی روئے زمین پر یقینی ہے۔ اِس نصّی شہادت کی بنا پر ہم نے متذکرۂ متن آیات کے ترجموں میں "ہلاکت کے اہل" کے الفاظ زیادہ کر دیئے ہیں۔ رہا یہ معرکۂ 'ظالم' اور 'فاسق' اور 'کافر' کی کیا تعریف ہے، یہ بحث نہایت طول طویل ہے۔ اور آئندہ مجلدات میں بتدریج اس عظیم الشان راز کو کھول دیا جائے گا۔ کتاب خدا کو حَکَم ٹھیرانے کے معنی یہی ہیں کہ تمام اعمال میں قانونِ خدا کی عملی متابعت ہو جو آجکل کے نام نہاد مسلمانوں میں قطعاً نہیں رہی

‡ وادین کے درمیان گہرے ہوئے اِن چاروں الفاظ میں بالترتیب آیہ (۶ : ۱۱۵) صفحہ ۹۳ (مُفَصَّلًا ۭ) آیہ (۶ : ۱۱۶) صفحہ ۹۳ (لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ) آیات (۵۱، ۴۸، ۴۸، ۷۱، ۴۸) صفحہ ۹۶۔ اور آیات (۲۹ : ۵۰-۵۲) صفحہ ۹۴ کی طرف اشارہ ہے۔

طاق نسیان دریا کا وہ ناقابلِ فہم اور ناکار برآرد فتر بن چکا ہے کہ اُس کے بارے میں امّت حاضرہ کی غلط رَوی کو دیکھکر عقل کانپ اُٹھتی ہے۔ اُسکی تعلیم و تعظیم کے اکثر مدّعی آج کشور کشائی اور جہانبانی، قوّت اور امن، تمکّن اور تغلّب کے سب اگلے اور شکر انگیز ارمانوں کو پاؤں سے ٹھکرا کر خوف و مسکنت، ذُلّ و امساک، اور عجز و خمول کے عبرت انگیز ماحول میں، حُجروں کے اندر بیٹھے، کبرِ مولویّت میں مگن ہیں۔ اُسکی رَواں تلاوت کو دارِ آخرت کی طلسمی کلید سمجھتے ہیں، اُسکو اکثر بُجھارت اور چیستاں بنائے بیٹھے ہیں، کہیں اُسکو پُڑیوں میں لپیٹ کر بیچا جا رہا ہے، کہیں اُسکے تعویذ بنکر گلے کا ہار ہو رہے ہیں، کہیں اُسکی خوب خوانی پیٹ کا ایندھن بن رہی ہے، کہیں خوش اعتقاد اسکو گھول گھول کر پی رہے ہیں، کہیں ستم ظریف پھُونکیں مار مار کر اُڑا رہے ہیں، کہیں اُسکے اوراق میں کسی اسمِ اعظم کی تلاش ہے، کہیں اسکو رَٹ رَٹ کر بے اثر کیا جا رہا ہے، کہیں اُس سے مُردے کو ثواب پہونچ رہا ہے، کہیں خدا کو دادِ سخن مل رہی ہے، کہیں تحسین ناشناس اور جاہل کی واہ واہ ہے! نہ غرض و مطلب سے بحث ہے، نہ مقصود سے سروکار ہے، نہ تعمیل پیشِ نظر ہے۔ اس کتابِ جلیل سے لے دیکر اگر کچھ اخذ ہو رہا ہے تو یہی استخارے اور فالنامے† ہیں، تمائم اور ٹوٹکے ہیں، فسونی اور سحری اعمال ہیں، اور اگر کوئی طبقہ ان مُہلک اثرات سے

---

† ایک استخارہ نامہ اسی قطع کا حال میں میری نظر سے گذرا ہے جسکو طابع اور ناشر نے اپنی تجارت کو فروغ دینے کی غرض سے علامہ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۳۸ھ ۱۲۴۰ء)، اندلس کے مشہور فقیہ اور محدّث، اور صاحب "الفتوحات المکیّہ" کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس طومار نویس متکلم کے بارے میں، جس نے اپنی عمر میں ۲۸۹ کتابیں لکھیں، اور جو ظاہریہ فرقے کا رکن رکین شمار کیا جاتا تھا، وثوق سے معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں تک یہ مختصر رسالہ اُسکے قلم سے نکلا ہے، مگر جرمن مستشرق "بروکلمین" نے اسکی ایک سو پچاس موجودہ تصانیف کی جو فہرست دی ہے، اُسمیں اسکا کہیں مذکور نہیں۔ تاہم اسکی بعض تصانیف کے مذاق کو پاکر جنمیں سے اکثر جفر اور رمل، اور اعتقاداتِ واہیہ پر ہیں، عجب معلوم نہیں ہوتا کہ یہ استخارہ نامہ بھی اسی عجب ایجاد شخص کے ہاتھ کا لکھا ہُوا ہو۔ لیکن مصنّف کی ذات سے قطع نظر، جس کمر و فریب سے طابع صاحب نے اس رسالے کو عوام کی نظروں میں عجیب و غریب ثابت کرنے کی سعی کی ہے جس دریدہ دہنی سے اسکی طلسمی جداول کو قرآن کا زندہ معجزہ بتایا ہے، اور جو ادّعا مصنّف کی اسرار دانی خدا اور رسالے کی حقانیّت کے بارے میں کیا ہے، اُسکا پول کھول دینا لازمی ہے۔ مصنّف نے اس رسالے میں ۲۳ جدولیں تیار کی ہیں۔ ہر ایک جدول میں ۱۰ خانے شرقاً غرباً اور ۱۶ خانے شمالاً جنوباً کھینچے ہیں۔ پھر قرآن کی پانچ حسبِ حال آیتوں کے ٹکڑے لیکر (یعنی وہ ٹکڑے جن سے سائل کے مطلوبہ سوال کے جواب کا ہاں یا نا، سعد یا نحس، مخالف یا موافق ہونے کا اندازہ ہو سکے) ہر جدول کے ۱۶۰ خانے اس انداز سے پُر کر دیئے ہیں کہ ہر ٹکڑے کا ایک ایک حرف علی الترتیب پانچ متصل خانے، چھوڑ کر پانچویں خانے میں سما جائے۔ مثال کے طور پر پہلی آیت کے حرف خانہ نمبر ۱، ۶، ۱۱، ۱۶ وغیرہ میں، دوسری آیت کے حروف خانہ نمبر

Marfat.com

نسبۃً محفوظ ہے تو اسمیں مقاصد قرآن کے بارے میں ہولناک افتراق ہے۔ ذہنی ویرانیاں اور غوغائے قیامت ہے، سطحی حیص بیص اور لفظی تنازعے ہیں، تفریق آرا ہے، انتشارِ نظر ہے، تشتت عمل ہے! ایسا تختۂ مشقِ اختلاف قرآن، ایسا مجموعہ شعر و سخن قرآن، ایسا سحری اور طلسماتی جدول، ایسا کاہنی بُطا عمل، اُمت کے افراد میں کیا امتثال امر اور کیا اتحادِ کار پیدا کر سکتا ہے۔ اُنکی نظروں میں یہ اختلاف و شکست ہی قرآن کی کشر ہدایت ہے، بشارت اور رحمت ہے، نور و شفا ہے! عرب کی جاہلی عادتوں اور وہمی عقیدوں کا پُرانا خمیر مسلمانوں کی اعتقادی زندگی میں اِس تیزی سے سرایت کر چکا ہے کہ اب اُن کے طرزِ تخیل سے اِس اثر کو دور کرنا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا ہے۔ آج دینِ متین کے باقی عَلَم بردار اہلِ عجم بھی عرب کی اِن روایات کے اعلا اور آیاتِ خدا کی تکذیب کے جُرم میں تیرہ سو برس کی خواب آور مُہلت کے جدر فتہ رفتہ اُسی موت و فنا کے گھاٹ اُتر چکے ہیں جسپر اُن کے پیشوا اہل عرب کئی سو برس پہلے اُترے تھے!

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا† سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ (۷: ۱۸۲-۱۸۳)

لوگو! سُن رکھو کہ جس قوم نے ہماری آیات کی تکذیب کی، جسنے اُنکو حقیقت کے بلند مرتبے سے گرا کر جھوٹ بنا دکھایا ہم اُنکو نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ ہلاکت کیطرف گھسیٹ لیجائینگے اور کچھ مدت تک اُنکو ڈھیل بھی دینگے کہ خوب نیند کر لیں کیونکہ میرا داؤ بیشک بڑا پکا داؤ ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۷) ۲، ۷، ۱۲، ۱۷ وغیرہ میں، تیسری آیت خانہ نمبر ۳، ۸، ۱۳، ۱۸ میں علی ہذا القیاس باقی دو آیتیں بھی باقی خانوں میں اسی ترتیب سے بھری گئی ہیں۔ پھر اس جدول کو خوش اعتقاد سائل کے سامنے رکھکر حکم دیا گیا ہے کہ وہ آنکھیں میچ کر اسکے کسی خانے پر انگلی رکھے۔ اور اُس حرف سے شروع کر کے آگے اور پیچھے کے چار خانوں کو علی التواتر چھوڑ کر سب حرف لکھتا جائے۔ یہ سب حروف ظاہر ہے کہ اُن پانچ آیتوں میں سے کسی ایک آیت کے ہونگے۔ اس لایعنی عمل کو دیکھکر بیوقوف شخص حیران رہجاتا ہے کہ یہ کیا کرامت ہے جس حرف پر انگلی رکھتے ہیں ایک قرآنی آیت بنجاتی ہے اور ہمارے سوال کا جواب خود بخود دیدیتی ہے۔ استخارہ نامہ میں کل ۲۳ جدولیں موجود ہیں مگر طابع صاحب کو واضح رہے کہ تیئیس کیا ایسی تیئیس ہزار طلسمی جدولیں چشم زدن میں تیار ہو سکتی ہیں اور نہ صرف قرآن کی آیتوں سے بلکہ کوک شاستر کے ہر اشلوک سے بھی! رہا مصنف کی اسرار دانی اور تقرب کا عقیدہ، سو اسکی نسبت اسیقدر کہدینا کافی ہے کہ جس شخص نے اپنی عمر کے ۷۵ برس میں بالاوسط ہر برس چار کتابیں لکھی ہوں اُسکے زود نویس قلم سے بعض اوقات ایسی لایعنی تصنیف کا نکل جانا کچھ تعجب خیز نہیں۔

† یہاں ترجمے میں ہم نے 'تکذیب آیات' کے صحیح مفہوم کی ایک ادنیٰ صورت پیش کر دی ہے اور اشارہ کر دیا ہے کہ کسی حقیقت پر جھوٹ کا لباس اوڑھ دینا بھی 'تکذیب' ہی ہے۔ اس تکذیب کا نتیجہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اُس حقیقت کے متعلق تذبذب یقین و ایمان پیدا ہو جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اسکی تعمیل متعذر ہو جاتی ہے۔ یہ فقدان عمل ہی صحیح معنوں میں تکذیب ہے جیسا کہ کچھ دیر بعد چل کر ظاہر ہوگا۔

مگر یونانی فلسفے اور عرب تخیل کے اِن تمام مضعفِ ایمان، اور مخربِ عمل اثرات کے علاوہ دنیائے اسلام کو دائرہ عبودیت اور حلقۂ صلاحیت† سے حقیقی اور معنوی طور پر خارج کرنے، اور آج وراثت زمین سے یکسر محروم کر دینے کا سب سے بڑا باعث وہ طریق اجتہاد تھا جو صاحب شریعت (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی وفات کے کچھ دیر بعد ہی اسلام میں شروع ہو گیا تھا۔ اِس سمت تخیل نے جس سرد مہری، ناآشنائی اور بے دردی سے اسلام کے آباد آشیان کو بے رونق کیا، جس رعونت اور استغنا سے اسکی خانہ برانداری کی، جو نقصان عظیم رفتہ رفتہ اور نامحسوس طور پر مسلمانانِ عالم کی عملی اور تمدنی، ذہنی اور اقتصادی زندگی کو پہنچایا، تاریخ عالم میں تخیل کی حیرت انگیز انقلاب آفرینی کی واحد مثال ہے! مگر اس اہم موضوع کے مطالب دلنشین کرنے کیلئے ایک مستقل اور طول وطویل بحث‡ کی ضرورت ہے جو قرون اولیٰ

---

† صفحہ ۸۷ کی آیات (۲۱: ۱۰۵-۱۰۷) کی طرف اشارہ ہے۔

‡ یہ بحث اسقدر طول وطویل ہے کہ غالباً آیندہ تین یا چار مجلدات سے پیشتر ختم نہ ہو سکے گی۔ اسمیں بتدریج تمام اُس مہلک اور جمود انگیز تخیل کی تکذیب کر دی گئی ہے جسکے باعث اسلام آج محض اعتقادی اور نظری، لفظی اور رسمی شئے کا نام بن گیا ہے، سعی وعمل سے اسکا حتماً کچھ واسطہ نہیں رہا۔ سب اعتقادات اور معاملات عالم قول وخیال میں منتقل ہو گئے ہیں یا اُن کے مقاصد واغراض قطعاً بدل چکے ہیں اور فعل وعمل کے لائق کوئی شئے نہیں رہی۔ یہ معرکۃ الآرا بحث دراصل آیۂ استخلاف (۲۴: ۵۵) صفحہ ۷ کے الفاظ 'اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ' کی تشریح ہی ہے اور اسی ضمن میں کلام الٰہی کے ایک معتدبہ حصے کے مطالب بھی عیاں ہو گئے ہیں صفحہ ۳۲-۳۳ کے اُس عبرت آموز سوال کا جواب کہ آج تیرہ سو برس کے بعد مسلمانانِ عالم کیوں وراثت زمین سے محروم کر دیئے گئے، اور مغرب کی بیدار قومیں کیوں انکی مستخلف بن چکی ہیں، نیز اس اثنا میں نظر انداز نہیں کیا گیا۔ جہاں جہاں موقع ملا ہے جواب کی مختلف شقیں ظاہر ہوتی گئی ہیں، حتیٰ کہ عنوان عمل کے اخیر میں (جو غالباً پانچویں مجلد ہوگی) اس جواب کو حتماً طے کر دیا ہے۔ اس مجلد میں باقی بحث صرف لفظ 'ایمان' اور اسکے تکیف پر ہے۔ پھر اسکی اہم شرائط کو پیش نظر رکھکر ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام کا واحد منتہائے نظر کیا تھا۔ اسکا تمام دستور العمل کس مستقل نصب العین کے درپے تھا۔ وہ مطمح نظر کیونکر حاصل ہوا تھا اور آج کیوں نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے وغیرہ۔ مجلد کا آخری حصہ 'عبادات' کی اساسی حکمت عملی پر مشتمل ہے۔ اسلام کے موجودہ ماحول میں یہی وہ اہم اوامر ہیں جو دین اسلام کے ارکان خیال کیئے جاتے ہیں اور انہی پر 'اعمال صالحہ' کے الفاظ کا اکثر اطلاق آجکل ہوتا ہے۔ اِس بنا پر کتاب کے ابتدائی حصوں میں 'عبادات' کے صحیح مفہوم کو واضح کر دینا انسب معلوم ہوتا ہے۔

کتاب کا مستقل حصہ دراصل اسی عنوان سے شروع ہوتا ہے جو آیندہ اوراق میں قائم کیا گیا ہے۔ مقدمۂ کتاب میں صرف اُن دعاوی کو پیش کیا گیا تھا جو قرآن حکیم نے اپنے بارے میں کیئے۔ قرآن کی تعلیم یا تجویز وتدبیر سے اُس حصے کو چنداں سروکار نہ تھا۔ آیندہ اوراق میں قریباً پانچ جلدوں کے اندر کتاب الٰہی کی 'تعلیم' پیش کر دیجائے گی، اور ثابت ہو جائے گا کہ تاسیس جماعت کے متعلق قرآن کی تجویز وتدبیر کس قدر حکمت کاملہ سے پُر ہے، اور کس صحت واستقلال سے اُن دعاوی کی تائید کرتی ہے جو اس حیرت انگیز کتاب نے اپنے بارے میں علی الاعلان کیئے۔ اِس مجلد میں بالخصوص 'عبادات' کی حکمت اور تاسیس جماعت کے چند اساسی اصول پر بحث کی جائے گی جیسا کہ گذر چکا ہے۔ باقی اصولوں اور بالخصوص 'معاملات' اور 'عملیات' پر

Marfat.com

کی اعتقادی اور سیاسی زندگی، اور قرآن حکیم کے اجتماعی دستور العمل کے متعلق ہے:۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۹۹) بحث بعد کی چار جلدوں میں ہوگی۔ انہی مجلدات میں ضمناً 'معتقدات' کی حقیقت کا انکشاف کر دیا جائیگا۔ تین یا چار جلدیں 'علم القرآن' (معلومات)، 'تاریخ القرآن' (ماجریات) اور 'طریق عمل' کے متعلق ہونگی جو اس کتاب کا آخری حصہ ہے۔

'معاملات' کی بحث کے ضمن میں اسلام کی موجود فرقہ آرا ہیئت کا پول کھول دیا جائے گا۔ اور ثابت کر دیا جائے گا کہ ایک خدا، ایک رسول، اور ایک قرآن کے ہوتے ہوئے صراط مستقیم بھی صرف ایک ہی ہے۔ سب فرقہ بندی اور تشیع، رہبانیت اور غلط تخیل زہد، غلو فی الدین اور ملائی افراط و تفریط وغیرہ وغیرہ کتاب الٰہی کے منشا کے نقیض اکثر عیاں کر دیجائے گی۔ دین اسلام کے وجود پر سے عارضی اور اکتسابی غلاف الٹ کر اسکو صحیح معنوں میں فِطْرَتَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰:۳۰ صفحہ ۴) کا مصداق ثابت کر دیا جائیگا۔ یہ حقیقت کبریٰ از سر نو منکشف کر دیجائے گی کہ اسلام وہ راہ عمل، وہ مذہب سعی و کار، اور وہ فطرۃ کاملہ ہے جس پر سطح زمین کا ہر فرد بشر بلا لحاظ ملک و ملت مجبول بلکہ مجبور[1] ہے۔ اسی پر چلکر سرتاسر امن ہے، ذہنی اور اجتماعی امن ہے، فردی اور شخصی امن ہے، اخروی اور دائمی امن ہے۔ اس سے ذرا ہٹ کر ضعف و شکست ہے، قوموں اور امتوں کی شکست ہے، قبیلوں اور گروہوں کا انتشار ہے۔ الغرض دین الٰہی کو امت مرحومہ کے مختلف گروہوں اور بھیڑوں کے اعتقادی رنگ سے یکسر آزاد کر کے خدائے واحد کی وحدت انگیز یکرنگی میں رنگ دیا جائے گا۔ اس نازک موضوع کی بحث و تمحیص سے مفید نتائج برآمد کرنیکے لیے اس امر کا عمداً خیال رکھا گیا ہے کہ کتاب خدا کے طالب العلم کے ان ذاتی جذبات کو جو وہ کسی فرقے سے متعلق ہونے کی حیثیت میں کسی عقیدے یا شخص یا طرز عمل کے متعلق اس کتاب کے کامل مطالعے سے پیشتر رکھتا ہو حتی الوسع کم سے کم ٹھیس لگے؛ حقیقت کی طرف بتدریج اور بالدلیل رہنمائی ہو؛ جو بات کہی جائے اسکی سند موجود ہو؛ محض سفلی جذبات کو بھڑکا کر راہ راست پر لانے کی بے سود سعی نہ کی جائے۔ اس مدعا کو پیش نظر رکھکر کتاب کی طوالت کا باعث ظاہر ہے۔ میرا مقصود ایک فرقے کو سراہنا، یا دوسرے کی توہین کرنا نہیں بلکہ حتی الامکان اسلام کے سب رسمی ماننے والوں کو ایک مشترک اور صحیح راہ کی طرف انگشت نمائی کرنا ہے اگر جو کچھ میں نے کہا ہے حقیقت ہے تو ذہن خود بخود اسطرف مائل ہوگا، اسکے لیے کسی ناروا ترغیب یا غیر ضروری تشویق کی ضرورت نہیں۔

قارئین کتاب سے صرف اسقدر استدعا ہے کہ آئندہ مجلدات کے ربط اور تسلسل کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ کیونکہ ہر دعوے کی بنا پیشتر کے ثابت کیے ہوئے دعوے پر ہے اور کتاب کے سب آئندہ مباحث ایک سلسلے کی مختلف اور مرتب کڑیاں ہیں۔ اور ایک ہی نتیجے کی طرف استقلال سے جا رہی ہیں۔ اگر تمام کتاب کے سب گذشتہ مطالب درس و تدریس کے کسی مرحلے میں پیش نظر نہ رہے تو قرآن حکیم سے کوئی مدلل نتیجہ اخذ کرنا محال ہو جائے گا۔ اس تصنیف کا سب سے اہم حصہ آخری مجلدات ہیں جنمیں قرآن حکیم کی تمام تعلیم سے کامل تفتیش و تلاش کے بعد مستقل نتائج اخذ کیے گئے ہیں پھر اجل زدہ امتوں کے تحفظ و بقا کیلئے ایک اٹل طریق عمل مستنبط کر کے مسلمانان عالم کو انکی حیات و موت کا آخری پیغام دیدیا گیا ہے!

---

[1] فطرت لامحالہ وہ شے ہے جس سے کسی فرد متنفس کو کسی حال میں مفر نہیں۔ اگر دین اسلام فِطْرَتَ النَّاسَ عَلَيْهَا ہے جیسا کہ صفحہ ۴ پر دعوے کیا گیا ہے تو وہ بھی بلاشبہ وہ شے ہے جسکی تعمیل پر سطح زمین کا ہر شخص اسیطرح مجبور ہے جس طرح کہ اپنی کسی اور فطرت پر، اور جسکے برخلاف چلنے کی فوری سزا بھی اسیطرح ملنی چاہیئے جس طرح کسی اور فطرت سے باغی شخص کو اس دنیا میں ملتی ہے۔ ایک شخص اگر کھانا نہیں کھاتا یا کئی دن مسلسل نہیں سوتا تو اسکا جلد مرجانا لازمی امر ہے۔ اس لیئے کہ کھانا اور سونا اس کی فطرت میں داخل ہیں، اور فطرت سے باغی ہونے کی انتہائی سزا ہلاکت ہے۔ پس اس مقام سے نظر سے دین اسلام بھی وہ طریق عمل ہے جس پر چل کر اس دنیا میں ہر جا امن مل رہا ہے جیسا کہ آئندہ اوراق میں چلکر واضح ہوگا۔ وہ کسی رسمی کلمۂ شہادت کا پڑھ لینا نہیں جیسا کہ اکثر مسلمان سمجھے بیٹھے ہیں!

مقدمہ ختم ہوا

Marfat.com

تکیّفِ ایمان و مُنتہائے اسلام†

وَاَنتُمُ الاَعلَونَ اِن کُنتُم مُّؤمِنِینَ (۳:۱۳۸)

اور تم ہی سب سے برتر ہو اگر ایمان والے ہو

متذکرہ صدر صحبت کے اُس حصّے سے جو تبلیغ دین اور اعلان نبوّت کے متعلق ہے، یہ امر واضح ہے کہ داعیٔ اسلام کی بعثت ائتلاف ملل کے حق میں ایک بےنظیر رحمت تھی۔ اعلائے کلمۃ الحق نے اعتقادات کے علاوہ، عرب کی ہیئت اجتماعی میں ایک ناقابل یقین انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ نعرۂ توحید نے، اور اللہ کے برگزیدہ رسولؐ کے خُلقِ عظیم نے اہل عرب کے سینوں کو چاک کر کے، اُنکے دلوں کو چیر چیر کر، عداوتیں اور کینے نکال لیئے تھے! پیغمبرِ برحق کی بےلوث ریا، اور وقفِ عمل زندگی نے بخل و حسد کے تنگ و تاریک قلوب میں ایمان کا نور، اور اعمالِ صالحہ کی وسعت دیدی تھی! خدائے واحد کی ہستی پر محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ناقابل انکار شہادت نے ہر متنفّس کو اللہ کی حمایت میں آمادۂ عمل کر دیا تھا! خدا کی حقیقت، اُسکی رحمتوں کے دریا، اُسکی حکمت اور علم کے سمندر، اُسکی لاانتہا بخششیں، اُسکی قدرت کاملہ، ساتھ ہی اسکے عذاب کے طوفان، اُسکے زلزلے، اسکی تہس نہس کر دینے

---

† صحبت حاضر کے مطالب خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ آیندہ مباحث، بلکہ ایک رو سے کتابِ ہدیٰ کی حکمت کو کماحقہ سمجھنے کا اکثر دارومدار اسی صحبت پر ہے۔ تیرہ سو برس کے انقلاب تخیّل کے بعد ایمان کی حقیقت کو از سرِ نو پالینا، یا دل پر اس کا صحیح کیف و حال پیدا کر کے پیکرِ ایمان اور شاہدِ خدا بن جانا آسان کام نہیں۔ مگر اس فقدان حال اور صورت اشکال کے باوجود قرآن حکیم کے اندر ایمان کی صحیح تصویر اور منتہائے اسلام کی ناقابل انکار دلیل موجود ہے۔ اسی بات کو پیش نظر رکھکر جہاں جہاں اس صحبت کے اندر آیات الٰہی میں ایمان کا لفظ آیا ہے اللفاظ کو جلی حروف میں لکھدیا ہے کہ اس ناقابل تشریح اصطلاح کی صحیح ماہیت سمجھنے میں آسانی ہو۔ اسکی اہم قرآنی شرائط اور لوازم واضح ہوں اور بہ رفتہ رفتہ انسان کے ذہن میں اسکا تکیّف بیٹھتا جائے۔ اہم یہ امر کہ کلامِ خدا کا طالب العلم بطورِ خود اس حقیقت کبریٰ کا قائل ہو کہ سعی و عمل ایمان کا جزو لاینفک کس انتہائی حد تک ہے۔ منتہائے اسلام کی حقیقت صفحہ ہا پر عیاں ہوگی

Marfat.com

والی چیخیں، اُسکی بجلیاں، آنکھوں کے سامنے صاف نظر آگئی تھیں! اُس رب لم یزل کو جسکی بے عیب شخصیت وہم کے محیط سے باہر، اور امکان کے نقص سے بری ہے، احمدؐ مرسل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی حیرت انگیز شناسائی نے ہر شخص کے روبرو عیاں کر دیا تھا! مومنوں کے کانوں میں اسکی صدائیں بلا آگئی تھیں! اُنکی آنکھیں، اُنکے دل، اُنکے ہاتھ، اُس لامکان ذات کو اپنے گھروں کے اندر، میدانوں اور حجروں میں، سجدوں اور دعاؤں میں آشکارا محسوس کر رہے تھے! وہی آسمان و زمین، وہی چاند اور ستارے، وہی زرع و نخیل، جو عرب کی ہموار اور غیر دلچسپ سرزمین میں ہر دم اُن کے پیش نظر رہتے تھے، اِس جویائے حق نبیؐ کی دیدۂ عبرت نگاہ کے باعث **معرفتِ خدا** کے بیکراں دفتر اور حقانیت کے بے پایاں مظاہر بن گئے تھے!

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝ (۲۷: ۶۰)

لوگو! ذرا اِس پر تو غور کرو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے بنایا؟ اور آسمان سے تم لوگوں کے لیئے پانی کس نے برسایا؟ پھر اُسی پانی کے ذریعے سے ہم نے خوشنما باغ لگائے! لوگو! کیا تم میں طاقت ہے کہ اُنکے درختوں کو اُگا سکو؟ اور کیا پھر اِس حقیقت کے عیاں ہو جانے کے بعد ماسوا خدا کے کوئی اَور قابلِ اطاعت، اور لائقِ عبودیت رہ جاتا ہے! آہ یہ بے سمجھ لوگ ہیں کہ ناحق دوسری طرف جھکے ہوئے ہیں!

پھولوں کی پنکھڑیوں میں، پرندوں کے پروں اور درختوں کے خوشوں میں، صنّاع بے مثال† کا ہاتھ کام کرتا ہوا صاف نظر دلا دیا تھا!

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۱۶: ۷۹)

کیا لوگوں نے پرندوں کے حال پر نظر نہیں کی جو فضائے آسمانی میں مسخر ہیں، اُن کو اُڑتے وقت کون سنبھال رہا ہے اور کون سنبھلنے کی طاقت دے رہا ہے؟ جن لوگوں میں ایمان موجود ہے اُنکے لیئے اس حقیقت میں بھی غور و فکر کی کئی علامتیں ہیں۔

فطرت کے بدیع الخلق ظواہر اور محیّر العقول صنائع کی طرف، کلام الٰہی کی اٹھک ترغیب و تحریص نے عرب کی طبائع پر گہرا اور ناقابل انحکاک اثر پیدا کر دیا تھا!

† اس کا حاشیہ اگلے صفحے پر دیکھو۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ (۶ : ۱۰۰)

وہی قادرِ مطلق تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم ہی نے اُس پانی کے ذریعے سے ہر اُگنے والی چیز کی بُوٹیاں نکالیں، پھر اُن بوٹیوں سے ہم ہی نے ہری ہری ٹہنیاں نکالیں۔ اُن سے ہم گُتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے گابھے میں گچھوں کے گچھے خوشے جو مارے بوجھ کے جُھکے پڑتے ہیں۔ اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار۔ ظاہر شکل و شباہت میں ایک دوسرے سے ملتے جُلتے ہیں، مگر مزے اور تاثیر میں جُدا جُدا ہیں۔ تم اُسکے پھل کی طرف بغور دیکھو جب نکل رہا ہو اور پک رہا ہو بے شک جن میں ایمان ہے اُن کے لیے اِس مشاہدے میں عجیب و غریب نشانیاں خدا کی قدرت کی موجود ہیں!

صدیوں کے باطل عقیدوں، خوف انگیز وسوسوں، اور مذبذب قلوب واہموں کے بعد حقیقت کے اس دلنشین انکشاف، اور خدا ہونے کے اس قطعی ثبوت نے بالآخر عرب کے دلوں میں ایمان کا آسمان تاب نور، اور یقین کا عالم افروز شعلہ پیدا کر دیا۔ صداقت کا روح پرور اثر اُنکے بدنوں اور طبیعتوں، دلوں اور ذہنوں میں اسقدر جاری و ساری ہو گیا تھا کہ بمجرد اللہ کا ذکر آنے پر اُن کے دل کپکپا جاتے تھے!

---

† ضمناً اِن آیات الٰہی سے ظاہر ہے کہ اعمال خدا کا مشاہدہ، اُسمیں استقصا اور تفکر، خدا کی عطا کی ہوئی بصر کا استعمال (اَلَمْ یَرَوْا (۶ : ۶)، اُنْظُرُوْا (۶ : ۹۹)) اور کارگاہ فطرت سے طلبِ علم (دیکھو صفحہ ۸۳) ایمان کے اہم لازمات میں سے ہیں، ان کے بغیر ایمان ناقص اور معرفت خدا محال ہے۔ اس بحث کو یہاں پر طول دینا ضروری نہیں مگر مسلمانوں کو غور کرنا چاہیئے کہ آج وہ قَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ کے صحیح مصداق ہیں یا مغربی قومیں جنہوں نے فطرت کا پتا پتا دیکھ مارا ہے!

‡ سورۂ انفال میں ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۝ (۸ : ۲)

لوگو! ایمان والے تو وہی بندے ہیں کہ جب خدا کی یاد اُن کو آجاتی ہے تو اُنکے دل ہل جاتے ہیں، اور جب اُسکے احکام (اٰیٰتُهٗ) انپر واضح کر دیئے جاتے ہیں تو اُنکی تعمیل کا یقین (اِیْمَانًا) اور بھی بڑھ جاتا ہے، اور وہ وُہ لوگ ہیں جو حتی الوسع سعی و عمل کے بعد نتائج کے بارے میں اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہیں (یَتَوَكَّلُوْنَ (توکل کے اِن معانی کی توضیح آگے چلکر آئے گی)۔

یہ ایمان والوں کی لرزش کوئی مصنوعی لرزش نہیں جو آجکل لوگ رسماً پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں، اور باوجود مشق کے صحیح معنوں میں پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ فی الحقیقت خدا کی عظمت، ہیبت، اور طاقت کا ہول انگیز یقین ہے جو اسکے اعمال کے برای العین مشاہدے اور اس کارگاہ فطرت کی براہ راست بصیرت سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ وہ تکیف قلب ہے جو آج ان قوموں کو حاصل ہے جو قانون خدا سے ہر دم خوفزدہ رہ کر سعی و عمل میں مصروف ہیں، جو حکم حاکم کو مرگ مناجات کے برابر سمجھکر طوعاً و کرہاً اُسکی تعمیل میں لگی ہیں، جو قانون فطرت کے ایک ایک حرف کو بغور سمجھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ یہ لرزش ہمہ تن حاکم کے مقتدر ہونے کی لرزش ہے، اُسکے قانون کو اٹل ماننے کی لرزش ہے، اُسکی سزا کے شدید ہونے کی لرزش ہے، اُسکے حکم کے آنمٹ اور حاکم کے بے پروا ہونیکی لرزش ہے۔ اسی لرزش کا اٹل نتیجہ عمل ہے، احساس فرض ہے، تگ و دو ہے، تکلیف و محن ہے، یہ کوئی دوستی کے باہمی ناز و نیاز، یا عشق کی لطف آمیز چشمکیں نہیں جو مسلمانوں نے رسماً یا خاطر خدا سے پیدا کر لی ہیں اور جسکا نتیجہ نادانی خدا کے سوا کچھ نہیں۔

Marfat.com

دلوں نے اللہ سے وہ سچّا لگاؤ پیدا کر لیا تھا کہ اُٹھتے بیٹھتے ایک دنیاوی حاکم کیطرح اُسکے حضور میں سراپا ادب اُسکی رحمتوں اور بندہ نوازیوں کے چشم براہ اور اُسکے قہر سے خوف زدہ رہتے۔ حضوریِ قلب کی حیات افزا روح نے اور قربِ رسولؐ کے جرأت آموز اثر نے اُن کو اللہ کی رضا میں مصیبت سے قطعی بے خوف اور جان سے قطعی بے نیاز کر دیا تھا۔ اُن کے فلک شگاف حوصلے اور کوہ فگن جرأتیں، اُس احکم الحاکمینؑ کی خوشنودی اور حمایت میں ہر وقت پا بہ رکاب رہتیں! وہ ایک اہل الغرض اور مشاہرہ دار نوکر کی طرح، اُس آنکھوں سے اوجھل اور جلیل القدر ذات کی خوشنودی کی خاطر، اُسکے ادنیٰ اشاروں اور حکموں پر چونک چونک اُٹھتے، اور دوڑ دوڑ گرتے! وہ اللہ کے رعب و وقار اور اُسکے جاہ و جلال کے آگے ہر انسانی منزلت کو بیقدر و قیمت، اور دنیاوی رعب داب کو ہیچ سمجھتے! وہ اپنے سچّے مخدومؐ، اور مقتدر منعمؐ کا بول بالا کرنیکے ولولے میں جانوں کو ہتیلیوں پر رکھکر قیصر و کسریٰ کے دربار میں، اپنے خرقہ پوش اور اُمّی پیغمبرؐ کا تنبیہی پروانہ بے دھڑک لیجاتے! وہ اپنے حقیقی آقا کا آوازہ بلند کرنے کی غرض سے جان، مال، اور تعلقاتِ دنیوی کے انقطاعؑ† سے ایک لمحے کے لیئے دریغ نہ کرتے! وہ ایک مزدور خوشدل کی طرح اللہ کے اس نیک بندےؐ کی حمایت میں تلواروں سے کٹ، اور تیروں سے چھَن جاتے مگر ہمّت نہ ہارتے! وُہ اُس کالی کملی والےؐ رسولؐ کی جانفروشانہ اطاعت میں موت کی آرزوئیں، اور قتل کی مَنّتیں مانتے! وہ اللہ کی کبریائی اور جبروتؐ کے بالمقابل ہر سرکش کا غرور توڑنے کے لیئے پہاڑ سے لڑجاتے اور آسمان سے ہاتھا پائی کرتے! اُن کی مودّبانہ خدمت اور فدایانہ عبودیّت خدائے ذوالجلال کے وجود، اُسکی عالم آرا حکومت، اُسکی عالی مقامی،

---

† سورۂ مجادلہ میں ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ (۲۲:۵۸)

اے مخاطب! جو لوگ خدا کے خدا ہونے پر ایمان لاتے ہیں، اور جو روزِ آخرت کی جزا و سزا پر یقین رکھتے ہیں، اُن کو تو تم ہرگز نہ دیکھو گے کہ خدا اور اسکے رسول کے مخالفوں اور نافرماں برداروں کے ساتھ میل جول رکھیں گو وہ انکے باپ، یا انکے بیٹے، یا انکے بھائی بند، یا ازواج ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکے دلوں کے اندر خدا نے ایمان کا گہرا نقش کر دیا ہے، اور جنکو اپنی ناپیدا کنار طاقت اور ہمت کا ایک حصہ عطا فرما کر انکی مدد کی ہے (بروحٍ منہ)۔

اُسکی استقامت عہد، اُسکی سطوت وجبروت، اُسکے جبر وقہر کی وہ زندہ اور زبردست **شہادت** تھی جو ہر منکر کو قائل کر دیتی! اُن کی سرتاپا سعی اور رہینِ عمل زندگی اللہ کی غلامی کو بہترین غلامی، اور اُسکی چاکری کو مفید ترچاکری بنانے کی وُہ بانگِ دُہل اور وُہ صیت ناقوس تھی جسنے اقل قلیل مُدت میں ایک سیہ کار اور بے حس عالم کو اللہ کی عبودیّت پر متفق العمل کر دیا تھا!

وَكَذٰلِكَ† جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ‡ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (۲: ۱۴۳)

اور اس تسلیم کی خو اور اللہ کے رنگ میں رنگے جانیکے باعث (دیکھو آیہ (۲: ۱۳۸)) ہم نے تم سب کا ایک مرکز (یعنی قبلہ) قرار دیکر تم عرب کو روئے زمین کی امتوں کا مرجع ومرکز بھی بنا دیا ہے تاکہ تم اپنے حُسنِ عمل سے تمام دنیا کے سامنے خدا کے وجود کی گواہی دو، اور رسولِ خدا تمہیں اللہ کی گواہی دیتے رہیں!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ‡ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ (۲۲: ۷۷-۷۸)

---

† 'كَذٰلِكَ' کا ربط پہلے مضمون کے تسلسل سے ظاہر ہوتا ہے جو آیہ (۲: ۱۲۲) سے شروع ہوا ہے۔ اِس ربط کو ثابت کرنے کا یہ موقع نہیں مگر سورۂ بقرہ کے ربط کا اظہار غالباً پانچویں مجلد سے پہلے نہو سکیگا۔

‡ "شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" ہونے کے یہی معانی ہیں کہ لوگوں کو تمہارے اعمال و افعال سے، تمہاری تگ و دو اور تکلیف برداری سے، تمہاری خدمت گذاری اور ملازمت سے خدا کے خدا اور حاکم اعلیٰ ہونے کی سچّی گواہی ملجائے، وہ بچشم خود دیکھ لیں کہ تم کسی ایسی جلیل القدر ہستی کے ملازم اور پابند ہو جو گو نظروں سے اوجھل ہے مگر اُسکے ہونے اور مقتدر ہونے میں گمان نہیں۔ یہی سعی وعمل آج کسی دنیاوی حاکم کی ملازمت اور اُسکے موجود ہونے کی صریح بلکہ عینی شہادت ہے، خواہ وہ حاکم ہر دم لوگوں کی نظروں سے چھپا رہے اور عوام نے اسکو ایک لمحے کے لیئے بھی بچشم خود نہ دیکھا ہو۔ جبتک ایک ملازم کسی آقا کے حکموں کی تعمیل میں مصروف ہے، اسکی خاطر اپنی جان کو تکلیف میں ڈال رہا ہے، اور کسی دوسرے کے ہاں سے امیدوار مزد نہیں ہوتا، تب تک اس آقا کے ہونے کی عینی گواہی موجود ہے۔ کیونکہ کوئی متنفس اپنے آپ کو بلا مزد رنج ومحن میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ 'شہادت' یہ نہیں کہ مُنہ سے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، یا کوئی اور ایسا کلمہ پڑھ لیا جائے جیسا کہ آجکل کے مسلمان سمجھ بیٹھے ہیں! جبتک ملازمت اور عبادت عملاً نہ ہو گواہی 'یعنی شہادت جسکا تعلق لامحالہ مشاہدے' سے ہے، قائم نہیں ہو سکتی۔ رہی یہ بات کہ عمل کی نوعیت کیا ہو اسکی تشریح آگے چلکر خود کتاب خدا کریگی۔ اِس امر کا ثبوت کہ شہادت خدا ہی کی ہے آیہ (۴: ۱۳۵) صفحہ ۲۰۲ کے الفاظ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ سے ملتا ہے۔

‡ 'عبادت' کے قرآنی معانی آج صدیوں کے انقلاب تخیّل کے بعد قطعاً مسخ ہو چکے ہیں۔ عامۃ الناس نے بلا استثنا اسکے معانی نماز پڑھنا'

Marfat.com

اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو! اپنے خدا کے حضور میں عملاً جھکتے رہو، (ارْكَعُوا)، اُس کے سب احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کر دو، (وَاسْجُدُوا)، اس کے سچے غلام بنے رہو، (وَاعْبُدُوا)، اور بھلے اور پسندیدۂ خدا کاموں میں لگے رہو تاکہ تم بالآخر کامیاب ہو جاؤ اور اپنی مراد کو پونہچو۔ اور اعلائے خدا میں کوشش کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اُس نے تم ہی کو اِس مطلب کے لیئے دنیا جہان کی امتوں سے انتخاب فرمایا ہے، اور تم ہی وہ لوگ ہو جن پر (تمہارے اپنے زعم میں) خدا نے اعمال و فرائض کے متعلق کچھ ناروا سختی نہیں کی۔ یہی دستور العمل تمہارے باپ ابراہیم کا تھا، اور اس خدا کی عملی غلامی، اور تسلیم کے نصاب عمل کو مدنظر رکھکر ہی اُس نے اس سے پہلے بھی تم جیسے حکمبردار اور کارکن آدمیوں کا نام 'مسلم' رکھا تھا؛ اور اب بھی تمہیں اُسی نام سے پکارتا ہے۔ اور یہ سب اِس لیئے کہ رسولؐ تو خدا کے آقائے نامدار ہونے کی تمہیں گواہی دیتے رہیں، اور تم تمام جہان کے سامنے اپنے اعمال کے ذریعے سے خدا کے وجود کی زندہ شہادت بنو! پس اِن سب باتوں کو مدنظر رکھکر نماز پر قائم رہو، ہماری بارگاہ عالیہ میں پنجوقتہ حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب دو، اور ہمارے وجود کو دنیا پر ثابت کر دینے کی خاطر قربانی مال (الزَّكٰوة) بھی کیا کرو۔ اور اللہ کو مضبوط پکڑے رہو! وہی تمہارا آقا ہے، پر کیا ہی اچھا آقا؛ اور کیا ہی اچھا مددگار ہے!

قبولیت اثر، اور محسوسات قلب کے تہیج و احیا کا یہ وہ عہد سعید اور وہ نکو کار زمانہ تھا جب کہ خدا کو خدا تسلیم کر لینا، اہل عرب کی نگاہوں میں آفتاب کی کرنوں اور مہتاب کی شعاعوں سے بھی عیاں تر

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۵) لے لیئے ہیں، اور ہر شخص چند بار ماتھے کو زمین پر رگڑ کر بے غل و غش اپنے آپ کو 'عابد' قرار دیتا ہے۔ شارحین و واعظین، علما، فقہا، جملا سب کا غالب خیال عبادت سے نماز یا تسبیح گردانی ہی ہے، اور اگر کوئی شخص ذرا زیادہ وسیع النظری سے کام لیتا ہے تو باقی ارکان اسلام کو بھی داخل عبادت کر دیتا ہے یا حد سے حد علی الحساب اور احساناً کہہ دیتا ہے کہ "خدا کے لیئے اُٹھنا اور بیٹھنا بھی شامل عبادت ہے"۔ یہی نہیں بلکہ قریب قریب ہر مذہب کی لغت میں یہ اصطلاح صرف دعا یا نماز تک محدود ہو گئی ہے۔ پُرانی الہامی کتابوں کے متعلق تحقیق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اُن کے الفاظ کے استقلال کی کوئی سند موجود نہیں اور ترجموں میں الہامی الفاظ کی صورت، روح، اور مطالب سب بگڑ چکے ہیں مگر قرآن حکیم کے اندر 'عبادت' کا اصلی اور صحیح مفہوم ابتک موجود ہے بشرطیکہ اسکی آیات میں صحیح تدبر کیا جائے اِن آیات الٰہی میں جو زیر بحث ہیں، 'ارْكَعُوا' اور 'اسْجُدُوا' اور 'اعْبُدُوا' کے تین الفاظ آئے ہیں اور اگر، جیسا کہ کم از کم مجھے یقین ہو چکا ہے، خدائے زمین و آسمان کا کلام ہر قسم کے حشو و زواید، بے نتیجہ تکرار، یا شاعرانہ فصاحت سے قطعاً مبرّا ہے: اور اس کا ایک جملہ، ایک لفظ، اور ایک حرف بھی اوّل بدل، پس و پیش، یا حذف نہیں کیا جا سکتا، تو اس نتیجے پر پونہچنا کچھ مشکل نہیں کہ 'ارْكَعُوا' اور 'اسْجُدُوا' اور 'اعْبُدُوا' کے الفاظ کے تین مختلف اور مستقل معانی ہیں جو شارع قرآن کے ذہن میں اسوقت تھے جب یہ آیت وحی کی گئی۔ اُن کو نماز کا رکوع و سجود سمجھکر قریب المطالب یا مترادف المعانی قرار دینا، یا زور بلاغت کا تکرار فرض کر لینا کلام خدا کی توہین ہے۔ کتاب خدا کے اِس ابتدائی حصے میں اس حقیقت کبریٰ پر

واسطۂ عمل بن گیا تھا! تعبد کی یہ شانِ اضطراری، (وَاعْبُدْ رَبَّكَ[1]) اور اعتصام خدا کا یہ الحافی، رنگ تھا

---

[1] دیکھو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۶) چنداں زور نہیں دیا جا سکتا کیونکہ کلام الٰہی کے الفاظ کے استقلال مطالب اور وحدت معانی کی مثالیں کثرت سے پیش نہیں ہوئیں، لیکن آگے چلکر جوں جوں اور شہادتیں ملتی جائیں گی یہ نکتہ عیاں ہوتا جائیگا۔ 'مسخ حقیقت' کے عنوان میں اس بات کا کافی ثبوت دے دیا جائے گا کہ نص قرآن کے رُوسے 'سجدہ' اور 'عبادت' ایک تکیف دل کی دو مختلف حالتیں ہیں اور اسی لیے بالالتزام علیحدہ علیحدہ بیان کی گئی ہیں۔ 'سجود' کے معانی بھی قرآن کریم میں ماتھا رگڑنے یا سر جھکا دینے کے نہیں، بلکہ اس سے مقصود تکیف اطاعت اور صرف اطاعت ہے۔ اگرچہ ماتھا رگڑنا اُس کا ایک جُز ہو سکتا ہے۔ مطیع شخص ممکن ہے اپنی اطاعت کے جوش میں ماتھا بھی رگڑے مگر ہر سجدہ کرنے والا لازماً مطیع نہیں ہوتا۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے: وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ۝ (۵۵: ۶)، "اور ستارے اور درخت سجدہ کر رہے ہیں"۔ یعنی احکام خدا کی اطاعت میں مصروف ہیں۔ ظاہری سجدہ مراد نہیں اور نہ ہو رہا ہے۔ سورۂ نحل میں ہے: وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ ... (۱۶: ۴۹)، "اور جو کچھ آسمان و زمین میں چلنے والی شے ہے خدا کے آگے سجدہ کر رہی ہے"۔ یعنی اسکے قانون کی مطیع ہے۔ علی ہذا القیاس (۱۳: ۱۵) اور (۲۲: ۱۸) میں یہی مضمون ہے۔ سورۂ آل عمران میں اہلِ کتاب کے متعلق کہا ہے: يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ (۳: ۱۱۳)، "یعنی رات کے اوقات میں احکام خدا کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں"۔ حالانکہ زمین پر ماتھا رگڑنا اُن کا طریق نماز نہ تھا اور آج بھی نہیں۔ سورۂ اعراف کے اخیر میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝ (۷: ۲۰۶)۔ یہاں 'عبادت' اور 'تسبیح' اور 'سجدے' کا وہی لغوی تکرار ہے، اور لفظوں میں تفریق کر دی ہے مگر ظاہر ہے کہ اُنکے یہ معانی نہیں ہو سکتے جو آجکل لوگوں نے ان الفاظ سے لے لیے ہیں۔ کیونکہ مذکور اُن کا ہے جو اس روئے زمین پر نہیں ہیں اور عالم ارواح میں بس رہے ہیں۔ سورۂ نجم میں ہے: فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۝ (۵۳: ۶۲)، یہاں بھی 'سجدہ' اور 'عبادت' کو لفظوں میں الگ کر دیا ہے اگرچہ تکیف ہی اطاعت ہی کا ہے۔ 'سجدے' کا لفظ کلام الٰہی میں صرف دو جگہ ظاہری ماتھا رگڑنے کے معنوں میں آیا ہے۔ ایک سورۂ نمل میں ملکۂ سبا کے متعلق: وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۝ (۲۷: ۲۴)، یعنی "وہ اور اسکی قوم خدا کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے تھے"۔ اور دوسری سورۂ حٰمٓ السجدہ میں: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (۴۱: ۳۷)۔ مگر ان دونوں موقعوں پر صرف ایک واقع الامر کا اظہار ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں یعنی لوگ سورج کے آگے ماتھا رگڑتے تھے یا یہ عبث فعل جو تم کرتے ہو نہ کیا کرو۔ آیۂ (۴۱: ۳۷) سے 'تَسْجُدُوْا' اور 'تَعْبُدُوْنَ' کا الفاظ میں الگ ہونا بھی ظاہر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ "اگر تم فی الحقیقت خدا ہی کے غلام ہو (اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) اگر اسی کے احکام کی تعمیل کر رہے ہو (اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) اگر اسی کے مطیع اور اُسی کے حلقہ بگوش بنے ہو (اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ)، تو اس ظاہری سجدے کو بھی جو شمس و قمر کے آگے کرتے ہو، چھوڑ دو، کہ یہ بھی کیف عبودیت کے منافی ہے۔ یہ رسم بھی خدا ہی کے آگے ادا کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے"۔ گویا خدائے عزوجل کے نزدیک ملازمت ایک آقا کی اختیار کرنا اور سلام سلام دوسرے کو کرنا ایک لایعنی سی بات ہے۔ اگرچہ ایک شخص کے ظاہرا سورج کو سجدہ کرنے اور در پردہ عابد خدا ہونے کے استثنائی امکان کو یہاں پر پیش ہی نہیں کیا گیا بلکہ اسکو اشارۃً تسلیم کیا گیا ہے۔

'رکوع' کا لفظ بھی جسکے معانی اصطلاحاً آج نماز میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھکر جھکنے کے ہیں، قرآن میں ان معنوں میں نہیں آیا۔ اس کا قرآنی مقصود بھی اطاعت اور تعمیل احکام الٰہی ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے: اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ (۵: ۵۵) یعنی "اے ایمان والو! تمہارا دوست اور مددگار تو خدا ہی ہے (جو تمہیں قوت افزا احکام دے رہا ہے) اور اُسکا رسول (جو تمہیں راہِ راست پر لے جا رہا ہے) اور باقی ایمان والے (جو عملاً ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں)، اور یہ وہ لوگ ہیں جو نماز پر قائم رہتے ہیں، اور قربانی مال کرتے ہیں، اور قانون خدا کے آگے علامۃً سر تسلیم خم کرتے ہیں (وَهُمْ رٰكِعُوْنَ)"۔ یہ آخری الفاظ قافیے کی ضرورت کے لیے (معاذ اللہ)

Marfat.com

(وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ط†) کہ ربّ العرش کی مقتدر **حکومت** دلوں کی زمینوں، عزائم کے رہگذروں، اور اعمال کی شاہراہوں پر یکسر قائم ہوگئی تھی! سب عمل اُسی کے لیئے وقف تھے، سب جدّوجہد اُسی کی خاطر

† وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ط کے یہی معانی ہیں کہ بیم وامید کا پیدا کیا ہوا سب عمل تعلق خدا سے قائم کرو۔ یعنی جس طرح کسی دنیاوی آقا سے غرضمندی اعتصام پیدا کردیتی ہے اُسی طرح بلکہ اس سے زیادہ اس احکم الحاکمین سے اعتصام پیدا کرو۔ اِسی کیف عبودیت کو متن کتاب میں "الحانی رنگ" کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۷) نہیں بڑھائے، اور نہ یہ ایک بیہودہ تکرار ہے جو "الصّلوٰۃ" کے بعد کردی ہے اور جس میں رکوع لامحالہ شامل ہے بلکہ "الرکوع" کے اصلی معنی بھی اطاعت احکام خدا ہی تھے یا کم از کم کلام الٰہی کی اصطلاح میں یہ تھے۔ "رکوع" بمعنی رکن نماز بعد میں لوگوں نے وضع کرلیا اور زبان زد عوام اس قدر ہوا کہ اصلی معانی مسخ ہوگئے۔ **اب انسانی لغت اُس حقیقت کو منکشف کرنے سے عاجز ہے** جیسا کہ ہم نے صفحہ ۹۱-۹۲ کے تحت المتن میں دعوٰی کیا ہے یہی بات: وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ۝ (۲: ۴۳) سے ظاہر ہے۔ یعنی "الصّلوٰۃ" پر قائم رہو اور "الزکوٰۃ" کو دیا کرو، (اور سب سے اہم یہ امر کہ) قانون خدا کو تسلیم کرنے والوں کے ساتھ تم بھی سر تسلیم خم کردو۔" سورۂ مرسلٰت میں ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ ہے: وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ ارْکَعُوْا لَا یَرْکَعُوْنَ ۝ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ ۝ (۷۷: ۴۸-۴۹)۔ "اور یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ قانون خدا کے آگے جھک جاؤ تو اسکی تعمیل کرنے سے کتراتے ہیں۔ تو لوگو! اُس دن ان جھٹلانے والوں کے حال پر افسوس ہے۔" گویا **رکوع** (تسلیم) نہ کرنا **تکذیب پیغام رسل** ہے۔

اِن تمام آیاتِ الٰہی سے جو قرآن سے جستہ جستہ لے لی گئی ہیں، ثابت ہے کہ قرآن کی لغت میں "رکوع" "سجود" "عبادت" "تسبیح" وغیرہ وغیرہ اطاعت خدا کے قلبی تکیف کے مختلف مراحل اور مظاہر ہیں جسکا نتیجہ احکام الٰہی کی تعمیل ہی ہے، اس سے کمتر کچھ نہیں، کوئی شخص صرف نماز کی رکعتوں کو رسماً ادا کرکے یا تسبیح کے منکوں کو پھیر کر عبدِ خدا نہیں بن سکتا، اگرچہ جو شخص **فی الحقیقت** اطاعت گذار ہے اُس کے لیئے اِن عبادات کو کیفیتِ دل اور رقّت قلب کے ساتھ ادا کرنا اُسی طرح طبعی ہے جس طرح کہ ایک غلام کا آقا کی شبانہ روز خدمت کے ساتھ ساتھ سلام کرنا، یا اجیانا اُسکی حمد وستائش کرنا بھی ایک لازمی فعل ہے۔ پس یہ **احکام خدا کی شبانہ روز تعمیل کرنا ہی سچی عبادت ہے، اور اسی نقطۂ نظر سے کسی کی عبادت کرنا فی الحقیقت اُس کی ملازمت اور تعبّد اختیار کرنا ہی ہے۔** اسکے ماسوا کچھ نہیں، عبادت کے یہ معانی کلام الٰہی کے قریب قریب ہر ورق پر ثبت ہیں اور اصل کتاب میں اسکی بیسیوں مثالیں آگے چلکر ملینگی۔ سردست دو تین مثالیں اور پیش کردی جاتی ہیں جنسے یہ حقیقت اور بھی عیاں ہوجاتی ہے۔ سورۂ انبیاء میں ہے:

وَجَعَلْنٰھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْھِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءَ الزَّکٰوۃِ وَکَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ۝ (۲۱: ۷۳)

اور لوگو! ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو لوگوں کا سردار اور پیشوا بنایا، وہ ان کی رہنمائی ہمارے قانون (بِاَمْرِنَا) سے کرتے رہے، اور ہم نے اُن کی طرف نیک اور مفید جماعت کاموں (الْخَیْرٰتِ) کے کرنے کی وحی بھیجی، اُن کو حکم دیا کہ الصّلوٰۃ پر قائم رہیں، الزّکوٰۃ کو دیتے رہیں۔ اور وہ لوگ تو نماز گذار یا پابند زکوٰۃ ہی نہ تھے بلکہ جبتک رہے ہمارے اطاعت گذار بندے اور غلام بنے رہے (وَکَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ۝)۔ (باقی)

ع اکثر شارحین کلام الٰہی نے "ارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ" کے الفاظ سے باجماعت نماز کا حکم مستنبط کیا ہے اور اس لحاظ سے رکوع کے معنی اسلامی نماز کے متعارف رکن کے لیئے ہیں۔ نماز کے باجماعت ادا کرنیکے وجوب لزوم سے کسی شخص کو انکار نہیں ہوسکتا جیسا کہ آگے چلکر صفحہ ۲۰۸، ۲۱۱، ۲۲۵، پر واضح کردیا جائیگا۔ لیکن اِن الفاظ کو باجماعت نماز ادا کرنے کی سند گردانا حتماً ناروا ہی کیونکہ "رکوع" کا لفظ رکن نماز کے معنوں میں قرآن میں کہیں نہیں آیا چنانچہ حضرت مریمؑ کے بارے میں یہ آیت اس امر کا قطعی فیصلہ کردیتی ہے: یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ۝ (۳: ۴۳)۔ یعنی "اے مریم! تم اپنے پروردگار کی کامل حکمبرداری کرتی رہو، اُسکے احکام کے سر تسلیم خم کردو (وَاسْجُدِیْ) اور قانون خدا کو تسلیم کرنیوالوں کے ساتھ تم بھی کامل طور پر مطیع بنجاؤ۔" حضرت مریم کو یہاں پر نماز باجماعت ادا کرنیکا حکم نہیں دیا گیا، اور نہ اسلامی رکوع یہودیوں یا عیسائیوں کا جزو نماز کبھی ہوا ہی۔ اسپر طرہ یہ کہ عورتوں کے لیئے نماز باجماعت ادا کرنا اسلام میں بھی فرض نہیں اگرچہ رسول خدا کی امامت میں مستورات کا مردوں کے پیچھے صف باندھکر نماز ادا کرنا مذکور ہی۔ اس آیہ شریفہ سے بہر نوع ظاہر ہی کہ "قنوت" اور "سجود" اور "رکوع" سے مراد احکام خدا کی تعمیل، اور تکیف اطاعت کا پیدا کرنا ہی ہے اسکے ماسوا کچھ نہیں۔

اور اسی کی راہ میں تھی، (وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ)[۱]، سب طاعت و تسلیم اُسی کی گواہی کے لیے تھی، (لِيَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ)[۲]، داعیٔ اسلام کی جاذب القلوب صحبت اور حقیقت کشا شہادت (لِيَكُوْنَ

---

[۱] دیکھو (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵۔ [۲] دیکھو (۲: ۱۴۳) صفحہ ۱۰۵۔

بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۸) یہاں پر پھر 'عبادت' اور الصّلوٰۃ اور الزّکوٰۃ کا لفظی تفرق ظاہر ہے۔ گویا 'عبادت' وہ شئے ہے جو نماز اور زکوٰۃ سے علٰحدہ بلکہ بڑھکر ہے۔ اور یہ وہ عملی ملازمت، وہ استمرار امر، اور وہ شبانہ روز چاکری ہے جسکے لیے کسی وقت یا عدت کی تعیین نہیں۔ ایک اور جگہ موسیٰ علیہ السلام کے مکالمے میں 'عبادت' اور 'الصّلوٰۃ' کے فرق کو اور بھی نمایاں کر دیا ہے: اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ (۲۰: ۱۴)۔ یعنی "اے موسیٰ! اسمیں شک نہیں کہ میں ہی مالک زمین و آسمان ہوں، میرے سوا کوئی حاکم اعلیٰ نہیں، تو تم میری ہی عبادت اور ملازمت اختیار کرو، اور میری یاد، اور غائبانہ خوف دل میں رکھنے کے لیے (لِذِكْرِيْ) 'الصّلوٰۃ' پر قائم رہو یعنی احیاناً میرے حضور میں حاضر بھی ہوا کرو۔" گویا 'عبادت' ایک **غائبانہ تعمیل احکام** ہے اور 'الصّلوٰۃ' اس غائبانہ خدمت کے جذبے کو محرک رکھنے کے لیے بالمشافہ سلام **سلام اور حاضری** ہے۔ لیکن سورۂ مومن میں 'عبادت' کا قرآنی مفہوم ان سے بھی عیاں تر ہے:

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۚ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۚ (۲۳: ۴۵-۴۷)

پھر ہم نے موسیٰ اور ہارون اُنکے بھائی کو اپنے احکام (بِاٰيٰتِنَا) اور اُنکے منجانب اللہ ہونے کی روشن شہادت (سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ) اپنی طرف سے دیکر فرعون اور اُسکے حاشیہ نشینوں کی طرف بھیجا۔ وہ لوگ اُنکو دیکھکر اکڑ گئے، اور درحقیقت وہ تھے بھی سرکش اور مغرور لوگ جو شیخی میں آکر کہنے لگے کہ کیا ہم ان اپنے جیسے دو آدمیوں کو اپنا رہنما مان لیں حالانکہ انکی حیثیت یہ ہے کہ انکی قوم ساری کی ساری ہماری غلام ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہماری چاکری اور خدمتگذاری میں دن رات لگی ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہمہ تن ہمارے زیر اثر ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہماری محتاج اور دست نگر ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہماری نظروں میں خوار و ذلیل ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہمارے آگے ہاتھ جوڑتی اور پاؤں پڑتی ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہمارے دست شفقت کی آرزومند ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، ہماری دی ہوئی روٹیوں پر گذارہ کرتی ہے (لَنَا عٰبِدُوْنَ)، وغیرہ وغیرہ۔

گویا از روئے قرآن 'عابد' وہ شخص ہے جسکی ہیئت کذائی بعینہٖ وہ ہو جو خروج سے پیشتر بنی اسرائیل کی فرعون کے ماتحت رہ کر تھی یا جو آج کل **مشرقی اقوام کی یورپ کے دست تظلم سے** ہے۔ بنی اسرائیل کے مظلوم فرعون کے محلات کی تعمیر کے ضمن میں ہزاروں من پتھر لدے ہوئے چھکڑوں میں ہانکے جاتے تھے، اُمرا کی تفریحی گاڑیاں میلوں تک ہانپ ہانپ کر کھینچتے تھے، اُن کی بیگمات کو پالکیوں میں اٹھائے پھرتے تھے، اُن کے سروں پر چھتریاں لگائے دم بخود چلے جاتے تھے، اُن کی سواریوں کے ساتھ ساتھ دوڑتے تھے، پڑاؤں میں شبانہ روز خشت سازی اور جنگلوں میں لکڑی جمع کرنا اُن کا آبائی پیشہ تھا، چمڑے کے گندھے ہوئے کوڑے اُن کے بدنوں کو لہولہان کر دیتے تھے، وہ اُن کی ضرب سے سڑکوں اور چوراہوں پر بے ہوش و حواس گر پڑتے، لیکن بادشاہت کے رعب جلال کے آگے اُف تک نہ کر سکتے تھے۔ اُن کے چیتھڑوں سے پیوند کیے ہوئے تہمد اور مسکنت کے سیاہ کیے ہوئے بدن، فرعون کی **عبادت** اور طاغوت کی غلامی، تحکم شاہ اور تعبد گدا، تعلی بشر اور قہر خدا کی وہ عبرت انگیز شہادتیں تھیں جو ہر صاحب نظر کو کپکپا دیتی تھیں۔ وہ اس تعبد میں صدیوں کی عادت اور رواج کے باعث اسقدر محو و منہمک رہتے تھے کہ اس مغرور قوم کی خدمت میں دن رات لگے رہنا اُنکی نظروں میں عین سعادت تھا۔ فرعون مصر اُن کو بُلا بُلا کر کچھ اپنے آگے ماتھا نہیں رگڑواتا تھا[۱]۔ اور نہ منہ سے رسماً اپنے آپ کو خدا کہا کرتا تھا بلکہ یہی تعلق اور تعبد وہ جبری عبادت تھی جو ہزار رسمی سجدوں اور زبانی دعووں سے بڑھکر تھی۔ اسی کے ضمن میں حسب موقع ماتھے بھی رگڑے جایا کرتے تھے۔ منتیں اور خوشامدیں بھی ہوا کرتی تھیں، جبینیں فرش زمین بن جاتی تھیں، آرام کی پروا نہ رہتی تھی، جان کو جوکھوں میں ڈالکر آقاؤں کو خوش کیا جاتا تھا۔ یہی طرز عمل بعینہٖ آج ہر مشرقی قوم کا

---

[۱] لَنَا عٰبِدُوْنَ کی جمع متکلم کی ضمیر سے بھی یہی ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل صرف فرعون کے عابد نہ تھے بلکہ تمام مصری قوم کی خدمت میں لگے رہتے تھے سجدہ کرنا صریحاً مراد نہیں۔

Marfat.com

الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ[۵۱]، نے عالمِ ارواح کے شاہدِ لم یزل[۵۲] پر سے نقاب اُلٹ کر، خدا اور بندوں کے درمیان آقائی اور غلامی، حاکمی اور محکومی، حُسن و عشق کے انداز پیدا کر دیئے تھے! (هُوَ مَوْلٰكُمْ[۵۳]

---

۵۱ دیکھو (۲۲: ۷۸) صفحہ ۱۰۵۔ ۵۲ ایضاً صفحہ ۱۰۵۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۰۹) شیوۂ عبادت ہے، اور جس فرد یا قوم کے طریق عمل میں خدائے زمین و آسمان کے بارے میں یہی شیوۂ عبادت اور یہی انداز عشق ظاہر ہو وہ "اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ" (۲۲: ۷۷) صفحہ ۱۰۵) کے الفاظ کا صحیح مصداق ہو سکتی ہے۔ عبادت کے اسی انداز عمل کو پیش نظر رکھکر اصل کتاب کی زیر بحث آیت (یعنی ۲۲: ۷۷) کے بعد "وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ" کے الفاظ آئے ہیں یعنی "اس ربِّ زمین و آسمان کی خدمت اور اعلا میں وُہ وُہ کوششیں، وُہ وُہ حکم برداریاں، وُہ وُہ ایثار اور تکلیفیں اُٹھاؤ جو اتنے بڑے آقا کے شایانِ شان ہوں!" عبادت کا یہی مفہوم آیہ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (۲۶: ۲۱) میں ہے جو ہر صاحب نظر پر عیاں ہے۔

اب سوال صرف یہ رہجاتا ہے کہ اگر عبادت 'یہ' ہے تو رکوع و سجود 'یعنی ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا (۲۲: ۷۷) کے الفاظ کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ اسکی تشریح بھی بنی اسرائیل کی عبادت کی محوّلہ بالا تفصیل میں ضمناً ہو گئی ہے مگر ذرا زیادہ وضاحت پیش نظر ہے۔ غرضمندی اور احتیاج، شوق انعام اور خوف سزا ہی وہ چیزیں ہیں جو ہر عبادت کی محرک اوّل ہیں۔ انہی کے ہوتے اطاعت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے، پھر اطاعت کے ساتھ ساتھ رکوع و سجود کا پیدا ہونا بھی لازمی امر ہے۔ جبتک کسی منعم کے انعام کی امید لگی ہے یا اسکی سزا کا خوف باقی ہے، اُسکے آگے جھکتے رہنا، اُس کے پاؤں پڑنا، اسکی خوشامد اور اطاعت کرنا قطعی ہے۔ یہی رکوع و سجود کا سچا کیف و حال ہے۔ اور اسی نقطۂ نظر سے رکوع و سجود اسلامی نماز کا جزو لاینفک بھی ہے۔ 'بیم و امید کا وجود' عبادت' یعنی تعلق اور ملازمت از خود پیدا کر دیتا ہے۔ اور اسی عبادت کا ایک ادنیٰ جزو رکوع و سجود ہے۔ لیکن نماز میں رسماً ہاتھ باندھ لینا یا گھٹنوں کے بل گر پڑنا نہ عبادت ہے نہ رکوع۔ جبتک خوف و رجا کا قلبی تعلق اصالتاً موجود نہ ہو اور گردنیں رسماً نہیں بلکہ عملاً بلکہ جبراً خدا کے آگے جھکیں۔ اسی تکیف کو پیش نظر رکھکر سورۂ انبیا میں ہے: وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝ (۲۱: ۹۰) یعنی "وُہ لوگ ہمیں بیم و رجا سے بلایا کرتے تھے اور اسی لیئے ہماری درگاہ میں عاجز بن کر آتے تھے۔" قرونِ اُولیٰ کے عرب کی یہی کیفیت دل ہم نے اصل کتاب میں ظاہر کی ہے (دیکھو صفحہ ۱۰۴) اور یہی 'ایمان' کا جزو لاینفک ہے جو یَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب سے ظاہر ہے۔ کتاب کے عربی دیباچے میں میں نے لفظ 'عبادت' سے جا بجا اسکا یہی علمی مفہوم مراد لیا ہے۔

'عبادت خدا' کے صحیح معانی آج یہانتک مسخ ہو چکے ہیں کہ دنیا کا کوئی ایک مذہب بھی اس کے اصلی یا خدائی مفہوم پر عمل کرتا ہوا نظر نہیں آتا۔ نہیں بلکہ جسقدر کوئی مذہب قدیم تر ہے اسیقدر اسکی 'عبادت' ایک لفظی اور رسمی، بے نتیجہ اور بے معنی شے بن گئی ہے حتیٰ کہ اسکی 'نماز' کے بقیہ آثار بھی مرورِ مدت کے باعث قطعاً بے حقیقت اور مضحکہ خیز بن گئے ہیں۔ وحشی اقوام میں جنکے مذہبی محسوسات متمدن اقوام کے معتقدات باقیہ سے نسبتاً قدیم تر ہیں، 'نماز' یا 'عبادت' کا کوئی مستقل تخیل حتماً باقی نہیں رہا۔ افریقہ اور آسٹریلیا کی بعض وحشی قومیں بظاہر اس کلیے سے مستثنیٰ نظر آتی ہیں مگر اُن میں بھی 'نماز' کا تخیل کسی مٹی کے بُت کے گرد اگرد 'ناچنے' یا آواز بلند نام پکارنے تک محدود ہے اگرچہ خدمت جن (عبادت) کے خیال سے قبروں کے اندر آگ جلانا اور پانی، میوے، اور ہتیاروں کے چڑھاوے چڑھانا بھی کہیں کہیں مروج ہے۔ ہندوؤں میں 'عبادت خدا' کسی دیوی کی مورتی پر پھول چڑھانے یا خوراک اور مال کی قربانیاں کرنیکے مترادف ہے۔ 'نماز' کا تخیل اُنکے ہاں بگڑتے بگڑتے صرف اشنان کرنے، قشقہ لگانے، ماتھا ٹیکنے، ہاتھ جوڑنے اور مندروں کے اندر گھنٹے بجانے تک رہ گیا ہے۔ بُدھ مذہب، جسکی 'عبادت' اور 'صلوٰۃ' کے تخیل میں آج کوئی مابہ الامتیاز قائم نہیں رہا۔ اور جو خود کسی زمانے میں آریہ مت کی اصلاح کے لیئے آیا تھا، اسی انقلاب کا شکار ہو چکا ہے۔ اُسکی 'نماز' آج صرف ایک چرخ کے گھمانے پر ختم ہے! جسقدر چکر چرخ کو دیئے جاتے ہیں اُسیقدر زیادہ موثر یا بہتر نماز ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بڑے بڑے ہیکلوں میں اس چرخ عظیم کو گھمانے کے لیئے آبی کلیں اور پن چکیاں استعمال ہوتی ہیں! خود عرب اور اہالیٔ مکہ کا قدیم

Marfat.com

دِلوں میں ارادت کے اُسی کارکن جوش کی خوش آیند خلش، اور سینوں میں تعلّق کے اُسی غرضمند شوق کی دل آویز لگن رہا کرتی تھی۔ مومنوں کے توجّہ طلب اور رشک آشنا قلوب میں، شاہدِ معنی کی

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۰) ابراہیمی مذہب خدائے ذوالجلال کی عملی عبودیت اور اس کے احکام کی سرفروشانہ اطاعت سے ہٹتے ہٹتے اسقدر لغو اور بے معنی شے بن گیا تھا کہ خانہ کعبہ کی نماز، صرف سیٹیاں اور تالیاں بجانا ہو گئی تھی۔ سورۂ انفال میں وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ (۸ : ۳۵) کا اشارہ اسی لایعنی 'نماز' کی طرف ہے اور بصراحت تمام کہہ دیا ہے کہ نماز کی ابراہیمی کیفیت کو مسخ کر دینا 'کفر' اور ہلاکت کے مترادف تھا۔ یہود و نصاریٰ کے مذہبی حلقوں میں عبادت اور نماز اصلاً اور عملاً ایک ہی شے سمجھی جاتی ہیں، اور زیادہ تر گیت گانے، ارغنون بجانے، یا حبر سے حدو عظ سننے اور تسبیح پھیرنے، یا توراۃ و انجیل کے ترجموں کی رواں تلاوت کرنے پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ عبادت 'یعنی خدمتِ خدا کا اظہار ہیکلوں اور کلیساؤں میں خوشبودار چیزیں جلا جلا کر، شمعوں کو قربانگاہ کے گرداگرد روشن کر کے، یا اسقفوں کی مقرر کردہ رسوم کو بصحت تمام ادا کر کے کر دیا جاتا ہے۔ اسلام کے اندر اگرچہ نماز کی ظاہری شکل و صورت میں اسکے جدید ترین مذہب ہونے کے باعث (فرقہ بند لوگوں کے جزوی اختلاف سے قطع نظر) قابل ذکر تبدیلی پیدا نہیں ہوئی مگر اسکے مقاصد و اغراض اسقدر نسیاً منسیاً ہو چکے ہیں کہ 'الصلوٰۃ' اب صرف ایک رسمی اُٹھک بیٹھک کا نام رہ گیا ہے جو ہر نماز گذار نہایت صحت اور التزام سے ادا کر دیتا ہے اور اسیکو 'خدمت' خدا کا جزو اعظم شمار کرتا ہے۔ گویا جہاں خدمت نفس اور عبادت حکام، تعلق اولاد اور تعبد مال و جاہ میں دن رات ایک کر دیئے جاتے ہیں وہاں خدمت خدا کے لیئے یہی دو ایک سجدے کر دینا 'کارِ عظیم' اور 'بارِ گراں' بن چکا ہے۔ بیم و رجا کا تکلیف دلوں سے محو ہو کر خدا پر احسان و امتنان کی صورت پیدا کر گیا ہے۔ ارضی حاکموں اور نفسانی بتوں کی عملی عبادت درگاہِ خدا میں خشوع کو حتماً بیدخل کر چکی ہے، اور اسی لیئے یہ بیچارہ قصہ بیگار طبعاً بُری معلوم ہو رہی ہے۔ لیکن جب خوف کے مستحق، اور رجا کے سزاوار ارضی خدا 'بن چکے ہوں تو رب زمین و آسمان سے استعانت کی ضرورت کیوں باقی رہے اور سچا خشوع و خضوع کیونکر پیدا ہو! سورۂ بقرہ میں ہے

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ (۲ : ۴۵)

اور لوگو! اپنی مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیئے استقلال سے طلب اعانت کیا کرو اور ساتھ ساتھ نماز میں کھڑے ہو کر خدا کے حضور میں بھی گڑگڑاؤ کہ اصلی حلال مشکلات اور مسبب الاسباب وہی ہے اور یہ نماز تو ان لوگوں کے سوا جن کا تمام تعلق ہم سے وابستہ ہو چکا ہے (الْخَاشِعِينَ)، جن کا سب بیم و رجا ہم ہی سے ہے (الْخَاشِعِينَ، دیکھو آیہ (۲۱ : ۹۰) جو اوپر گذر چکی ہے) جو ہم ہی کو منعم اور ہم ہی کو مُذِل قرار دیتے ہیں اور اسی لیئے ہمارے ہی آگے عاجزیاں کرتے ہیں (الْخَاشِعِينَ)، باقی سب کے نزدیک ایک بیگار ہی بیگار ہے!

اسلامی مذہبی حلقوں میں 'نماز' اب صرف الفاظ کو صحت اور خوش الحانی سے دُہرانے کا نام رہ گیا ہے، مطالب سے کوئی غرض یا بحث باقی نہیں رہی، پیش امام کی ساری توجہ اسی میں ہے کہ قرأت درست ہو، صفیں سیدھی ہوں، ارکان صحیح طور پر ادا ہوں، قرآن کا کوئی ٹکڑا حسب حال یا ناحسب حال ہر قومے میں چلا دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ مقتدی کا اکثر اہتمام بھی انہی سطحی باتوں میں صرف ہوتا ہے۔ اسی لیئے نماز کے ادا کرنے میں ایک تکلف اور آورد پیدا ہو گئی ہے جو اسکی اصلی غایت بلکہ صورت کو بھی آہستہ آہستہ مسخ کر رہی ہے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ آیندہ ہزار دو ہزار برس بلکہ اس سے بھی کم مدت میں اسلامی نماز اہل چین کے چرخ کی مانند مضحکہ انگیز بنجائے۔ اور جس طرح آج کسی سے قرآن اور درود پڑھوا کر یا بالوساطت رفدہ رکھوا کر ثواب حاصل کرنا مرسوم ہو گیا ہے اسی طرح رفتہ رفتہ نماز کو ادا کرنے والے پیشہ ور اصحاب بھی مقرر ہو جائیں جو اجرت کے خیال سے اسکو کسی منجنیقی ترکیب سے جلد جلد ادا کرنے کی کوئی آسان سبیل نکال لیں۔ اب بھی موسیقی عنصر اور تطریبی اسلوب نماز میں اسقدر نمایاں ہو چکا ہے کہ جہاں کسی ادنیٰ سے ادنیٰ دنیاوی حاکم کے روبرو جا کر دم خشک ہو جاتا ہے، ملاقات سے پہلے ہونٹوں پر پپڑیاں جم جاتی ہیں، بدن میں کپکپیاں اور چہروں پر زردی چھا جاتی ہے، اور فرط رعب کے مارے مُنہ سے الفاظ تک نہیں نکلتے، وہاں مالک ارض و سما

Marfat.com

نگاہوں کی غلط اندازیاں، اور لب جاں بخش کے تبسّم کی غیر نوازیاں خلجان عظیم پیدا کر دیتی تھیں!
وہ خدا کی دامن درازی کے بالمقابل اپنے دست نارسا کو دیکھکر اور بھی سعی و عمل کرتے اور انتخابِ خدا کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۱) اور خالق شمس و قمر کے حضور میں جاکر ترنّم پیدا ہو جاتا ہے! پروا تک نہیں رہتی کہ کس کی جناب میں کھڑے ہیں، کیا مانگ رہے ہیں، کیوں مانگ رہے ہیں، کیوں گھٹنوں کے بل گر رہے ہیں، کیوں سجدے کر رہے ہیں، کیوں ٹھوڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ پیش امام کا سارا زور اسمیں صرف ہوتا ہے کہ نماز بلند سے بلند آواز میں ادا ہو، مقتدی سب کے سب اس کے ترنّم کو سُن سکیں اور مسجدے بے اختیا واہ واہ کرتے نکل جائیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں ایک الٰہی ارشاد ہے جو بجائے خود اس امر کی دلیل ہے کہ آجکل کی ترنّم والی نماز قرون اولیٰ کی نماز نہیں ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ (۱۷: ۱۱۰)

اے محمدؐ! ان مجاز بینوں کو کہہ دو کہ خدا کو 'اللہ' کہہ کر گڑگڑاؤ یا 'رحمٰن' کہکر بلبلاؤ جس نام سے بھی پکارو گے تو اُسکے سب نام اچھے ہی ہیں (مقصود صرف تکیف دل ہے، باطنی خوف ہی، اسکی جناب میں سچی عاجزی ہے، دل کو ہلا دینے والا خشوع و خضوع ہے، اور پھر اس خشوع و خضوع کے بعد باقی اوقات میں کیف اطاعت ہی)۔ اسکے لیئے نام کی کوئی تخصیص نہیں اور نہ نام لے لے کر پکارنے سے تمہارے حالِ دل کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ ہاں البتہ اپنی نماز میں اتنا ظاہری ادب ضرور ملحوظ رکھو کہ اسکو چلا چلا کر مت پڑھو اور بالکل چپکے ہو کر پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ ان دونوں کے بیچ بیچ ایک متوسّط طریقہ اختیار کر لو (جانے رہو کہ تم کس کے حضور میں کھڑے ہو، اور وہ کتنا بڑا بادشاہ ہے۔ یہ ظاہری ادب بھی کیف دل پیدا کرنیکے لیئے ازبس ضروری ہے۔ اگرچہ خدا سب باتوں سے بے نیاز ہے)۔

نماز کے موجودہ رنگ سے صرف نظر کرکے پھر اگر دوسری مرسوم عبادات کی کنہ و ماہیت کیطرف نظر دوڑائی جائے تو لامحالہ کہنا پڑتا ہی کہ انکی غرض و غایت میں بھی مرور مدت کے باعث بے انتہا تصرف ہو چکا ہے۔ صوم، زکوٰۃ، حج وغیرہ وغیرہ سب کے سب معنا ہل چکے ہیں۔ تسبیح کا تخیل مسلمانوں نے قطعاً نصرانیوں اور یہودی راہبوں سے لیا ہے۔ اگرچہ تسبیح ہندوؤں اور بدھ کے معتقدوں میں بھی مدت مدید سے جاری ہے۔ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تمام عمر میں تسبیح کا استعمال کا یتہً نہیں کیا۔ اور اگرچہ عبادت خدا کا یہ مضحکہ انگیز ہتیار آپنے ضرور کہیں نہ کہیں دیکھا ہوگا مگر اسکے استعمال کے متعلق آپکے ارشاد کا ایک حرف کہیں موجود نہیں۔ اُسوۂ حسنہ پر چلنے والے مسلمانوں نے آج زہد و اتقا کا تمام ساز و سامان اسی چار گرہ دھاگے کے اندر دیکھ لیا ہی، اور اس خدائے عظیم کے کپکپا دینے والے اسمار کو دُہرا دُہرا کر بے نتیجہ اور بے اثر کر دینا اِس قدر آسان سمجھ لیا ہے کہ ہر کس و ناکس اسکو ہاتھ میں رکھکر مسلمان ہونے کی سند حاصل کر لیتا ہے اگرچہ در پردہ وہ قوم کی بیخ کنی کے منصوبے سوچ سوچ کر اُمّت کو تباہی کے کنارے پر لگا رہا ہو۔ مگر یہ نازک موضوع اِس قابل نہیں کہ کتاب کے ابتدائی حصے میں اسکے مالہٗ و ماعلیہ پر مدلل بحث کی جا سکے۔

محولہ بالا بحث و تمحیص سے کم از کم یہ ظاہر ہے کہ اسلام میں عبادت کے معانی احکام خدا کی پیہم تعمیل کرنا ہی ہے کوئی انسان کی بنائی ہوئی لغت اِسکے صحیح مفہوم کو حتماً ادا نہیں کر سکتی۔ اور جسطرح کسی آقا کی ملازمت میں وقت کی تخصیص نہیں ہوتی اسیطرح عبادت بھی وقت سے حتماً بے نیاز ہی۔ الصّلوٰۃ صرف ایک پنجوقتہ حاضری اور سلام سلام ہے جو ہر وفادار اور حکمبردار، مُسلم اور مطیع غلام کے لیئے روزانہ خدمت کے بعد ضروری ہی لیکن بجائے خود عبادت نہیں۔ اسی لیئے قرآن میں بارہا 'صلوٰۃ' کے لفظ کو عبادت سے علیحدہ کر دکھایا ہے۔ اور اسی تعبّد کا اقرار نماز میں ہاتھ باندھکر ہوتا ہی: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ (۱: ۴) یعنی "اے خدا! ہم تیرے ہی غلام بنیں گے اور تجھ ہی سے مشکلات میں مدد مانگیں گے"۔ ورنہ 'نَعْبُدُ' کے معانی "ہم تیری ہی نماز پڑھتے ہیں" لے لینا بے معنی ہے کیونکہ نماز تو اسی کی پڑھی جا رہی ہے پھر اسکا اقرار لغو ہے۔ خدا کی 'خدمت' صرف یہی ہے کہ اسکے بتائے ہوئے احکام عملاً مانے جائیں۔ اس سے زیادہ یا کم کچھ نہیں۔ آگے چلکر اصل کتاب میں بتایا جائیگا کہ یہ فرماں برداری بھی انسان کے اپنے ہی نفع کے لیئے ہے، خدا اس خدمت سے قطعاً بے نیاز ہے۔ گویا یہ خدمت بھی عجب خدمت ہی جو غلام کی اپنی ہی بہتری کے لیئے ہے۔

(باقی)

Marfat.com

حق ادا کرنے میں کچھ کسر اُٹھا نہ رکھتے، (هُوَ اجْتَبٰىكُمْ)[۱] تسلیم اُن کا واحد شیوۂ عمل، اور اطاعت اُن کا اہم طریقِ کار تھا، (هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ)[۲]، بڑی سے بڑی مصیبت، اور مشکل سے مشکل خدمت اُن کے چہروں پر ملال اور ماتھوں پر بل نہ آنے دیتی، (وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ)[۳]۔ منعم بے مثال کے یہ خوشدل مزدور، اور ملتِ ابراہیم کے یہ سچے پیرو، اپنی بہتری اور فلاح کی خاطر پسندیدۂ خدا کاموں کیطرف لپک لپک کر پہنچتے اور ایک عالم کو محو و شرمسار کر دیتے، (وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)[۴]؛ خدائے بے نیاز کی جناب میں اُنکے رکوع و سجود کسی غمزدہ اور بے نوا انسان کی نگاہ عاطفت کی پیہم دُعا، اور بے محابا کرم کے سوال بن بن کر ظاہر ہوتے تھے نمازوں اور دعاؤں میں اُنکے قومے اور قعدے ہولِ جاہ اور رعبِ جلال کی مضطربانہ حرکات، اور عجز و بے بسی کے ترحم انگیز اور اضطراری اعمال بن گئے تھے! بارگاہ خدا میں اُنکا دست بستہ

---

[۱] دیکھو (۲۲ : ۷۸) صفحہ ۱۰۵۔ [۲] ایضاً صفحہ ۱۰۵۔ [۳] ایضاً صفحہ ۱۰۵۔ [۴] دیکھو (۲۲ : ۷۷) صفحہ ۱۰۵۔

(تتمہ بحث المتن صفحہ ۱۱۲) عبادت کا یہ اصلی اور نتیجہ خیز مفہوم سنسکرت کے مشہور لفظ سیوا (خدمت)، اور انگریزی کی کلیسائی اصطلاح سروس (ملازمت) سے ظاہر ہے اگرچہ آج کوئی شخص انکو ان معانی میں نہیں لیتا۔

متذکرۂ صدر بحث و تمحیص سے بہرنوع یہ ظاہر ہے کہ اُزْكَعُوْا، اور اُسْجُدُوْا، اور اُعْبُدُوْا، کے الفاظ قرآن حکیم میں اپنے اصلی معانی استعمال ہوئے ہیں، اِن سے مقصود خدا کی ملازمت بعینہٖ انہی معنوں میں اختیار کرنا ہے جن معنوں میں کسی نیابتی حاکم کا تعبّد اختیار کیا جاتا ہے، رسمی سلام سلام اور پنجوقتہ نماز اُس ملازمت کا صرف ایک جزو خفیف ہے۔ اِس چاکری کا حصہ عظمیٰ عمل ہے، اطاعتِ احکامِ خدا ہے، تسلیم و انقیاد ہے، جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ہے۔ اِسکے سوا حتماً کچھ نہیں۔ جو سطحی غلاف عبادت کے صحیح مفہوم پر انسان کی سہل پسندی اور کاہلی کے باعث چڑھ گیا ہے خود لوگوں نے ڈالا ہے، قرآن کے محفوظ اور ناقابلِ بدل کلام کو اُس سے کچھ واسطہ نہیں، عبادت کے معانی خود کلام کے اندر موجود و مصئون ہیں کوئی لُغت اُنکو ابدالآباد تک بدل نہیں سکتی قرآن میں جہاں عبادت کا لفظ واقع ہوا ہے اسکی الٰہی غرض و غایت یہی ہے جیسا کہ آیندہ اوراق میں ظاہر ہوگا۔

† اگرچہ شارحین قرآن نے عام طور پر اِس جزو طلب فقرے کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ "خدا نے مسلمانوں پر دین کے بارے میں کوئی تنگی روا نہیں رکھی" اور اپنے حسب مطلب معانی پیدا کر کے مسلمانوں کیلئے (اور سب سے پہلے اپنے نفس کیلئے) اسی و عمل سے گریز کرنیکی ایک عمدہ سبیل نکال لی ہے لیکن اگر ذرا تأمل سے کام لیا جائے تو اِن الفاظ کے یہ معانی ہرگز نہیں ہو سکتے۔ خود اِنہی آیات (یعنی ۲۲ : ۷۷-۷۸) سے اور اُنسے جو آگے چلکر پیش کر دیجائینگی ظاہر ہے کہ ایمان کی شرط خدا کی راہ میں سخت سے سخت مصائب کا سامنا کرنا ہے۔ یہی بات وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ (۲۲ : ۷۸) سے ظاہر ہے۔ پھر خدا کیونکر کہہ سکتا ہے کہ تمہارے لئے دین اسلام میں ہم نے کوئی ذرا سی تنگی بھی نہیں رکھی حالانکہ ایمان کی شرط و حید یہ ہے کہ اُسکی راہ میں جان تک سے دریغ نہ کرو۔ دراصل یہ تمام خطاب اُن اہل عرب کیطرف ہے جو رسولِ خدا کے زمانے میں اپنی انتہائی سعی و عمل سے شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ بن چکے تھے، اور اِنہی کارکن لوگوں کی بابت خدا نے فرمایا ہے کہ تم ہی صحیح معنوں میں مُسلم ہو، تم ہی خدا کو درحقیقت خدا تسلیم کرتے ہو، تم ہی ابراہیم کے سچے پیرو ہو، تم ہی میری منتخب اُمت ہو، اور تم ہی خدا کے وہ سچے غلام ہو کہ خدا کا مشکل سے مشکل اور صبر آزما سے صبر آزما حکم تم کو تنگ نہیں کرتا، تم ہی وہ مستقل مزاج اور تکلیف برداشت، وہ اولوالعزم اور صابر لوگ ہو کہ خدا کی کوئی خدمت بھی تمہارے ماتھوں پر شکن نہیں پڑنے دیتی اَعَلَيْكُمْ پر اور اِن آیات میں جہاں جہاں لفظ كُمْ ہے ان سب پر مدار ہے۔ روئے خطاب صرف قریش مکہ کے مسلمانوں کیطرف ہے یا اُن کیطرف جو اُن جیسے کارکن ہیں۔ اُنہی کے لئے خدا نِعْمَ الْمَوْلٰى اور نِعْمَ النَّصِيْرُ بھی ہے نہ آجکل کے برائے نام مسلمانوں کا جن کو وہ دردناک سزائیں دے رہا ہے!

Marfat.com

قیام کسی نیازمند دل کے طبعی اضطراب کی سکوت افزا دھڑک، اور غرضمند انسان کی بے تابیٔ دل کی ادب آموز دبک بن بن کر ظاہر ہوتا تھا (یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا)۔ اُن کا ایمان اُنکے اعمال کا صحیح عکس، اور اُن کے سجدے اُنکی اطاعت کی صحیح تصویر تھے! خداوندِ عالم کی یہی وہ سچّی عبادت اور وہ ناقابلِ انکار شہادت تھی جسنے ایک اقل قلیل مدّت میں اہل عرب کو روئے زمین کی اُمتوں کا مرکز بنا دیا تھا! (۲: ۱۴۳)۔ عشق و عمل کے اِسی نقطۂ وحید سے خدائے واحد کی محبّت کے آتش افشاں فوّارے، اور نورِ ایمان کے آسمان سیر شعلے پھوٹ پھوٹ کر اکناف عالم میں پھیل گئے تھے! یہی وہ برگزیدہ اور منتخب اُمّت تھی جسکے دعوئے محبّت کو آزمانیکے لیئے شاہدِ امتحان طلب تھا۔ قوم کے ہر فرد پر جہاد بالسّیف فرض کر کے مُدّعیٔ ایمان کی جان کو عشقِ خدا کے بیباکانہ جُرم کا خونبہا تجویز کیا تھا، اور پھر وہ اس نعم المولےٰ اور مُنعم لم یزل کی حیرت انگیز حیلہ جوئی اور حکمت آمیز بہانہ طلبی تھی جو اس سرفروشانہ تہوّر کے انعام میں مومنوں کو ہر موقع پر عطا فرما کر چند برسوں کے اندر ہی اندر روئے زمین کے بڑے سے بڑے حصّے کی بادشاہت بخش دی تھی! (فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ)[۵۳]

بہ تمنائے تو ترکِ دو جہاں کردم ولی
مہربانیِ تو ہم در خورِ آں می بایست

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا[†] لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ○ (۸: ۷۴)

---

[۵۱] دیکھو (۱۲۲، ۷۷) صفحہ ۱۰۵ [۵۲] دیکھو صفحہ ۱۰۵۔ [۵۳] دیکھو (۲۲: ۷۸) صفحہ ۱۰۵۔

[†] "اَلْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا" کی شرائط جو اس آیۂ شریفہ میں بیان کی گئی ہیں نہایت غور طلب ہیں۔ "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" کے متعاقب ہجرت اور جہاد اور نصرت باہمی کی شرائط پیش کر دینے کا مطلب یہی ہے کہ ایمان کا مُنہ سے اقرار کر لینا محض کچھ شے نہیں جبتک کہ اُس زبانی اقرار کی تصدیق عمل سے نہ ہو۔ چنانچہ سورۂ عنکبوت کے شروع میں یہی توکید ہے (بلکہ یہی بات آیہ (۴۹: ۱۵) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۱۱۵ کے متن میں ہے):

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ

کیا لوگوں نے اپنے دل میں یہ سمجھ رکھا ہے کہ زبان سے صرف اتنا کہنے پر چھوٹ جائینگے کہ ایمان لے آئے اور اُن کا امتحان نہ لیا جائیگا۔ حالانکہ اُنکو اس بات کا خوب علم ہے کہ ہم نے اُن لوگوں کی آزمایش بھی ازروئے عمل کی تھی جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ تو یاد رکھو کہ خدا ان لوگوں کو ضرور معلوم کر کے رہیگا جو اپنے یقین کی بذریعہ عمل تصدیق کرنے والے ہیں (اَلَّذِيْنَ صَدَقُوْا) اور اُن کا بھی پول کھول دیگا جو مُنہ سے بکواس کرتے ہیں اور دل سے جھٹلاتے ہیں (اَلْكٰذِبِيْنَ)۔ صَدَقُوْا کیلئے دیکھو

Marfat.com

اور جن لوگوں نے خدا کو مولا مان کر اسکا آوازہ بلند کرنے کی خاطر ہجرتِ وطن اختیار کی، اور اُس کی راہ میں دشمنوں سے لڑے، اور جنہوں نے ہجرت کرنے والوں کو پناہ دی، اور حصول مقصد میں اُن کی حتی الامکان مدد کی، تو یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں! ان کے لیے میرے ہاں سے اُنکی تقصیروں اور گذشتہ واماندگیوں پر پردہ پوشی ہے، اور علاوہ ازیں بالآخر عزت و آبرو کی روزی۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ (۴۹: ۱۵)

سچے ایمان والے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے خدا کو فی الحقیقت اپنا آقا سمجھا (اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ)، اور رسول کو صدق دل سے اُسکا بھیجا ہوا پیغام برحق جانا، اور پھر اسکے بعد خدا کی آقائی اور رسول کی صداقت میں کسی طرح کا شک و شبہ نہ کیا۔ اور اس قلبی ایمان کی تائید میں اپنے جان و مال سے خدا کا بول بالا کرنے کی خاطر دشمنوں سے لڑے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے یقین کی بذریعہ عمل تصدیق کرنے والے، اور اپنے ایمان کو سچ کر دکھانے والے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ○ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ† لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ (۹: ۲۰-۲۲)

---

† 'جَنّٰت' کا ترجمہ ہم نے باغات اور سرسبز زمینیں کر دیا ہے۔ یہاں اس بحث کو طول دینا مناسب نہیں۔ قرآن حکیم میں 'جَنّٰت' اور 'الْجَنَّة' دو مختلف اصطلاحیں ہیں جنکا مفہوم بھی بالاجمال مختلف ہونا چاہیئے۔ 'جَنّٰت' اور 'الْجَنَّة' میں فرق، اور اول الذکر کا قرآنی مفہوم میسری مجلد میں عیاں کر دیا جائیگا۔ اگرچہ 'الْجَنَّة' کی حقیقت پر بحث چھٹی مجلد سے پہلے مکمل نہ ہو سکے گی۔ یہاں صرف اسقدر لکھ دینا کافی ہے کہ قرآن کریم میں 'جَنّٰت' کا لفظ کئی موقعوں پر بصراحت تمام زمینی باغات کے لیئے استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۂ رعد میں ہے: وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ (۱۳: ۴)۔ "اور زمین میں پاس پاس کئی قطعے ہوتے ہیں اور انگور کے باغات اور کھیتی اور کھجور کے درخت"۔ سورۂ قٓ میں ہے: وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۙ (۵۰: ۹)۔ "اور ہم نے ہی آسمان سے برکت دینے والا مینہ اتارا پھر اُسکے ذریعے سے باغ اگائے اور کھیتی کا اناج"۔ سورۂ مومنون میں پھر اسی مارِ مبارک کے بارے میں ہے: فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ (۲۳: ۱۹) یعنی "ہم نے اس پانی کے ذریعے سے تمہارے لیئے کھجور اور انگور کے باغ اُگائے"۔ سورۂ یٰسٓ میں علیٰ ہذا القیاس یہی مضمون ہے: وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۙ (۳۶: ۳۴)۔ "اور ہم نے اس زمین میں کھجور اور انگور کے باغات پیدا کیئے اور اُس میں پانی کے چشمے بہائے"۔ سورۂ انعام میں ہے: وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ (۶: ۱۴۲)۔ "اور وہی قادر مطلق تو ہے جس نے باغ پیدا کیئے، جن میں سے بعض کی بیلیں منڈوے چڑھتی ہیں اور بعض سطح زمین پر رینگتی رہتی ہیں اور کھجور کے درخت اور کھیتی"۔ اسی سورۃ میں ہے: وَجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ (۶: ۱۰۰)۔ "اور انگور اور زیتون اور انار کے باغات"۔

ان مثالوں کے علاوہ جن سے 'جَنّٰت' کا زمینی باغات ہونا اظہر من الشمس ہے قرآن میں ایک اور قطع کی مثالیں موجود ہیں جنسے 'جَنّٰت' کا

Marfat.com

جو لوگ خدا کے خدا ہونے پر ایمان لے آئے، اور جنہوں نے اسکی حمایت میں اپنے دیس چھوڑے اور اپنے مال و جان سے اسکی لڑائیاں لڑیں، اُن کا اللہ کے ہاں سب سے بڑا درجہ ہے! اور یہی وہ لوگ ہیں جو اس دنیا میں بھی فائز المرام ہوں گے۔ انکا پروردگار اُنہیں اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت دیتا ہے اور نیز اُن باغوں (جنّت) اور سرسبز زمینوں کی حکومت کی جن میں اُنکو دائمی نعمتیں اور آسایشیں حاصل ہونگی۔ وہ ہمیں سدا سدا رہیں گے۔ اے لوگو! بیشک ایسے لوگوں کیلئے خدا کے پاس اجر عظیم ہے۔

الغرض آلہ العالمین کی نگاہ میں ایمان اور محبت خدا کا صحیح معیار انسان کا اُسکی راہ میں مصائب کا پیہم مقابلہ کرنا، اور دشمن کے بالمقابل جان و مال پر کھیل جانا ہی تھا۔ ترک اقربا، ترک اولاد، ترک خان و مان، ترک وطن، ایثار مال، ایثار نفس، ایثار جان ہی وہ انتہائی پیشکش تھے جو رب بے نیاز نے ایمان کی متاع بے بہا کے بدلے بطور قیمت مقرر کر دیئے تھے، (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا)[۵]۔ اِنہی کی موجودگی میں محبت خدا

---

[۵] دیکھو (۸ : ۷۴) صفحہ ۱۱۴۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۵) مطلب بادشاہت زمین ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ الشعراء میں فرعون کو بادشاہت مصر سے محروم کرنیکے متعلق ہے: فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ كَذٰلِكَ ۗ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (۲۶ : ۵۷-۵۹) یعنی پھر ہم نے فرعون کی قوم کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عزت کی جگہ سے نکال باہر کیا، اُن کی عظمت یوں خاک میں ملادی اور بالآخر بنی اسرائیل کو ان نعمتہائے الٰہی کا وارث بنایا۔ سورۂ دخان میں پھر انہی فرعونیوں کی بابت ہے: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ ۗ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ (۴۴ : ۲۵-۲۸) یعنی ان لوگوں کو کتنے ہی عالیشان باغات اور نہریں اور کھیتیاں اور عمدہ مقامات چھوڑنے پڑے، اور کیسی کیسی آرام دہ نعمتوں کو خیرباد کہنا پڑا جن میں مزے اُڑایا کرتے تھے۔ ہاں ان نااہلوں کی سزا یہی ہونی تھی۔ اور ہم نے یہ بدلہ لیا کہ اس تمام سازو سامان کا دوسروں کو وارث بنا دیا۔" سورۂ شعرا میں موت و شکست کو دعوت دینے والی قوم ثمود کے بارے میں ہے: اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ (۲۶ : ۱۴۶-۱۴۸)۔ "تو کیا تم لوگ اس زعم باطل میں ہو کہ ان باغات اور نہروں میں بے روک ٹوک اور امن و امان سے چھوڑ دیئے جاؤ گے"۔ اسی سورۃ میں قوم عاد کی طرف خطاب ہے: وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ (۲۶ : ۱۳۲-۱۳۴) "اور لوگو! اس حکم الحاکمین کی سزا سے بچو اور اس سے خوف کھاؤ جس نے تمہاری مدد ان چیزوں سے کی جو تم کو خوب معلوم ہیں۔ تم کو مال مویشی اور اولاد کی کثرت سے مدد دی، باغوں اور نہروں کا تم کو حکمران کیا وغیرہ وغیرہ"

تعجب ہے کہ ان حیرت انگیز شہادتوں کے باوجود شارحین قرآن اور عام مسلمانوں نے جنّت کے معانی آخرت کے جنّت کے لیلئے ہیں اور بادشاہت زمین کے نصب العین کو جو اسلام اس دنیا پر لایا تھا، آنکھوں سے کیسر اُچک لیا ہے مگر مسلمانوں کی نیت بدل جانیسے کلام الٰہی کے معانی نہیں بدل سکتے، وہ وہی ہیں جو قادر مطلق کے علم میں اُس وقت تھے جب وقت قرآن حکیم وحی کیا گیا تھا، امت کے اتفاق اور مفسرین کے اجماع کا اُنپر ہرگز کچھ اثر نہیں! مگر یہ بحث جسکا جستہ جستہ کتاب کے متن میں آگے چلکر آئے گی۔ آیات زیر بحث (یعنی (۹ : ۲۰-۲۲) صفحہ ۱۱۵) میں خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا کے الفاظ بظاہر جنّت کے اِن معانی کے مخالف نظر آتے ہیں مگر جب مومن کی دنیا اور دین دونوں درست ہیں (جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا) اور اُخروی انعام دنیاوی نعمتوں کے تسلسل ہی میں ہے تو خٰلِدِيْنَ اور اَبَدًا کے الفاظ نہ صرف موافق بلکہ نہایت موزوں ہیں ورنہ مطالب کے مبہم ہو جانیکا امکان ہے۔

Marfat.com

کی وہ عملی تثبیت، یقین رب کا وہ عملی ثبوت، اور عبودیت کی وہ ناقابل انکار تصدیق ہوتی تھی جس سے بڑھکر کم نوا اور فرومایہ انسان کے پاس کوئی تصدیق نہیں، کوئی ثبوت ممکن نہیں: (اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ)†۔ یہی وہ قربانیاں تھیں جو اس حاکم اعلیٰ کی ملازمت میں کر دینا سچی ارادت، سچے تعبّد اور سچے ایمان کی قطعی دلیل تھا: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ[۵۱] (۲:۱۶۵)۔ یہی 'عبادت' کا صحیح مفہوم، بلکہ رکوع و سجود کی صحیح منطق تھی۔ خدا کی بندگی یہی تھی کہ کسی کمتر اور کہتر خواجہ کی غلامی نہ ہو، اُسکی محبت کے بالمقابل کسی شئے کو ترجیح نہ ہو، وطن کا غم نہ ہو، اولاد کی عبادت نہ ہو، مال کی غلامی نہ ہو، نفس کا تعبّد اور جان کی پروا نہ ہو، نماز میں سچی شانِ اطاعت، اور اعمال میں رنگ سجود کا ظہور ہو۔ یہی شدتِ محبت اور غلبۂ عشق قرنِ اول کا اصل ایمان تھا، اور یہی ہر دنیاوی حاکم کی 'عبادت' کا صحیح پیش نہاد آج بھی ہے۔ اِسی 'سبیلِ خدا'، اور ایمان کے صلے میں مغفرت تھی، رزق کریم تھا (۸: ۷۴)، رحمت کی نوید امن اور رضائے ربّ العرش کی بشارت تھی، جنّت تھے قائم اور دائم نعمتیں تھیں، اجر عظیم تھا، فوز جلیل تھا، (وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَآئِزُوْنَ)[۵۳]۔ خدائے بے نیاز کی خدائی پر سچا ایمان، اور رضائے احکم الحاکمین کا سچا عشق آجکل کے لفظی اور نظری، سطحی اور ناکارہ ایمان کی غیر مانند کسی بے روح و بے حقیقت "اقرار باللسان" یا کسی بے نتیجہ اور غیر مرئی "تصدیق بالقلب" سے ہی کسطرح روبراہ ہو سکتا تھا، اِس سے عہدہ برآ ہونیکے لیئے سعی و عمل کی مستقل خلش، رنج و محن کی صبر گسل ابتلا، تکلیف و مصائب کی پیہم برداشت، اور ظلال سیوف کی عمل پرور آزمائش لازم تھی! وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰھِدِیْنَ

---

[۵۱] دیکھو (۴۹: ۱۵) صفحہ ۱۱۵ [۵۲] اور جن لوگوں نے خدا کو حاکم اعلیٰ مان لیا اُن کی محبت اور ارادت خدا سے بہت شدید ہے۔ اور سب سوائے زیادہ ہے (گویا ایمان کی شرط یہ ہے کہ سب سے گہرا تعلق خدا سے ہو۔ سب سے زیادہ ملازمت اُسیکی ہو، اُسی کے حکموں کی اطاعت ہو وغیرہ وغیرہ) [۵۳] دیکھو (۹: ۲۰) صفحہ ۱۱۵

† 'صَادِق' کا لفظ بالالتزام قرآن کریم میں اُس شخص کے لیئے استعمال ہوا ہے جو اپنے قول و ایمان کو فعل و عمل سے سچ کر دکھائے۔ آجکل 'صادق' کے معانی میں کچھ تحریف واقع ہو چکی ہے، اور معمولی سچ بولنے والے کو بھی صادق ہی کہتے ہیں۔ 'صدیق' مبالغے کا صیغہ ہے اور یہ لقب حضرت ابوبکر رضؓ کو لامحالہ اسی بنا پر ملا تھا کہ وہ اپنے قول کو عمل سے سچ کر دکھاتے تھے۔ 'صدقہ' کی اصطلاح کا قربانی مال کے معنوں میں ہونیکی بھی یہی وجہ ہے کہ مال کا ایثار معطی کے معاون اور مؤید ہونے کی تصدیق ہے۔ 'مُصدِّق' بمعنی 'صادق' بھی قرآن کریم میں کئی جگہ آیا ہے۔ 'صادق' یا 'مصدق' کی ضد 'کاذب' یا 'مکذّب' ہے۔ جس کا ذکر صفحہ ۱۴۳ کے تحت المتن میں آیہ (۲۹: ۳) کے اندر آچکا ہے اور وقتاً فوقتاً آگے چل کر آئے گا۔ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الضّٰلُّوْنَ کے معانی صفحہ ۱۱۵ پر ہم نے اسی بنا پر کیئے ہیں۔

Marfat.com

مِنكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ † وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ۝ (۴۷ : ۳۱)[۵۱] ۔ رب زمین و آسمان کی 'عبادت' کا اِدّعا کسی رسمی اور دو رکعتی نماز یا پنجوقتہ رکوع و سجود کی مقابلۃً آسان، بے اثر اور بے ضرر مشق کر لینے سے ہی کیونکر قابل تسلیم ہو سکتا تھا اسکی صادقانہ تکمیل کے لیئے ہر آن اور ہر وقت اطاعت کا رنگ لازمی تھا، تسلیم کے اعمال، اور تعبّد کی شان چاہیئے تھی، ماسوا کا جحود لابُدی تھا، نفس پر کامل تحکّم اور غیر پر کامل قدرت ناگزیر تھی۔ گویا سب کا انکار اور ایک کا اقرار، سب سے سرکشی اور ایک کی ماتحتی ضروری تھی! عالم آرائے کون و مکان اور وجہ طراز زمین و آسمان کی عبودیت ذہ بے ریا محبّت اور وہ بے لاگ خدمت تھی جسمیں غیر سے تعلق اور ماسوا کی اطاعت کو حتماً دخل نہ تھا۔ اسی عالم آرا اصول پر تکوین عالم کی اساس قائم تھی، اسی پر کون و فساد کا سب انحصار تھا، اسی پر چل کر رزق کریم تھا اسی سے ہٹ کر عذاب الیم تھا: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ † ۝ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ۝[۵۲] (۵۱ : ۵۶-۵۷)۔ اِس تمام ہنگامۂ کائنات کی وجہ بنا یہی تھی کہ زمین و آسمان کی سب کہ وہ مخلوق

---

[۵۱] اور اے مسلمانو! ہم تمہارے ایمان کو ضرور آزما کر رہیں گے، یہاں تک کہ تم میں سے جو لوگ ہماری حمایت میں دشمنوں سے لڑنے والے اور مصائب کو برداشت کرنے والے ہیں اُن کو ہم اچھی طرح معلوم کر لیں اور تاکہ تمہاری اصلی اور اندرونی حالت کو جانچ لیں۔ [۵۲] اور اے لوگو! ہم نے اِس کائنات فطرت کے جن و انس کو صرف اسی غرض سے پیدا کیا ہے کہ وہ ماسوا سے قطع نظر کر کے ہمارے ہی چاکر، اور ہمارے ہی حکمبردار بنے رہیں۔ ہم اُنسے کچھ روزی کے تو خواہاں نہیں ہیں اور نہ اسکے کہ ہم کو کھلائیں پلائیں۔

---

† یہاں عیاں ہے کہ 'صَبْر' کے معنی ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھنے کے نہیں جیسا کہ عافیت پسند اُمت نے لے لیئے ہیں، بلکہ مصائب اور حوادث کا استقلال اور عزم سے مقابلہ کر کے اُنپر فتح پانا ہے۔

‡ یہاں ظاہر ہے کہ 'عبادت' کے معانی وہ نہیں ہو سکتے جو لوگوں نے بنا لیئے ہیں۔ خدائے زمین و آسمان معاذاللہ اس بات کا محتاج نہیں کہ لوگ اسکی نمازیں پڑھتے اور خوشامد کرتے رہیں۔ بلکہ مقصود تعمیل احکام ہی ہے۔ یہی دنیا کا ہر حاکم اپنی رعیت سے چاہتا ہے، اگرچہ زمین و آسمان کا مالک اس صورت احتیاج سے بھی بے نیاز ہے۔ اور جیسا آگے چلکر ثابت ہوگا، انسان سے تعمیل احکام کی آرزو کرنا کچھ خواہش اختیار کے باعث نہیں بلکہ انسان کی اپنی ہی بہتری کیلئے ہے۔ اس نقطۂ نظر سے آیۂ 'وَمَا خَلَقْتُ' سے مقصود یہی ہے کہ "ہم نے دنیا کے جن و انس کو پیدا ہی نہیں کیا مگر اس حیثیت پر کہ وہ ہمارے احکام کی تعمیل میں لگے رہیں"۔ یعنی اُنکی فطرت اور طینت میں یہ بات پہلے سے رکھدی ہے کہ ہمارے احکام (یعنی قانون فطرت) کی تعمیل کے بدون اُنکی اس دنیا میں دال نہیں گل سکتی۔ گویا جب وہ اطاعت سے منحرف ہونگے سزا اُنکو لامحالہ ملکر رہیگی۔ اور تکوین عالم کا اصل اصول ہی ملازمت قانون خدا (یعنی عبادت) ہے۔ یہ اصول ہر صاحب نظر کیلئے اسقدر اظہر من الشمس ہے کہ اسکو اور عیاں کرنیکی ضرورت نہیں۔ ہر جگہ اُسی پر عملدرآمد ہو رہا ہے۔ چھوٹے یا بڑے کسی امر میں جسوقت انسان نے قانون خدا کی متابعت یا مخالفت کی، اُسیوقت یا بدیر و زود اُسکو اُسکا نفع یا نقصان ملجاتا ہے۔ حتی کہ ایک رات ضرورت سے کم نیند کرنیکا مزا اُسکو اگلے دن ہی درد سر یا اور مرض کی صورت میں مل رہتا ہے۔ اس حقیقت کشا آیت (۵۱ : ۵۶) کی مکمل تشریح و تصدیق آیندہ مجلدات میں ہوگی جبکہ قانون خدا اور آئین فطرت کو عیاں کر دیا جائیگا، اور جب ہر ساکن زمین کو اس قانون سے مفر اور اس 'عبادت' سے گریز کرنے کی کوئی سبیل نظر نہ آئے گی۔ یہاں پر مقصود صرف 'عبادت' کے معانی کی توضیح ہے۔

Marfat.com

سب جن و انس اُس شارع کائنات ہی کے تابع فرمان ہو کر رہے، اُسی کے حلقۂ عبودیت میں داخل ہو، اُسی کے سکھائے یا بتائے ہوئے قانون پر چلے، گویا اُسی کی 'عبادت' میں لگی رہے۔ وہ خدائے عظیم و جلیل انسان کے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے فعل کو ہر آن اپنی ہی مرضی، اور اپنے ہی قانون کے مطابق دیکھنا چاہتا تھا۔ اُسکی غیور ذات رحم و مغفرت کی ناپیدا کنار وسعت کے باوجود، انسان کی ہر صغیر و کبیر خطا کو معاف کر سکتی تھی مگر اپنی اطاعت، اپنی محبت، اور اپنی عبادت میں شرکتِ غیر کو قطعاً ناقابلِ عفو جرم قرار دیتی تھی: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا[1] (۴: ۱۱۶) صاحبِ ایمان بشر کے ہاں سے یہ دلبرانہ امتحان پسند فرہاد کی سی تمکین قلب کا خواہشمند، اور

---

[1] بیشک اللہ اس بات سے چشم پوشی ہرگز نہیں کر سکتا کہ اُسکے مقام و منصب میں کسی دوسرے کو شریکِ طاعت اور شریکِ محبت کیا جائے۔ اسکے ماسوا جو تقصیریں انسان کرے اُنکو اگر مناسب سمجھے تو نظر انداز کر سکتا ہے، اور جس شخص نے اپنی محبت میں غیر اللہ کو شریک کیا وہ فی الحقیقت اپنی بہتری کے راہ راست سے بہت دور بھٹک گیا۔ ('یَشَآءُ' کے معنی ہم نے 'مناسب سمجھنا' کیے ہیں۔ اسکا ثبوت تیسری مجلد میں فلسفۂ عمل کے عنوان میں آئے گا)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۱۸) اس آیۂ شریفہ میں 'جن' کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ 'جن' کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں ہو سکتی، اسکے لیے ابھی بہت دیر ہے مگر 'خَلَقْتُ' کے لفظ سے اسقدر ضرور ثابت ہے کہ 'جن' خدا کی پیدا کی ہوئی ایک مخلوق ہے، اور ان سے قانون فطرت کی تعمیل کا متوقع خدا اسیقدر ہے جسقدر انسانوں سے ہے۔ مزید غور کرنیوالے شاید اس نتیجے پر بھی پہنچ سکیں کہ 'جن' بھی 'انس' کی طرح ایک سرکش خدا مخلوق ہے جس کی بغاوت کو دور کرنے کیلئے خدا نے 'عبادت' کا تریاق تجویز کیا ہے۔

• 'غفر' کے معانی دراصل پردہ پوشی کرنیکے ہیں۔ اسی سے 'مغفر' بمعنی زرہ کے ہے۔ لوگوں نے مجازاً 'بخشش' کے لے لیے ہیں اور فرض کر لیا ہے کہ یہ تمام بخشش قیامت کے دن ہوگی۔ اس سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ اور علی ہذا القیاس سزا بھی شرک کرنے والوں کو اُسیدن ہوگی مگر اس فرضی داستان کی کوئی سند نہیں۔ 'یَغْفِرُ' کا صیغہ حال اور مستقبل دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اسلیے کوئی وجہ نہیں کہ بخشش اور سزا، یا انعام اور عذاب کسی شخص یا قوم کو یوم آخرت سے پہلے نہ مل سکیں۔ بلکہ تعجب ہوتا ہے کہ جب گناہ اسقدر ناقابل معافی ہے تو سزا میں کیوں اتنی ڈھیل دے دیجائے کہ لکھوکھا برس کا فرق پڑ جائے اور ہر شخص کو خواہ نخواہ شرک کرنے پر جرأت ہو! دراصل یہ تمام ناروا اور بے سند تاویل 'شرک' کے صحیح معانی نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے۔ اور جب آج مسلمانوں کے بنائے ہوئے اصطلاحی 'مشرکوں' کو اس دنیا میں سزا کی بجائے پے در پے انعام مل رہے ہیں تو اُنکے لیے روز قیامت کے متعلق یہ دل خوش کن داستان گھڑ لینا بھی از بس ضروری ہو چکا ہے، گویا اُنکے نزدیک خدا کی حکومت (العیاذ باللہ) اس دنیا پر قائم نہیں ہے اور وہ اگرچہ 'مشرکین' سے بیحد ناراض ہے مگر اُنکو مناسب سزا دینا اُسکے بس کی بات نہیں ہے! اگلی مجلدات میں رفتہ رفتہ ہم اس تخیل کو غلط ثابت کرینگے، اور بتائینگے کہ مشرک کو کیونکر سزا اس دنیا میں ہی ملتی ہے۔ وہ خدائے عظیم کسقدر سریع الحساب اور شدید العقاب ہے۔ اور شرک کا بدلہ کس بیدردی، کس بے نیازی، کس شدت اور سرعت سے لیتا ہے۔ اور آخرت کا عذاب تو دنیاوی عذاب سے کہیں بڑھکر ہے: وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ[1] (۱۳: ۳۴)۔

'شرک' کی تعریف از روئے قرآن بے حد جامع و مانع ہے جیسا کہ پیشتر کہا گیا ہے۔ یہاں پر اسکی صرف ایک شق کی سرسری تصریح کر دی گئی ہے یعنی یہ کہ کسی شے کو محبت اور اطاعت میں خدا کے ہم پلہ اور برابر نہ کر دیا جائے۔ مسلمانانِ عالم کو غور کرنا چاہیے کہ آیۂ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ[2] (۲: ۱۶۵)

---

[1] اور آخرت کی سزا تو دنیاوی سزا سے سخت تر ہے۔ [2] ترجمے کے لیے دیکھو صفحہ ۱۱۰۔

Marfat.com

بیستون کی جوئے شیر کے سے تاب گسل اور صبر پاش اعمال کا اُمیّد وار تھا! اُسکی نظروں میں ایمان وہ کیفیتِ قلب تھی جسکا اٹل نتیجہ سعی و عمل تھا! وہ ہجرت اور جہاد کی آڑ میں ایمان کے دعویداروں سے نقد جان کا طالب تھا! اور انہی سرفروشانِ حکم آلہ کو عشق خدا کے سچے "شہید"، رب العزۃ کی حکومت کے سچے گواہ، اور رزق کریم کے قطعی اہل قرار دیتا تھا۔

اِنْ یَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاۗءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ (۳: ۱۳۹-۱۴۲)

اگر تمہیں اس لڑائی میں شکست کا زخم لگا ہی تو اس سے پہلے فریق مخالف کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے اور یہ فتح و شکست کے دن تو ہم بقدر مناسب، کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر پھیرتے ہی رہتے ہیں، اور یہ اسواسطے بھی کہ ہم جان لیں کہ خدا پر سچا ایمان رکھنے والا کون ہی، اور نیز اسلیئے کہ اللہ تم میں سے اپنے سچے گواہوں کو منتخب کرے ورنہ وہ کچے ایمان والوں کو تو محبت ہی نہیں کرتا۔ اللہ اس طریق عمل سے ایمان والونکو اپنے متعلق شک و شبہ کی میل کچیل سے نکھار دینا چاہتا ہی، اور پھر اپنے اصلی محبت پیدا کر کے منکرین کے زور کو توڑ دینا، اور تمہاری جماعت میں سے شائبۂ شک کفر کو دور کر دینا چاہتا ہے۔ کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہی کہ (خدا کو منہ سے خدا کہکر) جنت میں جا داخل ہوگے حالانکہ ابھی تک تو اللہ نے اُن لوگوں کو جانچا ہی نہیں جو تم میں سے اسکی حمایت میں ثابت قدم ہو کر لڑنیوالے، اور مصیبتوں کو برداشت کرنیوالے ہیں۔ اور تم تو موت کے آنیسے پہلے ہی (میری محبت کے جوش میں) مرنے کی آرزوئیں کیا کرتے تھے تو آج تم نے اسکو اپنی آنکھونسے دیکھ لیا، اور پھر ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے انتظار کر رہے ہو!

Marfat.com

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ
بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۰) ٹکڑے استعمال ہوتے ہیں کہ غالباً کوئی دوسرے الفاظ نہ ہوتے ہونگے۔ ہر مسلمان اپنی بے ہمتی، اپنی کاہلی، اپنے ناکارہ پن کو معلم الملکوت کی آستین میں چھپا کر قرآن حکیم کے اس سیاق و سباق سے علیحدہ کیے ہوئے ٹکڑے کو جا و بے جا استعمال کرتا ہے اور اپنی نامرادی، اپنی شکست و ریخت، اپنی موت پسندی کا سارا الزام بے دھڑک خدا پر تھوپ دیتا ہے اور اس صریح افترا کے بعد رب زمین و آسمان کے غیظ و غضب سے قطعاً نہیں ڈرتا۔ حالانکہ ان آیات الٰہی (یعنی ۱۳۹ : ۳ - ۱۴۲) کے استدلال سے ظاہر ہے کہ مداولت ایام کا قطعی باعث سعی و عمل کی کمی ہی ہے اور لوگوں کے اپنے ہی کرتوت ہے۔ خدائے بے نیاز صرف اقوام کی سعی و عمل کا امتحان لیتا ہے اور بے رُو و رعایت جس کی سعی زیادہ ہو اُسی کو کامیاب کر دیتا ہے۔ قرآن میں جا بجا اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ۝ (۱۰ : ۴۴) کا مضمون اس امر کی تائید میں ہے۔ یعنی "خدا ساکنانِ زمین پر کسی حالت میں قطعاً ظلم نہیں کرتا لیکن یہ لوگ ہی ہیں جو اپنی جانوں پر آپ ظلم روا رکھتے ہیں"۔

ان آیاتِ الٰہی سے پہلے کی آیت ہے: وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ (۳ : ۱۳۸)۔ جس سے ظاہر ہے کہ ایمان والی وہی قوم ہے جو 'اعلون' بنکر رہے۔ جنگ اُحد میں جس کا ذکر ان آیات میں ہو رہا ہے مسلمان بھلے چنگے خاصی تعداد میں تھے، دشمن کی تعداد کچھ ایسی زیادہ نہ تھی جیسی کہ نسبتاً غزوۂ بدر میں تھی۔ اُس غزوے میں باوجودیکہ ایک مسلمان کے بالمقابل تین اہل مکہ لڑ رہے تھے مگر فتح مسلمانوں ہی کو نصیب ہوئی تھی، لیکن اُحد کے موقع پر بعض مسلمانوں نے ہمت ہار دی۔ ایک جماعت نے جسکو خود رسولؐ خدا نے ایک مقام پر معین کیا تھا کہ اپنی جگہ سے نہ ہلیں، مالِ غنیمت کے لالچ میں آکر اپنا مورچہ چھوڑ دیا۔ اہلِ مکہ اُسی مورچے پر پل پڑے، اور دفعتاً لشکر میں بھاگڑ مچ گئی۔ پیغمبرؐ خدا چند رفیقوں کے ساتھ تن تنہا رہ گئے اور زخمی ہوئے۔ فرقِ مبارک پر چوٹ آئی، دانت ٹوٹ گیا، سب طرف مشہور ہو گیا کہ شہید ہو گئے، وغیرہ وغیرہ۔ خدائے عظیم فرماتا ہے کہ وہ تم ہی مٹھی بھر مسلمان تھے جنہوں نے بدر میں ایک جرار لشکر کو شکست فاش دی تھی اور اب یہ بے ہمتی دکھلائی کہ اپنے سپہ سالار کو چھوڑ کر چلتے بنے۔ تم بددل نہ ہو اور غم نہ کھاؤ اگر تم میں ایمان فی الواقع موجود ہے تو فتح خود بخود تمہارے قدم آن کر چومے گی۔ اور ہماری ذرہ پروری اور بے نیازی تو ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ جو قوم جسقدر سعی و عمل کرتی ہے اُتنا ہی اجر ہم سے لامحالہ لے لیتی ہے۔ کسی کی بے جا رعایت کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔ اور اسی لیے اگر آج فتح اس قوم کے شاملِ حال ہے تو کل دوسرے کی قدمبوسی کر رہی ہے: (وَتِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ)۔ ہمارا مقصود اس جنگ اُحد سے صرف اس بات کا دریافت کرنا (اور دریافت کرنا بھی کیا، صرف تمہیں ہی جتا دینا) تھا کہ تم میں سے حقیقی ایمان والے کون ہیں؟ کن کا ایمان ناقص ہے؟ کون ہمارے وجود کے سچے گواہ ہیں، کون ہمارے حاکم اعلےٰ ہونے کی آخری دم تک شہادت دیتے رہے، ہم کو آخری وقت تک آقا مان کر ہماری خدمت میں لگے رہے: (وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ)۔ اور بھگوڑوں اور کچے ایمان والوں کو تو خدا پسند ہی نہیں کرتا کیونکہ وہ تھوڑی سی تن آسانی کی خاطر اپنی قوم پر ظلم کر رہے ہیں، اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں: (وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝)۔ خدا صرف اتنا چاہتا تھا کہ سچے ایمان والوں کو چھانٹ کر الگ کر دے (وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) اور منکروں اور دل میں خدا کو نہ ماننے والے منافقوں یعنی کافروں کو الگ کر دکھائے، اُنکو بالآخر نیست و نابود کر دے (وَیَمْحَقَ الْكٰفِرِیْنَ)۔ اگلی عبارت بالکل صاف ہے: الجنۃ اتنی آسانی سے نہیں ملتا جتنا تم سمجھے بیٹھے ہو وہ تو صرف سعی و عمل کرنے والوں (جَاهَدُوْا مِنْكُمْ) اور استقلال والوں (الصّٰبِرِیْنَ) کو ہی ملتا ہے۔ تم تو اس جنگ اُحد سے پہلے موت کی تمنائیں مانگا کرتے تھے، شیخی میں آکر کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کی 'عبادت' میں جان تک دینے کیلئے تیار ہیں تو اُحد کے دن کیا موت آگئی تھی کہ موت تمہارے سامنے تھی اور اُس سے جی چُرا کر بھاگے بھاگے پھرتے تھے!

ان آیاتِ الٰہی میں ضمناً **ایمان** کی تشریح ہو گئی کہ اسکا اوّل نتیجہ فتح و فتح قوم ہے۔ **شہداء** کے معنی معلوم ہو گئے۔ **ظالمین** کا پتہ لگ گیا کہ کچے ایمان والے لوگ 'ظالم' ہیں۔ اور اسی لیے ہلاکت اور شکست کے اہل (صفحہ ۱۸۰ آیات ۳ : ۱۴۰ و ۱۴۱) 'کفر' کی ایک حد تک وضاحت ہو گئی کہ میدان جنگ میں

155

سلہ مطالب کے لیے دیکھو صلہ،

عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ○ (۳: ۱۹۴)

پہر پروردگار عالم نے انکی دعا قبول کرلی اور فرمایا کہ ہم تم میں سے کسی کام کرنیوالے کے کام کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔ مرد ہو یا عورت ہماری نظروں میں سب برابر ہیں۔ تم سب ایک دوسرے کی جنس ہو۔ تو جن لوگوں نے ہماری خاطر ہجرت وطن کی، اور ہماری ہی وجہ سے اپنے گھروں سے نکالے گئے، اور ستائے گئے، اور دشمنوں سے لڑے، اور مارے گئے، ہم اُنکی سب اجتماعی بدحالیوں، خانہ بربادیوں، اور واماندگیوں (سَیِّاٰتِهِمْ) کو اُنسے دور کردینگے، اور اُنکو ایسے عمدہ باغوں میں لیجا داخل کرینگے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہونگی۔ یہ اللہ کے ہاں سے اُنکے اعمال کا بدلہ ہوگا اور اچھا بدلہ تو اللہ ہی کے ہاں ہے۔

آہ! لیکن اس مالک الملک اور پروردگار عالم خدا کو، جسکی طاقت اور حکومت، جسکی عزت اور عظمت صحیفۂ فطرت کے ہر ذرّے میں نمایاں ہے، جس کی بے نیازی کی شان صفحۂ عالم پر روز روشن کی طرح ثبت ہے، ایک ذلیل، بے حیثیت، اور ہیچمیرز انسان کی پیہم عبادت، سچی محبت اور لاشریک اطاعت کی کیا حاجت تھی؟ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ[1] (۵۹: ۲۳-۲۴) وہ جانوں کا خالق، دنیا کے امن وآسایش کا کفیل (اَلْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ) موجد اور مصور خدا، جسکی تسبیح وتقدیس میں اُس کے

---

[1] وہ اللہ ایسا پاک ذات ہے کہ اُسکے سوا کوئی آقا ہونے کے لائق نہیں۔ بادشاہِ جہان ہے، پاک ہے، تمام عیوب سے مبرّا ہے، امن دینے والا نگہبان ہے، زبردست اور بڑا دباؤ والا ہے، صاحب عظمت ہے۔ جس جس کو یہ لوگ اُس کی عظمت میں شریک کرتے ہیں وہ ان سب سے بالاتر ہے۔ وہی ہر شے کا خالق، بلکہ موجد اور مصور ہے، اُسکے بڑے بڑے اوصاف ہیں (اَلْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى) جو کچھ زمین وآسمان میں ہے اُسکے احکام کی تعمیل میں سربسجود ہے (یُسَبِّحُ)، اور وہ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۱) خدا کی لڑائیاں آخری دم تک استقلال سے نہ لڑنا 'کفر' اور انکارِ خدا ہے۔ 'صَابِرُوْا' کے مطالب صاف ہوگئے کہ وہ صرف استقلال ہی ہے، 'جہاد' کی حقیقت کھل گئی کہ وہ صرف قتال بالسیف ہی ہے۔ جو لوگ جہاد کے معنی تسبیحوں پر زور دینے کے لیتے ہیں اُن کے لیئے یہ آیات از بس عبرت انگیز ہیں۔ اور بالآخر یہ کہ 'تمنائے موت' کے معنی سمجھ میں آگئے کہ اس سے مراد لڑائی میں کٹ مرنیکے ہیں کہ یہی سب سے بڑی عبادت کسی آقائے نامدار کی ہوسکتی ہے۔ یہی ہر بادشاہ اپنے سپاہی سے چاہتا ہے اور اس کے عوض میں تمغے اور انعام، جاگیریں اور زمینیں تقسیم کردیتا ہے۔ 'تمنائے موت' کا ذکر تیسری مجلد میں عنقریب آئیگا۔

† اس آیہ کریمہ میں "لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ" کے الفاظ تشریح طلب ہیں۔ لیکن ان کی تشریح صفحہ ۱۳۱ کے تحت المتن میں مصیبت کے عنوان میں آئے گی۔

Marfat.com

اپنے قول کے مطابق آسمان وزمین ہر وقت مصروف رہتے ہیں، اس ذرّہ مقدار انسان سے اپنی محبت کے ولولے میں، تحمل آلام، نقص امن، اور خرچ مال وجان کا کیوں طالب تھا؟ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝ (۲: ۱۵۵-۱۵۷)

لہ اور ایمان والو! اسمیں شک نہیں کہ ہم تمکو ذرا اچھی طرح (بِشَيْءٍ) دشمن کا خوف دلا دلا کر، میدان جنگ میں بھوکوں مار مار کر، مال اور جانوں میں کمی کر کر کے، پیداوار کا قحط ڈالکر (وَالثَّمَرَاتِ) نتائج کو خلاف امید کر کر کے (نَقْصٍ مِّنَ ..... الثَّمَرَاتِ) آزما کر رہیں گے اور تمہارے ایمان کی قدر و قیمت، اور سعی و عمل کی حد کا اندازہ لگائیں گے، لیکن اگر تم فی الحقیقت صاحب ایمان ہوئے تو تم بھی ان آزمایشوں میں پورے اُتر کر رہو گے اور اپنے سعی و عمل کو ہرگز کم نہ ہونے دو گے۔ اور اے محمدؐ! مصائب کا استقلال سے مقابلہ کرنے والوں کو ہماری خوشنودی اور کامیابی کی بشارت دیدو، (وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ)؛ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر کوئی اجتماعی مصیبت آپڑتی ہے تو معاً بول اُٹھتے ہیں کہ ہم تو فی الحقیقت خدا ہی کے اطاعت گذار ہیں۔ (إِنَّا لِلَّهِ)، اسی کے بنائے ہوئے حکموں پر چلیں گے (وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)، اُسی کی طرف اپنا تمامتر رجوع کر دینگے (وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)، اور اپنے سعی و عمل سے خدا کو پھر خوش کر لیں گے۔ (یہ مصیبت جو ہمیں پونہچی ہے لامحالہ ہماری سعی میں کسر کے باعث ہی ہے۔ دیکھو قرآن کریم وَمَا أَصَابَكَ مِن سَيِّئَةٍ فَمِن نَّفْسِكَ (۴: ۷۹)) اور سعی و عمل کو دوبالا کر دینا ہی خدا کی طرف رجوع کرنا ہے) یہی وہ لوگ ہیں جن پر اپنے پروردگار کے بیشمار افضال ہیں، تحسین و آفرین کے نعرے (صَلَوَاتٌ) ہیں، رحمت اور عنایت ہے؛ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کو مصائب کے دور کرنیکے متعلق صحیح راہ عمل مل چکی ہے، (وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ)۔

---

* یہاں الصّٰبِرِیْنَ کا لفظ پھر آیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صابر وہی لوگ ہیں جو ہر اجتماعی مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں، اسکے دور کرنے کے لیئے ہمہ تن مستعد رہتے ہیں۔ نہ وہ جو ہاتھ پر ہاتھ دھر کر اپنی بربادی کا تماشہ کرتے اور ٹس سے مَس تک نہیں ہوتے۔ کبھی کبھار آہیں نکالکر یا عورتوں کی طرح آنسو بہا کر اپنے نفس کو دھوکہ دیتے ہیں کہ صابر ہیں!

* إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ کے الفاظ مسلمانانِ جہان جس حیرت انگیز نادانی، جہالت اور نافہمی سے نہ معلوم کتنی قرنوں سے کسی عزیز کی موت یا ادنیٰ سی ادنیٰ خانگی اذیت پر استعمال کرتے آئے ہیں، اور اس محض زبانی عبادت کے صلے میں اپنے آپ کو رحمتِ خدا کا مستقل حقدار گنتے ہیں، اُس سے کم از کم یہ مترشح ہوتا ہے کہ کلامِ الٰہی کا صحیح علم کسقدر جلد رسم و رواج کی لکیر میں پڑ کر بے اثر ہو گیا تھا، اور آیاتِ خدا کے مطالب یقینیات کے بلند مرتبے سے گر کر ظن و اعتقاد کی ادنےٰ سطح پر کس سرعت سے پونچ گئے تھے۔ اوپر کی عبارت میں ہم نے اِن آیات (یعنی (۲: ۱۵۵-۱۵۷)) کا مربوط اور مسلسل ترجمہ کر دیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان میں نہ کسی خانگی مصیبت کا ذکر ہے اور نہ یہ ترغیب دی گئی ہے کہ جب تمہارا کوئی رشتہ دار مرجائے تو إِنَّا لِلَّهِ کے الفاظ منہ سے بڑبڑاؤ، پھر جب کہہ لوگے تو خدا کی طرف سے تم پر "صَلَوَاتٌ" اُتریں گی، رحمتِ رب نازل ہوگی، اور تم ان الفاظ کے دہراتے ہی "مُّهْتَدُونَ" یعنی ہدایت پانے والوں میں سے بن جاؤ گے (۲، ۱۵۷)! یہ سب تشریح نہایت لچر اور شرمناک ہے۔ کوئی ذہن سلیم اسکو ایک لمحے کے لیئے بھی قبول کرنے پر تیار نہیں۔ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر صرف اجتماعی مصائب کا ذکر ہے۔ جسکی تائید جمع کے صیغے سے ہوتی ہے جو ان آیات میں برابر چلا جا رہا ہے۔ مُّصِيبَةٌ جس کا ذکر آیہ (۲: ۱۵۶) میں ہوا ہے لامحالہ وہ خوف کا ماحول ہے جو ہر شکست زدہ اُمت پر ہر آن حاوی رہتا ہے (بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ)، وہ فقر و افلاس جو محکومیت اور ضعف کی حالت میں غلام قوموں کا پیچھا نہیں چھوڑتا (وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ)، وہ قلت تعداد ہے جو دشمن کی اکثریت، اُنہت اور ہجوم کے بالمقابل عجز و بیچارگی پیدا کر دیتی ہے (وَالْأَنفُسِ)، وہ قہر خدا ہی جس سے

Marfat.com

وہ کیوں ہجرتِ وطن اور قتال بالسیف کو ہی ایمان کا صحیح معیار قرار دے کر مہاجرین و انصار کو سچے مومنوں کی فہرست میں شمار کرتا تھا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۳) اُمتیں قحط اور وبا، فاقوں اور بیماریوں کا شکار ہو جاتی ہیں، جس کے باعث دنیاوی انعام سب اُچک لیے جاتے ہیں (وَالثَّمَرٰتِ)، دشمن ہر وقت تاک میں لگا رہتا ہے، اور کمزور کی کمزوری کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ گویا یہاں پر بعینہٖ اُس قطع کی مصیبت کے ہتھیان وابتلا کا ذکر ہے جو اَعْلَوْنَ نہ رہنے کے باعث قوموں پر طاری ہو جاتی ہے اور جسکا مصداق آج تمام عالمِ اسلام ہے۔ قرآن حکیم نے اس قلت تعداد اور ضعف قوت، اس خوفِ عدو اور بیم موت کی تصریح ایک دوسرے موقع پر بھی کی ہے جس میں بوضاحت تمام جتلا دیا ہے کہ کسی قوم کا آزاد ہونا اور دنیوی نعمتوں اور طیبات رزق سے متمتع ہونا ہی نصرت الٰہی ہے:

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ (۸:۲۶)

اور مسلمانو! وہ وقت یاد کرو جب تم دنیا میں تعداد میں تھوڑے سے تھے، کمزور اور بے بس گنے جاتے تھے، اور ہر آن اس خوف کے باعث سہمے رہتے تھے کہ دشمن تمہیں اُچک نہ لیجائیں۔ پھر خدائے ذوالجلال نے (تمہارے اعمال کو پسند فرما کر) تم کو اپنی پناہ میں لے لیا، اپنی مدد سے تم کو قوی بنایا، اور دشمن پر فتح دیکر عمدہ قسم کی دنیاوی نعمتیں بخشیں، اور یہ سب اس لیئے کہ تم قوت اور امن، نعمائے الٰہی اور تائید خدا کی دل سے قدر کرو، اور اُسکے قوت انگیز احکام پر بدستور عمل کرتے رہو (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)۔ (شکر کے اِن معانی کی تصریح کے لیئے دیکھو صفحہ ۱۳۸)

یہ آیت مسئلہ ارتقا کی بحث کے ضمن میں صفحہ ۱۲ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آیات اِنَّا لِلّٰهِ (یعنی (۲:۱۵۵-۱۵۷)) میں 'خوف' یہی يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ کا خوف ہے، اور نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ، یہی قَلِيْل، اور مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْض ہونا ہے، اور یہی وہ مصائب کبریٰ ہیں جن کا ابتلا مقصود ہے۔ کسی عزیز کا مر جانا نَقْصٍ مِّنَ..... الْاَنْفُسِ نہیں ہو سکتا۔ مزید برآں تعجب ہے کہ جہاں کسی شخص کی طبعی یا ناگہانی موت پر اِنَّا لِلّٰهِ کا غیر متعلق فقرہ نہایت التزام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے وہاں خوف اور بھوک اور نقصان مال کے موقع پر روا جانہیں بولا جاتا! یہ دلیل بجائے خود اس امر کی شہادت ہے کہ اخلاف مسلمین نے کلمۂ استرجاع کو قطعاً غلط سمجھا ہے اور اسکے خدائی مفہوم سے یکسر الگ ہو گئے ہیں۔

لیکن اس استدلال سے قطع نظر ایک اور صورت نظر بھی ہے جو اس دعوے کی یکسر تغلیط کر دیتی ہے کہ کسی مسلمان کی طبعی یا ناگہانی موت وہ مُصِيْبَة ہی جسپر اِنَّا لِلّٰهِ کہنے کی ضرورت یا اجازت از روئے قرآن ثابت ہے۔ 'مُصِيْبَة' کا لفظ کلام الٰہی کے اندر بالالتزام اس خدائی انتقام یا اجتماعی سزا کے معنوں میں آیا ہے جو قومیں یا افراد اپنی غفلت یا نافرمانی کے باعث اپنے ہاتھوں مول لے لیتے ہیں۔ انفرادی اموات اس جدول میں داخل نہیں کیونکہ نیک و بد سب نے ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور ہر شخص کا مرنا از روئے سزا یا انتقام واقع نہیں ہوتا۔ اگرچہ ایک ملک میں عام وبا کا پھیل جانا، یا طوفان سے بستیوں کا ہلاک ہو جانا 'مُصِيْبَة' میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہ نکتہ اس حیرت انگیز صحت اور تطابق کے ساتھ قرآن حکیم میں جا بجا بیان ہوا ہے کہ 'مُصِيْبَة' کے الحال مسخ شدہ معانی کی صحیح تصویر پیش کرنے کی غرض سے اس شہادت کا تمام و کمال یہاں پر لکھ دینا ضروری ہے:۔

سورۂ آل عمران میں غزوۂ اُحد کے متعلق ہے:

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ (۳:۱۶۴-۱۶۶)

مسلمانو! تم بھی عجیب لوگ ہو کہ جب تم پر جنگ اُحد میں شکست کی مصیبت آ پڑی، حالانکہ تم ہی جنگ بدر میں دشمنوں پر اس سے دُگنی مصیبت ڈال چکے تھے، تو تمہارے چھکے چھوٹ گئے اور بے دل ہو کر لگے کہنے کہ ہیں! یہ آفت کہاں سے آگئی۔ اے محمدؐ! ان سے کہدو کہ یہ مصیبت آئی تو تمہارے اپنے کیئے سے آئی، اپنی نامردی اور بزدلی سے آئی، اور خدا تو اسقدر باحوصلہ اور بے نیاز ہے کہ اپنے بندوں کے کسی گروہ پر بے جا رعایت نہیں کرتا (اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ

لہ طالب کے لیے دیکھو صفحہ ۱۱۴-۱۱۵۔

نَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (۸: ۷۴) ؛ وہ کیا سمجھکر اور کیا مدنظر رکھکر اپنی راہ میں قتل ہوجانے والوں کو زندہ اور بقید حیات کہا کرتا تھا: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ط

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۴) شَيْءٍ قَدِيْرٌ) اور اسپر بھی قادر ہے کہ تمہارے اعمال کو دیکھکر تمہیں شکست دے۔ اور یاد رکھو کہ جس دن مقام اُحد میں دونوں فریق بھڑ گئے اور تم کو شکست کی مصیبت پہونچی تو یہ بھی خدا ہی کے حکم سے تھا اور غرض یہ تھی کہ خدا ایمان والوں کو الگ معلوم کرلے، اور ظاہری مسلمان بننے والوں، لیکن دل میں نفاق رکھنے والوں کو الگ پہچان لے۔

یہاں پر ظاہر ہے کہ قرآنی اصطلاح میں مُصِيْبَةٌ وہ شے ہے جو اپنے ہی کرتوت سے آتی ہے اور بطور سزا کے ہے۔ سورۂ نساء میں ہے: فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۝ (۴: ۶۲)، یعنی "تو پھر ان منافقوں کی کیا ہی بُری حالت ہوگی جب اِن ہی کے اپنے کرتوت کی وجہ سے انپر کوئی مصیبت نازل ہو تو تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے دوڑے آئیں کہ بخدا ہماری غرض تو یہی تھی کہ میل ملاپ اور اتحاد پیدا ہو"۔ اِسی سورۃ میں انہی منافقین کے متعلق ہے: وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ (۴: ۷۲)، یعنی "مسلمانو! تم میں ضرور ایسے لوگ بھی ہیں جو ارادہ کر بیٹھتے ہیں کہ ہم ضرور کسی نہ کسی طرح جہاد سے پیچھے رہیں گے، پھر اگر لڑائی میں تم پر شکست کی مصیبت آپڑتی ہے تو دل ہی دل میں کہتے ہیں کہ خدا نے مجھپر بڑا ہی احسان کیا جو میں ان لوگوں کے ساتھ لڑائی میں موجود نہ تھا"۔ یہاں پر مصیبت صاف اجتماعی مصیبت ہے۔ سورۂ توبہ میں پھر انہی مسلمان نما منافقوں کے ذکر میں ہے: اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝ (۹: ۵۰)، یعنی "اے محمدؐ! اگر تم کو جنگ میں فائدہ پہونچتا ہے یا غلبہ حاصل ہو رہتا ہے تو ان لوگوں کو بُرا لگتا ہے، اور اگر تم پر شکست کی مصیبت آنا نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا کام پہلے ہی سے ٹھیک ٹھاک کر لیا تھا، اور تمہارے پاس سے اُٹھکر واپس جاتے ہیں تو ان کی باچھیں کھلی ہوتی ہیں"۔ یہاں بھی مصیبت صاف لڑائی میں شکست کھانے کی مصیبت ہے، انفرادی مصیبت سے بحث نہیں۔ سورۂ قصص میں پھر 'مصیبت' کو اپنے اعمال کی سزا کہا گیا ہے: وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (۲۸: ۴۷)، یعنی "اور یہ اتمام حجت اس لیئے ہے کہ مبادا ان پر انکے اپنے ہی کرتوتوں کے بدلے میں مصیبت نازل ہو....." سورۂ شوریٰ میں 'مصیبت' کے مفہوم کو یہ کہکر قطعاً عیاں کر دیا ہے کہ اقوام عالم پر کوئی مصیبت نہیں آتی مگر یہ کہ انکے اپنے ہی کرتوت سے ہو اگرچہ خدا اکثر واماندگیوں پر گرفت نہیں کرتا: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (۴۲: ۳۰)۔ سورۂ حدید میں اجتماعی مصیبت کے باعث نزول کو یہ کہکر اور بھی واضح کر دیا ہے کہ دنیا کی سب 'مصیبتیں' نہایت سوچ بچار کے بعد نازل ہوتی ہیں:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ۝ (۵۷: ۲۲-۲۳)

اے لوگو! جو جو مصیبتیں روئے زمین پر نازل ہوتی ہیں، یا جو تمہارے اپنے ہاتھوں تمپر آتی ہیں، سب کی سب پیشتر اسکے کہ ہم انکو پیدا کریں ایک مسل میں درج ہوتی ہیں (جو علم الٰہی ہے) اِس کے اندر اس 'مصیبت' کے مالہٗ اور ماعلیہ پر پوری بحث ہوتی ہے، اسکے سب وجوہ کامل طور پر بیان ہوتے ہیں، واقعات اور حالات سلسلہ وار قلمبند ہوتے ہیں) اور پھر کامل غور و خوض کے بعد اس مصیبت کے اجرا کا فیصلہ کیا جاتا ہے (اِنَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا)، اور لوگو! اس بادشاہ کون و مکان کی حکومت اس قدر منظم، اس قدر قوی، اِس قدر دقیقہ رس اور عادل ہے کہ یہ سب بظاہر ناممکن باتیں خدا کے لیئے بیحد آسان ہیں۔ اور اے ناعاقبت اندیش انسانو! تمہاری جزا و سزا میں یہ عظیم الشان اہتمام اس لیئے ملحوظ رکھا گیا ہے کہ تم لوگ جو شے تمہارے ہاتھ سے چلی گئی ہے اسکو اپنی ہی بداعمالی کا نتیجہ سمجھو، اور ناحق خدائی فیصلوں کو اٹا سنا استبدادی اور بے اصولے سمجھکر اپنی قسمت پر پشیمان نہ ہوتے پھرو (تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ)، یا جو انعام تمکو دیا گیا ہے اُسکو بلا سبب اور بے وجہ سمجھکر اکڑنے اکڑنے پھرو اور سعی و عمل سے غافل ہو جاؤ، اور جانے رہو کہ خدا اترانے والے کا چور اور شیخی باز نکمے کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ (خدا کے سعی و عمل کے پسند کرنیکے مسئلہ اب تک اس کتاب میں اتنی شہادتیں مل چکی ہیں کہ ان آیات الٰہی کا اسکے سوا کوئی اور مفہوم ہو نہیں سکتا)۔

بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ (۲: ۱۵۴)، وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ (۳: ۱۶۸)؛ وہ کس حکمت عملی کی بنا پر انکو مغفرت عامہ کے بے تحاشا انعام، اور جنت کی دلفریب نہروں کے

---

۵۱ اور لوگو! جو شخص خدا کی راہ میں اور اُسکا اعلا کرتے کرتے قتل ہو گیا، اُسکو مرا ہُوا نہ کہو، وہ فی الحقیقت زندہ ہے، وہ ابدالآباد تک اپنا نام چھوڑ گیا، اپنے کارنامے چھوڑ گیا، وہ ہر وقت دوسروں کو شجاعت کی ترغیب دے رہا ہے، حوصلے بڑھا رہا ہے۔ لیکن تم نہیں سمجھتے کہ وہ کیونکر زندہ ہے۔

۵۲ اور لوگو! جو شخص راہ خدا میں قتل کیئے گئے اُن کو مُردہ شمار نہ کرو، وہ تو فی الحقیقت زندہ ہیں اور خدا کے پاس بیٹھے ہوئے اُسکی نعمتوں اور رحمتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۵) اِن آیات سے ظاہر ہے کہ مصیبت یہاں پر بھی وہ اجتماعی سزا ہے جو خدا قوموں کو اُن کی مجموعی بداعمالیوں کے باعث نہایت غور و خوض کے بعد دیتا ہے۔ انفرادی اور خانگی مصائب اسمیں شامل نہیں اور نہ کسی عزیز کی موت اِس قانون کے ماتحت ہو سکتی ہے۔ قوموں کی پشتینی غفلتیں اور کامچوریاں ایک اتنی قلیل مدت کے اندر خدا کے وبال کو دعوت دیتی ہیں، پھر جب اُنکی بدکاریوں کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو پورے تامل کے بعد خدا کا اٹل حکم نافذ ہو جاتا ہے جیساکہ سورۂ تغابن میں ہے: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (۶۴: ۱۱) اور جسمیں کافروں کے اجتماعی عذاب ہی کا ذکر ہوا ہے۔ تمام قرآن کے طول و عرض میں صرف ایک جگہ (یعنی سورۂ مائدہ میں) 'مصیبت' کا لفظ انفرادی معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر وہاں پر موت کے لفظ سے اُسکی تصریح کر کے متذکرہ صدر کلیے کو برقرار رکھا ہے: اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ (۵: ۱۰۶)، یعنی "اگر سفر میں ہو اور تمپر موت کی مصیبت آپڑے تو وصیت کرتے وقت کوئی دو غیر مسلم گواہ بھی پیدا کر لو تو کچھ مضائقہ نہیں"۔ الغرض 'مُصِيْبَة' کی قرآنی اصطلاح کے متعلق اِس تمام استدلال سے ظاہر ہے کہ اہل کتاب کی آیاتِ زیر بحث میں خدائے عظیم نے اِس امر کی تلقین نہیں کی کہ جب تمپر کسی ہمسائے کا خوف طاری ہو، یا غریب اور نادار ہو جاؤ، یا کوئی عزیز مسلمان مرجائے، یا تمہاری تجارت کا جہاز ڈوب جائے، تو فوراً "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ" کا طلسمی منتر دُہراؤ، بلکہ یہ کہا ہے کہ اے مسلمانو! اسمیں شک نہیں کہ ہم وقتاً فوقتاً تم کو تمہاری مجموعی بداعمالیوں اور غفلتوں کے باعث محکومیت، افلاس، بیچارگی، اور شکست و ریخت کی مصیبتوں میں ڈالتے رہیں گے، لیکن اگر تم سچے معنوں میں مسلمان ہوئے تو تم اپنی آبائی غفلتوں، اور ذاتی واماندگیوں کو خیرباد کہکر صبر و استقلال سے ان مصائب کا مقابلہ کرو گے، اور اپنے سروں پر سے یہ آسمانی بلائیں ٹال کر رہو گے۔ اور صحیح معنوں میں مستقل مزاج اور صابر لوگ تو وہی ہوتے ہیں جو مصیبت کو سر پر سوار دیکھکر قانون خدا کی طرف از سرِ نو رجوع کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں (قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) اور جان لیتے ہیں کہ یہ مصیبت ہمارے اپنے ہی کرتوت کی وجہ سے ہے اور خدا سے منحرف ہونے کا نتیجہ ہے۔ ہر سزا یافتہ مجرم یا عتاب زدہ ملازم اپنے آقا کو خوش کرنیکے لیئے آئے دن بعینہٖ اسی قطع کا رُجوع اختیار کرتا ہے، وہ سزا کے بعد پھر اپنے ناراض حاکم کے حکموں کی تعمیل شروع کر دیتا ہے، اُسکے قانون کی طرف لوٹ آتا ہے، اپنی بداعمالیوں اور غفلتوں سے تائب ہو کر اُسکی صحیح معنوں میں ملازمت اختیار کر لیتا ہے۔ نہ یہ کہ زبان سے کوئی فسون دُہراتا پھرے، اور آقا اُس کی خوش الحانی پر فریفتہ ہو کر اُس کو معاف کرے بلکہ شاباش بھی دے! 'قَالَ' کا لفظ قرآن حکیم میں ایسے موقعوں پر محض مُنہ سے کہنے کے معنوں میں نہیں آتا بلکہ اپنے قول کو فعل سے ثابت کرنا مراد ہوتا ہے۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ .... (۴۱: ۳۰)، یعنی جن لوگوں نے خدا کو اپنا رب کہہ دیا، پھر استقامت سے اِس قول پر جمے رہے اُنپر فرشتے اُترتے ہیں"۔ یہاں محض مُنہ سے کہنا ہرگز مراد نہیں بلکہ جن لوگوں نے از روئے عمل خدا کو اپنا حاکم اور رازق مان لیا، اُن کا ذکر ہے۔

تشریح سَيِّئَةٌ وَّحَسَنَةٌ

'مُصِيْبَة' کی قرآنی اصطلاح کے معانی آج قریب قریب مسخ ہو چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی انسانی لغت اب اُسکے خدائی مفہوم کو ادا نہیں کر سکتی۔ قرآن بذاتِ خود اپنے معانی کا محافظ ہے اور اسی نقطۂ نظر سے **سب انسانی لغات سے بے نیاز ہے**۔ ایک اور قرآنی اصطلاح جو قریب قریب

Marfat.com

دائمی وعدے دے دیا کرتا تھا؟ وہ کیوں اپنی سُرمہ گیں آنکھ کی الفت سے بھری ہوئی نظریں اُن غازیانِ ملت، اور فدائیانِ دین پر ہی ڈالتا تھا جو اسکی راہ محبت میں دیوارِ آہن کی طرح ثابت قدم

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۶) مُصِیْبَۃ، یعنی اجتماعی بدحالی کے معنوں میں استعمال ہوئی ہے' سَیِّئَۃٌ' ہے اور جس کی ضد حَسَنَۃٌ' ہے۔ یہاں اس تقریب پر ان اہم اصطلاحات کی توضیح بھی کر دیجاتی ہے اگرچہ اسکی ضرورت آگے چل کر واضح ہو گی سالف سورۂ نساء میں ہے: مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ (۴: ۷۹)، یعنی "اے لوگو! جو بھلائی تم کو اس دنیا میں پہنچتی ہے وہ تمہارے خدا کے بتائے ہوئے راہ پر چلنے کی وجہ سے ہے، اور جو سزا تم کو اس دنیا میں ملتی ہے وہ تمہارے اپنے کرتوت سے ہے"۔ علیٰ ہذا القیاس سورۂ شوریٰ میں ہے: وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ (۴۲: ۴۸) یعنی "اگر ان کو انکے اپنے کرتوت سے کوئی بُرائی پہنچے"۔ جس سے مقصود افراد اُمت کی غفلت کی وجہ سے اجتماعی سزا کا ملنا ہے۔ سورۂ اعراف میں اقوام کو سزا ملنے کے ابتدائی مراحل کے ذکر میں ہے: ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا (۷: ۹۵) "پھر ہم اس قوم کی ظاہری بدحالی کو خوشحالی اور فارغ البالی سے بدل دیتے ہیں یہانتک کہ وہ لوگ اسکے زعم میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں"۔ اسی سورۃ میں آگے چلکر ہے: وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ (۷: ۱۳۰) "اور ہم نے تو فرعون کی قوم کو برسوں کی خشک سالیوں اور کمی پیداوار کی سزا اسی لیئے دی تھی کہ وہ لوگ عبرت پکڑیں اور اپنی بداعمالیوں سے باز آئیں۔ پھر جب اُنپر کوئی اجتماعی راحت نازل ہوتی تھی تو کہتے کہ خدا کی طرف سے خوشنودی مزاج کا یہ پرتو ہے ہمارے ہی نیک اعمال کیوجہ سے ہے، اور اگر اُنپر کوئی مجموعی آفت آتی تو موسیٰ اور اُسکے ساتھیوں کے بداعمال کا نتیجہ گردان کر اُن کے سر تھوپتے"۔ یہاں نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ کے متذکرۂ صدر معانی (صفحہ ۱۲۴۔ تحت المتن) کی تائید بھی ہو گئی اور سَيِّئَةٌ کے مطالب بھی صاف ہو گئے۔ سورۂ رعد میں ہے: وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ (۱۳: ۶) "اور اے پیغمبر! یہ لوگ تم سے خوشحالی اور اجتماعی عافیت مانگنے کی بجائے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں حالانکہ انکو خوب معلوم ہے کہ ان سے پہلے ہمارے ہاں سے وہ وہ دردناک عذاب آئے ہیں کہ اُن کی کہاوتیں چلی آتی ہیں"۔ علیٰ ہذا القیاس سورۂ نمل میں حضرت صالح کا قول ہے: قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ (۲۷: ۴۶) یعنی حضرت نے کہا کہ اے قوم! تم کیوں خوشحالی اور امن (الحَسَنَة) کو چھوڑ کر ذلّ و مسکنت کے عذاب (السَّيِّئَة) کے لیئے جلدی مچا رہے ہو، تم کیوں خدائے ذوالجلال سے اپنی گذشتہ واماندگیوں پر پردہ پوشی کی درخواست (تَسْتَغْفِرُوْنَ) نہیں کرتے تاکہ تم مستحق انعام و اکرام ہو جاؤ"۔ یہاں بھی سَيِّئَةٌ سے مراد صاف طور پر وہ اجتماعی بدحالی ہے جو احکام خدا کی عدم تعمیل کے باعث ہر قوم پر دفعۃً یا رفتہ رفتہ نازل ہو جاتی ہے۔ سورۂ آل عمران میں ہے: اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا (۳: ۱۱۹) یعنی "مسلمانو! اگر تم کو کوئی اجتماعی فائدہ پہنچتا ہے تو انکو بُرا لگتا ہے، اور اگر تم پر کوئی قومی آفت نازل ہوتی ہے تو یہ منافق خوش ہو جاتے ہیں"۔ یہاں سَيِّئَةٌ کی کوئی دوسری تاویل غیر ممکن ہے اور مطالب بالالتزام وہی ہیں جو پہلے بیان ہوئے۔ سورۂ اعراف میں بنی اسرائیل کے بارے میں ہے: وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (۷: ۱۶۸) "اور ہم نے بنی اسرائیل کو بالآخر گروہوں میں تقسیم کر کے سطح زمین پر پھیلا دیا، ان میں سے بعض اُمتیں صالح بنی رہیں (اور مدت مدید تک ہمارے انعاموں سے بہرہ ور ہوتی رہیں) اور بعض بہت جلد غیر صالح ہو گئیں (اور جلد صفحہ زمین سے محو کر دی گئیں)، اور ہم نے ان غیر صالح اُمتوں کی آزمایش طرح طرح کی اجتماعی خوشحالیوں (الحَسَنَات) اور قسم قسم کی اجتماعی بدحالیوں (السَّيِّاٰت) سے کی کہ شاید وہ انعاموں کے ملنے کی بم کو سمجھکر اور سزاؤں کے آنے کی حقیقت کو پاکر ہمارے قانون کی طرف لوٹ آئیں (لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ)"۔ گویا یہاں مراد یہ ہے کہ جہاں کچھ مدت کے لیئے راہ راست پر آجاتے تھے تو ہم اپنی نعمتوں کا دروازہ یکسر کھول دیتے تھے تاکہ انکو معلوم ہو جائے کہ انعام یکسر ہماری متابعت کی وجہ سے ملتا ہے، اور جہاں ہمارے قانون سے سرکش ہو بیٹھتے تھے تو اُن کو بدحال کر دیتے تھے کہ سمجھ لیں کہ یہ بدحالی اُنکے اپنے کرتوت ہی سے ہے۔ سورۂ زمر میں سَيِّئَات کا یہی مفہوم ذرا اور بھی واضح طور پر ہے: فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۚ وَالَّذِيْنَ

Marfat.com

رہ کر لڑا کرتے تھے: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ[1] (۶۱: ۴)؛ نہیں! وہ زمین و آسمان کے خزانوں اور ملاءِ اعلیٰ کے گنجینوں کا مالک خدا، جس کے قبضے میں کائنات عالم کی مقالید

---

[1] بیشک خدا انہی لوگوں کو پیار کرتا ہے جو اسکی حمایت اور محبت میں صف باندھکر لڑتے ہیں اور ایسے جمے رہتے ہیں کہ گویا ایک دیوار ہیں جسمیں سیسہ پلا دیا گیا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۷) ظَلَمُوْا مِنْ ھٰٓؤُلَآءِ سَیُصِیْبُھُمْ سَیِّاٰتُ مَا کَسَبُوْا، وَمَا ھُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۝ (۳۹: ۵۱)، یعنی تو اُن لوگوں کو اُن کی بداعمالی کے بُرے نتائج اجتماعی بدحالیوں (السَّیِّاٰتُ) کی صورت میں پونہچے، اور ان اہل مکہ میں سے بھی جو لوگ حدود سے تجاوز کر رہے ہیں (ظَلَمُوْا) اُن کو بھی اُن کے اعمال کے بُرے نتائج قومی زبون حالی کی صورت میں عنقریب پونہچنے والے ہیں، اور یہ لوگ ایسے طاقتور تو ہیں نہیں کہ ہم کو عاجز کر دیں۔ اِس موقع سے ذرا پہلے سَیِّاٰتُ کو پہر اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے: وَبَدَا لَھُمْ سَیِّاٰتُ مَا کَسَبُوْا وَحَاقَ بِھِمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ ۝ (۳۹: ۴۸)، یعنی پہر ان لوگوں کو اپنے کرتوت کے بُرے نتیجے اجتماعی شکست و ریخت (سَیِّاٰتُ) کی صورت میں ظاہر ہو گئے، اور جس سزا کو یہ لوگ ہنسی مخول سمجھ رہے تھے اُن پر آ نازل ہوئی۔ یہاں بھی سَیِّاٰت سے مراد بصراحت تمام وہ فقر و افلاس، خوف کا ماحول، اور ذلّ و مسکنت ہے جو اقوامِ عالم کو اُن کی غفلتوں اور بداعمالیوں کی پاداش میں ملتا ہے۔ اِس سے مقصود گناہ، نہیں جس کا عملی مفہوم آج شرعی اصطلاح بن کر کچھ بے معنی سا ہو گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ ہود میں سَیِّاٰت کا یہ حالی مفہوم اور بھی واضح ہے: وَلَئِنْ اَذَقْنٰہُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْہُ لَیَقُوْلَنَّ ذَھَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ ط (۱۱: ۱۰)، یعنی اگر انسان کو کسی تکلیف کے پونہچنے کے بعد ہم نعمائے الٰہی کا تھوڑا سا مزا چکھا دیں تو مغا اپنے دلمیں یقین کر لیتا ہے (لَیَقُوْلَنَّ) کہ اب (ہمیشہ کے لیے) میری سب خستہ حالیاں مجھ سے دور ہو گئیں۔"

(ب) اِن مثالوں سے قطع نظر قرآن حکیم میں 'کَسَبُوا السَّیِّاٰتُ' اور 'عَمِلُوا السَّیِّاٰتُ' کے معنی خیز جملے بھی استعمال ہوئے ہیں جن کا صحیح مفہوم قوم کے افراد کا اُن مجموعی گناہوں، اور بداعمالیوں میں مبتلا ہونا ہے جسکا نتیجہ اجتماعی شکست و ریخت ہے۔ یہاں پر صرف دو مثالیں پیش کر دیجاتی ہیں۔ سورۂ یونس میں ہے: وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَۃٍ بِمِثْلِھَا، وَتَرْھَقُھُمْ ذِلَّۃٌ ط (۱۰: ۲۷) یعنی جس قوم نے بداعمالیاں کمائیں تو یاد رکھو کہ بُرے عمل کا ویسا ہی بُرا نتیجہ ہے، اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ اُس قوم پر ذلت چھا رہی ہو گی۔" گویا اندوئے قرآن سَیِّاٰت، وہ اجتماعی بداعمالیاں (مثلاً تفرقہ اندازی، بدنظمی، بددیانتی وغیرہ وغیرہ) ہیں جن کا نتیجہ قوم کی بدحالی ہے۔ رہی یہ بات کہ اِس آیت میں اِس دنیا کی جزا و ذلت کا ذکر ہے، آخرت کی سزا کا مذکور نہیں، اِس کا ثبوت تیسری مجلد میں آئے گا جہاں تمام رکوع کا مربوط ترجمہ کر دیا ہے۔ سورۂ قصص کے آخری رکوع میں آخرت کی جزا و سزا کے بارے میں ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیْرٌ مِّنْھَا، وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجْزَی الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ (۲۸: ۸۴)، یعنی "جس شخص نے اپنی جماعت کے حق میں ایک بھلائی کی تو اُسکو اس بھلائی سے بہتر اجر دیا جائے گا، اور جس نے اپنی قوم کو کوئی گزند پونہچایا تو بداعمالیاں کرنے والے لوگوں کو تو اُن کے اعمال کے مطابق ہی سزا ملیگی۔" گویا 'کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ' کے قرآنی معانی قومی بدحالی کو اپنے ہاتھوں خریدنا، اور 'عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ' کا صحیح مفہوم اِس بدحالی اور ذلت کے لیے عمل کرنا ہے جیسا کہ آج قریب قریب ہر مسلمان اپنی قوم کے لیے اصالتاً اور معناً کر رہا ہے۔ ایک اِسی قطع کی قرآنی اصطلاح 'مَکَرُوا السَّیِّاٰت' ہے جو سورۂ نحل میں واقع ہوئی ہے: اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰہُ بِھِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَھُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ (۱۶: ۴۵)، یعنی "تو کیا وہ لوگ جنہوں نے اس کارگاہ سعی و عمل میں بداعمالیوں اور غفلتوں کا جال بچھا رکھا ہے (مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ) فی الحقیقت اِس امر سے بخوف و خطر ہو گئے ہیں کہ خدا کسی دن اُن کو زمین دھسا مارے، یا اُنپر کوئی اور عذاب اُدھر سے آ نازل ہو جدھر سے اُن کو سان گمان تک نہ ہو۔" گویا مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ سے مراد اجتماعی غفلتوں کا پے در پے مجرم بننا، لیکن مکر و ریا سے یہ سمجھنا کہ دراصل کسی جرم کا ارتکاب نہیں ہو رہا، جیسا کہ آجکل عالم اسلام میں ہر جگہ ہو رہا ہے۔ اِسمیں شک نہیں کہ قرآن حکیم میں بعض اوقات 'حَسَنَۃٌ' اور 'سَیِّئَۃٌ' کے الفاظ بادی النظر میں انفرادی نیکیوں اور ذاتی بُرائیوں کے لیے مستعمل نظر آتے ہیں۔ معاشری خصوصیات

Marfat.com

اور جمیع مخلوق کا رزق ہے : لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ[1] (۳۹ : ۶۳)، وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۡ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ[2] (۱۵ : ۲۱)،

---

[1] زمین وآسمان کے خزانوں کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں۔ جسکو خوش ہوکر جو چاہے اُن میں سے بخش دے۔ تو جو لوگ احکام خدا سے منکر ہیں اور اُسکے مطابق نہیں چلتے وہی گھاٹے میں ہیں۔

[2] اور اِس زمین وآسمان کے اندر کوئی ایسی شے نہیں جسکے ہمارے ہاں خزانے کے خزانے نہ بھرے پڑے ہوں، اور ہم اُنکو اس دنیا میں بھیجتے بھی ہیں تو ایک مناسب اندازے کے ساتھ جو ہمارے علم میں ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۸) سے بظاہر ان کا کچھ تعلق نظر نہیں آتا لیکن اگر بہ امعانِ نظر دیکھا جائے تو سیاق وسباق کلام سے عیاں ہو جائے گا کہ اُن کا اتھی مفہوم بھی اجماعی ہی ہے۔ قرآن حکیم اپنے کسی امر ونہی میں اجتماعیت کے گرانقدر اصل اصول کو نظر انداز نہیں کرتا، اور انہی اعمال کو حسنات یا سیئات قرار دیتا ہے جن کی تہ میں اجتماعی ترقی یا تنزل کے جراثیم مخفی ہوں۔ نہیں، بلکہ از روئے قرآن 'حَسَنَةٌ' انسان کا وہ انفرادی عمل ہے جو خالصتہً اس ارادے کو پیش نظر رکھکر کیا جائے کہ اُسکے کرنے میں اجتماعی فائدہ ہے، اور علیٰ ہذا القیاس 'سَيِّئَةٌ'، وہ فعل ہے جسکا تعقل اور استمرار من حیث الجماعۃ نقصان دہ ہے، اور اسی لیئے اسکے عامل کی نیت اپنی جماعت کے بارے میں درست نہیں۔ **اعمال کا نیات** کے ساتھ لازم ملزوم ہونا اسلامی فلسفۂ عمل کا وہ جزو لاینفک ہے جو ہر صاحب نظر پر ظاہر ہے۔ دنیا کی بیدار اقوام کے سب افراد ہمیشہ سے تمام حسنات اسی مستقل پیش نہاد کو سامنے رکھکر کرتے آئے ہیں، اور یہی مطمح نظر جب رفتہ رفتہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے تو قوم میں بلا تحسس نتائج 'سَيِّئات' شروع ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ اکثر 'حَسَنات' بھی 'سَيِّئات' بن جاتی ہیں جیسا کہ آجکل زکوٰۃ ہے کہ بیہودہ اور منتشر طور پر خرچ کرنیسے مسلمانوں کو قوت دینے کی بجائے ان میں گداگروں کی جماعت پیدا کرکے ضعف پونہچا رہی ہے۔ اِس اہم موضوع کے متعلق اسلامی فلسفۂ عمل کے تحت میں مستقل بحث کی گئی ہے جو تیسری مجلد کے شروع میں آئے گی۔ سرِدست صرف اسقدر دکھلانا مقصود ہے کہ 'حَسَنَةٌ' کی صحیح تعریف از روئے قرآن یہ ہے کہ اِس سے کسی مستقل اجتماعی زبون حالی (یعنی 'سَيِّئَة') کا دفعیہ ہو۔ مثال کے طور پر اگر ایک قوم کے افراد دیانت داری کے اصول پر اسلیئے عمل پیرا ہیں کہ بددیانتی سے اُن کی تجارت کو فروغ نہیں ہو سکتا، اُنکی دنیا میں ساکھ نہیں بیٹھ سکتی، اُن کا کاروبار عالمگیر نہیں ہو سکتا، وغیرہ وغیرہ، تو وہ قوم بلاشبہ ایک سَيِّئَةٌ کا دفعیہ ایک حَسَنَةٌ سے کر رہی ہے، اور اسی لیئے فطرت کے خزانۂ عامرہ سے انعام پا رہی ہے۔ برخلاف اسکے جس قوم کا کوئی مستقل پیش نہاد نہیں رہا، اور اُس کے افراد فرداً فرداً نیک عمل **بلانیت** کر رہے ہیں یا سرے سے قوم کے بدانجام سے غافل ہو کر 'بدیاں' کر رہے ہیں تو قرآن کے رو سے یہ حالت کچھ داخل حسنات نہیں۔ سورۂ رعد میں ہے :

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (۱۳ : ۲۲)

لوگو! صاحب علم ونظر تو وہ لوگ ہیں ('اُولُوا الْاَلْبَاب' کا ترجمہ جو آیہ (۱۳ : ۱۹) میں ہے) جو اپنے پروردگار کی خوشنودی کی خاطر استقلال کو اپنا دستور العمل بنا لیتے ہیں (صَبَرُوا) جو 'الصَّلٰوةَ' کو قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انکو دے رکھا ہے اُسمیں سے ایثار مال وہ پردہ اور علی الاعلان کرتے ہیں، اور اپنی اجتماعی بدحالی کا دفعیہ مناسب اعمال کے ذریعے سے کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی دنیا یعنی دنیاوی معاشرت (الدَّار) کا انجام (عُقْبٰى) اچھا ہی اچھا ہے۔

'الصَّلٰوةَ' کی اجتماعی خوبیوں، اور ایثار مال کے اجتماعی فوائد کے متعلق اصل کتاب میں بحث ہو رہی ہے، اور آیندہ کئی ورق انہی اہم موضوعوں کے لیئے وقف ہیں، تاہم اِس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ 'صبر'، 'اقامت الصلوٰۃ'، 'انفاق مال'، 'اوفاع سیئات'، سب کے سب **اجتماعی اعمال** ہیں جنکا اجتماعی حالت کو درست کرنے کی نیت سے کیئے جانا مقصود ہے۔ یہی مضمون قریب قریب سورۂ قصص[1] (۲۸ : ۵۴) میں ہے، اور وہاں بھی یہی مجموعی

---

[1] اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (۲۸ : ۵۴)۔

اِن فاقہ مست اور گدیہ گر عرب کے مال و متاع کا محتاج اور قرض حسنہ کا امیدوار کیوں

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۲۹) جدّ و جہد مراد ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں یہود کے سیاسی مدّ و جزر اور اجتماعی عروج و زوال کی توجیہ کے بارے میں خدائی ارشاد ہے:

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ (۱۷: ۶-۷)

پھر اے بنی اسرائیل کے نافرمانبردار لوگو! ہم نے زبردست حکمرانوں کو تم پر حاکم بنا دینے کی سزا کے بعد (دیکھو آیۂ (۱۷: ۵)) تم کو اُنپر غلبہ دیکر تمہیں باری دی، مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی، اور تم کو بڑے جتھے والے بنا دیا۔ اور ہم نے بار دگر تم پر عیاں کر دیا کہ اگر تم نے حُسن عمل سے اپنی اجتماعی حالت درست کر لی (اِنْ اَحْسَنْتُمْ)، تو اس کا فائدہ تمہی کو پہنچا (اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ)، اور اگر اس سے پیشتر تم نے بُرے عمل کر کے اپنے آپ کو غیر کا محکوم بنا لیا تھا (اِنْ اَسَاْتُمْ) تو اس کا نقصان بھی تمہی کو ملا تھا (فَلَهَا)۔

یہاں صاف طور پر رب زمین و آسمان کی لغت میں **حُسنِ عمل** (الْحَسَنٰتِ) سے مراد **اجتماعی بیداری** اور **قومی احیاء** کے وہ متعارف اعمال ہیں جنکا اوّل نتیجہ غلبۂ قوم ہے، اور **سُوءِ عمل** (لِلسَّيِّاٰتِ) **قومی اخلاق** کا وہ **انحطاط عمیم** ہے جس کا نتیجہ **محکومیت اور غلامی** ہے۔ جن لوگوں نے حسن عمل سے مراد تنہا خانوں میں بیٹھکر تسبیحیں چلانا سمجھ رکھا ہے اُن کے لیئے یہ آیات از بس سبق آموز ہیں! بنی اسرائیل کی قوم نے اپنے ظالم حاکموں (نہیں بلکہ خدا کے سخت گیر اور بارُعب **بندوں**، عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ (دیکھو آیہ (۱۷: ۵)) سے نجات، اعتکاف خانوں کے اندر تسبیحیں پھیر پھیر کر حاصل نہیں کی تھی، وہ لامحالہ تیغ و تفنگ لیکر باہر نکلے ہونگے؛ ایمان کی اوّل قوتیں اُنکے دلوں میں موجزن ہوئی ہونگی؛ اتحاد، صبر، ایثار مال وغیرہ ان کا مذہب عمل بن گیا ہوگا، پھر رب غفور و رحیم نے انکے اِس **حُسن عمل** کو دیکھکر اُن کے گذشتہ گناہ، معاف کر دیئے ہوں گے، اور یہ بادشاہت کا حاصل ہونا ہی خوشنودیٔ خدا کی علامت تھی! مال و اولاد کی کثرت (اَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ)، اور اُن کا جتھ غفیر ہو جانا (وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا)، بھی کچھ تسبیحوں کے زور سے نہ تھا، یہ سب افضال الٰہی عروس سلطنت کی وہ اونٹنیاں ہیں جو ہاتھ باندھے ہوئے اس کے جلو میں ہر وقت حاضر رہتی ہیں، اور ہر اُس قوم کے گھر کا اُجالا بن جاتی ہیں جسکی میہمانی عروس بادشاہت قبول کرے! جو قوم اس کارگاہ عمل میں اپنی بہتری کے لیئے حتی الامکان ہاتھ پیر مار رہی ہے، جو سعی و عمل کی دوست ہے، آزاد اور زور آور ہے، جو اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ ہے، وہی **اَحْسَنْتُمْ** کی مصداق ہے، وہی قانون خدا کی پابند ہے، وہی خدا کی عملاً غلام ہے، وہی **عبادت** کا حق ادا کر رہی ہے، وہی **عِبَادًا لَّنَآ** ہے! منکوں کو ہاتھ میں پھیر پھیر کر رواں کرنیسے خدا کی بندگی ہرگز نہیں ہو سکتی! اسکے لیئے ملازم ہونا شرط ہے، کام کرنا شرط ہے، متفق اور متحد ہو کر ہاتھ پیر مارنا شرط ہے! لیکن اس موضوع کو یہاں پر طول دینا بہت کچھ پیش از وقت ہے۔

ج) **سَيِّئَةٌ** اور **حَسَنَةٌ** کے متعلق متذکرۂ صدر بحث سے جو (الف) اور (ب) کے ماتحت ہوئی اسقدر ظاہر ہے کہ جہاں آیاتِ مشمولۂ (الف) میں ان اصطلاحوں سے مقصود اجتماعی بدحالی اور قومی خوشحالی ہے، وہاں آیات مذکورہ (ب) میں ان سے مراد وہ اعمال ہیں جو اجتماعی بدحالی اور خوشحالی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں اور جن کا انجام بادشاہت اور تسلط فی الارض یا محکومیت اور غلامی ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے کلام الٰہی میں جہاں جہاں یہ الفاظ آئے ہیں وہاں مراد یہی طاقت اندوز یا شکست انگیز اعمال ہیں اس سے کمتر قطعاً کچھ نہیں۔ سورۂ انعام کے آخری رکوع میں ہے: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (۶: ۱۶۱)، یعنی "جو متنفس اِس کارگاہ سعی و عمل سے ایک **حَسَنَة** کما لایا تو اُسکو اُس جیسی دس **حَسَنَات**" انعام میں ملیں گی اور جس نے اپنی جماعت کے حق میں کوئی شکست انگیز عمل کیا تو اسکو صرف اسیقدر ملے گی جسقدر اُس نے شکست و ریخت کی تھی، اور اُنپر زیادتی تو کسی صورت میں نہ ہوگی"۔ یہاں بادی النظر میں محاکمہ عام معلوم ہوتا ہے اور خیال میں آتا ہے کہ کسی خاص نیکی کی تخصیص نہیں کی، لیکن اس سے پہلے کی آیت: اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ

رہا کرتا تھا، اور اِس بروقت مالی امداد کے صلے میں چند سِکّوں کے بدلے، جنّت کے نظر فریب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۰) اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (۶ : ۱۶۰) یعنی اے پیغمبرؐ! جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے، تمہارا اُن سے کچھ تعلق نہیں ہے، اُن کا معاملہ خدا کے حوالے ہے، وہ خود ہی انکو دردناک سزائیں دے گا اور اس وقت ان کے بداعمال کا نتیجہ موبمو بتلادے گا جبکہ شکست وریخت اُن کے سروں پر چھا رہی ہوگی۔" معاً فیصلہ کردیتی ہے کہ حَسَنَةٌ اور سَيِّئَةٌ کے الفاظ بالتخصیص اِسی اتحاد اور فرقہ بندی کے متعلق استعمال ہوئے ہیں جو ایک اجتماعی عمل ہے، اور ایسے ہی دوررس اور نتیجہ خیز اجتماعی نیکیوں کے متعلق خدائے زمین وآسمان نے دس گنا ثواب مقرر کیا ہے۔ نہ یہ کہ اگر کسی راہ چلتے گدیہ گر کو دو پیسے دیدیئے جائیں تو خدا سے بیس پیسوں کا امیدوار انسان ہوجائے۔ علیٰ ہذا القیاس سورۂ نمل کے اخیر میں الْحَسَنَة کو اِسقدر جلیل القدر اور لائق الطاف واکرام عمل قرار دیا گیا ہے کہ قیامت کی نفسا نفسی اور کس مپرسی کے دن اُس ایک الحسنۃ کا عامل سب جزع وفزع سے امن میں ہوگا، اور ایک السیئۃ کا کرنے والا اوندھے مُنہ جہنّم میں جھکیل دیا جائے گا: مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ۝ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (۲۷ : ۸۹-۹۰) یعنی "جس متنفس نے قیامت کے دن 'الحَسَنَة' کو اپنی شفاعت میں پیش کیا تو اُسکو اُسکے عمل سے بہتر اجر دیا جائے گا اور ایسے لوگ اُس دن قیامت کی تمام جزع وفزع سے امن میں ہونگے، اور جو السَّیِّئَة کو اپنے ساتھ لایا تو ایسے لوگ اوندھے مُنہ دوزخ میں دھکیل دیے جائینگے اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ کیا یہ دردناک سزا تم لوگوں کو ماسوا تمہارے اعمال کے کسی اور جرم کی پاداش میں مل رہی ہے۔" اِن آیات الٰہی سے ظاہر ہے کہ الحَسَنَة کا معیار از روئے قرآن کسقدر بلند ہے۔ آج لوگوں نے نیکی کا معیار اِسقدر پست متصور کرلیا ہے کہ ادنیٰ سی اور بے نتیجہ نیکیاں کرکے دس گنا ثواب کے منتظر رہتے ہیں اور اِس ناروا زعم میں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہتے ہیں۔ قریب قریب یہی بات سورۃ المومن (۴۰ : ۴۰) میں ہی مگر اسکے اعادے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ قرآن حکیم کی کل کائنات میں صرف دو یا تین موقعے (۲۷ : ۸۹، ۴۰ : ۴۰) (۴۱ : ۳۴)، (۲۳ : ۹۶) ہیں جہاں بادی النظر میں سَيِّئَةٌ یا حَسَنَةٌ کے الفاظ انفرادی معانی میں استعمال ہوئے ہیں مگر جس وقت اُن آیاتِ الٰہی کا ربط اصل کتاب میں ظاہر کردیا جائے گا تو عیاں ہوجائے گا کہ اُن موقعوں پر بھی اِن قرآنی مصطلحات کا بلند معیار بدستور قائم ہے۔

اِس تمام طول وطویل بحث وتمحیص سے جو ان اوراق میں سَيِّئَةٌ اور حَسَنَةٌ کے الٰہی مفہوم کے متعلق ہوئی بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ سَيِّئَةٌ کے معانی بھی "مُصِيْبَةٌ" کی قرآنی اصطلاح کی مانند دنیاوی اور اجتماعی بدحالی کے ہیں۔ جو جو سزائیں اقوام عالم کو اس دنیا میں قانون خدا سے منحرف ہونے، اور ذاتی غفلتوں کے تسلسل میں ملتی ہیں، اُن کے لیئے قرآن نے لفظ 'سَيِّئَات' تجویز کیا ہے۔ اِسی لحاظ سے جہاں جہاں قرآن میں "نُكَفِّرْ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ" یا "لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ" وغیرہ کے الفاظ ہیں، انکا صحیح مفہوم یہ ہے کہ "ہم اُن کی تمام اجتماعی بدحالیوں اور خانہ بربادیوں کو دُور کردینگے"۔ نہ یہ کہ "ہم اُن کے گناہوں کو معاف کردینگے۔" جس کے معنی عملاً غیر محدود ہیں کیونکہ کسی شخص یا قوم کو پتہ نہیں لگ سکتا کہ اسکے 'گناہ' درحقیقت معاف ہوئے ہیں یا نہیں۔ اکثر شارحین قرآن نے اِن الفاظ کا یہ بے معنی اور بے نتیجہ سا ترجمہ کردیا ہے اور حقیقت سے دور جا پڑے ہیں۔

'سَيِّئَةٌ' کے لفظ پر طول وطویل بحث آیہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (۲ : ۱۵۶) صفحہ ۱۲۳ کے تحت میں اِس لیئے کی گئی ہے کہ صفحہ ۱۲۲ کے متن کی آیہ (۳ : ۱۹۴) میں لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے الفاظ آچکے ہیں اور سَيِّئَةٌ کی تشریح نہیں ہوسکتی تھی جبتک کہ 'مُصِيْبَةٌ' کی تشریح نہ کردیجاتی۔ بہر نوع ظاہر ہے کہ اس آیت میں مراد یہ ہے کہ جن لوگوں اور قوموں نے میری راہ میں قتال کیا اور قتال کرتے کرتے ترک وطن پر مجبور ہوئے، میں اُن کی اجتماعی بدحالیوں کو دور کرونگا، اور انکو ایسے باغوں اور سرسبز زمینوں (جَنّٰتٍ) کا بادشاہ بناؤنگا جن کے تلے نہریں بہتی ہونگی۔ ضمناً یہاں جَنّٰتٍ کے معانی کی بھی تشریح ہوگئی۔ اگرچہ جَنّٰتٍ کے متعلق مکمل بحث تیسری مجلد میں چھوڑ دی گئی ہے۔ جو شخص اس قتال میں بچ رہے اُن کے لیئے زمین کے جنّات کی بادشاہت، اور جو مارے گئے اُنکے لیئے آخرت کے

Marfat.com

باغات اور نہریں کیوں فروخت کر دیا کرتا تھا، اور پھر ان نعمائے الٰہی کے باوجود اِس

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۱) **باغ بہشت**۔ یہی "ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ" کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ 'مِن' کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ ثواب دنیاوی ہے اور سود النقد۔ آخرت کا اُدھار مقصود نہیں جیسا کہ شارحین نے بالعموم فرض کر لیا ہے اور اس نارواں فرض کے باعث مسلمانوں کے آگے سے بادشاہت زمین کا وہ اہم نصب العین اور بہترین انعام دور کر دیا ہے جسپر سعی و عمل کا تمام حصر تھا۔

صَلٰوت کے مفہوم کی تشریح

آیۂ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۲: ۱۵۶) کے مطالب کی صحیح تعیین کے بعد جو غور طلب بات لائق شرح و بیان رہجاتی ہے یہ ہے کہ آیۂ (۲: ۱۵۷) صفحہ ۱۲۳ کے الفاظ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ میں صَلَوٰتٌ کا مفہوم بعینہٖ کیا ہے، نہیں بلکہ مروجہ طریق درود خوانی میں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے کیا معانی ہیں۔ اہل اسلام کی شرعی مجالس میں، اور دوسرے موقعوں پر نبی کریمؐ کے نام پر درود بھیجنے، کا طریقہ ابتدا سے رائج ہے، اسمیں ہر مسلمان روز اوّل سے نہایت شد و مد سے حصہ لیتا چلا آیا ہے؛ اور اس درود کا بار بار پڑھنا 'داخل ثواب' سمجھتا ہے۔ صدر اسلام میں، یا اسکے کچھ دیر بعد تک جب کہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پڑھایا ہوا سبق ابھی تازہ ہی تھا، اور اسلامی اوامر و نواہی کی حکمت بالغہ ہر مسلمان کے ذہن نشین اسقدر ہو گئی تھی کہ اسکی تعمیل کیلئے عند الضرورت ہزاروں میل چلنا بھی اُسکے لیے ناگوار نہ تھا، ممکن ہے کہ کم و بیش ہر مسلمان 'درود' پڑھتے وقت اُسکے صحیح مفہوم سے واقف ہو، بلکہ اسکو صحیح لہجے اور تکیف دل کے ساتھ ادا کرتا ہو لیکن آج جبکہ مسلمانانِ عالم اسلام کا اکثر درس نہول گئے ہیں، 'درود' کا صحیح مفہوم اور اُسکا سچا کیف و حال ذہنوں سے قاطبۃً نکل چکا ہے، اور باقی ملفوظات شرعی کی طرح یہ عمل بھی محض رسمی اور بے نتیجہ رہ گیا ہے۔ آج جب کسی اوسط مسلمان کو 'درود' کے متعلق سوال کیا جاتا ہے کہ وہ کیا ہے، کیوں اور کس لیے بھیجا جاتا ہے، اسکی الٰہی حکمت کیا تھی، تو وہ آئیں بائیں شائیں کرتا نظر آتا ہے، اور بالآخر جب تہ تک نہیں پونہچ سکتا تو سب ہتیار ڈالکر کہہ دیتا ہے کہ خدا کے احکام میں عقل کو کچھ دخل نہیں! اسمیں کلام نہیں کہ یہ طریق تخیل کسی حق طلب قوم کے لیئے ازبس مہلک ہے، اور فقدان عمل کا راز بھی اسی دم مزن اور لب کشا حالت کے قیام میں ہے۔ آیۂ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ کی متذکرۂ صدر توضیح کے بعد کم از کم یہ ظاہر ہے کہ خدا نے اپنی جناب سے اُن لوگوں کو تحسین و آفرین کہنے کا وعدہ کیا ہے جو کسی اجتماعی مصیبت کو دفع کرنے کی غرض سے قانون خدا کی طرف لوٹ آتے ہیں، اور ایسے ہی کارکن لوگوں کے بارے میں اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ گویا صَلٰوتٌ سے مراد وہ شاباش اور تحسین و آفرین ہے جو کسی شخص کو کسی پسندیدہ کام کے سرانجام کرنیکے بعد دیجاتی ہے۔ قرآن حکیم میں سرور کائناتؐ پر 'صَلٰوت' اور 'سلام' بھیجنے کا حکم سورۂ احزاب کے ان الفاظ سے ظاہر ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (۳۳: ۵۶)

(لوگو! تم کس نادر از عم میں ہو اور کیوں آئے دن نئے نئے بہتان باندھکر اور خوابیدہ فتنے جگا جگا کر رسول خدا کو تنگ کرتے ہو حالانکہ اس جلیل القدر نبیؐ کی شان و منزلت ہے کہ) وہ زمین و آسمان کا مالک خدا، اور اسکی عالم آرا قوتوں کے علم بردار فرشتے سب کے سب اُسکی حیرت انگیز طاقت عمل، اُسکی صحبت کے دیرپا اثر، اُسکے انقلاب انگیز زور برداشت، اُسکی مقلب القلوب روحانیت پر تحسین و آفرین کے نعرے لگاتے رہتے ہیں (يُصَلُّوْنَ) اور ہر دم اُسکے خیر الورے اور سید کائنات ہونے کی شہادت دیتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اپنے اس رہنمائے جلیل پر آفرین کے نعرے لگاؤ (صَلُّوْا عَلَيْهِ)، اور اُسپر اپنی تمام اُمت کا سلام بھیجا کرو (سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا) اُسکے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دیا کرو (سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا)۔

مَلٰٓئِكَہ کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں؛ نہ اسپر کہ رسول خدا کا وہ کیا زور عمل تھا جس نے ایک عالم کو انگشت بدنداں کر دیا تھا؛ اسکی حقیقت اصل کتاب میں بتدریج عیاں کر دیجائے گی۔ لیکن یہاں ظاہر ہے کہ نبیؐ پر درود بھیجنے سے مراد کیف دل کے ساتھ اُسکے جلیل القدر کارناموں پر متحیر ہونا، اُس کا نام برلب آنے پر تحسین و آفرین کے نعرے لگانا، اسکو زندہ باد اسلام کہنا وغیرہ وغیرہ ہے جیسا کہ آج ہر قوم اپنے رہنماؤں کے دیدار سے مشرف ہو کر کیا کرتی ہے۔ اس عقیدت کیشی کا نتیجہ اکثر یہی ہوا کرتا ہے کہ دل میں اُن کاموں کی عظمت برقرار رہتی ہے، اور ہر شخص کے دل میں کچھ نہ کچھ اُس رہنما کے

Marfat.com

قرض حسنہ کی چند در چند واپسی کا کیوں اقرار کرتا تھا؟

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۲) قدم بقدم چلنے کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے۔ یہی مقصود نبی کریمؐ پر 'درود' بھیجنے سے تھا، اور یہی اسکا ثواب، (فائدہ) ہے مگر واحسرتا کہ یہ رسم بھی اب بے اثر ہو چکی ہے!

رہی یہ بات کہ صَلُّوْا سے مقصود بعینہٖ یہ تھا جو اوپر بیان ہوا، اور صَلُّوْا کا عمل صرف پیغمبر خدا ہی سے مخصوص نہیں بلکہ ہر درخورِ تحسین شخص اس کا مستحق ہے، اور اُس زمانے میں تھا جب کہ قرآن وحی کیا جا رہا تھا، اس کا ثبوت سورۂ توبہ کی ایک آیت سے ہوتا ہے جسمیں منافقین عرب پر درود بھیجنے کا حکم رسولؐ خدا کو دیا گیا ہے!:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (۹:۱۰۳)

اے پیغمبر! ان مشکین اور منافقین عرب سے اُنکے مال میں سے کچھ شے بطور صدقہ لے لیا کرو (کہ یہ 'صدقہ' بادی النظر میں اُنکی مزعومہ قلبی کیفیت کی تصدیق کرتا ہے (دیکھو 'صدقہ' کی تعریف تحت المتن صفحہ ۱۱۷)، تم یہ طریقہ اختیار کر کے فی الحقیقت اُن کے دلوں کو محبتِ ماسوی سے پاک صاف کر دو گے (تُطَهِّرُهُمْ) اور اُن کے نفسوں کو آلایش حُبِّ زر سے مبرّا کر دو گے (تُزَكِّيْهِمْ) اور یہی نہیں بلکہ اُن کا شکریہ ادا کرو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) اُنکو اس ایثارِ مال کے عوض میں تحسین و آفرین کہو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) اُنکو دعائے خیر دو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) کیونکہ تمہاری شاباش (صَلٰوتَكَ) اُنکے لیے موجبِ طمینان ہوتی ہے اور اُنکو ان سے بھی اچھے کاموں کے کرنے پر آمادہ کرتی ہے، اور یوں تو خدا ہر شخص کے ظاہر و باطن کو سمجھنے والا اور دل کی کیفیات کو خوب جاننے والا ہے۔

اسی سورۃ میں جہاد سے جی چرانے والے منافقین کے بارے میں: وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا (۹:۸۴) ہے یعنی اگر انمیں موت مریں تو اُنکو ہرگز شاباش نہ کہو۔ اور پھر آگے چلکر اعراب کے اسی طبقہ سے جسکو ہم نے اوپر لیا ہے:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۹:۹۹)

اور لوگو! اِن بدو اعراب میں سے ایک طبقہ ان لوگوں کا ہے جو خدا کو حاکم اعلیٰ مانتے ہیں اور اُسکے حضور میں روزِ قیامت کو جواب دہی کرنے پر یقین کرتے ہیں، اور جو ایثارِ مال وہ کرتے ہیں اُسکو خدا کے تقرب اور رسول کی شاباش (صَلَوٰت) کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اے پیغمبر! اِن کے ذہن نشین کر دو کہ یہ مال خرچ کرنا بیشک ان کے لیے باعث تقرب ہے؛ اور اگر وہ اسیطرح اپنی اجتماعی بہتری کے لیے مال خرچ کرتے رہے تو عنقریب خدا انکو اپنی رحمت میں لے لیگا۔ اسمیں شک نہیں کہ وہ کارکن لوگوں کے حق میں گذشتہ واماندگیوں پر بڑا پردہ ڈالنے والا، اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

یہاں صاف طور پر 'صَلَوٰت' کا مطلب وہ شاباش اور دعائے خیر ہے جو رسولؐ خدا ایسے مفید کارکنوں کو دیا کرتے تھے اور جو اُن کے لیے باعث از دیادِ اطمینان ہوا کرتی تھی۔ سورۂ احزاب میں قرونِ اولیٰ کے کارکن اور شہدائے خدا مومنوں پر خدا اور اُسکے فرشتوں کا درود بھیجکر 'صَلَوٰت' کی حقیقت کو اور بھی عیاں کر دیا ہے؛ (اس آیت میں 'الظُّلُمٰت' اور 'النُّوْر' کے صحیح مفہوم پر بحث نہیں آئندہ ترجمے میں ان اصطلاحوں کا قرآنی مفہوم ادا کر دیا ہے لیکن اسکا ثبوت بعد میں کسی موقع پر آئیگا)

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰۗىِٕكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ۝ (۳۳:۴۳)

مسلمانو! اُس رب ذوالمنن کے احسان و اکرام کی یہ شان ہے کہ وہ اور اسکی عالم آرا قوتوں کے علمبردار ملائک آج تم خستہ حال اور ہیچمیرز، قرونِ اجل زدہ اور نابکار اہل عرب کو اپنی تمام مستعدی کے ساتھ تحسین و آفرین کہہ کہہ کر اس بات پر آمادہ کر رہے ہیں (يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ) کہ تم کو جہالت، غفلت اور ناانجام شناسی کی ظلمتوں سے (مِّنَ الظُّلُمٰتِ) نکالکر علم و عمل اور حقیقت کی روشنی کی طرف (اِلَى النُّوْرِ) نکال لائیں، اور اسمیں شک نہیں کہ وہ بادشاہِ زمین و زمان! ایمان لوگوں کے ساتھ بڑا ہی صاحب لطف و کرم رہا ہے۔ (مَلٰۗىِٕكَتُهٗ) کی حقیقت اور اُنکے 'درود' کی کیفیت سے یہاں بحث نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ سے مراد یہاں پر وہ تحسین آفرین ہے جو ایک صاحبِ رحم اور ہوشمند، ایک عادل اور محسن شخص کسی مصیبت زدہ اور غافل شخص کو اس نیت سے دیتا ہے کہ اسمیں اپنے آپ کو اُس تکلیف سے نجات حاصل کرنے کا حوصلہ اور استعداد پیدا ہو۔ مومنین عرب کے حق میں خدائے بیمثال کے اسی بے اندازہ رحم کو مدنظر رکھکر اس سے پیشتر کی آیت میں فرمایا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ (۳۳:۴۱-۴۲)

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (۹: ۸۸-۸۹)

لیکن رسولؐ اور جو لوگ اسکی تائید میں ایمان لاکر اپنے مال و جان سے جہاد کرتے رہے، یہی ہیں جنکو بہتر سے بہتر چیزیں دیجائیں گی، اور یہی کامیاب لوگ ہیں۔ اللہ نے اُن کیلئے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ اُنمیں ایک مدت مدید تک رہیں گے، اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۳۳) یعنی اے ایمان والو! خدا کا اپنے دلمیں احساس کثرت سے کیا کرو، اور صبح و شام اسکی تسبیح و تقدیس کرتے رہو" گویا ایسا محسن، ایسا رحیم، ایسا صاحب لطف و کرم خدا جو تم کو شاباش دے دے کر ظلمت سے نور کی طرف نکالتا ہے اور تمہارے حوصلے بڑھا بڑھا کر تم کو حقیقت اور امن، تمکن فی الارض اور بقا کی طرف لاتا ہے اسی کے شایاں ہے کہ ہر دم اس کا کھٹکا اور اسکی یاد دل میں لگی رہے)۔

اِن تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ وہ شرعی ماحول جو لفظ صلِّ علیٰ کے گرداگرد پیدا ہوگیا ہے خود لوگوں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ قرآن کو اس سے کچھ سروکار نہیں۔ قرآن حسب موقع عام مومنوں بلکہ منافقوں پر درود بھیجنے سے بھی نہیں جھجکتا! ضمناً یہ بھی ثابت ہوگیا کہ الصلوٰۃ، تحمید و تحسین رب العٰلمین ہے۔

اس تمام تصحیح کے بعد ضمناً اُس عظیم الشان حکایت کے صحیح مطالب بھی صاف ہوجاتے ہیں جو ہر مسلمان پانچ وقت خدائے جل شانہٗ کے حضور میں سلام پھیرنے سے پہلے بیٹھکر کرتا ہے۔ یعنی اَلتَّحِيَّاتُ، اور اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ، اور اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ، کے مطالب۔ آج فیصدی ایک متنفس بھی اِن تینوں قرأتوں کے مقاصد کی تہ تک نہیں پونہچتا، اور علی الحساب بڑبڑاکر سلام پھیر دیتا ہے۔ الصلوٰۃ کے صحیح مقاصد کے متعلق مفصل بحث اصل کتاب میں آگے آرہی ہے لیکن ظاہر ہے کہ نماز میں حضوریٔ دل نہ ہونیکا بڑا باعث اُسکے صحیح مطالب کو نہ سمجھنا ہے۔ جب ایک شخص نہیں سمجھتا کہ وہ مخاطب کو کیا کہہ رہا ہے اور کس غرض و مطلب کے لیئے کہہ رہا ہے تو اسکا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ وہ اُسکو طوطے کی طرح پڑھکر چھٹکارا اُتار دے اور بس۔ اَلتَّحِيَّاتُ، خدا کے حضور میں ہر مسلمان عالم اور عامل کا وہ خراج تحسین و آفرین ہے جو وہ نبی کریمؐ کے حیرت انگیز اور جلیل القدر کارناموں کو ذہن میں لاکر دن میں پانچوقت ادا کرتا ہے، وہ رب ذوالجلال کی جناب میں اطمینان سے بیٹھکر سب سے پہلے اس آقائے ذوالمنن کی نعمتوں کا مُقِرّ ہوتا ہے (اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبَاتُ)، پھر اس رسول اعظم کے اعمال کو جنے تیئیس برس کی اقل قلیل مدت میں ایک جاہل اور اُجڈ قوم کا باوا آدم بدلکر انکو روئے زمین کے اکثر حصے کا بادشاہ بنادیا تھا، سراہتا ہے، اُسپر رحمت اور برکت بھیجنے کی سفارش کرتا ہے، اُسکو اعظم الناس سمجھتا ہے (اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ)، پھر اپنے آپ کو اُسی جلیل القدر رہنما کا ایک پیرو، اور اُمت وسطیٰ کا ایک کارکن شمار کرکے اُس شہید علی الناس اُمت[1] اور اسکے صالح العمل ارکان پر سلام بھیجتا ہے (اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ)، بعد ازاں خود اپنے دن بھر کے کارناموں اور اعمال کو نہایت عاجزی سے خدائے زمین و آسمان کے حضور میں پیش کرکے اپنے آپکے شاہد خدا ہونے اور اُس رسول کے اُمتی ہونے کا مُقِرّ ہوتا ہے (اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ) اسکے بعد اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ اور بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ ہے۔ پھر خدا کے ساتھ کئی لمحوں کی حضوریٔ دل، اور خلق خدا سے قطع تعلق کے بعد باشندگان زمین کو اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کا نعرہ دائیں بائیں ہے، اور نہایت ادب سے اُسکے حضور سے اُٹھ جاتا ہے۔ یہ نماز ہے! اگر اسی کیف دل کیساتھ ادا ہو تو کچھ معنی رکھتی ہے، نتیجہ خیز ہے، ورنہ ایک بے اثر اور بے ثواب رسم ہے جسکو لاکھ بار کرنے سے کچھ نتیجہ مترتب نہیں ہوسکتا۔ انسان جو چاہے فرض کرلے مگر اس کارخانہ قدرت کے اندر وہی شے نتیجہ خیز ہے جو واقع الامر ہے۔ فرض اور ظن کو اسکے اندر کچھ دخل نہیں!

† "الحسنات" کی تشریح صفحہ ۱۲۶ کے تحت المتن میں سَيِّئَةٌ اور سَيِّئَات کی شرح و بسط کے ضمن میں ہوچکی ہے نمبر ۷ پر وہاں یہ ثابت کردیا ہے کہ "حَسَنَات" کا انہی مفہوم وہ اجتماعی برکتیں اور خوشحالیاں ہیں جو اُمتوں کو اُن کے حُسن عمل کے انعام میں ملا کرتی ہیں، نیز یہ کہ بعض موقعوں پر حَسَنَةٌ سے

[1] دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۵۔

Marfat.com

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ
قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۴) مقصود بذات خود وہ اجتماعی اعمال ہیں جن کا نتیجہ قوم کی خوشحالی ہوا کرتا ہے۔ اس آیۂ شریفہ میں 'الخیرات' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی 'مومن' اور مجاہد بالمال والانفس قوم کو اجتماعی خوشحالی کی بشارت دی گئی ہے (اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْخَیْرٰتُ ۙ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ)۔ شارحین نے جو 'خیرات' سے مراد نیکیاں، اور فلاح کا مطلب 'اُخروی نجات' لے لیا ہے۔ بے معنی ہے، کیونکہ نیک عمل (یعنی جہاد مال و جان) کے بدلے 'نیک عمل' ملنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اور 'فلاح' بھی دنیوی اور اخروی دونوں مقصود ہے، صرف اُخروی نہیں جو نظروں سے تا حال نہاں ہے اور اسقدر محرک سعی و عمل نہیں ہو سکتی جسقدر کہ فوری اجر۔ نہیں بلکہ اجتماعی فلاح کا حاصل ہو جانا، یا اسکی جستجو میں اپنی جان اور مال کو قربان کر دینا ہی کسی متنفس کی اخروی نجات کا پیش خیمہ ہے، اور یہی اُس آیندہ اور ابدی نجات کے حاصل کرنے کا صحیح معیار ہے۔ اِس موضوع پر مُدلّل بحث اصل کتاب میں کچھ دیر بعد آئے گی، سر دست لفظ 'خیرات' سے سروکار ہے جسکے معنی ہم نے دنیا کی بہترین اشیاء اور نعمتہائے الٰہی کیے ہیں۔ اس مفہوم کی تائید قرآن حکیم میں کئی موقعوں پر بالصراحت موجود ہے۔ سورۂ مومنون میں فرقہ بند، مشرک، اور منتشر الاعمال قوموں کے بارے میں ہے: اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ○ (۲۳: ۵۵-۵۶) "کیا یہ لوگ اِس زعم میں ہیں کہ ہم جو فی الحال مال اور اولاد کی کثرت سے انکی مدد کر رہے ہیں، اُس سے یہ مترتب ہوتا ہے کہ ہم انکو اچھی اچھی اشیاء (الخیرات) اور نعمتہائے الٰہی (الخیرات) کے عطا کرنے میں جلد بازی کر رہے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ ہم ان کو کچھ اپنے پاس سے دے نہیں رہے، بلکہ لگلے دیئے ہوئے انعام ہی رفتہ رفتہ چبھن رہے ہیں۔" آگے چلکر ایمان والی قوم کے بارے میں ہے: اُولٰٓئِکَ یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ○ (۲۳: ۶۱) "یہی وہ لوگ ہیں جو فی الحقیقت انعاماتِ خدا (الخیرات) کے حاصل کرنے میں جلدی کر رہے ہیں (نہ وہ لوگ جن کا ذکر اوپر ہوا (۲۳: ۵۵-۵۶)، اور یہی اُن کو لپک لپک کر پکڑ رہے ہیں۔" ان دونوں موقعوں پر 'الخیرات' کے کوئی دوسرے معانی ہو نہیں سکتے، اور مراد صاف طور پر اجتماعی انعام ہیں، انفرادی نہیں۔ سورۂ مائدہ میں علیٰ ہذا القیاس اختلاف کی برائیوں کے ضمن میں ہے:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ
بِمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۙ (۵: ۴۸)

اور اے ساکنانِ زمین! اگر خدا اپنی مرضی کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ) تو ضرور تم انسانوں کو ایک اُمت بنا دیتا۔ لیکن یہ صورت اختلاف جو تم نے اپنی خود رائی اور خدا سے برگشتگی کے باعث پیدا کر لی ہے اس سے شارع کائنات کی غرض یہ ہے کہ وہ تم مختلف شدہ امتوں کا امتحان اُن ابلیتوں اور نعمتوں کے بارے میں لے جو اُسنے تم کو دیں (لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ) تو اے انسانی اُمتو! تم اپنے آپ کو اس آزمائش میں کامیاب ثابت کرنے کے لیئے خداوند عالم کے بہترین اجتماعی انعامات کی طرف لپکو (فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ)۔ جانے رہو کہ تم سبنے ایک ایک دن خدا کی طرف لوٹنا، اور اسکے حضور میں اپنے سعی و عمل کی جواب دہی کرنی ہے۔ پھر اُسدن وہ بنی نوع انسان کا خالق خدا تم کو اُس حقیقت حال سے مُطلع کر دے گا جسکے بارے میں تم آپس میں اختلاف پیدا کر کے ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہو گئے تھے۔

اِس آیہ شریفہ کے مطالب کے متعلق مکمل بحث صفحہ ۱۹۳ کے تحت المتن میں آئے گی۔ وہاں پر 'لَوْ شَآءَ اللّٰهُ' کا متذکرہ صدر مفہوم ثابت کر دیا جائے گا لیکن ادنیٰ تامل کے بعد صاف ظاہر ہے کہ 'الخیرات' سے مراد یہاں پر وہ اجتماعی انعامات ہی ہیں جو اقوام عالم کو اُن کے سعی و عمل کے بدلے میں خدا کی جناب سے ملتے ہیں اور انہی انعامات پر قبضہ کرنیکے لیئے 'اسْتَبِقُوا' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ 'نیکیوں کی طرف لپکنا'، جیسا کہ اکثر شارحین نے سمجھ لیا ہے محض بے نتیجہ اور بے ربط ہے کیونکہ سعی و عمل کے متعلق تمام ترغیب و تحریص کسی مستقل انعام کو پیش نظر رکھکر ہو سکتی ہے، سعی بے حاصل کو فی نفسہ مآلِ سعی سمجھنا محض ایک شاعرانہ تخیل ہے، جس کی حقیقت از روئے عمل کچھ نہیں۔ یہی مفہوم 'الخیرات' کا سورۂ فاطر کی اس معنی خیز آیت میں ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ

Marfat.com

إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ○ (۲: ۱۴۴-۱۴۵)

اور خدا کا بول بالا کرنیکے ضمن میں اگر دشمن سے لڑائی کی نوبت بھی آپہنچے تو قتال کرو، اور خوب جان لو کہ خدا تمہارے ارادوں کو بڑا سمجھنے والا، اور تمہارے اعمال کو بڑا جاننے والا ہے۔ کون ہے جو اللہ کو خوش دلی کے ساتھ قرض دے، اور پھر خدا اُس قرض کو اسی کے لیئے کئی گنا بڑھا دے۔ تنگ دست کرنا یا کشائش دینا بالآخر خدا ہی کے اختیار میں ہے، اور اُسی کیطرف تم بالآخر رجوع کرتے ہو۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۵) الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ۝ (۳۵: ۳۲)، یعنی "اے لوگو! پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے جس قوم کو اہل سمجھا (یعنی مسلمانانِ قرونِ اولیٰ) اُسکو قانونِ خدا (الکتاب) کا وارث ٹھیرایا، تو اُن (کی آیندہ نسلوں) میں سے کوئی اُمت ایسی ناخلف ہوگی کہ بداعمالیوں سے اپنے آپ کو ہلاک کرے گی (ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ) اور کوئی ایسی بھی ہوگی کہ اپنے اوسط درجے کے سعی و عمل سے ہلاکت اور عروج کے بین بین رہے گی (مُّقْتَصِدٌ) اور کوئی ایسی بھی ہوگی جو اپنے انتہائی جہد و عمل سے خدائے عظیم کے عطا کردہ انعاموں کی طرف لپک لپک کر پونہچے گی (سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ)، اور یہ آخری حالت کا قائم ہو جانا انتہائے فضل و کرم ہے۔" یہاں "سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ" کے ساتھ "بِإِذْنِ اللَّهِ" کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ وہ اجتماعی انعام خدا کے حکم سے ملیں گے۔ خدا کے حکم سے نیکیوں کی طرف لپکنا کچھ بے معنی سا ہے، اور یہاں استعارہ بظاہر اُس حالت کو پیش نظر رکھکر لیا گیا ہے جب منعِم کسی انعام کی بخشش کے لیئے اذن دیتا ہے اور منعَم علیہ اسکے لینے آگے کو لپکتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ کے بہشت کی حوروں کو لفظ "خَيْرَاتٌ" سے یاد فرمانے کی وجہ بھی انکی یہی انعامی حیثیت ہو جو اوپر بیان ہوئی۔ سورۂ الرحمٰن میں ہے: فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ حِسَانٌ ۝ (۵۵: ۷۰) یعنی "ان باغات کے اندر یہ عزیز القدر انعامات الٰہی یعنی خوبصورت بیبیاں ہونگی"!

خَيْرَاتٌ کے اِس مفہوم سے قطع نظر قرآن حکیم میں چند مواقع ایسے ہیں جہاں پر اس اصطلاح سے مراد (حَسَنَات کے مفہوم کیطرح) وہ اعمال ہیں جنکا نتیجہ افضال و اکرام ہے۔ ایک آیت (۲۱: ۷۳) صفحہ ۱۰۸ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ مگر یہاں پر اُسکا اعادہ کیا جاتا ہے:

وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ۝ (۲۱: ۷۳)

اور لوگو! ہم نے اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام کو بھی اُن کے باپ ابراہیم علیہ السلام کی طرح اُن کی قوم کا پیشوا بنایا، وہ اپنی قوم کی رہنمائی ہمارے قانون کے ذریعے سے کرتے رہے، اور ہم نے ان کی طرف مفید جماعت اور مصلح قوم کاموں (الخَيْرَاتِ) کے کرنے کی وحی بھیجی، اُنکو حکم دیا کہ الصلوٰۃ کو قائم کریں، الزکوٰۃ کو دیتے رہیں، اور وہ لوگ تو نمازگذار اور پابند زکوٰۃ ہی نہ تھے بلکہ فی الحقیقت ہمارے بندے اور غلام بنکر رہتے تھے۔

الصلوٰۃ اور الزکوٰۃ کی اجتماعی حیثیت کے متعلق مکمل بحث اصل کتاب میں آنے والی ہے۔ تاہم سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر اُن قومی اور اجتماعی اعمال کا ذکر ہو رہا ہے جن کا نتیجہ فلاح قوم ہے اور جو ائمۂ اقوام کا پیش نہاد ہمیشہ سے رہا ہے۔ گوشہ نشین بن کر رام رام جپنے کا یہاں ذکر نہیں۔ عامۃ الناس نے نیک بننے (یعنی فِعْلَ الخَيْرَاتِ) کو اکثر یہی سمجھ لیا ہے۔ بعینہٖ اسی قطع کے اعمال کا ذکر اسی سورۃ میں زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کے بارے میں ہے: إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ۝ (۲۱: ۹۰) یعنی "ہم نے اُن پر یہ احسان بدیں وجہ کیئے کہ اسمیں شک نہیں یہ لوگ مفید قوم اور مصلح اُمت اعمال طرف لپک لپک کر پونہچتے تھے، اور ہم کو اجتماعی انعام کی رغبت، اور اجتماعی سزا کے خوف سے پکارا کرتے تھے، اور اسی بیم و رجا کے باعث ہماری جناب میں سچا خضوع و خشوع کیا کرتے تھے۔" رغب و رہب اور خوف و اُمید کا تکیف دل میں تبھی پیدا ہو سکتا ہے جب انعام دنیاوی ہو، اور یہی خشوع کا سچا باعث اکثر ہوتا ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے ادنیٰ تامل بھی اِس نتیجے پر پونہچا دیتا ہے کہ یہاں بھی الخَيْرَاتِ سے مراد خدمت عباد ہے، تسبیح گردانی قطعاً نہیں۔ سورۂ آل عمران میں جو خدائی محاکمہ بعض صالح اہل کتاب کے بارے میں ہے اِس مفہوم کا صریح طور موید ہے: يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ وَأُولَٰئِكَ

Marfat.com

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝ (۵۷: ۱۱)

کون ہی جو اپنے مال کا بہترین حصہ خدا کا نام بلند کرنے کی خاطر صرف کرے، اور پھر خدا بھی اسکے واسطے اسکو چند در چند کردے، اور ساتھ ہی اُسکو اُسکی خدمت کا باعزت اجر دے۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝ (۶۴: ۱۷)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۶) مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ وَمَا یَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلَنْ یُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ۝ (۳: ۱۱۳-۱۱۴)۔ یعنی "یہ یہود و نصاریٰ اسقدر ہا ایمان لوگ ہیں کہ امر بالمعروف، اور نہی عن المنکر کی دعوت میں مصروف رہتے ہیں، اور مفید جماعت اعمال کی طرف لپک لپک کر پونہچتے ہیں، اصل وہی لوگ ہیں جو در اصل 'صالح' کہلائے جانیکے مستحق ہیں۔ اور یہ لوگ کوئی بھی مصلح قوم عمل (من خیر) کریں ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ اُن کے اُس عمل کی قدر نہ کی جائے گی، اور خدا تو اپنے قانون سے ڈرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔" یہاں 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' 'صالحین' 'متقین' وغیرہ اصطلاحات قرآنی کے صحیح مفہوم سے بحث نہیں لیکن ظاہر ہے کہ 'الخیرات' سے مراد اجتماعی جد و جہد ہی ہے، اعتکافی عمل نہیں کیونکہ 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کی دعوت خانہ نشین رہ کر نہیں ہو سکتی، اور یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ کا عمل بھی اسی ضمن میں ہے۔ سورۂ بقر میں تحویل شدہ قبلہ کو مرکز اُمت گردانے کی بحث کے بعد الٰہی ارشاد ہے: وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ (۲: ۱۴۸) "اور مسلمانو! تمہیں یاد رہے کہ اس کارگاہ اتحاد و اتفاق میں ہر قوم اور ہر اُمت اپنے لیئے کوئی نہ کوئی سمتِ اتحاد تلاش کرتی ہی (وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ) اور پھر جب وہ لوگ کسی ایک مرکز کو مقرر کر لیتے ہیں تو سب کے سب طبعاً اُسکی طرف رجوع ہو جاتے ہیں (هُوَ مُوَلِّیْهَا)، تو اے مسلمانو! تم بھی اس کلیئے کو پیش نظر رکھکر قوت افزا اور طاقت اندوز اعمال کی طرف لپک لپک کر پونچو (فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ)، اور تقرر قبلہ کے متعلق جو بات سب سے اہم اور نتیجہ خیز ہے یہ ہے کہ تم روئے زمین کے کسی گوشے میں ہو، اور کسی طرح پر بکھرے ہوئے ہو خدا تم کو اس ترکیب سے مجتمع کر دیا کریگا، اور دوسری قوموں کے بالمقابل تمہارے مجموعی رعب و وقار کو برقرار رکھیگا، جانے رہو کہ خدا ہر شئے پر قادر ہے۔" 'الخیرات' کا مفہوم یہاں پر اسقدر اظہر من الشمس ہے کہ اسکے لیئے کسی مزید بحث کی ضرورت نہیں۔

الغرض اِن تمام آیات الٰہی کے غائر مطالعے کے بعد یہ مستنبط ہو جاتا ہی کہ 'خیرات' کی جامع و مانع اصطلاح کا الٰہی مفہوم بھی حسنات کی طرح وہ اجتماعی انعامات ہیں جو منعم حقیقی اقوام عالم کو اُنکے حسن عمل کے صلے میں عطا فرماتا ہی۔ جو اعمال اُن انعامات ملنے کا پیش خیمہ ہیں وہ بھی از روئے قرآن الخیرات میں داخل ہیں خواہ اُنکی جزا اجتماعی انعام کی صورت میں عامل کی عین حیات میں ملے یا نہ ملے۔ اسلام کے رو سے سب سعی و عمل جماعت کی بہتری اور تقویت کے لیئے ہی ہے۔ جو عمل اس دنیا میں اسطرح پر نتیجہ خیز نہیں وہ داخل خیرات و حسنات نہیں، جو بہبودی قوم کی نیت سے کیا نہیں گیا وہ داخل سعی و عمل ہرگز نہیں۔ انفرادی جد و جہد اور اجتماعی حسن عمل کا یہ وہ عالم انگیز فلسفہ تھا جسکی صحیح تعلیم نے قرون اولیٰ کی اسلامی جماعت کے ہر فرد میں اضطراب عمل اس حد تک پیدا کر دیا تھا کہ لوگ برسوں اور عمروں تک ایک امیر اور ایک نظام، ایک جماعت اور ایک مرکز کے ماتحت سرکیف اور تیغ بکف پھر کر بھی اپنے آپکو 'استبقوا الخیرات' کا مصداق نہیں سمجھتے تھے، اور آج جبکہ وہ نبوی اور الٰہی درس ذہنوں سے قطعاً نکل چکا ہے، انحطاط عمل کی یہ حالت ہی کہ کسی بھک منگے کو دو پیسے دیکر، یا تسبیح پر چند بار نام خدا رٹ رٹ کر 'استبقوا الخیرات' کے مصداق اور جنت کے حقدار بنے بیٹھے ہیں۔ مگر ہوشمند نظروں میں آج نیکی کے اس پست تخیل کا نتیجہ عالم اسلام کے حق میں یہ پست کن ثابت ہوا ہی کہ جہاں قرونِ اولیٰ کے نکوکار مسلمانوں کو روئے زمین کی بادشاہت انعام میں ملی تھی وہاں زاہد خال کے نسیہ پسند تسبیح برداروں اور صالح العمل "پاکبازوں" سے سلطنتیں چھینی جا رہی ہیں اور ذل و مسکنت سب طرف سے یور، لبیک کہہ رہی ہی کہ پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں ملتا! فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ۔

✤ اس آیہ کریمہ، اور پیشتر کی آیات (۵۷: ۱۱)، اور (۲: ۲۴۵) میں "قَرْضًا حَسَنًا" کے الفاظ آئے ہیں، عوام نے اس سے مراد خدا کے نام پر زکوٰۃ بطور 'قرض حسنہ' دینے کے لے لیئے ہیں۔ ہم نے ترجمے میں ایک حد تک یہی صورت برقرار رکھی ہے لیکن اگر تامل سے دیکھا جائے تو یہاں پر ایثار مال کی

Marfat.com

اگر تم خدا کے لیئے اپنے مال کا بہترین حصّہ کاٹ کر الگ کردو گے تو تمہارے ہی لیئے وہ اسکو چند در چند کردے گا، تمہارے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا، اور اللہ تو بڑا قدر شناس اور فراخ حوصلہ خدا ہے جو کسی کی اُجرت روک کر نہیں رکھتا۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ۝

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۳۷) کچھ خصوصیت نہیں اگرچہ 'قرض' کا لفظ بگڑتے بگڑتے یہی معانی اختیار کرچکا ہے۔ 'قرض' کے اصل معنی کاٹنے کے ہیں، اور اس لحاظ سے "اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا" کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ "اگر تم لوگ خدا کے لیئے اور اُسکی آقائی کو مدنظر رکھکر بہترین ٹکڑا کاٹکر الگ کردوگے" تو خدا بھی اس حصّے کو چند در چند کردے گا۔ گویا اس احکم الحاکمین کی خاطر اگر انسان اپنے آرام کا، اپنی جان کا، اپنے مال و جائداد کا، اپنی محبوب اشیا کا بہتر سے بہتر ٹکڑا وقف کردے، اور اپنے پر تکلیف گوارا کرکے اسکی لڑائیاں لڑے تو یہ اسکی نوکری کی بہترین شہادت ہے۔ یہی بات سورۂ مزمّل کے مفصلۂ ذیل الفاظ سے ظاہر ہے جہاں 'زکوٰۃ' اور 'قرض حسنہ' کو الگ الگ بیان کرکے اُنکے مطالب میں تفریق نمایاں کردی ہے:

فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا (۷۳: ۲۰)

تو اِن وجوہ کی بنا پر (وجوہ کی تفصیل پھر کسی موقع پر آئے گی)، جو حصہ اس قرآن عظیم کا تم آسانی سے مطالعہ کرسکو، پڑھ لیا کرو۔ اور الصّلوٰۃ پر قائم رہو، اور ایثارِ مال کیا کرو، بلکہ خدا کے لیئے اپنی ہر مملوکہ شے کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کردیا کرو۔

آیۂ زیر بحث میں "وَاللّٰهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ" کے الفاظ بھی غور طلب ہیں۔ 'شکر' کے معانی آج قطعاً مسخ ہوچکے ہیں۔ ہر شخص دونوں ہاتھ اٹھاکر اس رسم کو ادا کردیتا ہے اور چند الفاظ منہ سے بڑبڑاکر سمجھ لیتا ہے کہ ایک اہم فرض ادا ہولیا۔ حالانکہ عام انسانی تعامل میں کیفیت قلب کا وجود ہی سچا شکر ہے! جو شخص دل سے اپنے منعم کی عطا کی ہوئی نعمت کی قدر کرے وہی شاکر ہے، اور منعم کا 'شاکر' ہونا یہی ہے کہ وہ اپنے خادم کی خدمت کی دل سے قدر کرے۔ اس کیفیت قلب کے لیئے ظاہر ہے کہ کسی وقت کی تعیین، یا رسم کی پابندی ضروری نہیں، بلکہ ہمہ قدر دانی کرنا ہی سچا شکر ہے۔ ایک شخص اگر خدا کی دی ہوئی نعمت کا صحیح استعمال کررہا ہے، اُسکو برقرار رکھنے کے لیئے مسلسل سعی و عمل کرتا ہے، اُس سے متمتع ہونے میں کفایت کو ہر وقت مدنظر رکھتا ہے، اور دل سے خدا کی منعمیت کا مقر ہے، تو وہ صحیح معنوں میں 'شاکر' ہے۔ خواہ وہ تمام عمر میں ایک بار بھی رسماً ہاتھ نہ اٹھائے برخلاف اِس کے جو شخص خدا کی نعمتوں کا غلط استعمال کرتا ہے، اُن کو برقرار رکھنے کے لیئے حتی الامکان سعی نہیں کرتا، اُن کو حقیر سمجھکر پاؤں سے ٹھکرا دیتا ہے، کفایت کو پیش نظر نہیں رکھتا، یا ایک بیہودہ سا استغنا اختیار کرکے اُن کی بے قدری کرتا ہے، وہ اگر تمام عمر بھی ہاتھ اٹھائے رکھے، اور منہ سے نعتیہ الفاظ بڑبڑاتا رہے تو شاکر کے مقام تک نہیں پہونچ سکتا۔ مسلمانان عالم نے آج شکر کا مفہوم اسقدر غلط سمجھ لیا ہے کہ صرف الفاظ باقی رہ گئے ہیں اور خدائی مقصود باطل کردیا ہے۔ "وَاللّٰهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ خدا بھی اپنے بندوں کا 'شکر' ادا کرسکتا ہے مگر ہاتھ اٹھاکر نہیں بلکہ اُن کی خدمات کی سچی قدردانی کرنے سے اور وقتاً فوقتاً ان کا صلہ دینے سے۔ 'شکر' کے اِن معانی کا قرآنی ثبوت جابجا آگے چلکر (اور بالخصوص تیسری مجلد میں) آئے گا۔

† یہ آیات شریفہ اگرچہ رسولؐ خدا کے زمانے میں احبار اور رہبان کے خلق خدا کو لوٹ لوٹ کر بے اندازہ مال جمع کرنیکے متعلق آئی ہیں، مگر میں نے اُن کا اطلاق اسلیئے عام کردیا ہے کہ آج مسلمانانِ عالم کے دلوں میں، اور قوموں کے بالمقابل، مال کی محبت اسقدر بڑھ گئی ہے کہ ہر شخص کم بیش اسکا مصداق ہورہا ہے۔ خود دین اسلام کے اندر اہل کتاب کے احبار اور رہبان کے بالمقابل لاتعداد ایسے سرگروہ پیدا ہوگئے ہیں جو اپنی نفسانی خواہشوں کو مدنظر رکھکر لوگوں سے روپیہ بٹورتے ہیں اور پھر اسکو خدا کی لڑائیاں لڑنے میں صرف نہیں کرتے۔ اِنہی لوگوں کی شان میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں جیسا کہ غالباً تیسری مجلد میں عیاں کردیا جائیگا۔

اور جو لوگ سونے اور چاندی کے ڈھیر لگائے رکھتے ہیں اور خدا کا نام بلند کرنیکی خاطر کچھ صرف نہیں کرتے، اُنہیں میری طرف سے دردناک عذاب کی خوش خبری سُنادو۔ روزِ قیامت کو وہی دولت جہنم کی آگ میں رکھکر تپائی جائے گی، اور پھر اس سے اُن کے ماتھے، اُنکی کروٹیں، اور اُنکی پیٹھیں داغی جائیں گی، اور اُنسے کہا جائے گا کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیئے جمع کر رکھا تھا تو آج اپنے ڈھیروں کے ڈھیر جمع کر رکھنے کا مزہ چکھو!

کیا مخالفین اسلام کی نظروں میں خلد بریں کی یہ ارزاں فروشی، اور ادائے قرض کے یہ دل خوش کن وعید، اُس خدائے غنی کے کامل غنا اور کمال تنعم کے نقیض نہیں ہو سکتے تھے؟ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ (۳: ۱۸۰)[۱]

کیا خود سید البشر اور سرور کائنات کے بارے میں زکوٰۃ و صدقات کے اِن ناوک اور شکوک انگیز تقاضاؤں کے باعث، معاندین اُمت کی طرف سے طمّاع و حریص ہونے کا گمان نہیں ہو سکتا تھا؟ کیا راہ خدا کی بظاہر بے معنی اصطلاح کی آڑ میں انفاقِ مال، جُرم عشق کا کوئی خدائی تاوان، یا مذہبی کاروبار کا کوئی آلہی محصول تھا جو (العیاذ باللہ) کسی بُت پرست مجاور کی طرح، خدا کا گودڑی میں یہ مست رسولؐ ہر مسلمان سے وصول کر لیا کرتا تھا؟ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (۹: ۱۰۴)[۲]

کیا خدا کی عبودیت کے اعتراف میں قربانیٔ مال کا یہ وجوب و لزوم بنارس کے کسی مندر کے چڑھاوے یا نذر و نیاز قبور کی کوئی رسم تھی جو خدائے پاک نے اسلام میں گداگروں اور مفت خوروں کی اُمت کو ترقی دینے کی نیت سے وضع کی تھی؟ کیا دینِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طالب جان و مال خدا (العیاذ باللہ) کسی برہمن کی جبینِ نیاز کیش کی غضب آلود دیوی، یا متھرا کے قشقہ نما اور زنار پوش مشرک کا کوئی

---

[۱] اللہ نے ان لوگوں کی بکواس سُن لی ہے جو تمہیں طنزاً کہتے ہیں کہ تمہارا اللہ تو محتاج ہے جو قرض مانگتا رہتا ہے اور ہم مالدار ہیں۔ ہم انکی ان گستاخیوں کو لکھ رکھیں گے، اور اُنکے پیغمبروں کے ناحق قتل کو بھی۔ پھر جب دن ہمارے غضب کا دریا جوش مارے گا ہم کہیں گے کہ اس بھسم کر دینے والے عذاب کا مزا چکھو۔

[۲] کیا ان لوگوں کو اس بات کی خبر نہیں کہ اللہ اپنے غلاموں کی توبہ بھی ہر وقت قبول کرنیکے لیئے تیار ہے اور اس توبہ کی تائید و تصدیق میں خیرات کا مال بھی لے لیتا ہے، اور وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم دل ہے۔

مہیب دیوتا تھا جو انسانی جان کی خوں چکاں قربانی، اور مال وزر کے ہلاکت آفرین جرمانوں کے بغیر مطمئن اور مُسکن نہیں ہوسکتا تھا، اور جسکے نائرہ حرص وغضب کے تنور میں قیامت کے روز مسلمان عاصیوں کی پیشانیاں اور بدن داغے جانے کا وعدہ تھا! اور کیا یہ اسلام کے جابر اور قاہر خدا کا تحکمانہ ظلم وستم یا محض ایک بے سبب اور بے نتیجہ دراز دستی تھی جسکے روسے وہ جنّت کے پیش پا افتادہ وعدے کرکے، مومنوں کے جان ومال پر قابض ہوگیا تھا؟

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ† أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ (۹ : ۱۱۱)

بیشک اللہ نے ایمان والوں سے اُنکی جانیں اور اُنکے مال اس وعدے پر خرید لیئے ہیں کہ انکے بدلے انہیں اخروی جنّت دیگا۔ یہ لوگ اب خدا کے نام کا ڈنکا بجانے کی خاطر دشمنوں سے لڑتے ہیں، ان کو قتل کرتے ہیں اور آپ بھی قتل ہوتے ہیں۔ یہ خدا کا پکا وعدہ ہے جو تورات اور انجیل اور قرآن میں ہر مومن کے ساتھ برابر چلا آیا ہے، اور خدا سے بڑھکر اپنے قول کا پورا اور کون ہوسکتا ہے۔ تو اے ایمان والو! اپنے اس سودے کی جو تم نے خدا کے ساتھ کیا ہے خوشیاں مناؤ، اسمیں تمہاری بڑی کامیابی ہے۔ اِس میں تم کو فلاح دارین ہے۔

آہ معاذاللہ نہیں! اِس تمام عجیب وغریب لین دین، اور محیّر العقول ترغیب وتحریص سے خدائے بے نیاز کا مقصدِ وحید ساکنانِ عالم کو اپنی ناپیدا مثال ذات کا شیدا ومفتون بناکر، اُنکے دلوں میں

---

† 'مؤمن' کی صحیح تعریف، اور 'الجنّۃ' کے حقدار بننے کی کامل شرائط اس آیۂ کریمہ سے واضح ہیں۔ یہی شرائط بعینہٖ صفحہ ۱۱۴ کی آیات (۸ : ۷۴) اور (۹ : ۱۴۱)، اور صفحہ ۱۲۰ کی آیہ (۳ : ۱۴۱) میں مدرج ہیں۔ اگر آج مسلمانانِ عالم نے اپنے نفس کو دھوکہ دے کر کوئی اور شرطیں وضع کرلی ہیں تو اس سے قانونِ خدا میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوسکتی، اور نہ اس خوش اعتقادی کے بدلے میں 'الجنّۃ' مل سکتا ہے، خواہ لوگ ہزاروں برس تک یہ سبز باغ اور خوش کن خواب پڑھے دیکھا کریں۔ شرط پوری جان اور سارے مال کے ایثار کی ہے نہ یہ کہ تھوڑی سی تکلیف برداشت کرکے، یا چند پیسے ناروا طور پر خیرات کرکے ایک مکرسا بنالیا جائے۔ جیساکہ بالعموم ہر مسلمان نہایت التزام سے کررہا ہے۔ ضمناً فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنجِيلِ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ان دونوں کتابوں پر عمل کرنے والی مجاہد اقوام بھی صحیح معنوں میں مومن اور جنّت کی حقدار ہوسکتی ہیں۔

درد پیدا کرنا تھا! اپنی محبت اور اپنے تعلق سے وہ دارائے عالمیان، انسان کے غرضمند اور انعام طلب قلوب میں ایک اولوالامر کا خوف، اور ایک منعم اعلیٰ کا ڈر بٹھلانا چاہتا تھا: اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۝ (۷:۵۴)؛ وہ باشندگانِ روئے زمین کا ایک حاکم کُل اور ایک بادشاہ حقیقی سے لگاؤ پیدا کرکے، اُن کے اعتقادات اور معاملات میں، اُن کے اعمال وافعال میں مشترک عبودیت کا تذلل اور عام نیازمندی کا عجز دیکھنا چاہتا تھا، اور پھر اس عجز و نیاز کی حوصلہ افزائیں، اور حیات انگیز تڑپ سے چار دانگ عالم میں، اِس گنبدِ افلاک کے نیچے، توحید کا نغمہ مستطیر اور حقانیت کا ہنگامہ عظیم پیدا کرنا چاہتا تھا!

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کیلئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ۝ (۶۳ ۷)

یہی منافق تو وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو بہکایا کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی تائید و تقویت میں جو رسول خدا کے گرد جمع ہو گئے ہیں اپنا مال نہ خرچ کیا کرو۔ جب روپیہ پیسہ ان لوگوں کے پاس نہ ہوگا تو عاجز آکر آپ ہی تتر بتر ہو جائیں گے۔ یہی انکی قوت کا راز ہے۔ آہ لیکن منافقین نہیں سمجھتے کہ مال انکی قوت اور اجتماع کا راز نہیں، اور نہ خدا کو اسکی ضرورت ہی ہے، کیونکہ زمین و آسمان کے خزانے اسی کے ہیں۔

آہ یہ بھی نہیں! اُس صاحب جلال خدا کو جسکی سطوت اور جبروت میں، جسکے حاکمانہ رعب و وقار میں، جسکی طاقت اور حکومت میں، روئے زمین کے تمام انسانوں کی سرکشی اور متفقہ انکار بھی یک سرِ مو فرق نہیں لا سکتی: وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ۝ (۱۴ ۸)؛ فی الحقیقت یہ منظور تھا کہ دردِ دل کے اِس نائرۂ عمل میں، اور مشکلات و محن کی صبر آزما مجسر میں، وہ ہر مومن کے قلب کو دنیا ہی

---

۵۱ لوگو! سُن رکھو کہ تمام کائنات جہان اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور حکم جسکے ذریعے سے سب کچھ ہو رہا ہے نیز اسیکا ہے۔ پروردگار عالمین درحقیقت بڑا صاحب برکت ہے۔

۵۲ اور موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ اگر تم اور جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں سب کے سب ملکر بھی خدا کی نافرمانی کریں تو خدا کو ذرا بھی پرواہ نہیں وہ بے نیاز ہے اور ویسا ہی سزاوار حمد رہیگا۔

Marfat.com

خطرات اور بدنی مصائب کے خوف سے پاک کرکے اُن میں صبر وانگیز کا کشور کشا نور اور قوت کی جلا پیدا کردے:
وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝[۵۱] (۳: ۱۴۰)، وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝[۵۲] (۳: ۱۵۴)؛ وہ ہر مسلمان کے دل کو توحید کے مشترک مرکز پر لاکر ان کی جماعت میں وحدت و استحکام کا دستور العمل پیدا کرنا چاہتا تھا: وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝[۵۳] (۸: ۱۱)؛ وہ اپنی ذات پر کامل ایمان، اور اپنے جاہ و منصب کے سچے خوف سے اُمت کے ہر فرد میں استقلال کا نظم و نسق، اور اتحاد عمل کا طریق کار دیکھنا چاہتا تھا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝[۵۴] (۳: ۱۹۹)؛ وہ ایمان کے جرأت انگیز ولولوں، اور مقام خدا کے ہمت آفرین تذکروں سے اسلام کے ہر متنفس میں مقابلے کی ناقابل تسخیر روح اور ثبات کا ناقابل شکست

---

۵۱ اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو خالص بنا دے اور خدا کے وجود میں شک و شبہ کرنے والوں کو ملیامیٹ کردے۔

۵۲ اور اس غزوۂ اُحد میں تم کو ہرا دینے میں یہ مصلحت تھی کہ خدا اُس ایمان کو جو تمہارے سینوں کے اندر چھپا بیٹھا ہے آزمائے، اور دیکھے کہ باوجود ہزیمت کے خدا پر یقین رکھنے والا کون ہے، اور تمہارے دلوں کو ڈر اور وسوسوں، خوف مصائب اور خطرات سے پاک صاف کردے، اور جانے رہو کہ خدا سینوں کے حالات سے موبمو واقف ہے، جبتک تمہارے دلوں میں یہ وساوس اور خدا کے متعلق شکوک ہیں فتح تمہارے قدموں کو نہیں چوم سکتی۔

۵۳ اور خدا یہ چاہتا ہے کہ تائید غیبی کے وصلہ افزا، اور جامع القلوب اثر سے شیطان کی آلائش (یعنی نفاق) کو تم سے دور کردے، اور تاکہ تمہارے دلوں کو آپس میں جوڑ کر مضبوط کردے، اور پھر اس اتحاد کے ذریعے سے تمہارے پاؤں میدان جنگ میں جمائے رکھے۔

۵۴ اے ایمان والو! اُن اجتماعی تکالیف کا جو تمہیں پیش آئیں سختی سے مقابلہ کرو، اور ایک دوسرے کو مقابلہ کرنے کی تلقین کرتے رہو، اور ایک دوسرے میں گتھکر ایک بنجاؤ، اور خدا سے ڈرتے رہا کرو تاکہ دشمن کے بالمقابل تم کامیاب ہوجاؤ۔

---

† اس آیۂ کریمہ میں 'ایمان' کی بعض اہم شقیں بتلادی گئی ہیں۔ گویا مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا 'ایمان' ہے، (اصْبِرُوْا) جماعت کے اعضا کے مابین استقلال کا ماحول پیدا کرنا 'ایمان' ہے، (وَصَابِرُوْا)، اور سب سے اہم یہ کہ کامل اور باہمی اتحاد پیدا کرنا بھی 'ایمان' کا جزو اعظم ہے، (وَرَابِطُوْا)۔ جس قوم کے اندر یہ عظیم الشان خاصیتیں موجود ہیں، وہ خدائے عظیم کے ایک اہم حکم کو مان رہی ہے، اور وہی ہے جو اس کے اٹل قانون کے بموجب کامیاب ہو رہی ہے: (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)۔ گویا یہاں پر بھی 'تُفْلِحُوْنَ' سے مراد دنیاوی غلبہ ہی ہے، اُخروی فلاح کا یہاں ذکر نہیں۔ دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ اس استقلال، تلقین صبر، اور اتحاد کو 'اتقائے خدا' پر محمول کیا گیا ہے (وَاتَّقُوا اللّٰهَ)، گویا وہی قوم 'متقی' ہے جو فی الحقیقت خدا سے، اُس کے قانون سے، اُس کی اٹل سزاؤں سے ڈرتی ہے جس میں استقلال ہو، ایک دوسرے کو مستقل بنانے کی اہلیت ہو، اور متحد رہنے کی صلاحیت موجود ہو۔ فرقہ بند اور ڈرپوک قوم خدا سے قطعاً نہیں ڈرتی کیونکہ وہ اس کی سزا سے بے خوف ہو چکی ہے اور اسی لیئے 'متقی' کہلانے کی اہل نہیں۔

'اتقا' کے یہ معانی بالصراحت دو اور آیتوں سے جو مقدمہ کتاب میں صفحہ ۹۴ و ۹۷ پر گذر چکی ہیں ثابت ہیں۔ آج کل کے مسلمانوں کو اس خدائی محاکمے سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔

جذبہ قائم کرنا چاہتا تھا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ[1]† (۸: ۴۵)؛ وہ اپنی لاشریک اطاعت اور بے ریا عبادت کے آلۂ عمل سے مسلمانوں کے ارادوں میں قوت، حوصلوں میں افزایش، نیتوں میں صداقت، اور پائے عمل میں ثبات دیکھنے کا متمنّی تھا؛ وہ اسلام کی دنیاوی شوکت و احتشام اور مادی ارتقاء و عروج کو روحانیت کے بے امان ہتیاروں، اور اخلاق کی اٹل قوتوں سے حاصل کرانا چاہتا تھا، اور اُمت کے اِس اجتماعی اور ائتلافی غلبے کو ہر مدعیٔ ایمان کا واحد منتہائے نظر، اسکی فلاح و نجات کا اٹل ضابطۂ عمل، اُسکے تقوے اور عبادت کا صحیح معیار، اسکے کفر و شرک کی سچی محک، اسکی جزا و سزا کا قطعی مدار قرار دیتا تھا!

یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَیُضِلُّ اللّٰہُ الظّٰلِمِیْنَ ۙ وَیَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ†ۧ (۱۴: ۲۷)

اللہ ایمان والوں کو اپنے پکّے قول کے ساتھ اِس دنیا کی زندگی میں خوب جما کر رکھتا ہے اور آخرت میں بھی اُنکو خوب جما کر رہیگا۔ لیکن کچّے ایمانداروں اور بُزدلوں کو جو اُسکے احکام کی متابعت نہیں کرتے وہ حفظ و امن کی راہ سے ڈگمگا دیتا ہے، اور خدا تو وہی کچھ کرتا ہے جو مناسب سمجھتا ہے۔

---

[1] اے ایمان والو! جب دشمن کی کسی فوج کے بالمقابل تم صف آرا ہو جاؤ تو ثابت قدم رہا کرو، اور اُسوقت خدا کا دھیان اور بھی زیادہ دل میں رکھو تاکہ تمہارے حوصلے بڑھیں، اور بالآخر تم دشمن کے بالمقابل کامیاب ہو جاؤ۔

† یہاں 'ایمان' کو پھر دشمن کے بالمقابل ثابت قدم رہنے پر محمول کیا گیا ہے۔ "وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا" کا مقصود یہ ہے کہ جب تم دشمن کے بالمقابل ڈٹ کر کھڑے ہو جاؤ تو اُس حاکم اعلیٰ کا خیال دل میں لاؤ جس کی ماتحتی میں تم لڑ رہے ہو۔ پھر جس طرح ہر سپاہی کو اپنے سپہ سالار کی یاد، اُسکے انعاموں کی یاد، اُسکی سزاؤں کی یاد میدان جنگ میں اور بھی مستعد کر دیتی ہے اسی طرح تم بھی مالک زمین و آسمان کی یاد کر کے اپنی ہمتوں کو بڑھاؤ تاکہ تم دشمن پر فتح پاؤ (لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ)۔ گویا یہاں بھی تُفْلِحُوْنَ سے مراد دنیاوی فتح ہے، اُخروی فلاح مراد نہیں۔ اور نہ "وَاذْکُرُوا کَثِیْرًا" سے مقصود یہ ہے کہ گھر بیٹھے تسبیحوں پر خدا کا نام بڑبڑاتے رہو تاکہ قیامت کے دن فلاح پاؤ جیسا کہ بعض نادانوں نے سمجھکر آیات الٰہی کو بے ربط اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ۝ (۱۵: ۹۱) صفحہ ۷۴) کے مصداق بن گئے ہیں۔

✤ جو عجیب و غریب تاویلیں شارحین قرآن نے اِس آیہ شریفہ کے مطالب میں اپنے پاس سے بنالی ہیں بجائے خود ایک دفتر ہے۔ بعضوں نے قول ثابت کو کوئی 'اسم اعظم' فرض کر لیا ہے جسپر ایک زبانی سا 'ایمان' لانا فرض قرار دیا ہے، بعضوں نے عالم اسلام کی موجودہ زبون حالی، اور خدا کے اِس اٹل وعدے میں اختلاف دیکھکر یُثَبِّتُ کے معنی 'روحانی ثابت قدمی' بنا لیئے ہیں، وغیرہ وغیرہ، لیکن 'ایمان' کی اُن کڑی شرطوں سے جو اب تک بیان ہوئیں ظاہر ہے کہ جس قوم میں وہ خصائص موجود ہوں اُسکا اس دنیا میں جم کر رہنا، مضبوطی اور قوت سے بسر کرنا، علی الرغم عدو غالب آ کر رہنا اٹل ہے۔ یہی حقیقت بعینہ اِس آیۂ کریمہ میں عیاں کر دی گئی ہے، اور جتلا دیا ہے کہ صاحب ایمان قوم کا اِس دنیا میں تمکّن اور استخلاف فی الارض قطعی ہے۔

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ
اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ
مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۳) اور آخرت میں بھی اُسی کا بول بالا ہے۔ گویا اس آیت اور آیہ "اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" کا مضمون ایک ہی ہے جو صفحہ ۷ پر گذر چکی ہے۔

روحانی ثابت قدمی" جس کا ذکر آجکل کے مسلمان اس شد و مد سے کرتے ہیں ایک پادر ہوا اور بے معنی سی بات ہے۔ 'يُثَبِّتَ' کا لفظ قرآن کریم میں جہاں کہیں آیا ہے اسی مادی تمکن اور دنیوی استقلال کے لیے آیا ہے۔ دو مثالیں اصل کتاب میں ابھی ابھی گذر چکی ہیں: یعنی يُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (۸ : ۱۱)، اور اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا (۸ : ۴۵)۔ دو اور پیش کر دیجاتی ہیں۔ سورۂ انفال میں ہے:

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰۗىِٕكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ
فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ (۸ : ۱۲)

اے محمدؐ! یہ وہ وقت تھا کہ تمہارا پروردگار، تمہارا سپہ سالار اعظم خدا ملائکہ کی فوج کو حکم دے رہا تھا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو تم ایمان والوں کے پاؤں میدان جنگ میں جمائے رکھو، اُن کے حوصلوں کو دہ چند کر دو، اُن کے استقلال کو اور بھی مضبوط کر دو، ہم عنقریب منکرین کے دلوں میں اپنی مُٹھی بھر مسلمانوں کی دہشت ڈال دینگے، تو مارو ان کی گردنوں پر کہ چور چور ہو جائیں، اور لگاؤ اُن کی پور پور پر کہ اِن سب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں۔

مَلٰۗىِٕكَةٌ کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں لیکن ظاہر ہے کہ "فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" سے مقصود ارضی تغلب اور تمکن ہی ہے۔ روحانی استقلال کا کچھ ذکر نہیں۔ یہی الفاظ قریب قریب زیر بحث آیت میں استعمال ہوئے ہیں۔ دوسرا موقع سورۂ نحل میں ہے:

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶ : ۱۰۲)

اے محمدؐ! تم علی الاعلان کہہ دو کہ اس قرآن عظیم کو روح القدس میرے پروردگار کے ہاں سے لیکر اسلیئے اُترا ہے کہ جو لوگ اِسکے احکام پر ایمان لائے ہیں اُن کو اس دنیا میں مضبوطی سے، اور جما کر رکھے اور تاکہ یہ قانون جلیل "تسلیم کرنے والوں" کو صحیح راہ عمل دکھائے (هُدًى)، اور اُن کو اجتماعی سلامتی اور حفظ و امن کی بشارت دے (بُشْرٰى)۔

روح القدس کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں۔ صفحہ ۱۱۵ کے تحت المتن میں پیغمبران خدا کی بشارت کی نوعیت واضح کر دی گئی ہے۔ اس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ یہاں بھی "لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ سے دنیاوی ثبوت اور استقلال ہی مراد ہے۔ 'روحانی ثابت قدمی' کی ترغیب پیش کرنا منکر قوم کے لیئے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ دنیاوی خوشحالی کا لالچ ہی وہ شئے ہے جو ہر مخالف کو ماننے پر مجبور کر سکتا ہے۔

'قول ثابت' کے الفاظ جو زیر بحث آیت میں آئے ہیں، اُن سے مراد وعدہ خدا کی توثیق ہی ہے اور کچھ نہیں۔ ضمناً اس آیت سے 'يُضِلُّ' کے معانی بھی صاف ہو گئے کہ یہ 'يُثَبِّتُ' کی ضد کے طور پر آئے ہیں۔ گویا اس دنیا کی زندگی میں مضبوطی اور تمکن سے نہ رہنا ہی ضلال ہے۔ 'ظالمین' کا لفظ پھر یہاں استعمال ہوا ہے۔ اس سے پیشتر صفحہ ۱۲۰ کے متن کی آیت (۳ : ۱۳۹) میں ہوا تھا۔ یہاں پر بھی 'ظالمین' سے مراد کچے ایمان والے ہی ہیں کیونکہ جو لوگ اپنے ایمان کی کمی کی وجہ سے دشمن سے شکست کھا جائیں وہ فی الحقیقت اپنی جانوں پر آپ ظلم کر رہے ہیں۔ آج 'ظُلْم' کی قرآنی اصطلاح کے معانی بالکل بدل چکے ہیں۔ لیکن آئندہ مجلدات میں وقتاً فوقتاً اسکے مختلف مفہوم بیان کر دیئے جائینگے۔ مقدمۂ کتاب میں 'ظالم' قوم کے متعلق قرآنی محاکمہ پیش کیا گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ ظالم قوم اجتماعی ہلاکت یقینی ہے (دیکھو صفحہ ۸۱۔ آیات (۲۸ : ۵۹)، (۶ : ۴۷)) گویا يُضِلُّ اور يُهْلِكَ کا تعلق ظاہر ہے۔

يَشَآءُ کے معنی ہم نے 'مناسب سمجھنا' کیے ہیں۔ لیکن اسکا ثبوت فلسفہ عمل (غالباً تیسری مجلد) میں آئے گا۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ
مَا جَاۗءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (۳: ۱۰۱ - ۱۰۴)

اے ایمان والو! مقام خدا سے ڈرتے رہا کرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے، اُسکے احکام کے آگے ہر دم سرِ تسلیم خم رکھو؛ اور مرتے دم تک سرتاپا تسلیم بنے رہو۔ اور سب ایک دوسرے سے گُھل مِل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہو اور تتر بتر ہرگز نہ ہو جانا۔ اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے برخلاف عداوتیں اور کینے بھرے پڑے تھے، پھر خدا کو اپنا سچا آقا ماننے کے باعث اُس نے تمہارے دل آپس میں جوڑ دیئے، پھر تم اسکی اِس نعمت کے باعث بھائی بھائی بن گئے۔ تم اِس سے پہلے اسقدر بکھر چکے تھے کہ گویا آگ کے گڑھے کے کنارے جا لگے تھے، پھر اُس نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اِس طرح خدا اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم راہِ راست پر آجاؤ۔ اور تم میں ایک ایسا گروہ بھی ہونا چاہیئے جو صرف اِسی اتحاد (الخیر) کی دعوت دے، اِسی عظیم القدر نیکی (المعروف) کی تلقین بالتخصیص کرتا رہے، اور تفرقے کی مکروہات (المنکر) سے باز رکھتا رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو ہم اس دنیا میں کامیاب کرینگے۔ اور دیکھو ہم پھر کہے دیتے ہیں کہ اُن جیسے نہ بن جانا جو ایک دوسرے سے بچھڑ گئے، اور جنہوں نے خدا کے کھُلے کھُلے احکام آنے پیچھے بھی آپس میں فرقہ آرائیاں اور اختلاف قائم کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو ہم دردناک عذاب دینگے۔

کیفیتِ اتّقا

وَاصْبِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۳: ۲۰۰)

(ایک دوسرے کو استقلال کی تلقین کرو، اور باہم بلکہ ایک بنجاؤ، اور خدا سے ڈرتے رہو کہ کامیاب ہو جاؤ)

جامع القلوب خدا کی نظروں میں ایک مُدّعیٔ ایمان کا صحیح تقویٰ اِسی کامل مصالحت اور

✤ اِن آیاتِ قرآنی کے مطالب نہایت قابلِ غور ہیں۔ اصل کتاب میں سیاق کلام کو پیشِ نظر رکھکر ایک مربوط ترجمہ کر دیا گیا ہے مگر دو ایک باتیں خاص طور پر لائق ذکر ہیں جو یہاں بیان کر دی جاتی ہیں:-

اوّلاً- "اعتصام بحبل اللہ"، اور جماعت کے کامل اتحاد کو پھر تیسری بلکہ چوتھی بار "اتقائے خدا" پر محمول کیا گیا ہے۔ پہلی مثالیں صفحہ ۴، ۷،

اتحاد (لَا تَفَرَّقُوْا (۳: ۱۰۲)) کا مسلک عمل تھا۔ یہی وہ سچّی ہدایت (لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۳: ۱۰۲)) اور یقینی فلاح (اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۳: ۱۰۲)) تھی جسکا حاصل کرنا ہر مسلمان کا منتہائے سعی اور مقصد حیات ہو سکتا تھا۔ خدائے برتر کی صحیح معنوں میں 'عبادت' (غلامی)، اور اُسکے جاہ و منصب کے سچّے خوف (تقویٰ) کا صحیح پیش نہاد یہی ہو سکتا تھا (اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (۳: ۱۰۱)) کہ ایک مقتدر حاکم کے کئی ملازموں کی مانند، اُسکے بندوں میں تالیف قلوب کے جذبات، اور اخوت و مساوات کے اصول قائم ہو جائیں (فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۵، اور ۱۴۲ پر گذر چکی ہیں۔ گویا کسی قوم کا بالاجماع قانون خدا (حَبْلِ اللّٰهِ) کو مضبوط پکڑے رکھنا اور آپس میں فرقہ بند نہ بننا ہی "اتقائے خدا" ہے۔ وہی قوم فی الحقیقت شدید العقاب خدا کی اٹل سزاؤں سے ڈرتی ہے، وہی اسکی عالی مقامی اور طاقت انتقام سے خوفزدہ ہے جو آپس میں اختلاف پیدا کر کے اپنے آپ کو کمزور نہیں کرتی۔ کیونکہ فرقہ بندی کا اٹل نتیجہ شکست و ریخت ہے اور یہ قانون اسقدر عالم آرا ہے کہ اسکا اطلاق ہر جا اور ہر وقت ہو رہا ہے، کوئی اُمّت یا گروہ اس کُلیّے سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ جبتک ایک حاکم اعلیٰ کا ڈر دل میں بس رہا ہے، رعیّت کے افراد آپس میں لڑ بھڑ نہیں سکتے۔ جب تک کئی غلام ایک مقتدر آقا کی غلامی (عبادت) کر رہے ہیں اُن کا ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہونا محال ہے!

ثانیاً۔ 'ائتلاف قلوب' کو نعمت خدا کہا گیا ہے اور 'اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ' کے الفاظ نہایت قابل غور ہیں۔ اگرچہ بادی النظر میں اس جملے کے معنی یہی ہیں کہ "خدا نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت کی راہ و رسم پیدا کر دی"۔ لیکن اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو اس ائتلاف کا واقع ہونا خدا کا کوئی غیبی، استبدادی یا تقدیری فعل نہ تھا جسپر آجکل کے مسلمان نہایت تن دہی سے اعتقاد رکھتے ہیں، اور بلا سعی و عمل اسکے پھر واقع ہونیکے منتظر رہتے ہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ اُس ایک خدا کی عبودیّت ہی تمہارے اتحاد کا باعث ہوئی۔ تم سب نے اسکو صحیح معنوں میں آقا اور حاکم اعلیٰ مان لیا، اور پھر اُسکے سچّے خوف و اتقا کے باعث تمہارے دل آپس میں جُڑ گئے۔ گویا اتحاد کا واقع ہونا ایک مسبّب بالاسباب فعل تھا جس کا بالواسطہ محرّک خدائے عظیم کا صحیح معنوں میں ڈر تھا۔

ثالثاً۔ باہمی تفریق اور اختلاف کو "عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ" کہا گیا ہے۔ یعنی جس قوم میں باہمی عداوتیں اور کینے رونما ہیں وہ جہنم کے کنارے پر کھڑی ہے۔ یہاں پر فرقہ آرائی کو 'النَّار' سے تعبیر کرنا از بس معنی خیز ہے۔ گویا اجتماعی ضعف اور عدم اتحاد ہی دنیا کا سب سے بڑا جہنم ہے جن خوش اعتقاد مسلمانوں نے قرآن کے لفظ 'النَّار' کو خالصتہً اُخروی جہنّم سمجھا ہے اُن کے لیے یہ الفاظ نہایت غور طلب ہیں۔ لیکن ان آیاتِ الٰہی میں سب سے زیادہ غور طلب آیت آیۂ 'وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ' (۳: ۱۰۳) ہے۔ جو بات لائق دریافت ہے یہ ہے کہ 'دعوۃ الی الخیر'، 'امر بالمعروف'، اور 'نہی عن المنکر' کا صحیح مفہوم کیا ہے، اور وہ کیا شئے ہے جسکی تبلیغ و تلقین کے لیے ایک جماعت قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ادنیٰ سا تامل بھی ہر صاحب نظر کو اس نتیجے پر پونہچا دیتا ہے کہ 'الخَیْر' اور 'المَعْرُوْف' کا صحیح مفہوم اس آیت میں اصلاح و اتحاد اور صرف اتحاد ہی ہے، اور اسی نقطہ نظر سے ان الفاظ پر اَلْ تخصیصی واقع ہوا ہے، اور چونکہ پیشتر اور بعد کی آیات میں اتحاد کی خوبیاں اور اختلاف کی بُرائیاں ظاہر کیگئی ہیں اور یہ آیت اُن کے درمیان گھری ہوئی ہے اس لیے خدائے عظیم نے عالم اسلام کے لیے ایک ایسی جماعت بنانے کا حکم دیا ہے جو سب اُمّت کو اتحاد کی دعوت بالتخصیص دیتی رہے، اور انکو تفرقے کی مکروہات (المُنْكَر) سے دمبدم باز رکھے۔ اس مطمح نظر کے ماسوا یا اس سے کم و بیش حتماً اس آیت کا اور کچھ مطلب نہیں۔ کلام الٰہی کو مربوط اور مدلّل یقین کرنیوالوں کیلئے اسکے سوا کسی اور نتیجے پر پونہچنا ممکن نہیں۔

مسلمانان عالم اور شارحین قرآن نے اس آیت کا مفہوم قطعاً غلط سمجھا ہے، اور الخَیْر و المَعْرُوْف کے معنی عام کر کے عالم اسلام کو ایک غلط

Marfat.com

اِخْوَانًا (۳: ۱۰۲)، وہ سب کے سب یکجان و یک زبان ہوکر اُسکی حکومت کے ہر آن شاہد، اور اُسکی بارگاہ عالیہ سے بہر حال مرعوب رہیں: وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ[۱] (۲۳: ۶۰)۔ وہ اللہ کو ہر وقت اپنے ذاتی مناقشات میں حاضر و ناظر، اور ہر حالت میں نگرانِ اعمال یقین کرکے اُسکے رُعب و وقار کا احترام اور احکام کا پاس کرتے رہیں: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ

---

[۱] خدا سے ڈرنے والے تو وہ لوگ ہیں جو باوجود اسکے کہ جو کچھ اُن کے پاس ہے اعلائے کلمۃ الحق میں صرف کر دیتے ہیں، مگر اُنکے دل اندر سے ہلتے رہتے ہیں کہ اُنہوں نے ایک دن خدا کے حضور میں جوابدہی کے لیے کھڑا ہونا ہے (اور ممکن ہے کہ خدمت خدا کا حق ادا نہ ہوا ہو!)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۶) اور مہمل، نامعلوم اور نامحدود رستے پر لیگئے ہیں۔ مطالب کی اِس عام افراتفری میں چنانچہ آج یہ حالت ہوگئی ہے کہ اسلامی جماعت کے ہزار در ہزار گروہ، 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کے ظاہری ادعا کی آڑ میں، ہر طرف پھیلے ہوئے خلق خدا کو دھوکہ دے رہے ہیں، اور کسی مستقل پیش نہاد نہ ہونے کے باعث ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا ہوکر اسلام کی رہی سہی قوت کو اور بھی منتشر کر رہے ہیں۔ ہر گروہ اپنے آپ کو 'داعی الی الخیر' کا خطاب دیکر جماعت میں تفریق و اشتتات پیدا کر رہا ہے۔ سب کے سب اپنی اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کے باعث مختلف رستوں پر نہایت کبر و تحکم سے جا رہے ہیں، اور اپنے زعم میں خدا کے ایک اہم حکم کی تعمیل کر رہے ہیں! جو حیرت انگیز فرقہ بندیاں اِن گروہوں کی متخالف اور متقابل تعلیم و تلقین سے پیدا ہو رہی ہیں بجائے خود خدائے عظیم کے مقصد اصلاح و اتحاد اور اِس آیت کے منتہائے نظر کو باطل کر رہی ہیں۔ وہ 'اعتصام بحبل اللہ' اور 'ائتلاف قلوب'، اور 'اخوانیت'، جو 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' سے مطلوب تھی یکقلم مٹ رہی ہے۔ ہر گروہ اپنی اپنی دُکان سجائے سرِ بازار بیٹھا ہے اور حتی الوسع چرب زبانی اور لفاظی سے کام لیکر بے وقوف اُمت کے گاہکوں کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے!

اگر بنظر تعمق اِس آیہ شریفہ کے مضمون کیطرف دیکھا جائے تو عیاں ہو جاتا ہے کہ رب کون و مکان تعالیٰ نے تمام عالم اسلام کیلئے صرف ایک گروہ اور ایک جماعت ہی کو 'دعوت الی الخیر' اور 'امر بالمعروف' کے لیے تجویز کیا ہے نہ دس بیس مختلف گروہوں کو۔ جو وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ پس لامحالہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے عالم آرا، ایسے یکتا اور منتخب گروہ کا مقصد بھی یہی ہو سکتا ہے کہ دنیا کے مختلف ممالک کے مسلمانوں کے مابین اتحاد قائم رکھے، اُن کو اعتصام خدا کی دعوت دے، اُن کے اختلافات کو وقتاً فوقتاً دور کرتا رہے، اُن میں فرقہ بندیاں نہ پیدا ہونے دے، سب دنیائے اسلام کو جبراً ایک مقصد وحید، ایک مطمح نظر اور ایک راہ عمل کی طرف لیجائے۔ وہ گروہ خود کسی متقدر نظام کے ماتحت کام کر رہا ہو، اور تمام مسلمانوں کا صحیح معنوں میں قائم مقام ہو۔ ایسا گروہ تاریخ شاہد ہے کہ قرن اوّل سے قطع نظر مسلمانوں نے آجتک نہیں بنایا اور اِسی لیے میرا یقین ہے کہ اُمت مرحومہ اس آیہ کبریٰ کے خدائی مطالب کی تعمیل کرنے سے حتماً قاصر رہی ہے!

اِس گروہ کے متعلق، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ، کا ارشاد ہے۔ 'فلاح' کے معانی قرآن کریم میں دنیاوی کامرانی کے بھی ہیں جیسا کہ کئی ایک مثالوں سے جو پیشتر دی گئیں ظاہر ہے۔ گویا یہ ارشاد بتاتا ہے کہ یہی وہ گروہ ہے جو فلاح دارین حاصل کرے گا اور اُمت کو صحیح معنوں میں قوت دیگا۔ آگے چلکر فرقہ بند اُمت کے لیے، وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ، کہا گیا ہے۔ گویا یہ عذاب بھی دنیاوی ہی ہے جو ہر اختلاف زدہ اُمت کو دنیا میں ملتا ہے۔ 'اُولٰٓئِكَ' کا تکرار بھی لامحالہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ 'دعوت الی الخیر' اور 'امر بالمعروف' کا مفہوم دنیائے اسلام کو ایک مقصد منتہا پر قائم و متحد رکھنا ہی ہے اور وہ پیش نہاد دنیوی قوت اور تمکن ہے اسکے ماسوا حتماً کچھ نہیں۔

لیکن اس تمام خارجی استدلال سے صرف نظر کرکے قرآن حکیم کے الفاظ میں داخلی غور و فکر بھی اِس نتیجے کی طرف راغب کرتا ہے کہ 'الخیر'، 'المعروف'، اور 'المنکر' کے الٰہی مطالب وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ 'الخیرات' کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک مختتم بحث ابھی ابھی صفحہ ۱۳۵ کے

Marfat.com

رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (۵۸ : ۷)؛ وہ اسکی محتسبانہ رقابت میں سب جزوی معاملات اور فرعی مختلفات کو بالائے طاق رکھکر اُسی کی خدمت و اعلا میں ہمہ تن مصروف ہوجائیں؛ وہ اس احکم الحاکمین کے

لہ اے انسان! کیا تو نے اس حقیقت پر کبھی غور نہیں کیا کہ اللہ تو جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہو رہا ہے اسکا علم رکھتا ہے۔ جب تین شخص آپسمیں صلاح و مشورہ کرتے ہیں تو بہرحال چوتھا وہ ہوتا ہے، اور پانچ ہوں تو چھٹا وہ ہوتا ہے، اور اس سے کم ہوں یا زیادہ اور کہیں بھی ہوں وہ اُن کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ پھر جو جو کام یہ آج کر رہے ہیں اُن کو روز قیامت کو موبمو بتلا دے گا، لوگو! درحقیقت خدا ہر چیز سے واقف ہے!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۷) تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ نے اتحاد کے اجتماعی حسن عمل کو یہاں پر لفظ "الخیر" سے یاد فرمایا ہے (یَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ)۔ "المعروف" اور "معروف" کے الفاظ بھی کلام الٰہی کے اندر بالالتزام دو شخصوں یا فریقوں کے درمیان مصالحت یا صورت اصلاح و اتحاد پیدا کرنے کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں خاوند اور عورت کے باہمی تعلقات کی کشیدگی کے بارے میں ہے: وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ ۖ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا (۲ : ۲۳۱)، "اور جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو اور انکی عدت پوری ہونے کو ہو تو یا طلاق کا ارادہ فسخ کرکے انکو پوری صلح صفائی سے (بِمَعْرُوفٍ) پھر زوجیت میں رکھ لو، یا اُن کو مصالحت سے رخصت کردو، اور دُکھ دینے کی نیت سے انکو نہ رکھو کہ بعد میں زیادتی کرو"۔ یہی مضمون اس آیت سے ذرا پہلے بھی ہے: فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (۲ : ۲۲۹)؛ یعنی "یا صلح صفائی کے ساتھ پھر زوجیت میں لے لینا، یا خوش اسلوبی سے رخصت کردینا"۔ ایک آیت پہلے پھر اسی مضمون کی تصریح ہے: وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۖ (۲ : ۲۲۸)، یعنی "اور اگر اُنکے خاوند مصالحت کرنا چاہیں تو اُن کو پورا حق ہے کہ اس اثنا میں اپنی عورتوں کو پھر اپنی زوجیت میں واپس لے لیں، اور اُس صورت میں جس طرح پر مصالحت اور صلح صفائی سے رہنا عورتوں پر لازم ہے (عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ) اسی طرح پر مَردوں کی طرف سے عورتوں کے ساتھ (لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي) مصالحت کا سلوک کیا جانا بھی لازم ہے"۔ اسی رکوع میں مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے: فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ (۲ : ۲۳۲)، یعنی "طلاق ہوئے پیچھے تم ان عورتوں کو منع نہ کرو کہ نئے خاوندوں سے نکاح کریں اگر دو فریق آپس میں مصالحت اور اتحاد پر (بِالْمَعْرُوفِ) راضی ہوگئے ہوں"۔ آگے چلکر دودھ پلانے کی اُجرت کے بارے میں ہے: وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ (۲ : ۲۳۳)، "اور باپ پر لازم ہے کہ ایسی زیر تجویز مطلقہ ماؤں کو صلح صفائی کے ساتھ کھانا اور کپڑا دے"۔ اور اگر دایہ سے دودھ پلانے کا باہمی سمجھوتہ ہوجائے تو فرمایا ہے: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ (۲ : ۲۳۳)، یعنی "اس صورت میں دایہ سے دودھ پلوالینے میں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ جو کچھ ماؤں کو دینا کیا تھا صلح صفائی کے ساتھ دے دو"۔ رانڈ عورتوں کے دوسرے بیاہ کے بارے میں ہے: فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (۲ : ۲۳۴)، "پھر جب وہ اپنی عدت پوری کرچکیں تو نیک نیتی اور صلاح روی سے (بِالْمَعْرُوفِ) جو کچھ دوسرے بیاہ کے بارے میں اپنے دل میں ٹھان لیں اسکی پرسش تم وارثانِ میت سے کچھ نہیں، اور اسی لیے تمہیں بھی فعل سے واسطہ نہیں جو چاہیں اُن کو کرنے دیں"۔ اس موقع پر "المعروف" سے مراد رانڈ عورت کا صلاح روی کے ساتھ دوسرا بیاہ کرنا ہے، نہ یہ کہ اُٹھے اور وہ وطیرہ اختیار کرے جس سے خاندان کی ناموس برباد ہو اور خانگی فساد کی صورت پیدا ہو۔ گویا یہاں بھی مقصود اصلاح و اتحاد اور فساد کو مٹانا ہی ہے۔ شادی شدہ باکرہ عورتوں کو شبِ زفاف سے پیشتر طلاق دینے کے بارے میں ارشاد ہے کہ کچھ گناہ نہیں مگر ہاں اُن کو بطور احسان کے کچھ دے دینا چاہیئے: عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۖ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝ (۲ : ۲۳۶)، "مقدور والا اپنی حیثیت کے مطابق اور بے مقدور اپنی حیثیت کے موافق۔ تم اسکو ایک نذرانہ

Marfat.com

پاس ادب اور لحاظ سے دلوں کے بُغض اور سینوں کے حسد نکالکر باہمدگر متحد اور متفق ہوجائیں؛ وہ دانائے نہان وآشکارا کی متجسسانہ دانش اور متفتشانہ بینش کا کامل یقین کرکے، دلوں کی تہ کے سرائر وخفایا کو آلایشِ گناہ سے قطعًا پاک صاف کردیں۔ مخلص اور عقیدتمند خواجہ تاشوں کا اپنے آقائے حقیقی سے یہ وہ معترفانہ خوف، اور وہ غیر متزلزل اتّقا تھا جس نے ہر ناگہاں مصیبت کے وقت

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۸) سمجھو جسکی غرض وغایت یہ ہے کہ طلاق صلح صفائی کے ساتھ اور بغیر دنگے فساد کے طے پائے (مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ) اور سچ تو یہ ہے کہ مصالحت سے چلنے والے اشخاص پر یہ نذرانہ تو ایک طرح کا حق ہے"۔ کچھ آگے چلکر مطلقہ عورتوں کے بارے میں بھی اسی قطع کا حکم ہے: وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ (۲: ۲۴۱)' یعنی "مطلقہ عورتوں کے لیئے بھی کچھ نہ کچھ نذرانہ بطور احسان یا یادگار ہونا چاہیئے تاکہ فریقین صلح صفائی کے ساتھ ایک دوسرے سے جُدا ہوں، اور خدا سے صحیح معنوں میں ڈرنے والوں کے لیئے تو یہ معمولی سی رواداری بطور ایک فرض کے ہے"۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص صحیح معنوں میں مُتّقی ہے اُسکا منتہائے نظر دنیا میں ہمیشہ یہی رہتا ہے کہ انتہائی معاملات میں بھی کم سے کم فساد پیدا ہو۔ طلاق وہ مکروہ شئے ہے جو دو فریقوں کے درمیان ایک ناقابل برداشت شقاق کا باعث ہوتی ہے۔ اگر اسکا واقع ہونا بہرنوع ضروری ہوگیا ہے تو ایک صلح پسند آدمی پر فرض ہے کہ اُس عورت کو جسکے ساتھ اس نے اتنی مدت صحبت کی ہے ایک معتدبہ رقم بطور نذرانے کے پیش کرے تاکہ مخالفت کے جذبات انتہا تک نہ پونہچنے پائیں۔ ازدواجی تعلقات کے منقطع ہونے پر فریقین ایک دوسرے کو کم از کم دشمن نہ سمجھیں، اور اسلامی جماعت کے اندر شکست انگیز تفریق پیدا نہو۔

ناسمجھ اور کم عقل یتیموں کے سرپرستوں کو سورۂ نساء میں ہدایت ہے: وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (۴: ۵) یعنی "اُن کے ساتھ صلح صفائی سے بتاؤ کرو"۔ محتاج سرپرست کے بارے میں ہے: وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ (۴: ۶)، یعنی "اگر سرپرست کم مقدور ہو تو اُس یتیم کے مال میں سے بقدر مناسب (بِالْمَعْرُوْفِ) اپنے گذارے کے لیئے لے لے"۔ یہاں بقدر مناسب سے مراد یہ ہے کہ دلمیں اس یتیم کی طرف نیکی، صلاح، اور مصالحت کا خیال ہو، اُسکو تباہ کرنے اور لوٹنے کی نیت نہ ہو، اُسکے بارے میں عداوت اور مخالفت کے جذبات موجزن نہ ہوں۔ بیبیوں کے ساتھ سلوک کے بارے میں ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۴: ۱۹)، یعنی "انکے ساتھ حُسن سلوک سے رہو"۔ لونڈیوں سے نکاح کرنیکے متعلق ہے: وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۝ (۴: ۲۵)، یعنی "اُن کو اُنکی اُس مستقل مصاحبت کے عوض میں اُنکے مہر منصفانہ طور پر (بِالْمَعْرُوْفِ) ادا کردو لیکن شرط یہ ہے کہ وہ گھریلو عورتیں بنکر رہیں، بدکاری اُن کی غرض نہو، اور نہ پوشیدہ طور پر یار رکھیں"۔ یہاں "المَعْرُوْف" سے مقصود حق مہر کا اس مقدار میں ادا کرنا ہے کہ فریقین میں رضامندی پیدا ہوجائے، گویا منتہائے نظر وہی اتحاد ہے۔

سورۂ نساء میں منافقین اسلام کے بارے میں ہے: لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ (۴: ۱۱۴)، "اُن لوگوں کی اکثر سرگوشیوں اور خفیہ ریشہ دوانیوں میں متحد کرنے (خَيْرَ)، یا صلح وصلاح کی صورت (خَيْرَ) بنانے کا تو نام نہیں، اِن کا دارومدار ہی نفاق پر ہے، البتہ وہ شخص اس سے مستثنےٰ ہے جس نے اوروں کو ایثار مال کرنے کی ترغیب دی (اَمَرَ بِصَدَقَةٍ)، مصالحت کا کوئی عنوان قائم کیا (اَوْ مَعْرُوْفٍ)' یا لوگوں کے درمیان میل ملاپ کا بیج بویا"۔ یہاں صاف 'مَعْرُوْفٍ' سے مقصود اتحاد برخلاف تفرقہ اور نفاق کے ہے جو منافقوں کی اصلی غایت ہوا کرتی ہے۔ سورۂ توبہ میں انہی منافقوں کی تعریف میں ہے: اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ (۹: ۶۷)، یعنی "نفاق ڈالنے والے مرد اور نفاق ڈالنے والی عورتیں سب ایک ہی تھیلی کے بٹے ہیں، لوگوں کو نفاق (المنکر) کی ترغیب دیتے ہیں، اور مصالحت اور اتحاد (المَعْرُوْفِ) سے باز رکھتے ہیں، اور یہی نہیں بلکہ ایثار مال کے

Marfat.com

مومنوں کے صبر میں استقامت، اور اتحاد میں استواری پیدا کردی تھی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۳: ۱۹۹)۔ یہی وہ ہیبت انگیز ذکر، اور ارتعاش آفریں یادِ خدا تھی جو تیروں اور تلواروں کی بارش میں بھی پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دیتی تھی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۸: ۴۵)۔ اسی باہمی ولایت اور اتقا کا لازمی نتیجہ فلاحِ دین اور غلبۂ اسلام تھا: وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (۵: ۵۶)۔

---

۱۵ دیکھو صفحہ ۱۴۲ ۱۵۲ دیکھو صفحہ ۱۴۳۔ ۱۵۳ اور جو اللہ کا دوست اور رسول کا معاون بنا رہا، اور جس نے ایمان والوں کے ساتھ اتحاد قائم کیا، وہ اللہ کے گروہ میں سے ہے۔ اور اللہ کا گروہ ہی تو غالب گروہ ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۴۹) موقع پر اپنی مٹھیاں بھینچ لیتے ہیں"۔ یہاں پہلی دفعہ 'المنکر' کا لفظ آیا ہے اور ہر صاحب نظر بطور خود دیکھ سکتا ہے کہ 'المعروف' اور 'المنکر' کا منتہائے نظر اس آیۂ کریمہ میں بعینہٖ وہی ہے جو آیاتِ زیر بحث یعنی (۳: ۱۰۱-۱۰۴) صفحہ ۱۴۵ میں ہم نے ظاہر کیا ہے۔ اس نقطۂ نظر کی تصدیق حیرت انگیز طور پر آئندہ آیتوں سے ہوتی ہے جو مومنوں کی تعریف میں آئی ہیں: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۝ (۹: ۷۱)، "اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں ایک دوسرے کے صحیح معنوں میں دوست ہیں، وہ لوگوں کو باہم گرمتحد ہونے (المعروف) کی دعوت دیتے رہتے ہیں، اور نفاق (المنکر) کے مکروہ نتائج سے باز رکھنے کی سعی کرتے ہیں، اور 'الصلوٰۃ' کو قائم کرتے ہیں، اور جب موقع ایثار مال کرتے، اور خدا اور اُسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں"۔ الصلوٰۃ کی اجتماعی حیثیت، الزکوٰۃ کے اجماعی فوائد اور اطاعت خدا و رسول کی ماہیت اور سیاسی حکمت عملی پر بحث آئندہ اوراق میں آئے گی، لیکن سیاق مضمون سے عیاں ہے کہ 'المعروف' کی دعوت فی الحقیقت اتحاد ہی کی دعوت ہے، اسکے سوا حتماً اور اصلاً کچھ نہیں۔ المنکر کی آلہی اصطلاح تفریق اور مخالفت کے معنوں میں ایک دو اور موقعوں پر استعمال ہوئی ہے جو یہاں لکھ دیئے جاتے ہیں، باقی موقعے اصل کتاب میں عنقریب آئیں گے۔ سورۂ حج میں ہے: وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ یَكَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۝ (۲۲: ۷۲)، یعنی "اے پیغمبر! جب ان منکرین عرب کو ہمارے روشن اور نتیجہ خیز احکام پڑھ کر سنائے جاتے ہیں تو تم ان لوگوں کے چہروں پر مخالفت اور نفاق کے آثار اس شدت سے دیکھتے ہو کہ گویا کوئی دم میں یہ لوگ ہمارے احکام سنانیوالوں پر حملہ کر بیٹھیں گے"۔ گویا 'المنکر' یہاں پر وہ قلبی انکار ہے جسکا نتیجہ تفریق اور اختلاف ہے۔ سورۂ عنکبوت میں حضرت لوط علیہ السلام کا قول اپنی قوم کے بارے میں ہے: اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِیْكُمُ الْمُنْكَرَ (۲۹: ۲۹)، یعنی "کیا تم لوگ عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو، شاہراہوں پر ڈاکے مارتے ہو، اور اپنی ٹولیوں میں دنگے مچاتے، اور ناچاقیاں پیدا کرتے ہو (المنکر)"۔ مفسرین نے جو 'المنکر' سے مراد "بے حیائی کے کام" لیا ہے محض بے سبب اور بے سند ہے۔ جب تَاْتُوْنَ الرِّجَالَ اور تَقْطَعُوْنَ السَّبِیْلَ کے الفاظ میں نوعیتِ جرم کی پوری تخصیص ہے تو تاتون المنکر میں بھی وہ تخصیص جاری رہنی چاہیئے، اور وہ سوا اسکے نہیں جو ہم نے بیان کردی۔ رہزنوں اور لواطت پرست غنڈوں کا شیوہ ہمیشہ سے یہی چلا آیا ہے کہ بات بات پر دنگا کھڑا کر دیتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے خلاف گروہ بن جاتے ہیں۔ یہی وہ جرم عظیم تھے جن کی پاداش میں قوم لوط کی تباہی ہوئی تھی۔ لواطت سے بڑھکر کیا بے حیائی ہوگی جس کا ذکر تَاْتُوْنَ الرِّجَالَ بلکہ اس سے پیشتر کی آیت (۲۹: ۲۸) میں اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ کے الفاظ میں ہو چکا ہے۔ پھر یہ تین دفعہ ایک ہی شے کو بے سبب دہرانا کلام آلہی کے شایان شان نہیں۔

(باقی)

Marfat.com

اِسی اِتقا کے قیام اور باہمی نفاق کو دور کرنیکے لیئے قرآن آیا تھا: فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۝ (۱۹:۹۷)۔ اِسی الخیر اور المعروف کی مسلسل تبلیغ اور سہیم تلقین کیلئے رب العٰلمین نے مسلمانوں میں ایک مستقل جماعت کی تاسیس ضروری سمجھی تھی۔ یہ تفریق بین الافراد ہی وہ **المنکر** اور صحیفۂ کائنات کا وہ سب سے بڑا گناہ تھا جسکے اِنہاد استیصال کے لیئے مسلمانان جہان پر ایک غیر منقطع جہاد لازمی کر دیا تھا: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۳:۱۰۳)۔ اِسی صحیح تقوٰی کے وسیلۂ عمل سے مسلمانانِ عالم کو ساکنانِ زمین پر ایک امتیازی خصوصیت اور مقامِ بلند ملنے کا وعدہ تھا۔ اور اسی تقوی کے انعام میں منعم حقیقی نے دنیا کے

لہ اے پیغمبر! ہم نے قرآن کو تمہاری زبان کا لباس پہنا کر سہل الفہم صرف اسلیئے کر دیا تھا کہ تم اسکے ذریعے سے متقی (اور متحد) قوم کو (اجتماعی بقا) کی بشارت دو اور نفاق آرا اور جھگڑالو قوم کو اجتماعی ہلاکت اور عذاب سے ڈراؤ۔ (اس آیت کے لفظ المتقین کے متعلق ایک بحث صفحہ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے) ۵۲ ترجمے کیلئے دیکھو صفحہ ۱۴۵۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۵۰) الغرض جس نقطۂ نظر اور درجہ تعمق سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والی آیات کو دیکھا جائے، ہر صاحب نظر کو ان کا مطالعہ لامحالہ اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ کلام الٰہی کی قانونی زبان میں 'المعروف' کی اصطلاح سے مراد اتحاد اور 'المنکر' سے مقصود نفاق اور اختلاف ہی ہے۔ نیکی اور برائی کے لغوی معانی جو شارحین قرآن نے ان دو اصطلاحوں کے لیئے ہیں اسقدر غیر محدود اور بے نتیجہ ہیں کہ ان کے مان لینے کے بعد کسی ایک حکم خدا کے بارے میں مستقل نتائج پر پہنچنا ازبس دشوار ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم ساکنانِ زمین کے لیئے ایک قانون عمل ہے۔ اور قانونی کتاب کے سزاوار یہی ہے کہ اسکا کوئی قانون قیاس یا رائے یا تاویل کے تابع نہ ہو سکے، بلکہ ایک حکم کا صرف ایک ہی مطلب اور ایک ہی طریق عمل ہو اور بس، نہیں بلکہ سب سے ضروری یہ امر کہ ہر مستفرع للمعانی اصطلاح کی آئینی تعریف خود اسکے اندر موجود ہو، اپنی وضع کی ہوئی مصطلحات کی شرح و بسط کے لیئے اسکو کسی دوسری کتاب کا محتاج نہ ہونا پڑے۔ بعینہ انہی معانی میں قرآن عظیم تمام انسانی لغات سے بے نیاز ہے۔ (دیکھو صفحہ ۹۱-۹۲) وہ اپنی سب مصطلحات کی آپ ہی تعریف کرتا ہے، آپ ہی اپنی لغت، اور آپ ہی اپنی تشریح ہے، اُسکے کسی ایک امر و نہی یا آیت کا صرف ایک ہی پیش نہاد، ایک ہی مقصود، اور ایک ہی طرز عمل ہے۔ دستور خدا کے شارحین کا فرض ہے کہ وہ اُس مقنن اعظم کے واحد عندیے کو صاف اور روشن الفاظ میں واضح کر دیں کہ انتشار عمل کی گنجایش باقی نہ رہے، کوئی شخص یا گروہ تاویل کو دھوکے کی ٹٹی بنا کر گریز کی سبیل نہ نکال سکے، مکر و ریا کی آڑیں نہ چھپے، جہل کو عذر نہ بنا سکے۔ جو تفسیر اس اہم مقصد کو پیش نظر نہیں رکھتی وہ فی الحقیقت کلام خدا کی شرح نہیں۔ اس کا پیش نہاد اشتات عمل ہے، تفریق قوم اور تضعیف امت ہے۔ جب تک مطالب بیّن اور غیر مشکوک، واحد اور محدود نہ ہو جائیں کسی حکم کی تعمیل کرنا محال ہے، جب تک آقا کا صحیح عندیہ معلوم نہ ہو غلام کی تعمیل بے معنی ہے: وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ † (۱۶:۴۴)۔ 'المعروف' اور 'المنکر' کے صحیح مفہوم کے متعلق اسی تبیین کی سعی میں نے اس تحت المتن میں کی ہے اور میرا یقین ہو چکا ہے کہ جہاں جہاں ان الفاظ کا استعمال قرآن کریم میں ہوا ہے وہاں الٰہی مقصود یہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ بہرنوع یہ تمام بحث و تمحیص اس دعوے کا مزید اور حتمی ثبوت ہے کہ قرآن حکیم اپنی اصطلاحات کی تبیین میں تمام انسانی لغات سے بے نیاز ہے، نہیں بلکہ لغت اسکے مطالب کی تشریح کیلئے اکثر اوقات گمراہ کن ہے کیونکہ تغیر پذیر ہے اور لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۝ (۶:۱۱۶) صفحہ ۹۲-۹۳ کے تحت میں نہیں آسکتی۔

---

† مطالب کے لیئے دیکھو اصل کتاب صفحہ ۵۹۔

Marfat.com

شاداب اور سرسبز ملکوں کی بادشاہت مومنوں کے لیئے اپنے پاس بطور امانت رکھ لی تھی!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○ (۸: ۲۹)

اے ایمان والو! اگر تم خدا کا سچا خوف کرکے (متحد بنے) رہوگے تو وہ تمہارے لیئے ایک امتیاز پیدا کردے گا، تمہاری سب اجتماعی واماندگیوں اور دنیاوی خستہ حالیوں کو تم سے دور کردے گا، تمہاری پشتینی غفلتوں سے چشم پوشی کرے گا، اور خدا تو فی الحقیقت بڑا فضل کرنیوالا ہی بشرطیکہ بندے اُسکے حکموں پر چلیں۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ○ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ○ (۱۶: ۱۲۷-۱۲۸)

اور اے پیغمبر! مخالفوں کی ایذاؤں کو صبر اور استقلال سے برداشت کرو۔ جہاں تمہیں تکالیف خدا کی وجہ پونہچ رہی ہیں، وہاں تمہارا تحمل بھی خدا ہی کی وجہ سے ہوگا (ورنہ یہ لوگ فی الحقیقت صبر کے اہل نہیں)۔ لیکن انکے سلوک کو دیکھکر غم بھی نہ کھاؤ اور جو چالبازیاں یہ تمہارے برخلاف کررہے ہیں اس سے دل تنگ بھی نہ ہوجاؤ، بلکہ استقلال سے اپنے اصولوں پر جمے رہو، کیونکہ تقویٰ کا صحیح مفہوم یہی ہے۔ اللہ بیشک اُنہیں کا ساتھ دیتا ہے جو مقام خدا کا سچا خوف دل میں رکھکر اُسکی لڑائیاں استقلال سے لڑتے ہیں، اور جو اجتماعی بہبودی کو پیش نظر رکھکر حُسن عمل کرتے ہیں (هُم مُّحْسِنُونَ ○ دیکھو حَسَنَاتِ کا مفہوم تحت المتن صفحہ ۱۳۰۔ الیٰ آخرہ)

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ○ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

---

† 'يُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ' کے الفاظ کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۱۳۱ کے تحت المتن میں ہوچکی ہے جہاں پر عیاں کردیا ہے کہ اس جملے سے صاحب القرآن تعالیٰ کی مراد اجتماعی اور دنیاوی بدحالیوں، اور قومی واماندگیوں کا دور کرنا ہے۔ 'يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا' کے الفاظ سے ان مطالب کی اور بھی تائید و تصدیق ہوتی ہے کیونکہ 'فُرْقَان' یعنی امتیاز باقی اقوام عالم کے بالمقابل، اور دنیاوی حیثیت ہی سے ہوسکتا ہے ورنہ بے معنی ہے، اور اگر یہ امتیاز روز قیامت ہی کو عیاں ہونا جیساکہ آجکل کے نابکار مسلمانوں نے فرض کرلیا ہے تو 'يَغْفِرْ لَكُمْ' کے الفاظ اس مطلب کو ادا کرنے کے لیئے بالکل کافی تھے۔ یہ بات 'وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ' سے بھی ظاہر ہے کیونکہ جیسا آگے چلکر ثابت کیا جائے گا 'فَضْل' کے معنی اردوئے قرآن دنیاوی افضال ہی کے ہیں۔

‡ ان آیات الٰہی سے ظاہر ہے کہ 'صَبْر' یعنی مصائب و نوائب کا استقلال سے مقابلہ کرنا "اتقائے الٰہی" کی ایک اہم شق ہے یہی بات آیۂ (۱۶: ۱۲۸) سے ظاہر ہے جو مقدمۂ کتاب میں صفحہ ۳۹ پر آچکی ہے۔

Marfat.com

فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ۝ (۳: ۱۹۵-۱۹۷)

اے پیغمبرؐ! دشمنانِ خدا کا اِن تمہارے شہروں میں چلنا پھرنا، اور ایمان والوں کے بالمقابل دنیا میں آرام و آسایش سے رہنا تمہیں کہیں مغالطے میں نہ ڈال دے۔ یہ سب ایک قلیل فائدہ، اور چند روزہ مہلت ہی جو انکو دیجا رہی ہے۔ پھر دیکھ لینا اِن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہی۔ لیکن جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا سچا خوف کیا ہم نکے استقلال اور استقامت، اُنکے صبر و اتحاد کے بدلے میں اُنکو ایسے خوشنما باغوں میں داخل کرینگے جنکے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ اسمیں ایک مدت مدید تک رہینگے۔ یہ تو انکی مہمانی اللہ کی طرف سے اِس دنیا میں ہوگی، اور جو کچھ حُسن عمل کرنیوالوں کے لیئے اللہ کے پاس رکھا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے۔

---

† اِن آیات میں بعض باتیں نہایت غور طلب ہیں:-

اولاً۔ یہاں پر 'کفر' اور 'اتقا' کا باہم مقابلہ کیا گیا ہے۔ 'کافر' اقوام کی دنیوی آسایش اور بہجت کو 'مَتَاعٌ قَلِيلٌ' کہا گیا ہی، اور مراد یہ ہے کہ ایک اقل قلیل مدت کے اندر ہر 'کافر' قوم سے دنیاوی نعمتوں کا چھینا جانا اٹل ہے، اور بعد ازاں اِس دنیا کے اندر شکست و ریخت ابدالآباد تک انکا حصہ ہی (ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ)۔ 'کافر' قوم کے دنیاوی عذاب اور اجتماعی ہلاکت کے متعلق مقدمہ کتاب کے آخری حصے (صفحہ ۹۶) میں قرآن حکیم کا محاکمہ پیش کر دیا تھا، اور وہ یہ تھا کہ ہر 'کافر' قوم کی اجتماعی ہلاکت قطعی ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے 'مَتَاعٌ قَلِيلٌ' کا متذکرۂ بالا مفہوم عیاں ہے۔ اکثر لوگوں نے 'مَتَاعٌ قَلِيلٌ' کا مفہوم یہ سمجھ لیا ہے کہ کافر اقوام کو جو دنیاوی نعمتیں مل رہی ہیں وہ اُنکو دنیا کی اس چند روزہ زندگی کیلئے ملتی ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ بدستور ملتی رہیں گی، پھر مرنیکے بعد یا قیامت کے دن اُنکو جہنم میں ڈالا جائیگا۔ وغیرہ وغیرہ، یہ سب فلسفہ نہایت لچر اور ناپاک ہی۔ سوال یہ ہی کہ جب خدا اُن سے ناراض ہی تو دنیا کی چند روزہ نعمتیں بھی کیوں اُنکو ملیں، یہیں سے عذاب کیوں نہ شروع ہو جائے اور آخر دم تک ملتا رہے۔ کیا یہ بات (معاذ اللہ) خدا کے بس کی نہیں رہی کہ وہ اِس دنیا کے اندر اُن سے نعمتیں چھین سکے۔ اور سزا آخرت کے واقع ہونیسے پہلے نہ دے سکے۔ قرآن حکیم کی تمام حکمت اِس نارواتخیل کے سراسر برخلاف ہی۔ اور اِس تخیل کا اُمت حاضرہ میں رواج پا جانا بھی درحقیقت 'کافر' اور 'کفر' کے صحیح مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی۔ خود اَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (۳: ۱۳۹) صفحہ ۷ کا مضمون 'کافر' قوم کی دنیاوی خوشحالی کے حتماً نقیض ہے اور صاف اِس امر کا دعویدار ہے کہ مومن قوم ہی کی دنیوی فلاح قطعی ہے۔ یہی بات فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝ (۵: ۵۶) صفحہ ۱۰۷ سے ظاہر ہے، اور اگر قرآن حکیم اختلاف کے انسانی عیب سے قطعاً مبرا ہے تو دنیاوی خوشحالی کسی 'کافر' قوم کے شامل حال حتماً نہیں ہو سکتی۔ جو بات آیات زیر بحث (یعنی (۳: ۱۹۵-۱۹۶)) میں کہی گئی ہے یہ ہی کہ منکرین خدا کی ظاہری خوش حالی، اُن کا تغلب اور تمکن فی الارض ایمان والوں کو دھوکہ نہ دے، اُن کو متعجب نہ کردے کہ خدا کی طرف سے ان کو انعام کیوں مل رہے ہیں، دراصل اُنکو انعام مل نہیں رہے بلکہ رفتہ رفتہ اُن سے چھینے جا رہے ہیں۔ جو تغلب یا تمکن اُن کو اپنے آبا و اجداد کیطرف سے وراثۃً ملا ہے وہ ایک متاع قلیل ہی۔ ایک اقل قلیل مدت میں اُنکے نااہل اور بے ایمان ہو جانے کے باعث چھین لیا جائے گا گویا نمتہائے الٰہی کے چھینے جانے کی تیاری ہو رہی ہے اور ہلاکت اُن کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ پھر جب عذاب الٰہی آ پہونچے گا تو اُن کا ٹھکانا جہنم ہے! (ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ)۔

ثانیاً آیات زیر بحث (۳: ۱۹۵) میں 'کافر' قوم کی متاع قلیل کے بالمقابل 'متقی' قوم کی دائمی آسایش کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بتلایا ہے کہ جہاں 'کافر' قوم کی دنیوی طاقت روز بروز زوال پر ہے اور کوئی دن جاتا ہے کہ وہ صفحۂ زمین سے نیست و نابود ہو جائے وہاں 'متقی' قوم کا یہ حال ہے کہ سرسبز زمینوں کی بادشاہت اُن کا حصہ ہے (لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ)، وہ ان زمینوں کے مالک سدا سدا کو رہیں گے

Marfat.com

آہ! یہ کیا **فرقانِ عظیم** تھا؟ یہ کیا ممیّز مقام تھا؟ یہ کیا نہروں والے باغوں کی دائمی بادشاہت تھی جو دربار رب العٰلمین سے تقویٰ کے صلے میں مہمانیٔ خدا بنکر نازل ہونی تھی اور جلد تر ہوئی! کیا یہ 'تقویٰ' کیا یہی تقویٰ جو آج ہماری مسخ مصطلحات، غلط محاورات، اور تحریف شدہ مطالب کے رو سے تسبیح کے دانوں کا دیوانہ وار مرتعش انگلیوں کے درمیان سے سرکاتے رہنا، لمبے لمبے جُبّے، بڑے بڑے عمامے اور رنگ دار داڑھیاں بنا بنا کر اسلام کُش اور تفرقہ انگیز اعمال کرنا، خلقِ خدا کی آنکھوں میں دُھول ڈالکر پرہیزگار بنے رہنا، یا شبانہ روز بے روح و اثر سجدوں سے ماتھے کو زمین پر ٹھکرا کر، دنیا و ما فیہا سے الگ تھلگ رہنے، اور اللہ کی عزیز القدر نعمتوں پر نہایت بیدردی اور اصرار سے لات مارنے کا مترادف ہے: یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ[۱] (۱۶: ۸۳)، کیا یہی تقویٰ وہ خوفناک اسلحہ تھا

---

[۱] یہ لوگ خدا کی نعمتوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں پھر تجاہل عارفانہ کرکے اُن سے مُکرتے ہیں اور اُن میں سے اکثر ان نعمتوں ہی کے منکر نہیں، بلکہ درحقیقت خدا کے منکر ہیں۔ (گویا ازروئے قرآن خدا کی دنیوی نعمتوں کی بیقدری کرنی کفر ہے۔ 'نعمت' کا قرآنی مفہوم آگے چلکر اسی مجلد میں واضح کردیا جائے گا)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵۳) (خٰلِدِيْنَ فِيْهَا)۔ گویا جبتک قرآنی اصطلاح میں مُتقی رہینگے دنیوی تغلب اُن کے حصے میں رہیگا!

'اتقا' کی مکمل تشریح ابھی تک نہیں ہوئی، اِسکے لیئے ابھی بہت وقت درکار ہے مگر جو کچھ ابتک حاصل ہوا ہے یہ ہے کہ ازروئے قرآن (۱) مصائب کا استقلال سے مقابلہ کرنا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۳۹۔ آیت (۷: ۱۲۸) اور صفحہ ۱۵۲۔ آیات (۱۶: ۱۲۷-۱۲۸)) (۲) 'اُمّتِ واحدہ' بنے رہنا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۴۹۔ آیت (۲۳: ۵۲))، (۳) "قَوْمًا لُّدًّا" نہ بننا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۷۹۔ آیت (۱۹: ۹۷))، (۴) اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ، اور لَا تَفَرَّقُوْا، کا مصداق بننا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۱۴۴۔ آیات (۳: ۱۰۱-۱۰۲))، (۵) 'اصْبِرُوْا' اور 'صَابِرُوْا' اور 'رَابِطُوْا' پر عمل کرنا 'اتقا' ہے (دیکھو صفحہ ۱۵۰۔ آیت (۳: ۱۹۹))۔ جس قوم میں یہ خاصیتیں موجود ہیں وہ ازروئے قرآن مُتقی ہے، اور ایسی مستقل مزاج، اولوالعزم، متحد، نافرقہ بند، اور صاحب اخوت قوم کا روئے زمین پر تسلط قطعی ہے۔ اِس مقام نظر سے ثابت ہے کہ زیر بحث آیت میں کافر قوم کا متقی قوم سے مقابلہ کرکے اِس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اوّل الذکر قوم کی دنیاوی نعمتیں محض چند روزہ ہیں، مگر مؤخر الذکر کے لیئے جنّاتِ زمین ہیں جنکے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہیں، وہ اُن میں جبتک متقی بنے رہیں گے، رہیں گے۔ یہ مہمانی اُن کی اِس روئے زمین پر خدا کے ہاں سے ہے (مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ) اور جو کچھ روزِ آخرت کو اِس بادشاہت زمین کے سوا خدا کے پاس (عِنْدَ اللّٰهِ) ملیگا، وہ اس سے بدرجہا بہتر (خَيْرٌ) ہے۔

'نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ' کے الفاظ کے بعد 'وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ' کہنا، اور بعد ازاں مقابلے کے لیئے 'خَيْرٌ' کا لفظ استعمال کرنا صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ سے مراد بادشاہت زمین ہی ہے اسکے ماسوا حتماً کچھ نہیں، اور 'وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ' کا مفہوم 'الجنّۃ' کی آسائش ہے جو آخرت میں ملیگا، اور جو بادشاہت زمین کی نعمت سے بدرجہا بہتر نعمت ہے۔ 'خٰلِدِيْنَ فِيْهَا' سے شارحین قرآن نے مراد ابد تک بہرہ مند ہونا لیا ہے۔ لیکن خلود کے معنی ایک مدت مدید تک رہنے کے ہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ 'مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ' اور 'مَا عِنْدَ اللّٰهِ' کا تقابل صفحہ ۱۲۲ کی آیت (۱۳: ۱۹۴) میں گذر چکا ہے، اور وہاں بھی 'تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ' کے الفاظ موجود ہیں۔ یہ دونوں آیات الٰہی جنّات کے متذکرۂ صدر معانی کی زبردست دلیلیں ہیں۔

جس کی آسماں دوز زد اور زمیں پاش ٹکر سے قرنوں کی مستحکم اور مقیم سلطنتوں کی بنیادیں ہل جاتی تھیں؛ جس کی آہنیں ضرب سے رومۃ الکبریٰ اور فارس کے بلند نشینانِ عیش و عشرت کے تخت ہلنے، اور تاج ڈگمگانے لگتے تھے! جسکے قلعہ شکن اور حوصلہ کش گھمسان کے باعث قوی سے قوی دشمن کے حواس باختہ، اور روحیں فنا ہو جاتی تھیں! جس کی خانہ برباد طاقت اور تباہ کن قوت کا راز، دشمن سے قطع نظر، آج خود ہمارے لیئے تازیانۂ عبرت ہے:

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ۗ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ ۝ (۵۹ : ۲)

وہ خدا ہی تو تھا جسنے اپنے بہادر اور ثابت قدم مومنوں کے ذریعے سے منکرِ خدا اہل کتاب کو اُن کے گھروں سے پہلی بھاگڑ بنا کر نکال دیا! اے ایمان والو! تمہیں اپنی قوت کا صحیح اندازہ نہ ہونے کے باعث گمان بھی نہ تھا کہ یہ لوگ اپنے گھروں سے نکل جائیں گے، وہ اس خیال میں مست تھے کہ اُنکے قلعے اُن کو خدا کی پکڑ سے بچا لیں گے، مگر اللہ کے لشکر نے انکو اُدھر سے دھر پکڑا جدھر سے اُن کو وہم و گمان بھی نہ تھا، اور اُن کے دلوں میں ایمان والوں کی ہیبت بٹھا دی! اب وہ اِن گھروں کو اپنے ہاتھوں اور ایمان والوں کے ہاتھوں سے اُجاڑ رہے ہیں، تو اے بصیرت والو! اِس واقعہ سے عبرت پکڑو کہ ایمان کیا کچھ کر سکتا ہے!

کیا یہ اللہ کا محبت آمیز **ڈر**، کیا یہ اُس سب سے بڑے سپہ سالارؐ کا **ہَولِ** مرتبت، کیا یہ اُس قائدِ اعظمؐ کا عشق انگیز **خوف**، کیا یہ اُس دلق پوش پیغمبرؐ کا **رُعبِ** رسالت، یورپ کی حصن پاش توپوں اور رومۃ الکبریٰ کی قلعہ نشین فوج کی منجنیقوں سے بدرجہا مُہیب اور مُہلک تر **ہتیار** نہ تھا جس نے صدرِ اسلام کے مُتقی مومنوں کو اِنہی شکستہ نیزوں اور کُند تلواروں کے ذریعے سے روئے زمین کے شاداب تر مُلکوں کا وارث بنا دیا تھا!

وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَیْكَ ؕ قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ † وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

† یہاں صاف ظاہر ہے کہ 'متقی' قوم کی دنیا بھی درست ہے اور آخرت بھی بغیر گندیگی۔ پس دنیاوی خوشحالی کا ہونا اور فضائے آلہی سے فیضیاب ہونے کی اہلیت رکھنا ہی 'اتقائے خدا' کی علامت ہے، لیکن یہ بحث پانچویں مجلد سے پہلے نہو سکیگی: 'اشاء' کے متذکرۂ صدر معانی کا ثبوت فلسفۂ عمل میں آئے گا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (۷: ۱۵۶)

اور اُنھوں نے کہا کہ اے پروردگار عالم! تو اِس دنیا کی بہتری اور آخرت کی فلاح ہمارے نام لکھدے کیونکہ ہم سب سے الگ ہوکر تیری ہی طرف آگئے ہیں، تو اللہ نے فرمایا کہ ہم اپنا عذاب تو اُسی پر نازل کرتے ہیں جسکو ہم بہمہ وجوہ مستوجب سزا قرار دیتے ہیں (مَنْ اَشَآءُ)، لیکن ہماری رحمت تمام عالم پر حاوی ہے تو ہم بہبودی دنیا اور فلاح آخرت عنقریب اُن لوگوں کے نام پر لکھدینگے جو ہم سے سچے طور پر ڈرتے ہیں، جو ہمارا بول بالا کرنے کی غرض سے قربانی مال کرتے ہیں، اور جو ہمارے احکام کے نفع مند ہونے پر ایمان رکھکر اُن پر عمل کرتے ہیں (يُؤْمِنُوْنَ)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (۵: ۳۵)

اے ایمان والو! مقامِ خدا سے ڈرتے رہا کرو، اور پسندیدۂ خدا کاموں کے وسیلے سے اُس سے قرب حاصل کرنے کی سعی کرو۔ اور اسکی حمایت میں جانیں لڑادو تاکہ تم آخر کار اس دنیا میں کامیابی اور آگے چلکر فلاح حاصل کرو (لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ)۔

---

† جس حیرت انگیز نادانی بلکہ تجاہل عارفانہ سے بعض ناعاقبت اندیش اور فرقہ بند مسلمانوں نے اِس آیت الٰہی کے مطالب میں قصداً تحریف کرکے "ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ" کے الفاظ کو اپنے اپنے انسانی کارفرماؤں اور پیروں کی تلاش، اور اُنکے توسل سے "قرب خدا" حاصل کرنے پر محمول کیا ہے، اور جس ظاہری سکوت اور باطنی اطمینان سے پیر حضرات نے بھی اس آیت کو اپنی طرف منسوب دیکھکر دنیائے اسلام کی صدر نشینی خود بخود قبول کرلی ہے، اُس سے کم از کم یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاں مسلمانانِ عالم نے قرآن حکیم کے الفاظ کی حفاظت میں اس شدومد سے حصہ لیا کہ باقی دنیا انکے اِس کارنامے پر ہمیشہ رشک کرتی رہے گی، وہاں کتاب الٰہی کے مطالب کی حفاظت کی طرف سے کامل بے اعتنائی اور بے حسی اختیار کرکے دین اسلام کی روح کو نہایت سرعت سے فنا کر رہے ہیں۔ اب ہر شخص جس آیت کا جو مطلب چاہتا ہے بنالیتا ہے، اور الفاظ کے مطالب کو کھینچ تان کر اُسکے زیر سایہ ایک نہایت آباد اور پررونق دکان سجالیتا ہے۔ آج تاویل کے محشرستان مکر و فساد میں کسی ایک آیت الٰہی کے معانی کی تعیین مشکل ہوگئی ہے، ہر شخص اپنے اپنے ٹکڑے اور من مانی تاویل کو ہاتھ میں لیئے ہوئے تفریق و انتشار کے عدم آباد کی طرف نہایت شوق سے جارہا ہے، اور خدا سے قطعاً نہیں ڈرتا کہ جن مطالب کی نشر و تبلیغ وہ نہایت تن دہی سے کر رہا ہے، اور جس "خدمت اسلام" کے برتے پر وہ نجات آخرت کا امیدوار ہے اس خدمت اور مطلب کی کوئی خدائی سند بھی ہے۔ آج یہی آیہ "وَسِيْلَةَ" (۵: ۳۵) پیر پرستی کی سند میں ہر موقع پر اس تیقن اور التزام کے ساتھ پیش کردی جاتی ہے، قرآن سے دن رات سروکار رکھنے والے مسلمان اور پیروں کے پڑھائے ہوئے مرید خدا تک پونہچنے کے لیئے پیروں کے توسل کو اسقدر ناگزیر سمجھتے ہیں کہ اُن کے طرز استدلال اور تعقل، اُن کی قرآن فہمی اور تدبر کو دیکھکر عقل کانپ اُٹھتی ہے۔ لیکن یہ خدا کے اِس آخری کلام کا زندہ معجزہ ہے کہ جس جس آیت کے مطالب مسلمانوں نے اپنا مطلب نباہنے کیلئے محرّف کر لیئے ہیں اسکی تغلیط کا پورا سامان خود قرآن کے اندر حیرت انگیز استقلال کے ساتھ موجود ہے۔ قرآن حکیم کا ہر حصہ اپنے مطالب کا آپ محافظ ہے، اُسکو کسی مفسر یا شارح کسی من مانی لغت یا دل سے بنائی ہوئی حدیث کی حاجت نہیں۔ آیہ وَسِيْلَةَ کے اِن ناروا معانی کا پورا رد سورۂ بنی اسرائیل کے اندر موجود ہے اور یہ رد اِس درجہ مسکت ہے کہ کسی بڑے سے بڑے پیر پرست کو اسکے آگے دم مارنے کی مجال نہیں۔ بشرطیکہ ذہن کو کام میں لانے کی توفیق اُسکو ازلی

Marfat.com

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ (۹:۱۳)

اے ایمان والو! تم اُن لوگوں سے دل کھولکر کیوں نہ لڑو جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا، اور رسول خدا کو وطن بدر کر دینے کا ارادہ کیا، اور ایذا دینے میں پہل بھی انہوں نے کی۔ کیا تم اِن لوگوں کی طاقت اور تعداد سے ڈرتے ہو؟ پس اگر تم میں ایمان موجود ہے تو خدا ان سے کہیں بڑھکر حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۵۶) ہوجائے! انسان کے **انسان** کی عبادت کرنیکے متعلق کتاب خدا کا محاکمہ ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّن دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ○ (۱۷:۵۶-۵۷)

اے محمدؐ! اِن لوگوں سے کہہ دو کہ خدا کو چھوڑکر تم نے جن انسانوں (الَّذِينَ) کو اپنے زعم میں اپنا کارساز سمجھ رکھا ہے، (جن کو تم خدا کے ساتھ ساتھ طاقتور اور مشکلکشا سمجھ بیٹھے ہو) ان کو پکار دیکھو تو تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ یہ لوگ نہ تم سے تکلیف کو دور کر سکینگے اور نہ اُسکو بدل ہی سکیں گے۔ یہ شخص جنکو نادان لوگ حاجت روا سمجھکر پکارتے ہیں، (اور جنھے اپنے مشکلکشا اور سفارشی بننے کی آس لگائے بیٹھے ہیں) خود اِس قدر محتاج ہیں کہ ان میں سے خدا کے بڑے مقرب بھی (أَيُّهُمْ أَقْرَبُ) اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنیکے وسیلے ڈھونڈتے رہتے ہیں (يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ)، اُس کی رحمت کے ہردم چشم براہ، اور اُسکی سزا سے ہر آن خوفزدہ رہتے ہیں (تو وہ پھر مشکلکشا اور سفارشی آپ کیسے بن سکتے ہیں)، اور لوگو! خدا کا عذاب وہ شے ہے جس سے ڈرنے کے سوا کسی کو چارا نہیں۔

یہاں پر انسان کو انسان کی عبادت، اور ملازمت اختیار کرنیسے منع کیا ہے، اور بصراحت تمام اِس بات پر زور دیا ہے کہ خدا اور انسان کے درمیان بڑے سے بڑا انسان اور معزز سے معزز بشر بھی حاجت روائی کا وسیلہ یا نجات کا ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُن میں سے جو سب سے زیادہ مقرب بارگاہ ہے وہ بھی اُس صاحب کبریا و جبروت کے سامنے اس قدر عاجز اور بے بس ہے کہ اسکو اپنا ہی قرب اور تقرب برقرار رکھنے کے لیئے وسائل ڈھونڈنے سے فرصت نہیں ملتی، پھر وہ کسی غیر کی سفارش یا مشکلکشائی کیا کر سکیگا۔ گویا جب بڑے سے بڑا نبیؑ بھی اپنی ہی نجات کے فکر میں ہے، اور اُسکے لیئے شب و روز سعی کر رہا ہے تو پھر کسی خودساختہ "پیر طریقت" یا "ولی" کی کیا مجال ہے کہ کارسازی کر سکے۔ جب اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی انسان کسی انسان کا "وسیلہ" نہیں بن سکتا، اور بڑے سے بڑا انسان حتیٰ کہ نبیؐ بھی اپنی نجات کا "وسیلہ" ڈھونڈتا ہی تو "يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ"، کے "الْوَسِيلَةَ" کا مفہوم لامحالہ پیر پرستی کے علاوہ کوئی اور شے ہے جو انبیاء، جیسے مقرب بارگاہ انسان بھی تلاش کرتے ہیں، اور وہ شئے سعی و عمل کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے "اَقْرَبُ" بارگاہِ الٰہ ہونیمیں کسی ایک مسلمان کو اعتراض نہیں ہوگا، اور یہ بھی مُسلّم ہے کہ آپنے اپنی زندگی میں کوئی پیر نہیں پکڑا تھا بلکہ تمام عمر سعی و عمل کرتے کرتے انتقال کر گئے۔ یہی بات آیت زیر بحث کے سیاق سے ظاہر ہے جہاں "اِبْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ"، کے متابعد "وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ" کہا گیا ہے جسکے واحد معنی یہی ہیں کہ خدا کی راہ میں اپنا جان، مال، آرام، گھربار سب کچھ بیدریغ ایک سپاہی کو بادشاہ کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنیکے لیئے بعینہٖ یہی سعی و عمل ضروری ہے نہ یہ کہ بادشاہ کی لڑائیاں لڑنے سے انکار کرے اور تمغے حاصل کرنے یا کرسی نشین بننے کے لیئے دوسروں کی سفارش کا طلبگار بنے۔ خدائے زمین و آسمان کی حکومت اہل فرنگ کی حکومت کی طرح (معاذاللہ) پوچ نہیں ہے کہ تمغے کسی کی سفارش پر بلاسعی و عمل ملجایا کریں۔ اِن آیات کا مضمون کپکپا دینے والا مضمون ہے۔ بشرطیکہ مسلمان غور کریں۔

۱۹۱

✤ یہاں "ایمان" کی شرط لاینفک قرار دی گئی ہے کہ انسان خدا کے سوا کسی کمتر ہستی سے خوفزدہ نہ ہو اور دشمن سے بیخوف و خطر قتال کرے۔

Marfat.com

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ (۹: ۴۴-۴۵)

اے پیغمبر! جو لوگ خدا پر ایمان لاتے ہیں اور روز آخرت کے محاسبے کا بھی اُنکو یقین ہے، وہ تو تم سے اِس بات کی رخصت مانگتے نہیں کہ اپنے مال و جان سے شریک جہاد ہوں اور اللہ تو سچے تقویٰ والوں کو خوب جانتا ہی۔ نہ شامل ہونیکے لیئے لنگ عذر پیش کرکے تم سے خواہانِ اجازت وہی لوگ ہوتے ہیں جو اللہ اور روز حساب کا یقین نہیں رکھتے۔ اُنکے دل شک میں پڑے ہیں، اور اسی شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (۱۰: ۶۲-۶۴)

---

* یہاں 'ایمان' کی شرط جہاد بالمال والانفس ہے، اور یہی شرط تقوی کی ہے (وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ)۔ گویا خدا جیسے حاکم اعلیٰ سے ڈرنے کے یہی معنی ہیں کہ اُسکی راہ میں جان و مال سے دریغ نہ کیا جائے۔ آج یہی شیوہ ہر ملازم کا اپنے مشاہرہ دہ آقا سے ہی۔ وہ اگر جانباز سپاہی اور سچا غلام ہے تو اپنے حاکم سے ڈر کر اور اُسکی حفاظت میں جان تک لڑا دے گا۔

** یہاں صاف ظاہر ہے کہ متقی قوم کو جہاں آخرت میں کچھ باک نہیں وہاں اسکی دنیا بھی درست ہے۔ کوئی قوم جسکی دنیا درست نہیں 'متقی' ہونے کی مصداق نہیں ہو سکتی، اور چونکہ اتقا کے معانی صاف ہو چکے اسلیئے جو قوم متحد ہو کر رہے گی، مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرے گی، 'صَابِرُوْا' اور 'رَابِطُوْا' پر عمل کرے گی، خوشنودی خدا حاصل کرنے کیلئے ابتغائے وسائل کرے گی، 'قَوْمًا لُدًّا' نہ بنے گی، اسکی دنیا بہر نوع اور لامحالہ اچھی ہی، اور وہی 'لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ' کی بشارت کی سچی اہل ہی، اُسکو یہاں پر بھی کسی دشمن کا ڈر نہیں اور آگے چلکر تو ابدالآباد تک امن ہے۔ ایسی قوم ہی 'اولیاء اللہ' ہونیکی صحیح مصداق ہی۔ وہ بیگماں خدا کی 'دوست' ہی اور خدا اسکا 'دوست' ہی کیونکہ یہاں پر بھی سب نعمتیں دے رہا ہے اور آگے چلکر بھی بے حساب دیگا۔

مسلمانوں نے نہ معلوم کس بنا پر 'اولیاء اللہ' کا خطاب اُن دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے فقراء اور پریشان مو اصحاب کو دیا ہی جو تمام عمر اپنے اعتکاف خانوں میں بند رہ کر خلق خدا سے بیزار رہے، جنہوں نے امت کو متحد کرنے میں کچھ سعی نہ کی، جنہوں نے خدا کی لڑائیاں لڑنے میں اپنی جان کو پیش نہ کیا، جنکو خدا نے حیاۃ دنیا میں کوئی بشارت نہ دی، جو خلق خدا کو متحد کرنے کی بجائے اُلٹا اپنے اپنے پیچھے لگا کر متخالف الآرا اور منتشر العمل کر گئے، جنکی تمامتر زندگیاں نہایت رنج و تعم اور ذل و مسکنت میں کٹیں۔ خدا کا 'دوست' وہی ہی جو اُسکی خاطر تکلیف اُٹھائے لیکن پھر دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مالک الملک خدا اُسکو اس تکلیف اٹھانیکے صلے میں سب سے بیخوف و خطر کر دے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ 'اولیائی' نہیں۔ اگرچہ ساری دنیا اُسکو 'ولی' کہکر پکارتی رہے! آج اگر سطح زمین کے طول و عرض میں خدا کا صحیح معنوں میں دوست کوئی ہے تو وہ بندۂ خدا جو اپنی جماعت کی بہتری کی خاطر تن بدن کو تکلیف میں ڈال رہا ہی، جو دشمن کی قوت سے خوفزدہ نہیں ہوتا، جو ماسوا سے قطع نظر کرکے خدا ہی سے ڈر رہا ہی، جو فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ (۹: ۱۳) پر عمل کرکے سب سے بیخوف و خطر ہو گیا ہی۔ اگر کسی خدا کے بندے میں یہ ڈر اور یہ نڈری، یہ تقوی اور یہ بیخوفی، یہ خوف خدا اور لاخوف ولاحزن ماسوا آچکا ہی تو وہ بلاشبہ 'ولی' ہے، وہ لاریب خدا کا دوست ہی۔ خواہ وہ چین کا رہنے والا ہو یا ہند کا۔ خدا کو اپنی دوستی میں کسی ملک یا مذہب کی کچھ تخصیص نہیں!

Marfat.com

لوگو! یاد رکھو کہ خدا کے سچے دوستوں کو نہ تو کسی قسم کا خوف ہے اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور مقامِ خدا سے ڈرتے رہے۔ انہیں اس دنیا میں بھی عافیت اور امن کی بشارت ہے، اور آخرت میں بھی فلاح ہے۔ خدا کے وعدوں میں ردّوبدل کا امکان ہرگز نہیں اور یہ فلاح دارین تو بڑی بھاری کامیابی ہے۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ○ (۱۴: ۱۴)

اور دشمن کے غارت ہوئے پیچھے ہم ضرور تم کو اسی سرزمین میں بسائینگے۔ یہ صلہ اُس شخص کا ہے جو میرے مقام و منصب سے ڈرتا رہا اور جس نے میرے عذاب سے بچنے کی سعی کی۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا خَيْرًا لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ †
وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ○ (۱۶: ۳۰)

اور اُن لوگوں سے جنہوں نے مقام خدا کا سچا احساس کیا پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے اپنے ہاں سے تمہاری اس خدمت کے عوض میں کیا دیا تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اچھے سے اچھا۔ جن لوگوں نے اچھی خدمت کی اور اپنے حُسنِ عمل سے خدا کو خوش کر دیا انکے لیے اس دنیا میں بھی بہتر سے بہتر نعمتیں ہیں اور آخرت کا گھر تو اس سے کہیں اچھا ہے اور تقویٰ کرنے والوں کا ٹھکانا تو بہرحال نہایت ہی اچھا ہے۔

قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَأَرْضُ
اللّٰهِ وَاسِعَةٌ * إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ (۳۹: ۱۰)

اے پیغمبر! ہماری طرف سے کہدو کہ اے ہمارے بندو! جو ہم پر ایمان لا چکے ہو، مقامِ خدا کا تقویٰ کرتے رہا کرو۔ جنہوں نے ہم سے ڈر کر ہماری حمایت میں جان و مال کی پروا نہ کی اُن کے لیے اس دنیا میں زمین کی بادشاہت کا بہترین اجر ہے۔ اور خدا کی زمین تو بڑی وسیع ہے۔ بیشک مصیبت برداشت کرنے والوں کو ان کا عوض بے حساب دیا جائے گا۔

---

† یہاں 'متقی' قوم کے لیے بادشاہت زمین کا انعام صاف ہے۔

* یہاں پھر صاف طور پر 'متقی' قوم کے لیے دنیا کے بہترین انعام وقف کر دینے کا وعدہ ہے۔

* یہاں پھر روئے زمین کی وسیع بادشاہت 'متقی' قوم کے لیے وقف ہے۔ اور صاف فرما دیا ہے کہ دنیاوی انعامات اسقدر بے حساب ہیں کہ تمام کرۂ زمین کی ملکیت اس میں شامل ہے (وَأَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ) یہی سچا حُسنِ عمل ہے (لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ) اور اللہ کا 'صالح عمل' کی بھی یہی تعریف ہے جس کی تلاش ہم کر رہے ہیں۔ حسنات کے تحت المتن صفحہ ۱۳۰ میں بھی 'أَحْسَنَ' سے یہی مراد ہے! (دیکھو آیہ (۱۶: ۷۰)) ضمناً اس آیت میں پھر بتلا دیا ہے کہ 'صبر' یعنی مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرنا، اتقائے خدا کی ایک اہم شق ہے (إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ)

Marfat.com

اِس اتحادِ عمل اور تزکیۂ اخلاق کا اصلی راز خدائے واحد کی **خالص** عبادت، اور **براہِ راست** عبودیت تھی۔ قرآن کی حیرت انگیز تعلیم، اور داعیٔ اسلام کی حیرت انگیز یقین آفریں صحبت نے خداوندِ عالم کا اپنے عاجز اور محتاج بندوں سے براہِ راست تعارف کرا کے عبد و معبود کے درمیان سے سب مشکوک حجاب دور کر دیئے تھے۔ رسولؐ خدا کی ناقابلِ انکار صداقت اور انکسارِ نفس نے بندے کا ہاتھ مالک ارض و سما کے مقتدر ہاتھ میں دے کر خود ایک بے تعلق اور پیغام دِہ بشر کی حیثیت قبول کر لی تھی۔ ذاتیات اور شخصیت کا مُہلک ایمان اور مضعفِ یقین عنصر اسلام کے خمیر میں قطعاً نابود تھا۔ توحید تمام اُمت کے اجماع کا نقطۂ وحدت بن گئی تھی۔ ہر فرد بشر کا معاملہ، بلا واسطت غیرے اور بلا مساہمتِ احدے، اُس معزِّ و مُذِل حقیقیؐ کے ساتھ وابستہ ہو گیا تھا جسکی قدرت اور عظمت کے صحیح اندازے نے ایک عالم کو کپکپا دیا تھا! نفع اور ضرر کے اسی بیمثال یقین نے سرزمین عرب میں **خوف** خدا کی مشترک لہر دوڑا دی تھی۔ اِسی خوف کے باعث باہمی عداوتیں مٹ گئیں، کینے اُچک لیے گئے، بھائی چارے کا سماں ہر طرف بندھ گیا تھا! انسان کی عزّت و تکریم اور اُسکے انعام و اکرام کا معیار بھی خدا کے نزدیک اُس کا تقوٰے ہی تھا:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (۴۹: ۱۳)، قلوب کے اندر ایک مشاہرہ وہ حاکم کی مانند اُسکے رعبِ مرتبت اور ہول جاہ کی بجلیاں، نفع و ضرر اور بیم و رجا کی لاانتہا تاروں کے ذریعے سے دوڑ گئیں۔ پھر وحدتِ مصیر کی کشش اتصال نے، اور یک منعی کے متحد القلوب خوف نے ہر مومن کے قلب میں مشترک عبودیت کی عصبیت، اور عالم آرا اخوت کا اعتصاب پیدا کر دیا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۴۹: ۱۰)؛ یہی وہ **عملی تقوٰی** اور وہ **مخلصانہ توحید** تھی جو

۱؎ اللہ کے نزدیک تم میں سے بڑی عزت والا اور مستحق فضل و کرم وہی ہے جو خدا سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ اور اللہ تو انسان کی قدر و قیمت کو بڑا جاننے والا، اور اُسکے حال و احوال سے بڑا باخبر ہے۔

۲؎ خدا پر ایمان رکھنے والے تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، پس تمہارا فرض ہے کہ اپنے دو بھائیوں کے درمیان مصالحت کراؤ اور خدا کی خفگی سے ڈرتے رہو اور اُسکا تقوٰی کرو کہ وہ تم پر مہربان ہو جائے۔

† یہاں پر ہر مصالحت اور مواخات کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے۔ جس قدر خوف رعیت کو حاکم اعلیٰ کا ہے اسیقدر اُسکے افراد متحد رہیں گے۔

Marfat.com

سالہاسال تک اسلام کو نئی طاقت اور نئی زندگی بخشتی رہی: قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (۳۹: ۱۱-۱۲)، قُلِ اللّٰہَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّہٗ دِیْنِیْ ۝ (۳۹: ۱۴)۔ اِسی تقویٰ کی پاداش عمل میں اللہ کی رحمتوں کے دریا اُمڈ جاتے تھے! یہی اتقاد و اتحادِ عمل اُس جلیل القدر ذات کی سچی عبادت اور اُسکی موجودگی اور وحدت کا زندہ اشتہار تھا! اِسی کی بے انتہا برکت سے نصرت حق اور فتح مبین ہر وقت شامل حال رہ کر اشاعتِ اسلام کا قطعی باعث ہوا کرتی تھیں: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ۝ (۱۱۰: ۱-۳)۔ اللہ کے یہ محکوم اور خالصتہً اُسی سے ڈرنے والے سپاہی، عقیدت کے سرفروشانہ جوش، مستعدی کی داعیٔ انقلاب اُمنگ، اور محبت کی مضطر امتحان وفا کے باعث صبر اور استقلال، توکل اور مردانگی کے عدیم النظیر پیکر

لہ اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہدو کہ مجکو تو خدا کے ہاں سے یہی حکم ملا ہے کہ میں تمام ارادت اور اخلاص (الدِّیْن)، تمام عقیدت اور اعمال (لِلّٰہِ) کو خالصتہً خدا ہی کیلئے وقف کر کے ہمہ تن اُسیکا غلام بنا رہوں (اَعْبُدَ اللّٰہَ)۔ اور مجھے یہی حکم ملا ہے کہ میں ہی سب سے پہلے اُسکو اپنا آقائے حقیقی تسلیم کروں، اور عملی طور پر اُسکی عبودیت میں رہوں (اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ)۔

۲ ان سے کہدو کہ میں اپنی تمام ارادت اور محبت کو اُسی کے لیئے خالص کر کے اُسکی غلامی کر رہا ہوں (اَعْبُدُ)۔

۳ اے پیغمبر! جب اللہ کی مدد آئے گی، اور دین اسلام کی فتح عظیم کا وقت آپہنچیگا، اور تو دیکھے گا کہ لوگ جوق در جوق دین خدا میں داخل ہو رہے ہیں، تو اُس وقت اپنے پروردگار کے شکر لانے میں سربسجود ہو جاؤ، اُسوقت اپنی جماعت کی اور اپنی گذشتہ تقصیروں کی معافی طلب کرو۔ کیوں کہ وہ فی الحقیقت بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے (اور ایسی مہربانیوں کے موقعے پر ہی اُس سے ایسی درخواستیں کرنی چاہئیں)۔

✤ یہاں 'اَعْبُدُ' کے معنی صاف ظاہر ہیں اور اس سے مقصود نماز پڑھنا قطعاً نہیں ہو سکتا۔ 'دِیْن' کے معنی قرآن کی اصطلاح میں 'طرز عمل' یا 'راہ عمل' کے ہیں۔ یہی معنی لفظ 'مذہب' کے ہیں۔ گویا 'اَعْبُدُ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ' کا مفہوم یہ ہے کہ اپنا تمام طریق عمل خالصتہً خدا کی منشا کے مطابق کر کے اُسکے غلام بنے رہو۔ ہر سچے ملازم (یعنی عبد) کا شیوہ بھی یہی ہے کہ وہ کوئی کام اپنی مرضی سے نہیں کرتا، اُسکی سب بھاگ دوڑ آقا کی مرضی پر منحصر ہے، وہ اپنی مشیت اور اپنی خواہشات کو مالک کے حکم کے بالمقابل فنا کر دیتا ہے۔ رہا اس امر کا تصفیہ کہ مالک نے میرے آسمان کی مشیت فی الواقع کیا ہے؟ یہ ایک بڑا دقیق سوال ہے اور اصل کتاب میں اسی کی ایک اہم شق پر بحث جاری ہے۔ بہرنوع ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہے کہ 'دِیْن' کے معنی کسی شخص کا مسلمان ہونا، یا نصرانی ہونا، یا یہودی ہونا نہیں بلکہ ہر غلام کا اپنے آقا کے حق میں طرز عمل ہی اُسکا دین ہے۔ والا مُخْلِصًا لَّہٗ دِیْنِیْ کے کچھ معنی نہیں بنتے یہی بات 'لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ ۝ (۱۰۹: ۶) سے ظاہر ہے۔ یعنی تمہیں تمہاری خدمت کا اجر ملیگا اور مجھے میرے کیئے کا۔" خدا کو مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ (۱: ۳) بھی اسلیئے کہا کہ وہ دن اعمال کی اجرتوں، اور خدمتوں کی مزدوریاں، ادا کرنے کا ہوگا (دین کے ان مطالب کی حقیقت کے لیئے دیکھو دیباچہ کتاب صفحہ ۷)۔

✤ اس سورۃ کے صحیح معانی کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایک دفعہ سوال کیا گیا تھا۔ میرے مربوط اور ناقابل انکار معانی لکھدیئے ہیں۔ خدا کی نصرت قطعاً کسی قوم کے شامل حال نہیں ہوتی جبتک کے اسکی سعی و عمل خدا کو فی الواقع خوش نہ کردے۔ یہی وقت فی الحقیقت کسی حاکم سے عنایت مانگنے کا بھی ہے۔ اِسیوقت اسکی رحمت کا دریا جوش میں آتا ہے اور وہ بسا اوقات علی الحساب دے دیتا ہے۔

Marfat.com

بن گئے تھے ؛ انکی قوت و استحکام کا راز دروں اُنکے متحد اور متفق قلوب میں مضمر تھا ؛ نیتوں کی یگانگت، اور تہذیب نفس کے التیام آفریں اثر نے اُن کے اعمال میں ناقابل یقین ضبط، اور افعال میں طبعی یکسانیت پیدا کر دی تھی ؛ بڑے بڑے مقتدر اور جری عساکر جو مدت مدید کی تیاری اور صرف کثیر کے بعد اُن کے مقابل کھڑے ہوتے تھے، انکے ضابطۂ عمل، انکی پیش بندی اور اہتمام، اُنکے نظم و نسق، اور خوف قانون خدا، انکی مشق تحمل اور ستم برداری پر دنگ رہ جاتے تھے : یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۸:۵۹)؛ لالچ اور بددلی، ہراس موت اور قنوط، تشتت اور جمود کے اُن زر خرید اور بے مولا، اُن ناآشنائے پایانِ عمل اور کرایہ پر لیئے ہوئے

لہ اے ایمان والو! قانونِ خدا سے ڈرتے رہا کرو اور تمہیں چاہیئے کہ ہر شخص اس بات پر نظر کرتا رہے کہ اُس نے آنے والے کل کے لیئے کیا تیاری کی ہے اور آیندہ مصائب کے لیئے کیا حفظِ نفس اور پیش بندی کی ہے۔ اور قانونِ خدا سے مکرر ڈرتے رہو۔ اللہ جو کچھ سعی و عمل کر رہے ہو اُس سے بخوبی واقف ہے۔

✤ اس آیت الٰہی میں پیش از وقت تیاری اور دور اندیشی کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے اور دشمن کے بالمقابل حفظ نفس کو اسقدر اہم قرار دیا ہے کہ دو دفعہ "اتقوا اللہ" کے الفاظ ایک آیت کے اندر آئے ہیں۔ اس تکرار سے مقصود لامحالہ یہ ہے کہ خدا کا قانون اٹل اور واجب الخوف ہے، وہ اُسی قوم کو انعام کا مستحق قرار دیتا ہے جو بہر نوع اسکی اہل ہو، جسنے سعی و عمل سے اپنے آپ کو فتح و ظفر کا اہل ثابت کیا ہو، جس نے آنیوالے کل کے لیئے تیاری کی ہو (مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ) خدا کسی قوم کی کوئی بے جا رعایت مدنظر نہیں رکھتا، جس جس نے جتنا زاد راہ کل کے لیئے جمع کیا ہے، جسقدر تحفظ اُس نے آنے والی مصائب کے برخلاف اختیار کیا ہے، اُسیقدر اجر اُسکو لامحالہ مل رہیگا۔ یہی بات "اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ" سے ظاہر ہے گویا خدا عمل، اور صرف عمل کو چاہتا ہے اور اُسیکو دیکھکر فیصلے صادر کرتا ہے۔

نسیہ پسند اور آخرت کے شیدائی مسلمانوں نے "قَدَّمَتْ لِغَدٍ" کے معنی "روز قیامت کی تیاری" کے لیئے ہیں حالانکہ "غد" کے معنی کسی آنے والے کل کے ہیں، اور مزایہ ہے کہ اسپر ال تخصیصی بھی داخل نہیں کہ اسکے معنی خاص روز قیامت کے ہوں۔ جامع ترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ) ۲۸۹۲ھ میں حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم کَانَ لَا یَدَّخِرُ لِغَدٍ" یعنی "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کل کے لیئے کوئی ذخیرہ جمع نہ کرتے تھے"۔ روایت کی صحت یا عدم صحت سے بحث نہیں، صرف "لِغَدٍ" سے مطلب ہے جسکے معنی یہاں پر صاف آنیوالے کل کے ہیں روز قیامت کے نہیں ہیں۔ خود قرآن کریم میں چار موقعوں پر "غدًا" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور چاروں موقعے آنیوالے کل کے معنی میں ہیں۔ سورۂ یوسف میں یوسف علیہ السلام کے متعلق اُنکے بھائیوں کا قول ہے : اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (۱۲:۱۲)، یعنی "ہمارے ساتھ کل یوسف کو بھیجدو کہ کھائے پیئے اور کھیلے، اور ہم اسکی حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں"۔ سورۂ کہف میں ہے : وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ (۱۸:۲۳) یعنی "کسی شئے کی بابت یقینی طور پر مت کہو کہ میں اسکو ضرور بالضرور کل کرونگا"۔ سورۂ لقمان کے اخیر میں ہے : وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ (۳۱:۳۴) "اور کوئی متنفس نہیں جانتا کہ کل کیا کریگا"۔ علی ہذا القیاس سورۂ قمر میں قوم ثمود کی تباہی کے متعلق ہے : سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ۝ (۵۴:۲۶)، یعنی "یہ لوگ عنقریب کسی آنے والے کل کو دیکھ لیں گے کہ کون جھوٹا اور گستاخ ہے"۔ تعجب ہے کہ اس شہادت کے ہوتے ہوئے "غد" کے معنی کسطرح قیامت کے ہو سکتے ہیں، اور کس بیدردی سے مسلمان آیات خدا کو توڑ مروڑ کر تحریف معنوی کے مجرم بنتے ہیں۔

Marfat.com

سپاہیوں کی، اِن اللہ کے عاشق، بیقرار ابتلاؤ محن، نصرت حق اور وراثت زمین کے موعد، موت کے تشنہ و منتظر، دست بختِ گہوارۂ مہد، اور جنت خرید **غلامون** کے مقابلے میں کیا بساط تھی جو بروئے کار آتی، مومنوں کے فلک کشا حوصلے اور متحدہ دلوں کی کوہ شکن طاقتیں، دشمن کے جمِ غفیر کو پہلے ہی پیوندِ زمین کر دیتیں، ایمان کا جرأت افزا اثر معاً اُن کی قوتِ عمل کو چند در چند کر دیتا، اور ایک حیرت انگیز طریقے پر یہی ظاہراً کم سامان جماعت دشمن کا تہس نہس کر دیتی!

یارِ مردانِ خدا باش کہ در کشتیٔ نوحؑ
ہست خاکے کہ بہ آبے نخرد طوفاں را!

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ○ لَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِیْعًا اِلَّا فِیْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ ؕ تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰی ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ○ (۵۹: ۱۳-۱۴)

مسلمانو! تم اللہ پر ایمان رکھنے کے باعث ہی اِن منکرین خدا کے دلوں میں اشد شدید ہیبت بٹھلا رہے ہو، اور یہ محض اسلیئے ہے کہ یہ ایک ناسمجھ قوم ہے، جسکو ایمان کی قوت کا علم نہیں۔ اب تو اِنکی یہ حالت ہے کہ سارے کے سارے مِلکر بھی تم سے لڑنے کی تاب نہیں رکھتے مگر یہ کہ محفوظ بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ میں ہو کر لڑیں۔ بات یہ ہے کہ اُنکی آپس کی لڑائیاں اور باہمی عداوتیں سخت ہیں۔ بظاہر

✣ "قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ" اور "قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ" کے الفاظ یہاں پر نہایت قابل غور ہیں۔ گویا یہ منکرین خدا لوگ اِس بات کا تفقہ اور تعقل ہی نہیں کر سکتے کہ قانونِ خدا کیا ہے، وہ کن اقوام کو دنیا پر برسرِ اقتدار رکھتا ہے، کن کو سزائیں دیتا ہے۔ یہ لوگ آپس میں لڑ مر کر اپنی قوتوں کو ضائع کر رہے ہیں اور دشمن سامنے آتا ہے تو دُم دبا کر بھاگ جاتے ہیں! ان کو اتنی عقل ہی نہیں کہ سمجھیں کہ اتحاد اور ائتلاف قلوب میں کیا برکتیں ہیں، اور خدا کس طرح متحد القلوب قوم پر اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے۔ گویا اِن آیات میں رمزاً اور کنایۃً جتلا دیا ہے کہ بزدل، متفرق اور معاند ہونا کافر قوم کا خاصہ ہے۔ آج مسلمانانِ عالم خود "قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ" اور "قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ"، اور "تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰی" کے صحیح مصداق بنے ہوئے ہیں! دوسری قوموں نے اپنے افراد کے مابین اتحاد پیدا کر لیا ہے۔ مسلمان اُن کے خوف سے بھاگے بھاگے پھر رہے ہیں اور قلعوں کی اوٹ میں بیٹھکر بھی لڑ نہیں سکتے۔ ہر جگہ شکست و ریخت ہے، خوف و حزن ہے، رنج و ماتم ہے! "بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ"، اسقدر ہے کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ آہ لیکن خدا کوئی مسلمانوں ہی کا خدا نہیں وہ رب العالمین ہے اور ہر قوم کو اسکی سعی و عمل کے مطابق اجر دے رہا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ!

✣ "بَاْسُهُمْ بَیْنَهُمْ شَدِیْدٌ" کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تمہارے متعلق اُن کا خوف آپس میں بہت شدید ہے مگر اِس سے مطلب کافی طور پر مربوط نہیں ہوتا۔

تو انکو مجتمع اور متحد دیکھیگا لیکن اُنکے دل ایک دوسرے سے جُدا ہو چکے ہیں یہ اسلیئے کہ ان لوگوں میں سلیقۂ اتحاد نہیں، انہیں عقل نہیں۔ یہ متحد قلوب کو کیا جانیں۔ اور ایک نصب العین پر قائم ہونے کی قوت کو کیا سمجھیں۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (۴: ۱۰۴)

اے ایمان والو! دشمن قوم کی تسخیر و تعاقب میں نرم نہ پڑجاؤ، اگر لڑائی میں تم کو تکلیف پہونچ رہی ہے، تو جیسے تم کو پہونچتی ہے انکو بھی پہونچ رہی ہے، اور تم کو تو خدا سے وہ وہ امیدیں ہیں جو انکو ہرگز ہرگز نہیں۔ اور اللہ طرفین کے سب حالات سے اور قتال کی حکمت عملی سے خوب واقف ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ○ الْآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا ۚ فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ○ (۸: ۶۵-۶۶)

اے پیغمبر! ایمان والوں کو دشمنانِ خدا کے برخلاف لڑنے پر برانگیختہ کیا کرو۔ ایمان والوں کی قوت تو اسقدر زبردست ہے کہ اگر تم میں سے برداشت کرنے والے بیس مومن بھی ہوں تو وہ مخالف فریق کے دو سو نفر پر غالب رہیں گے، اور اگر تم میں سے ایسے سو ہوں تو کفار کے ہزار نفر پر غالب رہینگے، یہ اسلیئے کہ یہ قوم ایمان کی غلبہ افزا طاقت کو سمجھتی ہی نہیں۔ اِس وقت اللہ نے اپنے حکم کا بوجھ تم پر سے ہلکا کر دیا ہے، اور محسوس کیا ہے کہ ابھی تم میں کمزوری وسائل باقی ہے۔ تو اِس کمزوری کی حالت میں بھی تم میں سے ایک سو صابر ہونگے تو وہ دو سو دشمن نفر پر غالب رہیں گے، اور اگر ایک ہزار ہونگے تو وہ دو ہزار پر غالب رہیں گے، اور اللہ تو مستقل مزاج لوگوں ہی کا ساتھی ہے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ○ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ○ وَإِنَّ

---

* یہاں صبر کے مطالب اسقدر صاف ہو گئے ہیں کہ اسکے بعد کسی مزید تشریح کی حاجت نہیں رہتی۔ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ کے الفاظ یہاں پہرتے ہیں اور مقصود یہ ہے کہ یہ لوگ صبر کے غلبہ افزا نتائج کو نہیں سمجھتے۔ ان آیات میں صبر کو ایمان پر محمول کیا ہے: (حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ) گویا ایمان کی ایک شق صبر بھی ہے لیکن جو اہم نتیجہ ان آیات کے مطالعے سے نکلتا ہے یہ ہے کہ جو قوم اس دنیا کے اندر اپنے سے کم تعداد قوم سے پچھڑ رہی ہے اُسمیں شائبہ کفر ضرور ہے، انتہائی کفر یہ ہے کہ اپنے سے دس گنا تعداد سے شکست کھائے لیکن اگر اپنے سے نصف تعداد سے پچھڑے تو بھی کافر ہے۔ انتہائی ایمان یہ ہے کہ ایک مومن دس کو پچھاڑے لیکن اگر ضعف کی حالت میں دو کو بھی ہرا سکے تو ایمان کا کچھ نہ کچھ دعویدار ضرور رہتا ہے! گویا کفر کی ایک اہم شق ارذلِ قرآن بزدلی ہے، نامرادی ہے، میدان جنگ سے ہارنا ہے! لمبی داڑھیاں رکھنے یا شرعی پاجامے پہننے سے کوئی شخص خدا کے نزدیک کافر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس مطلب کے لیئے صفحہ ۱۶۳ کا تحت المتن بھی دیکھنا چاہیئے۔

Marfat.com

جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ† (۳۷ : ۱۷۱-۱۷۳)

اور لوگو ! ہمارے پیغامبر بندوں کے حق میں ہمارا پہلے ہی ارشاد ہو چکا ہے کہ ہمارے ان سے لڑنے والے اُنکو مدد دیجائے گی، اور بیشک ہمارے بندوں کی فوج ضرور غالب آکر رہے گی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ† ○ (۴۱ : ۳۰-۳۲)

بیشک جن لوگوں نے خدا کو اپنا آقا مان لیا اور پھر اُسپر تندہی اور استقلال سے جمے رہے، اُن پر ہماری رحمت کے علمبردار فرشتے نازل ہو کر اُن سے کہتے ہیں کہ اے خدا کے خالص بندو ! دنیا کے مصائب اور دشمن کے ہجوم کو دیکھکر کچھ اندیشہ مت کرو اور غم نہ کھاؤ بلکہ اپنے تحمل اور استقلال کے صلے میں بہشت کی، جسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، خوشیاں مناؤ۔ خدائے عزوجل فرماتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں ہم تمہارے مددگار ہیں اور آخرت میں بھی تمہارا ساتھ نہ چھوڑینگے۔ اور تمہارے لیئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ میں (فیہا) جو کچھ تمہارا جی چاہے گا ملیگا، اور جو کچھ بھی طلب کروگے حاضر کیا جائے گا۔ غفور و رحیم خدا کے ہاں سے یہ تمہاری مہمانی ہے۔

---

† ان آیات الٰہی اور بعد کی آیات سے صاف ظاہر ہے کہ دنیاوی تمکن اور ارضی تغلب کا ایمان والوں کے شامل حال ہونا قطعی ہے۔ اس موقع پر اگرچہ 'عِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ' کے الفاظ آئے ہیں مگر بعد کی آیتوں میں یہ قید اُٹھادی گئی ہے۔ 'مُرْسَلِیْنَ' کی نصرت سے بعض عافیت پسند اور کاہجور مسلمانوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ صرف پیغامبر ہی مظفر و منصور ہوا کرتے ہیں یا وہ مومن جو اُن کی معیت میں خدا کی لڑائیاں لڑتے ہیں۔ بعد کے 'مومنوں' کیلئے 'اَعْلَوْنَ' بنکر رہنے کی کوئی شرط نہیں، وہ صرف زبانی ایمان سے 'مومن' کے درجے تک پہونچ سکتے ہیں۔ یہ لچر اور ناپاک تاویل اسقدر مضحکہ انگیز ہے کہ اسکے لیئے کسی رد کی ضرورت نہیں۔ فتح و نصرت کا سلسلہ دنیا میں روز اوّل سے لگا ہے اور روز قیامت تک جاری رہیگا۔ کاہجور قومیں اسیطرح کے مکر بنا بناکر اپنے نفس کو دھوکہ دیتی ہیں۔ 'اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ' کا محاکمہ اسقدر صاف اور ناقابل تاویل ہے کہ اسکے بعد کسی مکر و حیا کی گنجایش نہیں رہتی۔ لیکن یہ بحث و تمحیص چوتھی اور پانچویں مجلد کے لیئے وقف کر دی گئی ہے۔

† ان آیات سے ظاہر ہے کہ ایمان والوں کی دنیا بھی درست ہے اور آخرت بھی۔ 'قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ' سے مراد صرف منہ سے کہنا نہیں بلکہ خدا کو فعل و عمل سے اپنا حاکم اعلےٰ ماننا، اور اسکے احکام کی نہایت تندہی سے تعمیل کرنا ہے۔ مَلٰٓئِكَة سے یہاں بحث نہیں مگر اسقدر ضرور ظاہر ہے کہ 'مَلٰٓئِكَة' خدائے عظیم کی وہ مخلوق ہے جو فتح و نصرت کا پروانہ اس دنیا میں لیکر پہونچتی ہے۔ جو قوم 'لَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ' کی مصداق ہے، جسکو اس دنیا میں قوت اور امن نصیب ہے، جو دشمن کے خوف و حزن سے نجات پا چکی ہے اس پر خدا کے ملائکہ کا نزول ہو رہا ہے۔ رہی یہ بات کہ کیونکر نزول ہو رہا ہے۔ اسکی تشریح میں ابھی دیر ہے۔ 'نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ' کے 'نزل' سے ظاہر ہے کہ فیہا کی ضمیر کا مرجع 'الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا' بھی ہے۔

Marfat.com

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ○ (۴۰ : ۵۱)

اے لوگو! بگوش دل سُن رکھو کہ ہم اپنے پیغامبروں، اور اُن لوگوں کی جو سچے دل سے ہمارے خدا ہونے پر ایمان لے آئے ہیں مدد کرتے ہیں، ان کو غلبہ عطا فرما کر رہتے ہیں؛ اور یوم قیامت کو بھی اُن کی تائید کرینگے۔

ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنجِ الْمُؤْمِنِينَ ○ (۱۰ : ۱۰۳)

اے لوگو! پھر جس دن ہمارے عذاب کا وعدہ آپہنچتا ہے تو ہم اپنے پیغامبروں، اور ایمان والوں کو عذاب کی شکست سے نجات دیتے ہیں۔ یہی ہمارا قانون ہے اور ہم نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ایمان والوں کو بہر نوع نجات دیں۔

فَانتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا ۖ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ○ (۳۰ : ۴۷)

پھر اے لوگو! ہم نے مجرموں کو شکست دیکر اُن سے بدلہ لیا، اور ایمان والوں کو مظفر و منصور کرنا تو ہم پر لازم تھا۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ○ (۴۱ : ۱۸)

اور پھر اے لوگو! ہم نے ایمان والوں کو غلبہ عطا فرمایا اور اُن لوگوں کو جو ہمارا سچا اتقا کیا کرتے تھے۔

ربّ الافواج اور عزیز و حکیم خدا نے **ایمان** کی اِسی مقلب العمل کیفیت، **اتحادِ قلوب** کی اِسی

✤ یہاں بصراحت تمام کہہ دیا ہے کہ 'رُسُل' کے سوا صاحب ایمان قوم کی دنیوی فلاح یقینی ہے۔

✤ یہاں پھر 'رُسُل' کے ساتھ ساتھ وَالَّذِينَ آمَنُوا بھی ہے۔ اور نجات کے مطالب صاف ہو گئے ہیں کہ اس سے مراد دنیاوی تمکن ہی ہے۔ نجات کو محض اُخروی نجات، سمجھنا آج ناکارہ مسلمانوں نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔

✤ یہاں 'رُسُل' کا خاص طور پر ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف 'ایمان والوں' کی نصرت کا حتمی وعدہ ہے بشرطیکہ وہ 'ایمان والے' ہوں۔ صفحہ ۱۲۰ آیات (۳ : ۱۳۹-۱۴۲) میں غزوۂ احد کی شکست کے بارے میں خدائے عظیم نے مسلمان، بھگوڑوں کو 'کافر' اور 'ظالم' کہا تھا۔ گویا اگر سب کے سب صاحب استقلال ہوتے تو یہ شکست نصیب نہ ہوتی۔ یہاں پر تاکیداً اسی مضمون کو دوسری عبارت میں دُہرایا ہے اور فرمایا ہے کہ جو قوم صاحب ایمان ہو اُسکو نصرت عطا کرنا ہمارے لیے لازم ہو چکا ہے۔ خدائے عظیم کی اپنے پر یہ پابندی از روئے عدل ہے نہ از روئے احسان و امتنان، جیسا کہ بے سعی و عمل مسلمانوں نے فرض کر لیا ہے، اور آج پے در پے شکستوں کو دیکھکر حیران ہیں کہ خدا کا وعدہ کیوں پورا نہیں ہوتا!

✤ صفحہ ۱۴۰ کے متن کی آیات میں ہم نے جستہ جستہ قرآن عظیم سے وہ موقعے پیش کر دیئے تھے جس میں 'متقی' اقوام کی دنیوی فلاح اور تمکن فی الارض کا قطعی وعدہ کیا گیا تھا۔ 'اتقا' کی بعض اہم شرطیں بیان کر دی تھیں۔ اِن آٹھ موقعوں پر جو کتاب کے متن میں پیش کر دیئے ہیں صرف اُیمان والوں کی دنیوی فلاح کا ذکر ہے، لیکن خاص اس آیت یعنی (۴۱ : ۱۸) میں 'ایمان' اور 'تقوٰی' دونوں کو یک جا کر کے 'متقی' اور 'مومن' قوم کی دنیوی نجات کا فیصلہ کر دیا ہے۔ ایمان کی شرائط اس سے پیشتر ذکر کر دی گئی ہیں۔ اور اُن میں اور تقوے کی شرطوں میں مماثلت عیاں ہے۔ چنانچہ آگے چلکر صفحہ ۹۰ پر ثابت کر دیا جائے گا کہ ایمان اور اتقا قریب قریب ایک ہی شے ہیں۔

Marfat.com

عدو شکن طاقت، اور صبر کی اِسی عزم گسل استطاعت کو مدنظر رکھکر رسول کریمؐ کو اطمینان دلایا تھا کہ کامیابیٔ اسلام کیلئے **توحید** کا یہی **وحدت** انگیز ماحول، اور **ایمان** والوں کی یہی چھوٹی سی جماعت کافی ہے!

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۸: ۶۳-۶۴)

اے پیغمبرؐ! سب سے بڑا احسان جو خدا نے تمپر کیا ہے یہ ہے کہ اُسنے مومنوں کے دل گانٹھ دیئے! اگر تم روئے زمین کے خزانوں کو خرچ کر ڈالتے تو بھی انکے دلوں میں یہ الفت نہ پیدا کر سکتے تھے لیکن وہ خدا کی مشترک عبودیت ہی تو تھی جسنے ان کو آپسمیں جوڑ دیا! بیشک وہ خدا بڑا زبردست اور صاحبِ تدبیر ہے۔ اے پیغمبرؐ! اب تمہیں اللہ اور یہی مومن جو تمہارے تابع فرمان ہیں ہر ایک سے نبٹنے کے لیئے کافی ہیں۔

کفایتِ خدا کا یہ عظیم الشان وعدہ عرب کے بے زر اور بیضر نبیؐ سے اُس وقت ہوا تھا جب کہ بعثت کے چھٹے سال میں اسلام کا وہ زبردست اور تُند خو دشمن عمرؓ (رض) محمدؐ کے خُلق عظیم کے آگے سپر ڈال چکا تھا، اور عرب کے کُل برّاعظم میں صرف **چالیس**[۴۰] **مرد** اور **پندرہ**[۱۵] عورتیں ایمان لائی تھیں! مگر **اُلفت** کی دلوں کے بیچ میں چلی ہوئی نہر سلسبیل نے اور **طاعت** کے پیدا کیئے ہُوئے ابر بہار نے اِس بے نشان اور کمزور پودے کو ایک دن سر بفلک درخت بنا کر سایہ پرور اور زمیں شگاف کر دینا تھا!

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ڔ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ

---

* اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۔ کے مطالب کے لیئے صفحہ ۱۴۱ کے تحت المتن کو دیکھنا چاہیئے۔ مرحومہ صدر ترجمے میں ہم نے ان معانی کا ماحصل بیان کر دیا ہے۔ خدا کو صحیح معنوں میں خدا مان لینے کے بعد اسکے ماننے والوں کا آپسمیں متحد ہو جانا قطعی ہے۔ اسی حقیقت کو اصل کتاب میں توحید کا وحدت انگیز ماحول کہا گیا ہے اگر آج یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو اسکا باعث یہ ہے کہ مسلمان خدا کو درحقیقت خدا نہیں مانتے۔

Marfat.com

فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (۴۸ : ۲۹)

اے دین خدا کے دشمنو! یاد رکھو کہ محمدؐ خدا کا بھیجا ہوا نبیؐ ہے، اور اسی لیئے تمہاری سب کاروائیوں کے باوجود بیخوف و خطر ہے! جو لوگ اُسکے ساتھ ہیں اعدائے اسلام کے حق میں بڑے سخت ہیں، آپسمیں بیحد رحمدل ہیں، رافت و محبت کی ایک نہر سلسبیل اُنکے دلوں میں بہ رہی ہے تم انکو دیکھوگے کہ ہمارے حضور میں کبھی گھٹنوں کے بل کھڑے ہیں، کبھی زمین پر ماتھا ٹیک رہے ہیں۔ گویا سرتاپا مطیع رہکر فضل خدا اور خوشنودی رب العالمین کی طلبگاری میں لگے ہیں۔ اطاعت کے نشان (اَثَرِ السُّجُوْدِ) اُنکے چہروں میں (فِیْ وُجُوْهِهِمْ) عیاں ہیں (سِیْمَاهُمْ) حکمبرداری کی علامتیں اُنکی شکلوں سے نظر آرہی ہیں۔ یہی اوصاف اُنکے توریت اور انجیل میں مذکور ہیں، یہی آج اُنکا طرز عمل ہے وہ روز بروز اسطرح زور پکڑتے جائینگے جیسے ایک کھیت ہو جسنے پہلے زمین سے اپنی سوئی نکالی، پھر جلبِ غذا اور جلبِ آب سے آہستہ آہستہ زور پکڑا، پھر رفتہ رفتہ موٹا ہو کر اپنی جڑ پر سروقد کھڑا ہو گیا۔ اب کسان ہیں کہ اپنی محنتوں کو بار ور دیکھکر باغ باغ ہو رہے ہیں، اور دشمن ہیں کہ مارے حسد کے جل رہے ہیں۔ اے لوگو! خدا نے محمدؐ کے ساتھیوں میں سے جو سچے دل سے ایمان لائے، اور جنہوں نے تندہی سے مناسب اعمال بھی کیئے (اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ) اِس دنیا میں اجر عظیم دینے اور اُنکی اجتماعی واماندگیوں اور بدحالیوں پر پردہ پوشی کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے!

---

* یہ آیہ جلیلہ "اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کی پہلی قسط ہے جو ہم نے صفحہ ۳۵ کے جواب میں 'ایمان' کی تشریح کے بعد پیش کردی ہے گویا اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ہونا، رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ہونا، تعمیل احکام خدا میں رُكَّعًا رہنا، اور سب سے اہم یہ کہ ہر دم اور ہر آن خدا کے انعامات کی تلاش میں لگے رہنا، قوت اور طاقت، تمکن اور تسلط کے درپے رہنا (يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ)؛ اور اسکے لیئے وسائل تلاش کرنا ہی ایمان اور عمل صالح ہے۔ جو قوم دشمن کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آرہی ہے، آپسمیں نہایت متحد اور متحمل ہے، قانون خدا کی نہایت پابند ہے، خدا کی دنیاوی نعمتوں اور وراثت زمین حاصل کرنیکے درپے ہے اور ساتھ ہی خدا کے حضور میں اپنے آپکو عاجز شمار کرتی ہے، وہی اعمال صالحہ کر رہی ہے، وہی ایمان کی شرطوں کو پورا کر رہی ہے، وہی حیرت انگیز سرعت سے نشوونما پا رہی ہے، وہی اس زمین کے طول و عرض میں اسطرح پھیل رہی ہے کہ نام نہاد مسلمان آج اُسکے تمکن کو دیکھکر دنگ ہو رہا ہے، اور شدت غیظ کے باعث اپنی انگلیاں کاٹ رہا ہے۔ آہ! لیکن خدا صرف مسلمانوں ہی کا خدا نہیں وہ رب العٰلمین ہے اور جو اُسکے قانون پر چل رہا ہے وہی انعام پا رہا ہے!

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ اُن لوگوں نے نمازیں پڑھ پڑھکر اپنی پیشانیوں پر گٹے ڈال لیئے ہیں جیسا کہ آجکل بعض سادہ لوح مسلمان اپنے ماتھوں کو زمین پر عمداً رگڑ رگڑکر ڈال لیتے ہیں اسکا اس ترکیب سے "معیت رسولؐ" اور اَجْرًا عَظِيْمًا (۴۸ : ۲۹) کے حقدار بننے میں بلکہ یہ صرف قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی کیفیتِ قلب اور شدت اطاعت کا تمثیلی اظہار ہے گویا یہ کہا ہے کہ اطاعت کے نشان تم اُنکے چہروں پر دیکھوگے جسطرح آج کسی کو کہا جاتا ہے کہ ذہانت و اقبال فلاں شخص کے چہرے پر نظر آتے ہیں۔ جگہ ماتھے کا ذکر تک نہیں بلکہ چہرہ (وُجُوْهِهِمْ) کا ہے اور تمام چہرے میں اطاعت نظر آرہی ہے نہ صرف ماتھے میں۔ اس دعوے کی تصدیق مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ اور مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ کے الفاظ سے بھی ہوتی ہے کیونکہ زمین پر ماتھا رگڑنا اہل کتاب کا شیوۂ نماز نہ تھا۔ سِيْمَا کے معنی نشان کے ہیں چنانچہ سورۂ بقرہ میں مجاہدین فی سبیل اللہ فقراء کے بارے میں ارشاد ہے: تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ (۲ : ۲۷۳)، یعنی تم ایسے لوگوں کو اُنکے نشانوں سے تاڑ جاؤگے" (دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۰۱) یہاں بھی گٹوں کا قطعاً کوئی ذکر نہیں اور نہ گٹے ڈال لینے سے کوئی شخص مطیع خدا ہرگز نہیں ہو سکتا خواہ وہ گٹے تمام چہرے پر ڈال لیئے ہوں! ایک قابل توجہ بات اس آیت میں لفظ مِنْهُمْ ہے جس سے ظاہر ہے کہ رسولؐ خدا کے ساتھیوں میں سے بھی اجر عظیم کا وعدہ صرف اُنہی کو ہے جو اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مصداق رہے، گویا کلمہ پڑھکر مسلمان بن جانا شرط نہیں بلکہ پیہم عمل کرتے رہنا اور ہر دم مجسمۂ ایمان بنے رہنا شرط ہے!

Marfat.com

اطاعتِ رسولؐ

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۴:۸۰)

جس نے رسول کا حکم مانا اُس نے گویا خدا کی اطاعت کی

طاعتِ رسولؐ، اور اُسکے منجانب اللہ ہونے کا یہ یقین تھا کہ عین اُسوقت جبکہ مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت اِس پاک نبیؐ کی امامت میں اللہ جل شانہٗ کے حضور میں، اپنے عجز اور بینوائی کی داستان گڑگڑا گڑگڑا کر سُنا رہی تھی، اور مُسلمانوں کے ایمان سے منوّر دل اُس بارگاہ عالیہ کی رفعت کا سماں اپنے سامنے صاف دیکھ رہے تھے، تحویل قبلہ کا حکم ملا! قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو پاش پاش کر دینے والے یہ **مومن** مغا اس اللہ کے سچے نبیؐ کی تبدیل سمت پر اسی طرح بیچون و چرا دست بستہ بے شائبہ استعجاب منتقل ہو کر پھر صف بستہ ہو گئے، اور آستانۂ خدا پر سر ٹیکنے لگے! عرش کے دم بخود اور صف آرا فرشتے جنہوں نے اپنی مدۃ العمر طاعت، بے اختیارانہ عبودیت اور دم مزن عبادت کے حوصلے پر ایک مرتبہ اللہ کی جناب میں انسان کو بُرا بھلا کہنے، اور اپنی فوقیت جتلانے کی جرأت کی تھی، اور جنہیں خدائے پاک نے انسان کی خفت و توہین کرنے پر ٹوک† دیا تھا: اِس کیفیت کو دیکھکر انگشت بدنداں رہ گئے، مگر **جریدۂ رحمت** کے کاتبوں کو حکم مِلا کہ اِس نادرۂ روزگار اُمّت کے نام پر روئے زمین کی بادشاہت اور اللہ کی سب نعمتوں کی وراثت ابھی سے لکھ دی جائے!

---

† سورۂ بقرہ میں اِس عبرت آموز اور شاندار قصے کا یوں ذکر ہے۔ ہم نے ایک نثری ترجمہ کر دیا ہے لیکن اس کا نتیجہ خیز مفہوم تیسری مجلد سے پہلے بیان نہ ہو سکے گا۔ ملائکہ کی تشریح اور سورۂ بقرہ کا ربط پانچویں جلد میں عیاں کر دیا جائے گا:۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲:۳۰)

اور اے پیغمبر! سکانِ زمین کو وہ وقت یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار نے 'ملائکہ' سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے فرشتو! میرا ارادہ ہے کہ اس زمین میں اپنا ایک قائم مقام بناؤں۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! کیا حضور کسی ایسی مخلوق کو اپنا نائب منتخب فرمائینگے جو اس زمین میں فساد پھیلائے اور آپس میں خونریزیاں کرے، حالانکہ ہم ہیں کہ رطب افزا تیش سے تیری تعریف میں لگے ہیں، اور تعمیل احکام کر کے تیری بول بالا کر رہے ہیں۔ پروردگار عالم نے جواب دیا کہ ہاں بیشک لیکن میں اپنی ان شہنشاہی مصلحتوں کا خوب علم رکھتا ہوں جنکی ماہیت تک تم نہیں پہنچ سکتے۔

Marfat.com

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ○ (۲: ۱۴۳)

اور اے پیغمبرؐ! ہم نے کچھ عرصے کے لیئے بیت المقدس کو قبلہ اسی غرض سے قرار دیا تھا کہ جب مستقل قبلے کا حکم پونہچے تو ہم ان لوگوں کو جو رسول کی بے چون وچرا پیروی کریں، اُن سے جو سرتابی کرکے الٹے پاؤں پھر جائیں، الگ معلوم کرلیں۔ اور قبلے کا دفعتہً بدلا جانا بلاشبہ ایک اہم بات تھی مگر جن لوگوں کو خدا نے اطاعت رسول کا رستہ دکھا دیا تھا اُنکے لیئے کچھ قابل اعتراض نہ تھی۔ اور خدا ایسا نہیں کہ رسول کی صداقت پر تمہارے اِس حیرت انگیز علی ایمان کو ضائع ہونے دے، وہ تو ایسے اعمال کو دیکھکر بیشک تمام عالم پر بیحد مشفق اور مہربان ہوجاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ○ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ○ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ○ (۸: ۲۰-۲۲)

اے ایمان والو! اللہ کے احکام مانو، اور رسول کے بالمشافہ احکام کی بھی بلا حیل وحجت تعمیل کیا کرو، اور درانحالیکہ تم اسکا حکم سُن رہے ہو (یعنی دیدہ ودانستہ) اُس سے سرتابی نہ کیا کرو۔ کیونکہ وہی تمھارا اولوالامر ہے۔ اور نہ تم ان لوگونکی مانند بنو جو مُنہ سے ہاں کہہ چھوڑتے ہیں اور پھر حکم کی تعمیل فوراً نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات وہ ڈھیٹھ اور نچلے لوگ ہوتے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے خواہ اُنکو کتنا ہی سمجھایا جائے، اور اطاعت امیر کی لِم سے بیخبر ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

---

† اس آیۂ کریمہ سے ظاہر ہے کہ قرونِ اولیٰ میں متابعت رسول بھی فی الحقیقت ایمان کی ایک اہم شرط تھی۔ رہا یہ امر کہ یہ اتباع کن معنوں میں تھا اور آج جبکہ رسول خدا صلعم موجود نہیں کیونکر ہوسکے اسکی تصریح اِسی صفحہ کے آیندہ تحت المتن میں کردی ہے۔ تحویل قبلہ کی متذکرۂ صدر توضیح سے صرف ظاہر ہے کہ رسولؐ خدا کے قدم بقدم چلنا اور بے چون وچرا اُسکے حکم کی تعمیل کرنا اُسپر ایمان لانیکے مرادف تھا۔ یہی بات "اٰمَنُوْا بِہٖ" کے الفاظ سے ظاہر ہے جو آیہ (۷: ۱۵۷) میں آگے چلکر آرہی ہے۔ (دیکھو صفحہ ۱۷۲)۔

‡ "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ"، کا اُنہی مقصود مرورِ مدت اور نسیان درس کے باعث مسلمانانِ جہان کے ذہنوں سے اسقدر محو ہوگیا ہے کہ وہ آج اِس انحطاط کے زمانے میں شرعی رسوم اور فقہی مسائل کی ایک نمایشی سی پابندی کو ہی اطاعت خدا ورسول سمجھکر اپنے آپ کو دین اسلام کے ایک اہم فریضے سے سبکدوش کررہے ہیں۔ اُنکے نزدیک صوم وصلوٰۃ وغیرہ وغیرہ ارکانِ دین کا شرعی التزام یا کتب احادیث کا مکتبی درس اور سطحی اتباع ہی اطاعت خدا ورسول کا انتہائی مقصود ہے۔ اِسکے سوا کوئی دوسری شئے اُنکے ذہنوں میں سماتی نظر نہیں آتی، کوئی الٰہی یا پیغمبری آواز آج اُن کی

Marfat.com

يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ (۸: ۲۴-۲۵)

اے ایمان والو! جب اللہ اور رسول تمہیں کسی ایسے کام کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی اور قوت بخشتا ہو (یعنی قتال اور متعلقہ فرائض) تو تم اُنکے احکام کو بگوش دل سنو اور مستعدی سے اُنکی تعمیل کرو۔ اور خوب

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۷۰) خواب استراحت میں مُخل نہیں، کوئی امر امیر لائق امتثال و استیجاب نہیں۔ "اطاعت خدا" اور "اطاعتِ رسول" کی اصلی اور ابتدائی غرض و غایت کو عیاں کر دینے کا یہ موقع نہیں۔ یہ موضوع "اطاعتِ امیر" کے عنوان میں بالاستقلال باندھا گیا ہے جو دوسری مجلد میں آئے گا مگر متذکرۂ صدر آیات (یعنی ۸: ۲۰-۲۲) اور ۸: ۲۴-۲۵) سے جو یہاں پر بطور تمہید کے پیش کر دی گئی ہیں، ظاہر ہے کہ "اطاعت خدا" کا عمومی منظر قرن اول میں کچھ ہی ہو، لیکن "اطاعت رسول" کا مقصود نبی آخر الزمان کے عہد حیات میں انکے **بالمشافہ** احکام کی تعمیل ہی تھا۔ آیات (۸: ۲۰-۲۱) میں "وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ" اور "قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ" کے الفاظ، اور آیہ (۸: ۲۴) میں "اِذَا دَعَاكُمْ" کی قید اس دعوے کی صریح تائید میں ہے۔ گویا رسول خدا کا کسی بات کو مُنہ سے کہنا، اور صدر اسلام کے مومنوں کا بطیب خاطر اُس حکم کی فوری تعمیل کرنا، اور تنگ خدمات پیش نہ کرنا ہی "اطاعت رسول" تھا۔ صدر اسلام میں نہ کوئی حدیث کی کتابیں تھیں جن کی رسمی درس و تدریس اطاعت رسول کے مترادف تھی، نہ فقہی تصانیف تھیں جنکو عینک لگا کر پڑھ لینا، اور پڑھکر باوجود تمام بالائے طاق رکھدینا اتباع رسول کے ہم معنی تھا۔ جیسا کہ آج اکثر سہل پسند مسلمانوں کا شیوۂ اعتقاد ہے۔ قرن اول میں رسول خدا مسلمانوں کے قائد اعظم اور سپہ سالار ہونیکی حیثیت میں وقتاً فوقتاً احکام نافذ کیا کرتے تھے جو مصالح وقت کے لحاظ سے مسلمانوں کے اجتماعی دفاع کے لیے ضروری تھے، عرب کے جس جس گوشے میں ان فرامین کی صدائیں پہنچتی تھیں لوگ لبیک لبیک کرتے حاضر ہو جاتے، اور اپنا تن من دھن اس نیک سیرت سردار کی خاطر قربان کر دیتے! یہ "اطاعت رسول" کا صحیح مفہوم تھا۔ رہا یہ امر کہ آج جب کہ رسول خدا بذاتِ خود مصلحت وقت کے مطابق حکم دینے کے لیے موجود نہیں تو "اطاعت رسول" کا بدل کیا ہو: اور کسکے حکم کی تعمیل فرض ہے، یہ ایک علیحدہ سوال ہے جسکی تصریح اپنے موقع پر کر دیجائیگی مگر اس صحبت میں آیہ (۸: ۲۵) کے مخاطب خاص طور پر قابل التفات ہیں جنمیں عصیان خدا اور رسول کا نتیجہ وہ فتنۂ عظیم قرار دیا گیا ہے جسکی لپیٹ میں بلا امتیاز احدے ساری کی ساری جماعت آرہتی ہے۔ یہ فتنہ لامحالہ سیاسی شکست ریخت اور اجتماعی بدنظمی ہی ہے جو امیر جماعت کی نافرمانی اور تشتت آرا سے ہر جا پیدا ہو جاتی ہے اور جو نظام کائنات کا اصل اصول ہے۔ اس نقطۂ نظر سے "اطاعت رسول" اور "استجابت للرسول" کے معانی اور بھی صاف ہو جاتے ہیں اور اسلامی جماعت کی رہنمائی کے لیے ہر وقت کسی ایسے **امیر** کا موجود ہونا لازم و ملزوم ہو جاتا ہے جو خدا و رسول کے احکام کی تابعداری حکماً کرائے اور حسب موقع امت کو شکست و ریخت سے بچائے۔ "لِمَا يُحْيِيْكُمْ" (۸: ۲۴) کے الفاظ بھی اس دعوے کی حتمی تائید کرتے ہیں کہ یہ لیا اجتماعی اور سیاسی قوت کا حاصل کرنا ہی تھا۔

اب رہا یہ امر کہ "اَطِيْعُوا اللّٰهَ" کا کیا مفہوم ہے اسکا جواب اعتقاداً اور نظریۃً اگرچہ یہی رہا ہے کہ "جو کچھ کلام الٰہی کے اندر لکھا ہے اُسکی پیروی کرنی اطاعت خدا ہے" مگر عملی مقام نظر سے یہ بات ناممکن العمل اسلیئے ہے کہ قرآن حکیم ایسے احکام و قوانین کا مجموعہ ہے جنمیں سے اکثر کی بیک وقت پیروی کرنی محال ہو جاتی ہے۔ اُن میں بعض (مثلاً جہاد بالسیف اور ہجرت وغیرہ) ایسے اوامر ہیں جن کا نفاذ وقتی اور مقامی حالات کو دیکھکر ہوتا ہے اور جو لامحالہ کسی امیر کے ماتحت رہکر ہی ہو سکتے ہیں۔ اس بنا پر بھی مسلمانوں کی اُمت کا کسی ایک اولوالامر کے اذن میں رہنا از روئے قرآن ضروری ہے۔ مگر رسول خدا کے عہد حیات میں "اطاعت خدا" سے مراد عملاً رسول خدا کے احکام کی تعمیل ہی تھی خواہ وہ احکام بالمشافہ اور مصلحتی تھے یا بذریعہ وحی خدا کے ہاں سے پہنچتے تھے، حتیٰ کہ سورۂ نساء میں "مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" (۴: ۸۰) کہہ کر اطاعت خدا کو فی الحقیقت اطاعت رسول میں مدغم کر دیا ہے۔ گویا قرون اولیٰ کے عرب کو بارگاہ خداوندی سے حکم ہوتا ہے کہ جس شخص نے رسول خدا کے کہے کو بلا چون و چرا مانا اُسنے فی الحقیقت خدا ہی کے کہے کو مانا۔" پس "اَطِيْعُوا اللّٰهَ" کا مفہوم بھی صدر اسلام میں "اطاعت رسول" ہی تھا۔ اس کہنے کی تائید "وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ" (۸: ۲۰) اور "اِذَا دَعَاكُمْ" (۸: ۲۴) کی واحد غائب ضمیروں سے بھی ہوتی ہے

Marfat.com

سمجھ لو کہ اللہ آدمی اور اُسکے دل کے درمیان حائل ہے، اور جو کچھ اُن کے درمیان بخیت و پز ہوتی ہے اُسکو خوب جانتا ہے یہ بھی جانتے رہو کہ تم ایک نہ ایک دن اُسی کے حضور میں حاضر کیئے جاؤ گے۔ اور اُس اجتماعی موت سے ڈرتے رہا کرو جو امیر جماعت کی حکم عدولیوں اور داخلی فتنہ و فساد سے بالآخر پیدا ہوتی ہے اور جو خاصکر اُنہی لوگوں پر نازل نہیں ہوگی جنہوں نے تم میں سے سرتابی کی ہے بلکہ تم سب اُسکی زد میں آجاؤ گے، اور جانتے رہو کہ اللہ کی مار بڑی سخت ہے۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۷: ۱۵۷)

تو جو لوگ اِس رسول کی صداقت اور منجانب اللہ ہونے پر ایمان لائے، اور اُنکی حمایت کی، اور اُن کو مدد دی، اور بعینہٖ جو راہ ہدایت اُنہوں نے اِس نور عظیم (قرآن) کے ذریعے سے دکھلائی جو اُن کے ساتھ اُترا، یا جو اُن کے قلب میں تھا، اُسکی متابعت کرتے رہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو اِس دنیا میں کامیاب ہونگے۔

آہ! یہ وہ صادق النیۃ متابعت، اور وہ محیر العقل اطاعت امیر تھی جو مومنوں کے بمثال ائتلاف قلوب اور طہارتِ نفس کا نتیجہ تھی؛ یہ وہ کرشمۂ اتحاد و عمل تھا جس کا قطعی اور حتمی باعث احتسابِ نفس اور اتقائے خدا تھا؛ یہ وہ محتسبانہ اتقا، اور مقامِ خدا کا ہول تھا جس کا محرک اصلی وجودِ خدا کا یقین اور اُسکی خالص عبادت تھی: فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۝ (۳۹: ۲-۳)؛ یہ وہ غیر

لہ تو خالص خدا ہی کی فرمانبرداری مدنظر رکھکر اُسی کی خدمت کیا کرو۔ دیکھو سچی خدمت گذاری خدا ہی کے شایاں ہے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۷۱) جن کا مرجع رسول ہی ہے، تثنیے کی ضمیروں کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن ان باتوں سے قطع نظر، آیہ (۸: ۲۵) میں 'ظَلَمُوْا' کا لفظ سب سے زیادہ قابل غور ہے۔ مقدمہ کتاب میں کئی جگہ (مثلاً صفحہ ۸۱، ۹۶، پر) اس قرآنی اصطلاح کی جامعیت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ ان آیات (یعنی ۸: ۲۴-۲۵) سے صاف ظاہر ہے کہ شارع کائنات کی نگاہوں میں امیر جماعت کی نافرمانی کرنا 'ظلم' ہے اور اسکا نتیجہ عذاب خدا اور اجتماعی شکست ہے۔ 'ظلم' کے معانی کی یہ دوسری قسط ہے جو ضمناً یہاں پر ادا کردی گئی ہے۔ پہلی قسط صفحہ ۱۲۰ کی آیہ کریمہ (۳: ۱۳۹) کے تحت المتن میں ادا کی تھی جہاں بتلایا گیا کہ جو قوم بزدل ہوکر میدان جنگ میں لڑتی ہے وہ رب زمین و آسمان، کی نظروں میں 'ظالم' ہے۔

ان آیات کے مطالب پر غور کرنیکے بعد لفظ 'دِیْن' کے معانی اور بھی صاف ہوجاتے ہیں جو صفحہ ۱۶۱ کے تحت المتن میں بیان ہوئے۔ 'لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ' کا مقصود یہی ہے کہ انسان کا سب سعی و عمل (الدِّيْنُ) خالصۃً (الْخَالِصُ) خدا ہی کی رضا میں وقف (لِلّٰهِ) ہو، سب خالص فرمانبرداری (الدِّيْنُ الْخَالِصُ) اُسی خدا کی ہو ماسوا کی نہ ہو، سچے دل سے اطاعت (الدِّيْنُ الْخَالِصُ) اُسی احکم الحاکمین کی ہو، خالص راہ عمل (الدِّيْنُ الْخَالِصُ) خدا کے لیئے مخصوص کردیا جائے گویا 'دِیْن' کے معنی 'راہ عمل' کے ہیں اور یہ طرز عمل ہی خدا کی نظروں میں کسی شخص کا 'چلن' یا 'مذہب' یا 'دین' ہوسکتا ہے۔ اعتقادی یا نظری 'دین' کے معنی خدا کی نگاہوں میں کچھ نہیں، جیسا کہ آج کل بعض خوش اعتقادوں نے دین اسلام کو سمجھ لیا ہے مزید تشریح کیلئے اردو دیباچے کے پہلے صفحوں پر غور کرنا چاہیئے۔

Marfat.com

محلل اور منکر ماسوا توحید تھی جسنے دل کی تسلیم پر خدائے برتر کی کامل حکومت قائم کرکے انسان کو تسلیم کا خوگر اور قانون الٰہی کا پابند کر دیا تھا: فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰي مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (۲۲: ۳۴-۳۵)[1]۔ اور یہ وُہ ادب آموزِ باطن، ماحیٔ نفس، مبطلِ کذب، اور محرّک اعتصاب اسلام تھا جسکا واحد منتہائے نظر تقویتِ قوم اور استحکام جماعت تھا۔ خدائے جلّ وعلےٰ کو اسکے اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بندوں اور نطفۂ منی سے پیدا کیئے ہوئے انسان کے رسمی سجدوں، ظاہری عبادتوں، قربانیوں اور پیسوں کی مطلق حاجت نہ تھی: وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۳: ۹۶)۔ وہ اِس ہیچمیرز بشر کے ترک اولاد اور ترک وطن، ایثارِ مال و ایثارِ جان سے قطعی بے نیاز تھا۔ اسکو اس ذرّہ مقدار اور بے حقیقت انسان کی نصرت کی کچھ خواہش نہ تھی: وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲۹: ۶)[2]۔ وہ اگر چاہتا تو ایک آنکھ کی جھپک میں سرکش اور متمرّد انسان کو فطرت کی زمیں پاش طاقتوں کے قابض ارواح ملائک، اور طبیعت کے عالم آشوب حوادث کے علمبردار مُصیطروں کو ایک اشارہ کرکے مکّھی یا مچھر کی طرح مسل ڈالتا:

وَلَوْ نَشَاۗءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓي اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ۝ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰي مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ۝ (۳۶: ۶۶-۶۷)

اور اگر ہم چاہیں تو فوراً ان سب کی آنکھوں سے بینائی اچک لیں اور پھر یہ رستے کی طرف دوڑیں تو کہاں سے دیکھ پائیں، اور اگر ہم چاہیں تو یہ جہاں ہیں ہم انکی صورتیں اور طاقتیں مسخ کر دیں پھر نہ تو ان سے آگے جانے ہی بن پڑے اور نہ لوٹنے ہی بن پڑے۔

---

[1] تم سب کا خدا تو بس ایک ہی خدا ہے پس اُسی کے احکام کی تعمیل کیا کرو اور اُسی کے آگے سرِ تسلیم خم کردو۔ اور اے پیغمبر! تم ہماری طرف سے ہمارے حضور میں عاجزی سے رہنے والے بندوں کو بشارت دو کہ ہم انکی خدمت سے خوش ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو تعمیلِ احکام تو درکنار جب اللہ کا نام انکے آگے ذکر کیا جاتا ہے تو انکے دل لرز اُٹھتے ہیں اور اسکی حمایت میں جو جو مصیبتیں بھی اُنپر آن پڑتی ہیں بطیب خاطر برداشت کرتے ہیں اور پھر دن میں پانچوقت ہمارے سامنے ماتھا رگڑتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انکو دیا اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ [2] اور جو کوئی خدا سے منحرف ہوا تو اللہ وہ غنی ذات ہے کہ تمام جہان سے بے نیاز ہے۔ [3] اور جس نے تکلیفیں سہیں اور جہاد کیئے، سعی و عمل کیا اور مصائب کا مقابلہ کیا سو وہ کچھ اپنے ہی بھلے کے لیئے کر رہا ہے ورنہ خدا تو تمام عالم سے مطلقاً بے نیاز ہے، اُسکے واسطے کسی کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔

---

† اس ذاتی مفاد اور لِنَفْسِهٖ کی تشریح عنقریب آئندہ صفحوں میں آئے گی۔ (دیکھو صفحہ ۱۸۰-۱۸۱)

Marfat.com

مگر اسکی شان عاطفت اور کبریائی اِس بات کی مقتضی تھی کہ وہ انبیائے کرام اور کتاب وحی کے ذریعے سے اُس ظلوم وجہول انسان کو جسنے فہم وادراک کی امانت اپنے ذمّے لیکر (۳۳: ۲،) اور حیوانوں کی غیر مانند، اپنے آپ کو قانونِ فطرت سے قطعی بے خبر کر رکھا ہے، جسکے ایک حد تک صاحب اختیار ہونے کی وجہ سے اسکو اپنی راہِ عمل میں ہر قدم پر لغزش کا سامنا ہے، جو آپ صاحب ارادہ ہونیکے باعث اپنے مالک حقیقی کے ارادے سے طبعًا نا آشنا ہے، جسکے صاحب تدبیر ہونیکے جرم میں فطرت نے اُس کو اپنے پاس سے کوئی ہدایت نامہ یا طرزِ عمل مہیا نہیں کیا، جسکے فساد فی الارض کی اور خونریزی کی داستانیں. جسکے ظلم و ستم اور تمرد، نفس پرستی اور خود پسندی کی حکایتیں، اسکی نشاءِ اوّل سے پہلے ہی، زمین و آسمان کی حکمبردار قوتوں، اور مقدس فرشتوں کے بزبان ہو چکی تھیں، جو آج اپنے علم و عقل کے غرور اور ہوش و تمیز کے گھمنڈ میں کتابِ خدا حتّٰی کہ وجود خدا کا بھی متکبّرانہ انکار کر رہا ہے: اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ (۳۶: ۷۷)، جو اپنی تجویز پر نازاں، اور اپنی سعی و عمل پر مفتون ہو کر قدرت کی قاہر اور جابر روحانی قوتوں، اور کارخانہ جہان کے اٹل اور عدیم المثال اخلاقی اصولوں کی معاندانہ روک اور تمسخر کے درپے ہے: فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۹: ۴۹)، ہاں وہ کتاب وحی کے ذریعے سے اِسی ظلوم وجہول انسان کو فطرت کے عالم آرا اخلاقی اور احسانی، مادی اور روحانی قانون سے باخبر کر کے، ابدالآباد تک بیخوف و خطر، اور قوت و استقامت سے رہنے کے قابل بنادے؛ وہ اُسکی قوائے مُدرکہ کے سامنے **فطرت** کی کتاب مبین کا فوری اور تیار ملخص پیش کر کے کارگاہ

۱؎ کیا انسان کو معلوم نہیں کہ ہم نے اُسکو گندے پانی سے پیدا کیا پھر بھی کھلم کھلا ہمارا مخالف بنا رہتا ہے اور ہماری نسبت باتیں بنانے لگا ہے، اپنی اصل کو بھول گیا اور کہتا ہے کہ بھلا گلی سڑی ہڈیوں کو کون از سرِ نو زندہ کرے گا۔

۲؎ انسان کی عادت ہے کہ جب اُسے کوئی تکلیف پہونچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب اسکو کوئی نعمت ہم بطور احسان عطا فرماتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجھے میری ذاتی لیاقت کی وجہ سے (یعنی سمع و بصر اور ذہن سلیم کے صحیح استعمال کے باعث (عَلٰی عِلْمٍ کا ترجمہ دیکھو صفحہ ۸۳)) ملی ہے۔ اے ناسمجھ انسان! یہ نعمت تو آزمایش کے طور پر ہی ہے کہ ہم دیکھیں کہ تو اسکا جائز استعمال کہاں تک کرتا ہے لیکن افسوس کہ اُنمیں سے اکثر لوگ ہماری اِس دوستدی کے قانون کا علم نہیں رکھتے۔

Marfat.com

قدرت کے عظیم الشان اور ممتنع الحصول اسرار سے آگاہ کردے: تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ هُدًى[1] وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ (۲۷: ۱-۲)، الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۭ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۭ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى[2] ۙ (۹۶: ۴-۸)؛ وہ اسکے محدود اور ناقص علم پر حکیم حقیقی کی لامتناہی حکمت کے مہتم بالشان سرائر و خفایا کا اضافہ کرکے اُسکو حفظ نفس اور اجتماعی استحکام کے اٹل اصول سکھلادے؛ وہ اسکے جزوی اختیار کے بالمقابل قادر مطلق کی ناپیدا کنار قدرت اور استطاعت کی عملی سرحد مقرر کرکے بنی نوع انسان کو تجاوز کے نفس کُش عمل، اور عدوان کے ضبط شکن فعل سے روک دے: تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ[3] ۝ (۲: ۲۲۹)؛ وہ اُن کو نظم و نسق کا طبعی اور صحیح طریقہ سکھلاکر، ان کے اعمال میں فطری صلاحیت، اور عزائم میں لازوال استقامت بخش دے؛ وہ انسان کے تنگ افق نظر کو کتاب خدا کے اٹل فیصلوں، اسکی فقید المثال ہدایت اور بشارت، برکت اور رحمت، علم اور حکمت، نور اور شفا کی وساطت سے وسیع تر کرکے اقوام عالم کے تمکن و بقا کا مسئلہ سہل تر کردے: وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰي عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ[4] ۝ (۷: ۵۲)۔ وہ الغرض انسان کی دینی اور دنیاوی، انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں کو اعتدال کے زرّیں اصول، صلاحیت کی محکم

---

[1] یہ قرآن کریم کی آیات ہیں اور اس کتاب مبین کے احکام ہیں جو ہر شخص کے پیش نظر ہے۔ ایمان والوں کے لیے ان احکام میں سرتاسر ہدایت عمل اور بشارت ہے۔

[2] خدا وہ پاک ذات ہے جسنے ظلوم و جہول انسان کو کتاب وحی کے ذریعے سے (بالقلم) وہ عظیم الشان حقائق سکھلادیئے جو اس سے پہلے وہ ہرگز نہیں جانتا تھا۔ نہیں نہیں یہ درحقیقت انسان کی کمال سرکشی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہدایت سے بے نیاز سمجھتا ہے اور اگر وہ بنظر عمیق دیکھے تو وہ اسقدر محتاج ہے کہ ہر بات میں اُسکو اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنے کی حاجت ہے۔

[3] یہ قانون فطرت ہے اور یہی اسکی مقرر کی ہوئی حدود ہیں۔ پس اس سے تجاوز نہ کرو؛ حدود سے آگے نہ بڑھو۔ اور جس قوم نے خدا کی حدود سے تجاوز کیا وہی ظالم ہے۔

[4] اور ہم تو ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب لائے ہیں جسمیں ہم نے ہر اہم امر کی تفصیل اپنے علم کے ذریعے سے کردی ہے۔ ایمان والی قوم کے حق میں اسکے احکام سرتاسر ہدایت اور رحمت ہے۔ (یہ آیہ شریفہ صفحہ ۵۸ کے متن اور صفحہ ۵۹ کے تحت المتن میں آچکی ہے)

---

* 'کِتَابٍ مُّبِيْنٍ' کی ضمنی تشریح مقدمہ کتاب میں صفحہ ۶۱، ۶۲ پر گذر چکی ہے جہاں اس آیت کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

† یہاں ظالم کے متعلق فیصلہ کردیا ہے کہ جو قوم قانون فطرت کی حدود سے تجاوز کرے وہ شاہ کائنات کی اصطلاح میں ظالم ہے اور آیہ (۶: ۴۷) صفحہ ۵۸ کے معا کے مطابق ہلاکت کی اہل۔ ظلم کے معانی کے متعلق یہ تیسری قسط ہے جو ہم نے ادا کردی ہے پہلی دو قسطیں یعنی 'بُغْيٌ فِي الْقِتَالِ' اور 'عصیان امر' صفحہ ۱۷۲ کے تحت المتن میں آچکی ہیں۔ ‡ قرآن حکیم کے متعلق صفحہ ۸۹-۹۰ کے تحت المتن کی آیات کی طرف اشارہ ہے۔

Marfat.com

سطح، اور اتّقا و اتّحاد کی استوار زمین پر لاکر انکی جماعت کو پیش از وقت شکست کے **خوف** سے قطعی نجات اور بیوقت **فنا** سے عملاً مامون و مصئون کردے!

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ † ۝ (۵: ۱۵-۱۶)

اے باشندگانِ زمین! پروردگارِ عالم کی طرف سے تمہیں وہ نور اور واضح کتاب آچکی ہے جسکے ذریعے سے خدا اُس قوم کو جو منشائے ایزدی کی متابعت کرتی ہے، قیام فی الارض اور سلامتی کے رستوں پر لے جائیگا، اُنہیں اپنے فضل و کرم سے جہالت اور ناعاقبت اندیشی کی ظلمتوں سے نکالکر علم اور حفظ نفس کے نور کی طرف لائیگا، اور انہیں اس نعمت عظمیٰ کے سیدھے رستے پر ڈال دیگا!

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۱۶: ۸۹)

اور اے محمدؐ! ہم نے تمپر یہ کتاب اِس پائے کی نازل کی ہے کہ اسمیں انسان کے متعلق تمام اصولی قواعد کا مفصل بیان موجود ہے۔ اور تسلیم و عمل کرنے والی قوم کے لیئے تو یہ سرتاسر ہدایت ہی، رحمت ہی اور سلامتی اُمم کی بشارت ہی!

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (۳۹: ۲۷-۲۸)

اور ہم نے تو کافۃ الناس کو راہ ہدایت اور طریق عمل جتلانیکے لیئے اِس قرآن میں ہر ممکن حالت کو پیشِ نظر رکھکر مثالیں بیان کردی ہیں تاکہ لوگ اُن سے نتائج اخذ کرسکیں۔ اِسی وضاحت کے لحاظ سے ہم نے اسکو عربی زبان میں کردیا ہی۔ اسمیں کسی طرح کی پیچیدگی یا منطق کی کجی نہیں رکھی۔ اور یہ سب اِس لیئے

---

† آیۂ (۵: ۱۵) کے متعلق بحث صفحہ ۶۲ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے: "سُبُلَ السَّلٰمِ" کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کا منتہا اقوام عالم کو تمکن فی الارض اور حفظ نفس کے اصول سکھلانا ہے۔ "ظُلُمٰتِ" کا صحیح مفہوم بھی جہالت اور عدم تعقل قانونِ خدا کی تاریکیوں کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مقدمۂ کتاب میں ثابت کردیا گیا ہے کہ قرآن کا طغرائے امتیاز اسکا علم ہی ہی اور یہی بات آیۂ (۵: ۱۹) سے ظاہر ہے جو صفحہ ۱۰۵ کے متن میں آچکی ہی۔ "روحانی ظلمتوں" اور "روحانی نور" کا ذکر جو بعض ناقرآن شناس مسلمان کرتے ہیں ایک بے معنی سی اور بے نتیجہ بات ہی صفحہ ۵۵ کی آیت (۱۱۱۴) بھی انہی معانی کی مؤید ہی لیکن "الظُّلُمٰتُ" اور "النُّوْرُ" پر مکمل بحث بعد میں ہوگی۔

ضمناً اِن آیاتِ کبرےٰ سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہی کہ "سُبُلَ السَّلٰمِ" یعنی حفظِ نفس کی راہوں پر چلنا اور جہالت کی ظلمتوں سے نکلکر علم کی منور راہوں پر گامزن ہونا ہی صراطِ مستقیم ہی۔ صفحہ ۸۴، ۹۳ اور ۹۵ کے حواشی میں کسی قوم کا علم کی حقیقت نما راہوں پر چلنا **سبیل خدا** پر چلنے کے مترادف قرار دیا گیا تھا، اور قریب قریب یہی مضمون اِن آیات میں ہی "صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" کے مکمل مفہوم بیان کرنے میں ابھی کچھ دیر ہی مگر اسکی پہلی قسط یہی ہے کہ اُمت **اجتماعی خوف** (دیکھو مسئلہ ارتقا تحت المتن صفحہ ۱۲) کے ماحول سے نکلکر سلامتی اور امن کی راہ پر قدم بڑھائے، اور جہالت کی قیود سے آزاد ہوکر علم کے جہاں کشانور سے مزین ہو۔ یہ وہی صراطِ مستقیم ہی جس کی درخواست ایکدن میں پانچوقت خدا کے حضور میں ہوتی ہے: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" (۱: ۵) "اے خدا ہم کو صراطِ مستقیم یعنی سیدھی راہ پر چلا"۔

کہ لوگ اِن مشرح احکام کو سُنکر اتقا پیدا کریں، بربادی سے بچیں۔ اور حفظِ نفس اختیار کریں (یَتَّقُوْنَ)

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (۷: ۳۴-۳۵)

اور ہر ایک قوم کے صفحۂ ہستی سے مٹنے کی ایک میعاد مقرر ہے۔ پھر جب اُسکی تباہی کے اسباب مکمل ہو چکتے ہیں تو اُس سے ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں، نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ پھر اگر اسوقت کوئی عذر پیش کرے گا تو ہم کہیں گے کہ اے بنی آدم! ہمنے تمہیں پہلے ہی کہدیا تھا کہ جب کبھی ہماری طرف سے تم ہی میں سے ہمارے قاصد تمہارے پاس پونہچیں اور ہمارے احکام تم پر واضح کردیں۔ تو جو قوم ہلاکت سے دامن بچاکر چلی اور جسنے اپنی حالت کی اصلاح کرلی، اُنکو اِس دنیا میں کسی قسم کا خوف و خطر لاحق نہیں ہوگا۔

بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (۲: ۱۱۲)

اصل تو یہ ہے کہ جسنے اپنے آپ کو ہمہ تن قانون خدا کے سپرد کردیا، اور اُسکے بتائے ہوئے پسندیدہ عمل کیئے تو اسکا اجر تو اس شخص کو اُسکے پروردگار کے ہاں سے ملیگا۔ لیکن وہ قوم دنیا میں بے خوف خطر ہے!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ

---

† یہ آیت مسئلۂ اتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۳ میں آچکی ہے مگر وہاں پر 'اتقٰی' اور 'اَصْلَحَ' کے صحیح مفہوم کو ملتوی کردیا گیا تھا تاسِر وقت تک 'اتقا' کے اُنہی مفہوم کی کئی شقیں ظاہر ہو چکی ہیں: مثلاً اُمت واحدہ بننا (آیہ (۲۱: ۵۲) صفحہ ۴۹)، باہمی اتحاد قائم رکھنا (آیہ (۳: ۱۰۳) صفحہ ۱۵۰)، ایک دوسرے کو استقلال کی تلقین کرنا (آیہ (۱۳: ۱۹) صفحہ ۱۵۰)، تفرقہ نہ پیدا کرنا (آیات (۳: ۱۰۱-۱۰۲) صفحہ ۱۴۴) مصالحت بین الفریقین کرانا (آیہ (۴۹: ۱۰) صفحہ ۱۶۰)، آیندہ مصائب کے لیے پیش از وقت تیاری کرنا اور حفظ نفس کے لیئے مستعد رہنا (آیہ (۵۹: ۱۸) صفحہ ۱۶۲) وغیرہ وغیرہ سب اعمال 'اتقا' میں داخل ہیں۔ جس قوم میں یہ خاصیتیں بدرجۂ اتم موجود ہوں گی وہ از روئے قرآن 'فَمَنِ اتَّقٰى' کا مصداق ہے۔ اور اِس دنیا کے اندر 'وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ' کا مصداق بننا بھی اُسیکا حصہ ہے! 'اَصْلَحَ' کی تشریح بھی کچھ کچھ ہو چکی ہے۔ مثلاً 'رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ' والی آیت (۴۸: ۲۹) صفحہ ۱۶۸ کے متن میں، اور اُن آیتوں میں جو مقدمۂ کتاب میں صفحہ ۴۰، ۸۷، اور ۱۵۹ پر ہو چکی ہیں۔

✣ 'اسلام' اور 'احسان' کا ذکر جو اِس آیت میں آیا ہے وہ دراصل 'اتقا' اور 'اصلاح' ہی کے دوسرے نام ہیں جیسا کہ کچھ دیر بعد عیاں کردیا جائے گا۔ اِسی لیئے 'مُسْلِم' اور 'مُحْسِن' قوم بھی دنیا میں بے خوف و خطر ہے۔ بَلٰى سے رَبِّهٖ تک 'احد' کی ضمیر استعمال کرنا اور بعد ازاں عَلَيْهِمْ اور يَحْزَنُوْنَ میں جمع کی ضمیر لانے کا مقصود یہ ہے کہ ہر متنفس کو اُسکے ذاتی عمل کا اجر آخرت کی صورت میں واضح ہو جائے (فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ) اور جب قوم کا ہر رکن ہی اُسکا دنیاوی اجر (لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کی صورت میں ہویدا ہو تو مَنْ یہاں بھی اجتماعی موصول ہے جسکی ایک مثال صفحہ ۴۳ پر گذر چکی ہے۔

Marfat.com

فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (۵: ۱۱)

اے ایمان والو! اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب ایک دشمن قوم نے تم پر اپنا دست تعدی دراز کرنے کا تہیہ کر لیا تھا اور اللہ نے تمہیں صبر اور استقلال، تہور اور اتحاد کا سبق دیکر تم سے انکے ہاتھوں کو روک دیا۔ اور اے مسلمانو! مقام خدا کا خوف دلمیں ہر آن رکھکر اسکے احکام کی متابعت کرتے رہو کیونکہ دشمن پر غالب آجانے کا راز اسی تقویٰ میں ہے اور ایمان والوں کو چاہیئے کہ اپنی حتی الامکان سعی کے بعد نتائج کے بارے میں خدا ہی پر توکل کیا کریں۔

آہ! اُس مالک الملک، اُس ربّ العالمین خدا کی عالم آرا رواداری اُمت رسولؐ کے اسی خوف حزن کو امن وامان میں بدل دینے کے اہتمام میں تھی۔ قرآن حکیم کے اوامر و نواہی، آجکل کے عام اور پست کن تخیل کے مطابق، دنیاوی نقطۂ نظر سے محض بے وجہ اور بے نتیجہ نظر یتے نہ تھے، وہ کسی توشۂ آخرت اور زاد معاد کے بے سبب اور بے دلیل، انفرادی اور شخصی سامان نہ تھے جنکا تیار کرنا خوشنودیٔ خدا کے لیئے "مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ (۵: ۱۶) رسماً اور فرداً ضروری تھا، بلکہ وہ مستقل اور نتیجہ خیز اجتماعی اعمال تھے جن کا اولین پیش نہاد اِس دنیا کو خوش اسلوبی سے نباہنا ہی تھا۔ خدائے واحد پر ایمان، اسکی عبادت اور طاعت، اسکے تقوے اور اتحاد، اسکے جہاد اور ہجرت، صبر اور توکل، بلکہ صدقات اور زکوٰۃ کا صحیح مآل یہی تھا کہ دین اسلام مسلمانوں کے متفقہ کسب و عمل سے دنیا کی تمام مجتمعات پر سیاسی اور اجتماعی معنوں میں غالب آجائے۔ وحدت جماعت، مصالحت افراد، ائتلاف قلوب، اطاعت خدا، اطاعت رسول، متابعت اولوالامر، ایمان کے وہ لاینفک اجزا، اور اتقائے خدا کے وہ ناقابل انفصال

---

† اس آیۂ شریفہ کے مطالب کی مسئلہ ارتقا کی شق ۳ دہم صفحہ ۱۱۲ سے مماثلت عیاں ہے۔ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ اسمیں دشمن سے بچ نکلنے کو نعمت خدا سے تعبیر کیا گیا ہے اور ظاہر کر دیا ہے کہ قانون خدا پر چلنا ہی دشمن کے دست تشدد سے بچنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ نہیں بلکہ قرآن حکیم کی حکمت جامعہ نے حفظ نفس کا تیر بہدف نسخہ 'وَاتَّقُوا اللّٰهَ' کے جامع اور مانع الفاظ کے اندر بند کر دیا ہے۔ گویا جس قوم کے افراد میں 'اتقا' کی صلاحیتیں موجود ہیں، جو قوم متحد اور متفق بنکر رہی، جس نے تفرقے سے اپنے آپ کو بچائے رکھا اور حفظ ماتقدم کے طور پر اپنے آپکو بہمہ وجوہ تیار کیا وغیرہ وغیرہ (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۷۷) اسپر کسی دشمن کی دست درازی عبث ہے۔ آیت کے آخری حصے سے 'توکل' کے معانی کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ گویا توکل یہ ہے کہ انسان قانون خدا پر کماحقہٗ چلکر نتائج کا منتظر رہے، عافیت پسند مسلمانوں نے آج توکل کے معانی ہاتھ پر ہاتھ دھر

Marfat.com

حصص تھے جنکا مآل کار لامحالہ اس دنیا میں حصول عافیت اور غلبۂ اسلام ہی تھا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۸ : ۱)، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (۴ : ۵۹)، قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۵ : ۱۱۲)۔ ہجرت اور جہاد کے جارحانہ اور مدافعانہ اوامر بھی حفظ نفس اور تقویت جماعت کے وہ عالم آرا، معرکۃ الآرا اور جلیل القدر اصول تھے جنپر ظہور آفرینش سے آجتک روئے زمین کی ہر زندہ قوم، عالم حیوانات کی ہر صالح اور مستعد نوع، بلکہ کائنات فطرت کی ہر ذی حیات جنس طبعًا اور حتمًا کاربند ہے! شارع فطرت کے نزدیک اعلائے حق کی خاطر حزب خدا اور اعلون بُننا ہی وہ لازمۂ ایمان، مستحق اجر، اور مستوجب رضا فعل تھا جسکا انجام راحت دنیا اور فلاح عاقبت دونوں تھا: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۵۸ : ۲۲)، فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ (۵ : ۵۶)، وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۳ : ۱۳۹)

---

۵۱ پس اس احکم الحاکمین کے مقام و منصب سے ڈرتے رہو اور اگر تمہیں اسکے منصب کا صحیح احساس ہے تو آپسمیں کامل طور پر متحد اور مصالحت سے رہو۔ اور اگر تم ایمان اور تقوے کے مدعی ہو تو خدا کے سب احکام کی کلی متابعت کرو اور اسکے علاوہ رسول (یعنی تمہارے امیر جماعت) ہی جو کچھ تمہیں کہیں معًا تعمیل کیا کرو۔

۵۲ اے ایمان والو! اللہ کے احکام کی پوری اور کُلی متابعت کرو، رسول کا کہا بلاچون وچرا مانا کرو، اور تم میں سے جو شخص تمہارے گروہ کا امیر مقرر کیا گیا ہو اُسکے احکام کی بھی پوری متابعت کرو۔ پھر اگر خدانخواستہ تمہارے اور حاکم وقت کے درمیان کسی معاملے میں جھگڑا بھی ہو جائے تو اللہ اور رسول پر چھوڑ دو (اور حاکم جماعت کی اطاعت میں کسر اٹھا نہ رکھو) اگر تم فی الحقیقت اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور روز قیامت کا تمہیں پورا یقین ہے (اُسدن آپ ہی خدا اور رسول نبٹ لینگے کہ کون غلطی پر تھا) یہی تمہارے لیئے بہترین طریق عمل ہو اور تمہاری اطاعت گذاری کی بہترین تاویل ہے۔

۵۳ تو اس نے کہا کہ اگر تم میں فی الحقیقت ایمان موجود ہے تو خدا کو ہر دم محسوس کرتے رہا کرو اور اُس کا اتقا کرو (یعنی وہ اعمال پیدا کرو جو اتقا کے لیئے ضروری ہیں)

۵۴ خدا اُن سے اُنکے اعمال کے باعث خوش ہو چکا ہے اور وہ خدا سے اپنے کیئے کا اجر پاکر خوش ہو گئے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خدا کی فوج اور اللہ کے سپاہی ہیں۔ منکرو! بگوش ہوش سُن رکھو اور مومنو اطمئن رہو کہ خدائی فوج ہی اس دنیا میں غالب آئیگی اور آخرت میں فلاح پاکر رہے گی۔

۵۵ تو لامحالہ خدا کے سپاہی ہی اس دنیا کے اندر غالب آکر رہیں گے۔

۵۶ اور اگر تم فی الحقیقت ایمان والے ہو تو بالآخر تم ہی تم غالب آکر رہو گے۔

✝ اس وسیع التاویل اور پیچیدہ، لیکن اہم اور سبق آموز آیت کے صحیح مطالب کی تصریح دوسری مجلد میں پیش کر دی جائے گی۔ یہاں پر مطالب سے صرف اس قدر بحث ہے کہ اطاعت خدا، اور اطاعت رسول، کو ایمان کی شرط لاینفک قرار دیا گیا ہے؛ اطاعت اولوالامر کا سوال بعد میں اٹھایا جائیگا

✝ اس آیت میں صاف طور پر **اتقا کو شرط ایمان** قرار دیا ہے گویا **اتقا کے اعمال** کا موجود ہونا فی الحقیقت ایمان کے موجود ہونیکے مترادف ہے (دیکھو ضمنی ۱۶۶ آخری سطر)

"خوشنودیٔ خدا" کی خاطر ایثارِ مال اور ایتائے زکوٰۃ بھی وہ مصدق ایمان، محرکِ عشق اور مطہر قلب اعمال† تھے جن کی تہ میں اسلامی جماعت کی اقتصادی استواری اور مالی استحکام کا عظیم الشان راز مضمر تھا، انہی کے باقاعدہ اجرا و التزام میں **تاسیس بیت المال** کی وہ عظیم المنفعت اور کثیر النفع **حکمت** پنہاں تھی جو سب مہمات امور میں اور خوف و خطر کے موقع پر، اُمت کو مالی مشکلات سے قطعاً بے نیاز کر سکتی تھی۔ الغرض اُس چارہ فرمائے جہان تبع کو جس کی ذات مستجمع الصفات عارضۂ احتیاج سے قطعاً مستبعد ہے، اِس تحکام کار فرمائی سے انسانوں کی اپنی ہی بہبودی مدنظر تھی: هَآ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ

---

† قرآن حکیم نے جا بجا قربانیٔ مال کو ایمان کا جزوِ اعظم قرار دیا ہے، بلکہ ایک رو سے **ایمان** کی تصدیق کا معیار ہجرت، جہاد فی سبیل اللہ، نصرت و تائید مجاہدین کے ساتھ ساتھ (جن کا ذکر صفحہ ۱۱۴ کی آیہ (۸: ۷۴) میں ہو چکا ہے) اقامت صلوٰۃ اور جہاد بالمال کو بھی تسلیم کیا ہے جیسا کہ سورۂ انفال کی مفصلہ ذیل آیت کے الفاظ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا سے ظاہر ہے:

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝ (۸: ۳-۴)

اور یہ وہ لوگ ہیں جو الصلوٰۃ پر قائم رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دے رکھا ہے اُسمیں سے ایک معتد بہ حصہ تقویت جماعت کے لیے صرف کرتے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو فی الحقیقت ایمان والے بھی ہیں۔ پروردگار جل و علیٰ کے نزدیک ایسے ہی لوگوں کے درجے بلند ہونگے، انکی پہلی واماندگیوں سے اغماض کیا جائے گا (مَغْفِرَةٌ) اور عزت و آبرو کے مقام اُنکے لیے وقف ہونگے۔

الصلوٰۃ کی حقیقت سے یہاں بحث نہیں، مگر المؤمنون حقاً کا استعمال تمام قرآن میں صرف انہی دو موقعوں پر ہوا ہے۔ اور ان سے ایثارِ مال کا مصدق ایمان ہونا ظاہر ہے۔ کلام الٰہی نے صدقہ (بمعنی انفاقِ مال) کی اصطلاح بھی اسی قرینے سے وضع کی ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۱۷) اور اسی شخص کو صادق، اور مصدق، نہیر ایا ہے جو اپنے زبانی دعووں کو عملاً یعنی زر خرچ کر کے سچ کر دکھائے۔ سورۂ حدید میں ہے:

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ۝ (۵۷: ۱۸)

اِسمیں شک نہیں کہ اپنے ایمان کی تصدیق کرنے والے مرد اور تصدیق کرنے والی عورتیں وہی ہیں جنہوں نے خدائے زمین و آسمان کی خاطر اپنے مال کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کر دیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو اُن کے ایثار کا اجر چند در چند کر دیا جائے گا، اور آگے چلکر بھی انکی اِس خدمت کا باعزت بدلہ ملیگا۔

ایثارِ مال کا محرکِ عشق الٰہی ہونا سورۂ آل عمران کی اِس آیت سے ظاہر ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۝ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝ (۳: ۹۱)

لوگو! خدا کی محبت کے بارے میں تزکیۂ نفس اور اخلاص کے مرتبے (البِرّ) کو تم ہرگز نہ پہونچ سکو گے جبتک کہ اُسکے اعلا میں، اور اُسکے احکام کی تعمیل میں اُن چیزوں میں سے نہ خرچ کرو جنکو تم محبت کرتے ہو (مقابلہ کرو اسکا آیہ "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۝ (۹: ۱۰۳) سے جو صفحہ ۱۱۴ پر گذر چکی ہے اور جس میں بتلایا ہے کہ خدا کی محبت کے بالمقابل کسی شئے کی محبت ٹھیر نہیں سکتی) اور یاد رکھو کہ جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے خدا اُس سے خوب واقف ہے۔

اس آیۂ شریفہ میں بالصراحت اِس واقع الامر کا اظہار کیا گیا ہے کہ کسی محبوب کی خاطر کسی عزیز شئے کا ایثار کرنا عاشق کے شعلۂ محبت کو اور بھڑکاتا ہے۔ بالخصوص اُس حالت میں کہ عاشق کو اطلاع ہو کہ محبوب کو اُسکے ایثار کا علم ہے۔ بِرّ کی مکمل تعریف میں ابھی بہت دیر ہے۔ یہاں ہم نے ترجمے میں ظاہر کر دیا ہے کہ

Marfat.com

مَنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝ (۴۷، ۳۸) ، وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲۹، ۶) ؛ وہ مسلمانوں کے سب اعتقادات اور معاملات اور ہر فعل وعمل کو انکی **دنیاوی** فلاح وبہبود کی خاطر ہی درست کرنا چاہتا تھا، وہ انکو دنیا کی اس عظیم الشان کشمکش میں غیر اقوام کے بالمقابل قوت اور زور سے رکھنا چاہتا تھا، وہ کائناتِ جہان کی اس ہولناک اور تابگسل مزاحمت میں مسلمانوں کو سلامتی کے طریقے، حفظ وامن کے دائمی اصول، اور عافیت اور تمکن کے اٹل قواعد بتلانا چاہتا تھا، وہ توحید کے متحد القلوب ماحول اور عبودیت کے سرفرشانہ ولولے میں مسلمانان عالم کو ایک نصب العین پر قائم کرکے انکو حقیقت اور حریت کے

لہ تم لوگ بگوش ہوش سن رکھو کہ تم وہ قوم ہو کہ آج تمہیں خدا کی راہ میں اپنے قومی فائدے کے لیئے خرچ کرنے کو بلایا جاتا ہے۔ اسپر بھی تم میں ایسے آدمی موجود ہیں جو دینے سے بخل کرتے ہیں۔ اور جو آج بخل کرتا ہے تو حقیقت میں اپنے آپ سے بخل کرتا ہے۔ ورنہ اللہ تو غنی اور بے نیاز ہے اور تم ہی اسکے محتاج ہو۔ اور اگر تم نے حکم خدا سے روگردانی کی تو اسی بخل کے باعث ہلاک ہوجاؤ گے اور خدا دوسرے لوگوں کو تمہاری جگہ لا بٹھائیگا اور وہ تم جیسے بدعمل، نفس پسند، اور ناکارہ لوگ بھی نہ ہونگے! لہ اور جسنے خدا کی حمایت میں اپنے پر تکلیفیں سہیں اور دشمن سے جہاد کیئے تو وہ اپنے ہی بھلے (یعنی حصول قوت) کیلئے سعی کررہا ہے ورنہ خدا تو دنیا جہان کے لوگوں سے بے نیاز ہے (۲۹ : ۲-۵ کو مدنظر رکھکر جَاهَدَ کا یہ ترجمہ کیا گیا)

تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۸۰) ماسوا کی محبت سے خدا کی محبت کو 'مبرا' رکھنا 'برّ' کا جزو لاینفک ہے۔ ایثار مال کا مظہر قلب ہونا (جو فی الحقیقت برّ کا مقام حاصل کرنیکے مترادف ہے) کلام الٰہی کی اس آیت سے ظاہر ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (۹ : ۱۰۳)

اے پیغمبر! ان مشکین اور منافقین عرب سے (انکے تذبذب اور نفاق کے قلبی مرض کو دور کرنیکی غرض سے) انکے مال میں سے کچھ شے بطور صدقہ لے لیا کرو (کہ یہ صدقہ بادی النظر میں انکی مزعومہ قلبی کیفیت کی تصدیق کرتا ہے) تم یہ طریقہ اختیار کرکے فی الحقیقت ان کے دلوں کو محبت ماسوا سے پاک کروگے (تُطَهِّرُهُمْ) اور انکے نفوس کو آلایش حُبِّ زر سے مبرا کردوگے (تُزَكِّيْهِمْ) اور یہی نہیں بلکہ ان کا شکریہ ادا کیا کرو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) انکو دعائے خیر دو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) انکے اس فعل کے عوض میں تحسین وآفرین کہو (صَلِّ عَلَيْهِمْ) کیونکہ تمہاری شاباش (صَلٰوتَكَ) انکے لیئے موجب تسکین ہوتی ہے اور انکو اور بھی بہتر کام کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور یوں تو خدا ہر شخص کے ظاہر باطن کو سمجھنے والا اور دل کی کیفیات کو خوب جاننے والا ہے۔

'صَلِّ' اور 'صَلٰوتَ' کے مفہوم کے متعلق تفصیلی بحث صفحہ ۱۲۳ کے تحت المتن میں ہوچکی ہے۔ یہاں پر اس نقطہ نظر کی کامل تصدیق ہوجاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ 'صَلٰوةَ' سے مقصود تحسین وآفرین ہے لیکن ضمناً یہاں پر 'تُزَكِّيْهِمْ' کے لفظ سے 'زکوۃ' کی وجہ تسمیہ بھی معلوم ہوگئی کہ زکوٰۃ فی الحقیقت وہ شے ہے جس سے تزکیۂ نفس ہو یعنی مال کی محبت گھٹے اور خدا کا عشق بڑھے!

✤ آیہ (۴۷، ۳۸) سے صاف ظاہر ہے کہ انفاق مال فی سبیل اللہ کی صحیح غرض وغایت امت کی اجتماعی اور سیاسی بہتری ہی ہے، اور اسمیں بخل کرنا گویا اپنی قومی بہتری میں مخل ہونا ہے۔ اس امر کی تائید کہ 'يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ' سے مراد قوم کی دنیاوی اور اجتماعی بہبودی سے بخل کرنا ہی ہے، اور نہ روز قیامت کے بہشت سے بخل کرنا جیسا کہ بعضوں نے زکوٰۃ کے اصلی مدعا کو مسخ کرنے کی غرض سے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے، 'وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ' کے الفاظ سے ہوتی ہے جو معاً بعد میں آئے ہیں۔ گویا ایثار مال نہ کرنے کا یہ نتیجہ ہوگا کہ قوم کی مالی قوت کو نقصان پہونچے گا، اور اسی طرح سے غیروں کے بالمقابل اسکی مدافعت نہ ہوسکے گی،

Marfat.com

علمبردار، اخوت اور مساوات کے مبلغ، عالم آرا عصبیت کے محافظ، اور **وراثت زمین** کے اہل بنانا چاہتا تھا!

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ
وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ
اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ
خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَیُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ
مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (۶۱: ۹-۱۳)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۱) مجاہدین کو ہتیاروں سے لیس کہنا متعذر ہو جائے گا اور بالآخر کوئی دوسری قوم جو اعمال میں اس کم ہمت قوم سے بہتر ہوگی اُن کے ملک پر قبضہ کرے گی اور **اس قوم کی سیاسی قوت کو تباہ کر دے گی**۔

جن خوش اعتقادوں نے 'زکوٰۃ' کو بیت المال کی حکمت عملی سے الگ سمجھ کر کسی بھک منگے کو چار پیسے دینا سمجھ لیا ہے اُنکے لیے یہ آیت اِس قابل غور ہے لیکن 'فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ' کے صحیح معانی اور 'زکوٰۃ' کے متعلق باقی بحث آگے چلکر آئے گی۔

آیہ (۶۱:۲۹) میں بھی 'لِنَفْسِهٖ' کا لفظ ہے، اور اِن دونوں آیتوں کے مضامین کی مماثلت سے ظاہر ہے کہ یہاں بھی 'فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ' سے مراد اپنی دنیاوی بہتری کے لیے سعی و عمل کرنا ہے۔ باغ بہشت کا قصہ جو لوگ آسانی سے وضع کر لیتے ہیں اور 'جَاهِدْ' کے لفظ سے مراد تسبیح پھیرنا اور روحانی مجاہدے کرنا لے لیتے ہیں، اُسکی سند قرآن میں موجود نہیں۔ بہشت بھی آخرت میں تبھی ملسکتا ہے جب سب اُمت اُنتیوں کی متفقہ طاقت عمل سے 'اَعْلَوْنَ' بنکر رہے۔ ورنہ نرے روحانی مجاہدے بے معنی ہیں اور اُنکی کچھ اُجرت نہیں لیکن اِس بحث کو چھیڑنا یہاں پر بیش از وقت ہے۔

(۱) اِن آیات جلیلہ میں چند باتیں غور طلب ہیں:۔

(۱) اسلام کا اس دنیا میں منتہائے وحید 'اَعْلَوْنَ' اور غالب بنکر رہنا ہے، اور اسی **واحد** غرض و مطلب کے لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے تھے۔ قرآن کے تمام طول و عرض میں رسول کے بھیجنے کی اِسکے سوا کوئی اور غرض کہیں نہیں بتلائی گئی۔ یہ اِس عنوان کا جواب ہے جو ہم نے صفحہ ۱۰۱ پر قائم کیا تھا۔

(۲) جہاد بالسیف اور جہاد بالمال کا نتیجہ قرآن حکیم نے عذاب الیم سے 'نجات'، 'ذنوب کی مغفرت'، 'جنت میں داخل ہونا' اور 'مساکن طیبہ' بتایا ہے۔ اگر یہ سب باتیں روز قیامت سے متعلق کر لیجائیں تو بھی 'اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ' کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ اُمت کی دنیاوی اور اجتماعی بہتری بھی خدا کا وعدہ ہے۔ اِس نقطۂ نظر سے ایثار مال یعنی 'زکوٰۃ' کی غرض اور بھی عیاں ہو جاتی ہے۔

(۳) 'جنت' کی تشریح کے ضمن میں ہم نے صفحہ ۱۱۱ پر دعوے کیا تھا کہ قرآن حکیم میں یہ لفظ ارضی بادشاہت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے، آخرت کے باغ بہشت کے لیے 'الْجَنَّة' کا لفظ مخصوص ہے۔ یہاں پر اِس دعوے کی بادی النظر میں تغلیط ہوتی ہے مگر چونکہ ساتھ ہی 'لِیُظْهِرَهٗ' اور 'فَتْحٌ قَرِیْبٌ' کے الفاظ استعمال کر کے سیاسی اور دنیاوی غلبے کو واضح کر دیا ہے، 'جنت' کا ذکر عمداً اِس انداز سے کیا ہے کہ دنیاوی تغلب اور اُخروی انعام دونوں معنے لیے جا سکیں گویا جس مجاہد بالمال والانفس کو باوجود اُسکے جہاد کے جنات زمین کی بادشاہت نہ مل سکی اسکے لیے اُخروی جنت مخصوص ہے۔ اِس طرح کا استثنائی استعمال قرآن میں ایک دو جگہ اور ہوا ہے جو آگے آئینگے مگر یہ مستثنیات ایسی ہیں کہ اُن سے نفس دعوے کی تردید نہیں ہوتی۔

(۴) صفحہ ۸۱ کے تحت المتن میں بشارت رُسل کی نوعیت واضح کی گئی تھی۔ یہاں 'وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ' (۶۱:۱۳) کے الفاظ سے پھر اِس دعوے کی تائید ہوتی کہ بشارت اجتماعی تمکن کی بشارت ہی ہے۔ **ایمان کی ماہیت** کے بارے میں ابتک جو کچھ قرآن حکیم سے مستنبط ہوا ہے یہ ہے کہ (۱) فطرت کا بغور مشاہدہ کرنا (۱۶:۷۹) (۱۶:۱۰۰) صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳، (۲) لرزش قلب کا موجود ہونا (۸:۲) صفحہ ۱۰۳، (۳) مخالف متحققین سے اعلائے اسلام کے لیے قطع تعلق کرنا آیہ (۵۸:۲۲)

Marfat.com

خداوہ پاک ذات ہی جسنے اپنے رسول کو یہ عظیم الشان ہدایت اور سچا دین (راہ عمل) دیکر بھیجا تاکہ اسکے زور اثر سے باقی سب غلط راہ ہائے عمل پر غالب آجائے اگرچہ دشمنوں کو برا ہی لگے۔ اے ایمان والو! کیا میں تمہیں کوئی ایسی سوداگری بتلاؤں جو تمکو دنیا دی شکست کے دردناک عذاب سے نجات دے۔ وہ یہ ہی کہ خدا کو فی الحقیقت اپنا حاکم اعلیٰ مانو (تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ)، اور اسکے رسول کے لائے ہوئے احکام کی تعمیل کرو، اللہ کی حمایت میں اپنی جانیں اور مال لڑادو۔ تمہاری بہبودی اور غلبۂ امت کیلئے یہی بہترین دستور العمل ہی اگر تم اسکو سمجھو۔ ایسا کرتے رہوگے تو خدا تمہاری اگلی تقصیروں پر پردہ پوشی کریگا، تم کو خوشگوار باغوں میں داخل کریگا جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں، آخرت کے دائمی باغوں میں نہایت عمدہ مقام دیگا اور یہ بہت بڑی کامیابی ہی۔ اور اس انعام کے علاوہ ایک اور نعمت بھی ہی جسکو تم پسند کرتے ہو وہ یہ کہ تم کو اس دنیا میں خدا کیطرف سے مدد ملیگی، فتح تمہارے شامل حال ہوگی، اور اے پیغمبر! یہ بشارت تمکن بھی ایمان والوں کو دے دو۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۸۲) صفحہ ۱۰۴، (۴) اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ اور جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کا مصداق بننا (۲۲: ۷۷-۷۸) صفحہ ۱۰۵، (۵) راہِ خدا میں جہاد اور ہجرت کرنا، مجاہدین کو مدد اور پناہ دینا (۸: ۷۴) صفحہ ۱۱۴، (۶) مشکک فی اللہ نہ ہونا اور جہاد بالمال والانفس کرنا (۴۹: ۱۵) و (۹: ۲۰-۲۲) صفحہ ۱۱۵ و (۹: ۸۸) صفحہ ۱۳۴ و (۹: ۱۱۱) صفحہ ۱۴۰، (۷) ثابت قدم ہوکر لڑنا (۳: ۱۴۰) صفحہ ۱۲۰ و (۳: ۱۶۵) صفحہ ۱۲۴ تحت المتن، (۸) اصْبِرُوْا اور صَابِرُوْا اور رَابِطُوْا کا مصداق بننا (۳: ۱۹۹) صفحہ ۱۴۲، (۹) دنیا کے اندر جم کر رہنا (۱۴: ۲۷) صفحہ ۱۴۳، (۱۰) اعتصام بحبل اللہ کرنا اور فرقہ بند نہ بننا (۳: ۱۰۱-۱۰۳) صفحہ ۱۴۴-۱۴۵، (۱۱) دشمن کے دل میں اپنی قوت کی ہیبت بٹھا دینا (۵۹: ۲) صفحہ ۱۵۵، (۱۲) اتقائے الٰہی کرنا اور سعی و عمل سے قرب خدا کی تلاش کرنا (۵: ۳۵) صفحہ ۱۵۶ و (۵: ۱۱۲) صفحہ ۱۷۹، (۱۳) ماسوا سے نہ ڈرنا (۹: ۱۳) صفحہ ۱۵۷، (۱۴) جہاد کے وقت لنگ عذرات نہ کرنا (۹: ۴۴-۴۵) صفحہ ۱۵۸، (۱۵) اولیائے خدا بننا (۱۰: ۶۲-۶۴) صفحہ ۱۵۸، (۱۶) بادشاہ زمین بننا (۳۹: ۱۰) صفحہ ۱۵۹، (۱۷) حفظ نفس کرنا (۵۹: ۱۸) صفحہ ۱۶۲ و (۵: ۱۱) صفحہ ۱۷۸، (۱۸) قتال بالسیف کی طرف راغب ہونا (۸: ۶۵-۶۶) صفحہ ۱۶۴، (۱۹) آپس میں کامل طور پر متحد ہونا (۸: ۶۳-۶۴) صفحہ ۱۶۷، (۲۰) اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ وغیرہ ہونا (۴۸: ۲۹) صفحہ ۱۶۸، (۲۱) امیر جماعت کا کامل طور پر مطیع ہونا (۸: ۲۰-۲۲)، (۸: ۲۴-۲۵) صفحہ ۱۷۰ و ۱۷۱، (۲۲) امیر جماعت کی مدد کرنا (۷: ۱۵۷) صفحہ ۱۷۲، (۲۳) اطاعت اولوالامر کرنا (۴: ۹ صفحہ ۱۷۹

(۲۴) الصلوٰۃ پر قائم رہنا اور الزکوٰۃ دینا (۸: ۳-۴) صفحہ ۱۸۰، (۲۵) لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا مصداق بننا (۶: ۹-۱۳) صفحہ ۵۲۔ ایمان ہے صحیح بخاری باب الایمان میں ہی کہ ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا "ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخیں ہیں جن میں ایک شاخ حیا ہے" چنانچہ اسوقت تک پچیس شاخوں کی توضیح اس کتاب میں کردی گئی ہے۔ اسکے بعد اب جہاں جہاں قرآنی آیات میں لفظ ایمان آئیگا وہاں مراد بھی اعمال لینے چاہییں (۵) رسولؐ کے ساتھ "الھدیٰ" اور "دِيْنِ الْحَقِّ" کے بھیجے جانے کا ذکر ہی۔ "دِيْنِ" کے معنی "راہ عمل" میں نے صفحہ ۱۶۱ کے تحت المتن میں ثابت کردیئے ہیں۔ اس بنا پر "دِيْنِ الْحَقِّ" اس دنیا میں قوی بنکر رہنے کیلئے وہ صحیح راہ عمل ہی جو عرب نے رسولؐ خدا کی سیادت میں اختیار کی تھی۔ جبتک مسلمان غالب رہتے رہے یہ راہ عمل اور وہ قرآن درست رہی۔ جب اعلون بنکر رہنے کا نصب العین نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تو مسلمانوں کا طرز عمل بھی "دِيْنِ الْحَقِّ" نہیں رہا، اور اسی لئے "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" کا میثاق ایزدی آج پورا نہیں ہوتا۔ اب سوال یہ رہا کہ "الھدیٰ" کیا شے ہی۔ اسکا علی الحساب جواب تو یہی قرآن ہی جو مجسمہ ہدایت ہی مگر صحیح بات مفہوم و تکلیف دل اور صحت عمل، وہ صلاحیت اور استعداد کار ہی جو قرون اولیٰ میں رسول خدا کی تعلیم نے پیدا کردی تھی اور جو آج قطعاً مفقود ہی لیکن اسکے حصول امانی کیلئے (صفحہ ۱۱) اللہ اللہ! کسی زمانے میں دین اسلام کا واضح مطمح نظر تمکن فی الارض اور غلبہ استعداد تھا کہ آٹھویں صدی ہجری کا مشہور مسافر ابن بطوطہ لکھتا ہی کہ شاہ محمد تغلق کے سکوں پر ایک طرف "اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" کے الفاظ کندہ تھے۔ ساتھ ہی اس غلبے کو حاصل کرنیکے لئے اطاعت امیر کا درس اسقدر تھا کہ دوسری پشت پر "من اطاع السلطان فقد اطاع الرحمٰن" بے خوف خطر لکھا تھا گویا خدا رسول اور سلطان کی اطاعت اصلاً ایک ہی شے ہی (دیکھو صفحہ ۱۷۱)

Marfat.com

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○
هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ (۶۱: ۸-۹)

یہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ اللہ کی مشعل نور کو پھونکیں مار کر بجھا دیں اور خدا اس بات پر اڑا ہوا ہی کہ علی الرغم اعدا اپنے نور کو پورا کر کے رہے۔ خدا ہی تو وہ پاک ذات ہی جسنے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تاکہ اسکو دنیا کے تمام مذاہب پر غالب کردے، گو مشرکوں کو یہ بات کیسی ہی ناگوار لگے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ○ (۴۸: ۲۸)

وہ خدا کی مقتدر ذات ہی تو ہے جسنے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسکو بالآخر دنیا کے تمام طرق عمل پر غالب کردے، اور درحقیقت اس طرز عمل کو کامیاب کرنے کیلئے خدا نگہبان بس ہی۔

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ○ (۸: ۷-۸)

---

† اس آیہ کریمہ سے جس کے لگ بھگ ایک آیت سورۂ صف میں بھی متذکرۂ صدر آیات (۶۱: ۹-۱۳) سے عین پہلے آئی ہے، اور بھی ظاہر ہے کہ "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ" سے مراد اسلام کا اجتماعی اور سیاسی غلبہ ہی ہے۔ اسکے ماسوا حتماً کچھ نہیں: کافر عرب اسلام کی دنیاوی طاقت ہی کو مٹانا چاہتے تھے، وہ اپنی گھٹتی ہوئی قوت کے بالمقابل مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے درپے تھے۔ اور اس سیاسی تمکن ہی کو نُوْرَ اللّٰهِ کہا گیا ہے جسکے اتمام کا وعدہ خدائے عزوجل کر رہا تھا۔ کفار کو اسلام کی روحانی طاقت سے کچھ حسد یا تعرض نہ تھا۔ جن نام نہاد مسلمانوں نے آج اُمت کی زبوں حالی اور شرعی وضع قطع کو مذاہب عالم پر اپنی روحانی فتح سمجھ لیا ہے اُنکے لیے یہ آیات نہایت سبق آموز ہیں، سورۂ صف کی متذکرۂ صدر آیت یہ ہی: يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○ (۶۱: ۸)۔ اسکا پھر ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

‡ اس آیہ شریفہ سے پیشتر کی آیت ہے:

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ○ (۴۸: ۲۷)

اسمیں شک نہیں کہ خدائے عزوجل نے اپنے بھیجے ہوئے رسول کو، وہ رؤیائے قلبی جو اُسکو بہیم اضطراب اور شبانہ روز اہتمام کیلئے تھیں عالم خواب میں دکھائی تھی، بالتحقیق سچ کر دکھایا اور وہ رؤیا یہ تھی کہ اگر خدائے بے نیاز نے ہماری سعی و عمل کو پسند فرما کر مناسب سمجھا (اِنْ شَآءَ اللّٰهُ) تو تم لوگ مسجد حرام میں سب دشمنوں سے محفوظ و مامون ہو کر بے خوف خطر داخل ہو گے، اور وہاں جا کر رسم کے مطابق اپنا سر منڈواؤ گے یا بال کتراؤ گے۔ پھر مسلمانو! فتح مکہ کے اس اہم مرحلے تک پہنچنے کیلئے خدا وہ وسیلہ تار گیا جس کا تمہیں علم نہ تھا (فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا) اور حدیبیہ کا معاہدہ مکے کے سر ہونے سے پہلے دشمن سے کرا دیا جو فی الحقیقت ایک ضمنی فتح ہے۔

رؤیا کی حقیقت سے یہاں پر بحث نہیں اگرچہ ہم نے ترجمے میں رؤیا کے واقع ہونے کی توجیہ، اور مناسب حالات میں صحیح سعی و عمل کے بعد اسکے سچ ہو رہنے کی وجہ بھی اشارۃً بیان کر دی ہے مگر یہ آیت اس امر کا مزید ثبوت ہی کہ زیر بحث آیت یعنی (۴۸: ۲۸) میں لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ سے مراد مسلمانوں کا اجتماعی اور سیاسی غلبہ ہی ہی کیونکہ مسجد حرام میں داخل ہونے اور فتح قریب کا ذکر ہے اور روحانی غلبہ، جسکی داستان آجتک کے کم ہمت اور ناکارہ مسلمانوں نے اپنا دل خوش رکھنے کیلئے گھڑی ہی حتماً مراد نہیں، اور نہ روحانی غلبہ کوئی ایسی شے ہی جسپر وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (۶۱: ۸-۹) اور وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (۹: ۳۳؛ ۶۱: ۹) اور وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ (۸: ۸) (۱۰: ۸۲) کا اطلاق ہو سکے، اور جس سے کافروں کی جڑ بنیاد کٹ سکے، جیسا کہ آگے چلکر سورۂ انفال میں ہے: وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (۸: ۷)۔

اور لوگو! خدا تو اِس بات کا ارادہ کر رہا ہے کہ اپنے احکام کے قوت افزا اثر سے صداقت کو اِس دنیا کے اندر مستحکم کر دے، اور منکرین کی جڑ بنیاد کاٹ ڈالے، اور یہ اِسلیئے کہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھائے اگرچہ اُن مجرموں کو بُرا ہی کیوں نہ لگے جو اسکے احکام کی تعمیل نہیں کرتے!

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ (۱۰: ۸۲)

اور خدا اپنے احکام کی قوت افزا وساطت سے حق کو اِس دنیا کے اندر مستحکم کر دیتا ہے اگرچہ مجرموں کو جو خدا کی نافرمانی کرتے ہیں بُرا ہی کیوں نہ لگے۔

غلبۂ اسلام و اتحادِ عالم†

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲: ۱۳۶) (۳: ۱۳)

ہم انبیاء میں سے کسی ایک کے مابین فرق نہیں کرتے (سب کو ایک پیغام کے لانے والا سمجھتے ہیں) اور ہم تو درحقیقت خدا ہی کو حاکم اعلیٰ ماننے والے ہیں

اُس قاضیٔ حاجات تک کے پیش نظر دراصل ایک ایسی مقتدر جماعت کی تنظیم و تنسیق تھی جو مال و جان کی مہذب نفس اور مطہر اخلاق قربانیوں سے دنیا کی تمام اُمتوں پر غالب آکر انسان کی **دنیوی** فلاح اور **اجتماعی** نجات کا باعث ہو؛ وہ مسلمانوں کی جماعت کو عبادت خدا کے حوصلہ انگیز عمل، تقویٰ کی وحدت افزا خلش، اور ایمان کے غلبہ اندوز عزم کے ذریعے سے ہر معاند گروہ سے عہدہ برآ کر کے اُسکے عالم آرا **اتحاد**، اور ناقابل شکست **اخوت** کی ہیئت دلوں میں بٹھا رہا تھا! وہ جہاد فی سبیل اللہ کو حفظ جماعت اور دفاع نفس کا اسلحہ وحید اور فلاح عاقبت کا قطعی اور فوری وسیلہ قرار دیکر، ہر متنفس کے دل میں مقابلے کی ناقابل شکست روح، اور فیروزمندی کی شدید تڑپ پیدا کرنا چاہتا تھا! ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (۶۱: ۱۱)؛

وہ اسلام کی عالم آرا صداقت، توحید کی ناقابل انکار حقیقت، اور انسان کے مخلصانہ اعمال کے ستیلائے اثر سے پہنائے جہان کے اندر اسکی ہیئت اجتماعی میں روز افزوں تقدم اور ارتقائی تقویت دیکھنا چاہتا تھا

† غلبے کو پیش نظر رکھکر اسلام کا اتحاد عالم کی دعوت دینا (جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا) بظاہر بین نظروں میں دو متضاد باتیں معلوم ہوتی ہیں لیکن ادنیٰ تامل اس نتیجے پر پونہچا دیتا ہے کہ اسلام انسان کی ہیئت اجتماعی میں ایک استعداد عمل (الہدیٰ)، ایک اصول عمل (الدین)، اور ایک صراط مستقیم (دین الحق) پیدا کر کے سب کو مجتمع کرنا چاہتا تھا گویا سب کو فطرت کے اس واحد راہ راست پر علاً چلانا چاہتا تھا جس کا نتیجہ تمکن فی الارض ہے، یہودیوں اور نصرانیوں کیطرح ایک شرعی فرقہ بنجانا اسکا پیش نہاد قطعاً نہ تھا اگرچہ آج یہی بن چکا ہے! ایسی اتحاد اور نسل انسانی کے مجموعی فائدے کو پیش نظر رکھکر اسنے سب انبیاء کو ماننے کا اعلان کیا تاکہ فرقوں کا ذاتی تعصب اس اتحاد میں حائل نہو (دیکھو دیباچہ کتاب صفحہ ۶۲)

Marfat.com

نہیں وہ سب نسلی اور تمدنی اختلافات، اور سب ملکی اور اعتقادی تفرقات کو خدائے مشترک کی مشترک ملازمت (عبادت)، اور ایک قانون اور ایک حاکم کی عملی اطاعت کے بالمقابل نسیًا منسیًا کرکے، انسان کی مختلف العقائد، متخالف الآرا، اور منتشر الاغراض جماعتوں میں بنی نوع آدم کی **طبعی یکرنگی**، اور کارگاہِ فطرت کی **جنسی یک وضعی** از سرِ نو قائم کرنا چاہتا تھا! وہ الغرض حیات کی اس المناک کشمکش میں خدا پرستاروں کی یک عمل اور باعمل، یک خدا اور باخدا، یک قانون اور تابع قانون جماعت کو حصول قوت کے محکم اصول، حفظِ نفس کے لازوال طریقے، اور دنیوی ترقی کے مستحکم ضوابط سکھا دینا چاہتا تھا!

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ

---

† اس آیت میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ" کی مشترک اساس پر بلاکر متحد العمل کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ یہود اور نصاریٰ دونوں فرقے کم از کم زبانی طور پر "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ" کے مدعی تھے۔ اسی لیے اس کلمے کو کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ کہا گیا ہے مگر عملاً وہ خدا کے حکموں کی جو تورات و انجیل میں مذکور تھے کچھ تعمیل نہ کرتے تھے۔ آجکل کے مسلمانوں کی طرح خدا کو منہ سے خدا کہہ چھوڑنا، یا اس کے نام پر نماز پڑھ لینا انکا رسمی اعتقاد تھا مگر عبادت یعنی ملازمتِ خدا صحیح معنوں میں ہرگز نہ رہی تھی۔ یہودیوں نے احکام خدا کی تعمیل کو خیرباد کہکر، احبار اور رہبان (یعنی اسقفوں اور گوشہ نشینوں) کو اپنا مخدوم بنایا ہوا تھا، وہ ان کے پیچھے لگ کر ایک دوسرے سے الگ اور فرقہ بند بن گئے تھے۔ علی ہذا القیاس نصرانی بھی خدا کی اطاعت اور ملازمت کو چھوڑ کر اپنے اپنے پادریوں کے صحیح معنوں میں ملازم بنے ہوئے تھے۔ گویا ان کا مرتبہ عملاً خدا کے برابر بلکہ اس سے بہتر بنا رکھا تھا۔ سورۂ توبہ میں اسی عبادتِ ماسوا کی طرف اشارہ کرکے احبار اور رہبان کو "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ" کہا گیا ہے: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ (۹:۳۱)، یعنی "انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علما اور مشائخ کو اور مسیح ابن مریم اپنے نبی کو خدا بنا کھڑا کیا ہے اور عملاً ان کی ملازمت اور عبادت میں لگے ہیں"۔ اس آیہ شریفہ میں قرون اولیٰ کے کارکن مسلمانوں کی طرف سے یہود و نصاریٰ کو دعوت ہے کہ "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ" کے اصل اصول پر عملاً کاربند ہو جائیں (یہی معنی "تَعَالَوْا اِلٰی" کے ہیں) اور بصراحت تمام بتلایا ہے کہ خدا کی عملاً ملازمت کرنا، کسی شئے کو عملاً اور معناً اس کے برابر نہ کرنا، اور خدا کے حکموں کو پس انداز کرکے علما اور مشائخ کے من گھڑت حکموں پر نہ چلنا ہی عین اسلام ہے۔ گویا یہ زبانی اعتقاد کو خیرباد کہکر عمل کی طرف آنا اور خدا کو معنًا حاکم اعلیٰ سمجھنا ہی مسلم بننے کے مترادف ہے: (فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ)۔ یہ وہ بیمثال دعوت اتحاد اور وہ وسیع النظر بنائے مصالحت تھی جس پر قرن اول کے مسلمان سب دنیا کو متحد العمل کرنا چاہتے تھے۔ آج جو بُعد المشرقین انکے اور یہود و نصاریٰ کے درمیان واقع ہو چکا ہے، نہیں، بلکہ جو ناقابل گذر خلیج انکے آپس کے فرقوں کے درمیان حائل ہے اور جسکے باعث وہ ایک دوسرے کو کاٹ کھانے میں مصروف ہیں، اسلام کی ماہیت نہ سمجھنے اور منشائے خدا کے مطابق عمل نہ کرنے کی صریح شہادت ہے۔

ماہیتِ اسلام اور اتحادِ عمل کے متعلق یہ اہم بحث تفصیل کیساتھ پہر پانچویں مجلد میں کیجائیگی۔ سردست جو بات غور طلب ہے یہ ہے کہ آج امتِ مرحومہ کا ایک ایک فرد بذات خود "اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ" کے برخلاف صحیح معنوں میں عمل کر رہا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اپنے احبار اور رہبان کے پیچھے لگ کر فرقہ بند بن چکا ہے۔ انکو "اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ" بنا رہا ہے۔ ہر سرگروہ نے اپنا اپنا طریقہ الگ کرکے امت کو صدہا بلکہ ہزارہا فرقوں میں تقسیم کر دیا ہے اور وہ غرض و غایت خدا کی مشترک عبودیت اور ایک حاکم اعلیٰ کی اطاعت میں مضمر تھی قطعاً مفقود ہو چکی ہے۔ گویا آج انکے طرزِ عمل کو "دین اسلام" کہنا حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔

ضمناً اس آیہ شریفہ میں "عبادت" کے معانی کی تائید ہو گئی۔ جسپر ایک طول و طویل بحث صفحہ ۱۱ الخ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔

† چنانچہ اسی آیت میں ان الفاظ کے بعد ہے: "وَاُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا" (۹:۳۱) گویا عبادتِ خدا صحیح معنوں میں ہو رہی تھی بلکہ کئی خدا بنے ہوئے تھے۔ یہاں عبادت کا صحیح مفہوم اسقدر روشن ہو گیا

بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (۳: ۶۴)

اے پیغمبر! اِن سے کہدو کہ اے اہل کتاب! آؤ ہم سب ایک ایسی حقیقت پر متفق ہوجائیں جسکا ہمارے اور تمہارے درمیان کم از کم زبانی طور پر یکساں اقرار ہے، اور جسپر فی الواقع عمل کرنے میں نہ تمہیں کوئی عذر ہوسکتا ہے نہ ہمیں، اور وہ یہ ہے کہ ہم ماسوا خدا کے کسی غیر کے ملازم نہ بنینگے، اور نہ کسی شئے کو اطاعت گذاری میں اُسکے ہم مرتبت کرینگے، اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا آقا نہ سمجھے گا۔ پھر اگر اس سچی اور مطلق العمل بات کے ماننے سے بھی مُنہ موڑلیں تو اُن سے کہدو کہ اب گواہی دو کہ ہم ہی حقیقت میں خدا کو خدا مانتے ہیں نہ تم۔ کہ صرف مُنہ سے اقرار کرتے ہو لیکن اسکے احکام پر عمل نہیں کرتے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِىْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○ † (۲: ۱۳۶-۱۳۸)

اے ایمان والو! تم تمام عالم کی اُمتوں سے مصالحانہ طور پر کہدو کہ ہم تو اللہ کو اپنا خدا مان چکے ہیں اور ہم قرآن کو اُسکا قانون تسلیم کرکے اُسپر عمل کرتے ہیں اور ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اُترا، اور جو کچھ بھی موسٰی اور عیسی کو دیا گیا، اور جو کچھ دنیا کے اور تمام

---

† اِن آیات الٰہی میں اتحاد کی طرف ایک اور اہم قدم بڑھایا گیا ہے اور صاف الفاظ میں تمام انبیائے جہان کو بلا تفریق احد سے منجانب اللہ تسلیم کرکے متحد العمل ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔ لیکن اس اتحاد کا اساس کار یہ وہی خدا کو حاکم اعلےٰ تسلیم کرنا (وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲: ۱۳۶)) اور اسکی عملی عبادت کرنا (وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ○ (۲: ۱۳۸)) قرار دیا گیا ہے۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ کے الفاظ سے عیاں ہے کہ ایمان فی الحقیقت عمل ہی کا دوسرا نام ہے، زبان سے اسکو کچھ تعلق نہیں۔ جو شخص کہتا ہے مگر کرتا نہیں وہ از روئے اسلام کچھ نہیں۔ اس امر کی تصدیق میں کہ دعوت عام ہے اور روئے سخن کسی ایک فرقے مثلاً یہود یا نصارٰے کی طرف ہی نہیں بلکہ تمام عالم کی طرف ہے، قرآن حکیم کی اُن آیات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ جن میں بصراحت تمام کہا گیا ہے کہ ہر اُمت بلکہ ہر فرقے میں خدا کا کوئی نہ کوئی رسول ہوگذرا ہے جو لوگوں کو عبادت خدا کی طرف بلایا کرتا تھا۔ سورۂ نحل میں ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ (۱۶: ۳۶)

یعنی ہم ہر اُمت میں کوئی نہ کوئی رسول اس غرض کے لیئے بھیجتے رہے ہیں کہ لوگوں کو بتلائیں کہ اے لوگو! اس خدائے عزوجل کی ملازمت اختیار کرلو، اور شیطان کی غلامی سے بچتے رہو۔

اس قسم کی اور آیتیں آگے چلکر دوسری مجلد میں آئیں گی۔ دیباچہ کتاب میں میں نے اسلام کی اس اتحادی دعوت کی حکمت کو دوسرے نقطۂ نظر سے واضح کیا ہے۔

(دیکھو صفحہ ۱۳۰۶۲)

Marfat.com

پیغمبروں کو اپنے پروردگار سے ملا، سب اُسی ایک خدا کی طرف سے تھا۔ ہم اُن میں سے کسی ایک میں بھی، اِس معاملے میں کوئی مابہ الامتیاز تسلیم نہیں کرتے۔ اور ہم تو بہر نوع اُسی خدائے واحد کے فرمانبردار ہیں۔ تو اگر اسیطرح جس طرح تم نے اپنے آپ کو اطاعت احکامِ خدا کے لیئے وقف کر دیا ہے یہ بھی اپنے آپ کو سپرد کر دیں تو بس راہ راست پر آگئے اور تمہاری انسے کوئی وجہ پرخاش نہیں لیکن اگر یہ روگردانی کریں تو سمجھ لو کہ تمہاری ضد پر ہیں۔ پھر اس حالت میں خدا تم کو اُن کے شر سے اپنے حفظ و امان میں رکھیگا اور وہی حقیقت میں حالات کا بڑا سمجھنے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔ ان سے کہدو کہ جس مصالحانہ اور اتحادی رنگ میں ہم رنگے ہوئے ہیں یہی اللہ کا رنگ ہے۔ اور اللہ کے رنگ سے بہتر رنگ کس کا ہوگا، اور ہم تو اُسی کی خدمت کرنیوالے ہیں۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (۳:۸۳)

اے محمدؐ! ان یہود و نصاریٰ سے صلح صفائی سے کہدو کہ ہم تو اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور اس کتاب پر جو ہمکو دی گئی، اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جو کچھ ابراہیم اور اسمٰعیل اور یعقوب پر اُتارا گیا تھا اور جو کچھ بھی موسیٰ اور عیسیٰ اور دنیا کے تمام پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کیطرف سے دیا گیا تھا، اُسی خدا کی طرف سے تھا۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی کوئی فرق تسلیم نہیں کرتے۔ اور ہم تو ہمہ تن اُسی خدا کے فرماں بردار غلام ہیں۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۲:۲۱۳)

---

† صفحہ ۸۷ کی آیہ (۲:۱۳۶) سے اس آیت کی مماثلت عیاں ہے۔ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ کی شرط یہاں بھی التزام کے ساتھ موجود ہے۔ گویا مسلم بننا خدا کی خدائی کو عملاً تسلیم کر لینے کے ہم معنی ہے۔

‡ شارحین قرآن نے اِس آیہ شریفہ کے مفہوم کو اکثر غلط سمجھا ہے اور نہایت لایعنی، بے نتیجہ، اور متناقض ترجمہ کر کے مطالب کو گڈمڈ کر گئے ہیں۔ میں نے متن میں ایک بامعنی اور مدلل ترجمہ کر دیا ہے مگر ایک دو باتیں لائق تشریح ہیں:۔

(۱) كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً میں 'كَانَ' کسی گذشتہ واقعہ کو بیان کرنیکے لیئے استعمال نہیں کیا گیا، بلکہ ایک ایسے واقع الامر کے اظہار کیلئے، جو بہر حال درست ہے۔ اِس طرح پر 'كَانَ' کا استعمال قرآن میں بیسیوں جگہ ہوا ہے۔ ہم صرف سورۂ نساء کے پہلے چھ رکوعوں سے مثالیں اخذ کرتے

Marfat.com

انسان تو حقیقت میں ایک ہی امت ہیں کیونکہ ایک ہی نوع کی مخلوق ہیں اور اسی وحدت کو ملحوظ
نظر رکھکر خدا نے انکی طرف مشیت الٰہی سے باخبر انسان (نبی) بھیجے جو انہیں اجتماعی بقا کی بشارت دیتے
اور اجتماعی ہلاکت سے متنبہ کرتے رہے، اور خدا نے ان سب کے ساتھ بنی نوع انسان کیلئے (مختلف
زبانوں میں) ایک دستور العمل بھیجا تھا جو کتاب کی صورت میں تھا اور مبنی برحق تھا تاکہ وہ کتاب اُن کے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۸) ہیں: اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۝ (۴: ۱۱)، (۴: ۲۴)، بیشک خدا بڑا صاحب علم وحکمت ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝ (۴: ۱۶)، بیشک خدا بڑا توبہ قبول کرنیوالا اور رحم کرنے والا ہے؛ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا ۝ (۴، ۱۷)، اور خدا بڑا صاحب علم وحکمت ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ (۴: ۲۳)، بیشک خدا بڑا صاحب عفو ودرگذر ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا ۝ (۴، ۲۹)، بیشک خدا تم پر بہت مہربان ہے، وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرًا ۝ (۴: ۳۰)، اور یہ بات کرنا خدا کے لیئے بیحد آسان ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝ (۴: ۳۲)، خدا لامحالہ ہر شے سے موبموقف ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدًا ۝ (۴: ۳۳)، بیشک خدا ہر شے پر پوری نگرانی کر رہا ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیْرًا ۝ (۴: ۳۴)، خدا لامحالہ بڑا عظیم وجلیل خدا ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ۝ (۴، ۳۵)، خدا بیشک بڑا صاحب علم وخبر ہے؛ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝ (۴: ۳۶)، بیشک خدا اُس شخص کو پسند نہیں کرتا جو اترائے اور بڑائی مانا پھرے؛ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن کَانَ کا یہ استعمال خدائے عزوجل کی صفات کے متعلق مخصوص نہیں بلکہ ہر واقع الامر کے اظہار کے لیئے آیا ہے۔ مثلاً سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: وَکَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝ (۱۷: ۱۱)، اور انسان بڑا ہی جلد باز ہے؛ علیٰ ہذا القیاس سورۂ کہف میں ہے: وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ۝ (۱۸: ۵۴)، اور انسان کثیر معاملات میں جھگڑالو ہے؛ اِسی سورۂ نساء میں آگے چلکر ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝ (۴، ۱۰۳)۔ اِسمیں شک نہیں کہ نماز وہ حکم الٰہی ہے جو ایمان والوں پر بقید وقت فرض ہے؛ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝ (۱۷: ۵۳)، بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے؛ الغرض کہانتک مثالیں لکھی جائیں تمام کلام مجید اُن سے بھرا پڑا ہے لیکن اُنکے مطالعے سے عیاں ہوجاتا ہے کہ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً ف (۲: ۲۱۳) میں صرف ایک واقع الامر اور حقیقت کو بیان کیا گیا ہے، اور وہ حقیقت کبریٰ یہ ہے کہ کُل بنی آدم فی الحقیقت ایک ہی گروہ ہیں، ایک دوسرے کے اعضا ہیں، انکی نوع ایک ہی ہے، ایک جیسی شکل وصورت، ایک جیسے اعضا، ایک ہی آبا واجداد، بلکہ آفرینش بھی ایک ہی جوہر سے ہی، وغیرہ وغیرہ۔ اس وحدت نوع کے ہوتے ہوئے اُن میں بنائے نزاع واختلاف طبعًا اور فطرتًا ناروا ہے۔ کارگاہ فطرت کے قانون کے مطابق اگر کسی غیر انسانی نوع یا فرد کو وجہ پرخاش ہے تو صرف غیر نوع کے افراد سے۔ ہم جنس سے برسرپیکار اور آمادۂ جدال رہنا مقتضائے طبیعت ہرگز نہیں، اور نہ ادنیٰ مخلوق کی طرز معاشرت اس طریق عمل کی تائید کرتی ہے۔ اس آئین طبیعت کی طرف مجمل اشارات مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۲ میں کیئے جا چکے ہیں لیکن تفصیل کے لیئے ابھی وقت درکار ہے۔ بہرنوع زیر بحث آیت میں اس گرانقدر حقیقت کو آشکارا کرکے کہا ہے کہ شارع کائنات نے انسان کو ایک ہی امت گردانکر اُنکی طرف مختلف اوقات میں مختلف انبیاءؑ کی وساطت سے الْکِتٰبَ یعنی اُن کا واحد لائحہ عمل بھیجا جو اگرچہ مختلف زبانوں میں اتارا مگر اُسکا منشا وماحصل ایک تھا (وَاَنْزَلَ مَعَہُمُ الْکِتٰبَ)۔ اِس لائحہ عمل کا مقصود بالذات نسل انسانی کو اجتماعی بقا کی بشارت دینا، یا عدم تعمیل کی صورت میں اجتماعی ہلاکت سے ڈرانا ہی تھا (فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ)۔ انبیاؑ کے پیغام کی نوعیت کے متعلق کافی بحث صفحہ ۱۸ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ اور یہاں بھی علیٰ ہذا القیاس اسی اجتماعی بقا کی بشارت مقصود ہے جو قانون خدا کی تعمیل کا طبعی نتیجہ ہے۔ 'الکتب' کے صحیح مفہوم کے متعلق زیادہ توضیح کرنے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔ آگے چلکر دوسری مجلد میں ہم نے ایک مستقل عنوان اس موضوع کے لیئے باندھا ہے، مگر اَنْزَلَ مَعَہُمُ الْکِتٰبَ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ لائحہ عمل جو مختلف انبیاؑ کی وساطت سے آیا فی الاصل سب اقوام عالم کیلئے ایک تھا۔ اور معقول بات بھی دراصل یہی ہے کہ ایک خدا کی طرف سے ایک بنی نوع انسان کی طرف ایک ہی پیغام ہو، خواہ اُسکے پیغامبر کئی مختلف اشخاص ہوں۔ اسی حقیقت کبریٰ کو مدنظر رکھکر قرآن حکیم نے بلا امتیاز سب الہامی

Marfat.com

اعمال کی رہنمائی کرے اور اگر کسی امر میں اُن میں اختلاف پیدا ہو تو اُسکا قطعی فیصلہ کر دیا کرے۔ لیکن جن لوگوں کو کتاب دیگئی تھی وہی لوگ اپنے پاس کھُلے کھُلے اور واضح احکام آئے پیچھے اُس کے مقاصد میں اُسکے معانی اور مطالب میں بیجا اختلاف محض آپسمیں ضد کے باعث کرنے لگے اور فرقے بن گئے۔ پھر آخر کار وہ راہ حق جسکے متعلق لوگوں میں اسقدر اختلاف پیدا ہو گیا تھا اللہ نے اپنے حکم سے ان ایمان والوں کو دکھادی اور اللہ تو اُسی کو راہ راست دکھاتا ہے جسکو مناسب سمجھتا ہے،

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۸۹) کتابوں کو 'الکتٰب' کے جامع اور مانع لفظ سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ آگے چلکر واضح ہوگا، اور یہی وجہ ہے کہ سب انبیائے جہان کو منجانب اللہ تسلیم کرنا، اور اُن میں کوئی مابہ الامتیاز قائم نہ کرنا عین اسلام ہے۔ آیت زیر بحث میں بتایا ہے کہ 'الکتٰب' اِس لیئے بھیجی گئی تھی کہ انسان کی امت واحدہ میں اگر کوئی جزوی یا فرعی اختلاف واقع ہو جائے، تو یہ کتاب جلیل اُسکے متعلق اپنا قطعی محاکمہ دے کر اُس اختلاف کو مٹاتی رہے، اور بنی نوع انسان بدستور اُمت واحدہ بنے رہیں جیسے کہ وہ فطرتاً بنائے گئے تھے: لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ، بعد ازاں انسانوں نے آپس میں ضد اور ہٹ دھرمی سے اِن روشن احکام (البیّنٰت) کو توڑ مروڑ کر نئے معانی پیدا کر لیئے اور الگ الگ فرقہ بندیاں کر لیں۔ کتاب خدا کے سب انسانی معاملات میں آخری اور قطعی حکم ہونیکے متعلق کئی آیتیں مقدمے کے اخیر (یعنی صفحہ ۹۶) میں پیش کر دی تھیں، مگر آیت زیر بحث سے عیاں ہے کہ 'الکتٰب' کے بھیجنے اور انبیاءؑ کی بعثت کا مقصود بالذات نوع انسانی کو متحد الغرض اور متفق العمل کرنا ہی تھا، متفرق اور فرقہ بند کر کے ایک فریق کو دوسرے کے برخلاف لڑوانا حتماً نہ تھا۔ یہ اتحاد عالم کا برقرار رکھنا ہی اسلام کی تعلیم کا وہ درس اولین ہے جو اُسکے ہر صفحے سے عیاں ہے اور اسی کیلئے حتی الامکان سعی کرنا عین ایمان ہے: (فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا) یہی سچی ہدایت ہے اور قرآن حکیم کی حکیمانہ لغت میں یہی صراط مستقیم کے مفہوم کی اہم شق ہے: (وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ) صراط مستقیم کے مفہوم کی پہلی شق، یعنی علم فطرت کا حاصل ہونا صفحہ ۳۷ کے تحت المتن (آیہ (۲۴: ۴۰)) میں، اور دوسری شق یعنی حفظ نفس صفحہ ۶۰ کے تحت المتن (آیہ (۵: ۱۶)) میں بیان ہو چکی ہے۔ دیباچہ کتاب میں جو دعوے مَیں نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ایک پیغام لانے کی بابت کیئے تھے اُنکی تصدیق یہاں پر بالصراحۃ ہوتی ہے۔

اس آیہ شریفہ کے مطالب میں نسیان مقاصد کے باعث معنوی تحریف اسقدر واقع ہو چکی ہے کہ مسلمانوں کے لیئے متذکرہ صدر مفہوم کا معترف بن جانا آج نہایت غیر مانوس معلوم ہوتا ہے۔ فرقہ بندی اور مذہبی تعصب انسان کے ہر رگ و پے میں اس شدت سے سرایت کر چکے ہیں کہ اسلام کو جامع ملل مذہب یقین کر لینا آج مسلمانیت کے منافی اکثر ہو چکا ہے۔ تاہم اگر فائز نظر سے حقیقت کی طرف دیکھا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ رب العالمین اور رازق گبر و برہمن خدا جسکے نزدیک سب انسان یکساں ہیں، جو سب کو کمال محبت سے پال رہا ہے، جسکے خزانہ غیب سے سب یکساں انعام پا رہے ہیں، ایسا حکم دینا کیونکر گوارا ہو سکتا ہے جس سے انسان ایک دوسرے کو کاٹ کاٹ کر کھائیں، اُس روحانی باپ کی طرف سے اگر کوئی پیغام ہو سکتا ہے تو یہی کہ سب انسان مل جلکر رہیں، اتحاد و اتفاق سے رہیں، ایک حاکم اعلےٰ کے حکموں پر چلیں، شیطان کی ملازمت کم کریں، آپسمیں بھائی بھائی بنیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہی عین اسلام ہے، اور یہی اسلاف صالحین کے اِس قول کا صحیح مفہوم ہے کہ اسلام کے اندر کوئی فرقہ نہیں۔ قرآن حکیم کے بلیغ فی المطالب اور عمیق فی البیان ہونے کی یہ آیت ایک روشن شہادت ہے۔

قرآن کی عبارت کے متعلق ترتیل کے نشانات اور رموز اوقاف اہل عرب نے نزول وحی کے بہت دیر بعد غالباً حجاج بن یوسف والی عراق کے ایما سے امیر عبدالملک (المتوفی ۸۶ھ ۷۰۵ء) کے عہد خلافت میں لگائے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قرآن کا صحیح علم سینوں کے اندر تازہ بتازہ تھا۔ اسیوجہ سے کوعوں کے نشان اور اوقاف کی علامتیں اکثر اوقات قرآن کے ربط کو معلوم کرنے اور صحیح مطالب کے حل کرنے میں بہت کچھ مدد دیتی ہیں۔ آیت زیر بحث میں كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کے بعد علامت قف ہے جس سے مراد یہ ہے کہ مطالب کی تہ تک پہنچنے کیلئے کافی دیر تک ٹھیرنا ضروری ہے۔ اگرچہ پڑھنے والے کو یہاں پر مسلسل عبارت کا گمان ہوتا ہے۔ یہ دلیل بجائے خود اس امر کی شہادت ہے کہ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کے وہ معنی نہیں جو اخلاف شارحین کے کیئے ہیں۔ انبیائے کرام ہرگز اس مطلب کے لیئے نہیں آئے تھے کہ فرقہ بند بنکر لوگوں کو آپس میں لڑائیں۔

Marfat.com

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ○ (۱۰: ۱۹)

اور انسان تو فی الحقیقت ایک ہی اُمّت ہیں لیکن انہوں نے خدا اور کتابِ خدا کے متعلق باہمی ضد اور ہٹ دھرمی سے اختلاف پیدا کر لیا۔ اور اے پیغمبر! اگر تیرے پروردگار نے انکو ایک معین مدت تک دنیا میں رکھنے کی پہلے سے ہی نہ ٹھان لی ہوتی تو جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اب تک کبھی کا انکو صفحۂ ہستی سے معدوم کر کے فیصلہ کر دیا ہوتا۔

اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ○ فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ ءَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ○ (۳: ۱۸-۱۹)

خدا کے نزدیک انسان کا سچا دستورِ عمل یہی اپنے آپ کو خدا کے ہمہ تن مطیع کر دینا ہے۔ اور اہلِ کتاب اگر اسلام کے اِس جامع الناس مقصد کو غلط سمجھکر آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے تو اس

---

† یہاں بھی وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً سے مقصود ایک واقع الامر کو ظاہر کرنا ہے نہ کسی گذشتہ واقعے کو یاد دلانا۔ اِس طرح کا وَمَا كَانَ کا استعمال قرآن میں بعض جگہ ہوا ہے مثلاً سورۂ شوریٰ کے اخیر میں: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا (۴۲: ۵۱)، "اور یہ کسی بشر کی مجال نہیں کہ خدا اُس سے دو بدو ہو کر کلام کرے مگر وحی کے ذریعے سے"۔ علیٰ ہذا القیاس سورۂ نمل میں ہے: مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا (۲۷: ۶۰)، یعنی "تمہاری طاقت نہیں کہ اُن کے درختوں کو اُگا سکو"۔ اور سورۂ قصص میں مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ط ہے۔ یعنی "انکو کچھ اختیار نہیں ہے"۔

بہرنوع یہاں بھی صاف ظاہر ہے کہ منشائے خدا تمام عالم کو متحد کرنا ہے۔ اور یہ کہ انسان اپنی خودرائی کے باعث آپ متفرق ہو گیا ہے نیز یہ باہمی اختلاف اور ایک قوم کا دوسری قوم سے مجادلے اور محاربے کرنا رب زمین و آسمان کی نظروں میں وہ مکروہ اعمال ہیں جن کا فیصلہ وہ کسی نہ کسی دن کرے گا اور زیادتی کرنے والوں کو کما حقہٗ سزا دیگا!

† اِن آیاتِ جلیلہ میں 'اسلام' کی حقیقت قطعاً عیاں ہو جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام وہ صحیح طرزِ عمل (الدِّین) ہے وہ سچا انسانی دستورِ العمل (الدِّین)، اور خدا کا وہ طبعی آئین کار (الدِّین) (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۶۱) ہے جس کا دوسرا نام ایک حاکمِ اعلیٰ کی ماتحتی میں رہکر اتحاد اور اصلاح بین الناس ہے۔ جو اختلاف پہلے حاملینِ الکتاب، میں قائم ہو گیا تھا وہ لوگوں کا خود پیدا کردہ تھا اور اس کا اصلی باعث انسان کی آئین خدا (العِلم) سے بغاوت تھی (بَغْيًا بَيْنَهُمْ)، ورنہ 'اِسلام' اور 'اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ' کی صورت میں افتراق قطعاً پیدا ہو نہیں سکتا۔ کیوں کہ ایک آقا کے کئی غلام یا ایک حاکم کے کئی ماتحت ملازم بشرطیکہ وہ اُسکے آقا اور حاکم ہونیکے دل سے مُقِر ہوں اور اُسکی طاقتِ سزا و جزا سے خوفزدہ ہوں آپس میں پھوٹ پیدا نہیں کر سکتے۔ پس یہی اتحاد، یہی قانونِ خدا کے آگے سر جھکا دینا، یہی خدا کو خدا تسلیم کر لینا اِسلام ہے اور یہی سچی ہدایت ہے، (فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا)۔ یہاں پر اتحاد کو ہدایت کہا ہے۔ پہلے دو موقعے آیۂ (۲: ۱۳۷) صفحہ ۱۸۷ و (۲: ۲۱۳) صفحہ ۱۸۸ میں گذر چکے ہیں۔ فتاحیہ اور دیباچہ کتاب میں میں نے بعینہٖ یہی اسلام پیش کیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۷، افتتاحیہ و ۶۲ الخ دیباچہ

Marfat.com

علم کے آئے پیچھے جو انکو نبیوں کی وساطت سے منشائے خدا کے متعلق ملا تھا۔ اور زیادہ تر اس اختلاف کی وجہ آپس میں ضد ہی تھی لیکن جو شخص خدا کے صریح احکام کو پس پشت ڈالتے ہیں اُن سے بہت جلد حساب لے لیتا ہے۔ پس اے پیغمبر! اگر مشیت خدا کی اس کامل تشریح کے بعد بھی یہ لوگ تم سے کٹ حجتی کریں (اور اپنی بزدلی، کم ہمتی، اور ہٹ کے باعث اپنے آپ کو خدا کے سپرد کرنے سے گریز کریں) تو اُن سے کہدو کہ میں تو خدا کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر چکا اور جو لوگ میرے پیرو ہیں وہ بھی اپنے آپ کو اللہ کے غلام بنا چکے۔ پھر ان اہل کتاب اور عرب جاہلوں کو کہو کہ کیا تم اس بات کے لیئے تیار ہو پھر اگر ہاں کریں تو بیشک راہ راست پر آگئے اور اگر منہ موڑیں تو اے پیغمبر! تم پر حکم خدا کا پونہچا دینا فرض ہے اور بس۔ اور اللہ بندوں کے اعمال کو بغور تمام دیکھ رہا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (۱۶ : ۹۳)

---

† اس آیہ شریفہ میں اُمت واحد بن کر نہ رہنے کو بصراحت تمام ضلال کہا گیا ہے (يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ)، اور متفق و متحد بننے کو پھر جی ہاں ہدایت سے تعبیر کیا ہے (وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ)، اور غیر مشکوک الفاظ میں دھمکی دی ہے کہ تفریق و انتشار کی پرسش خدا کی جناب سے ضرور بالضرور ہوگی جیسا کہ آج مسلمانانِ عالم کو ہو رہی ہے، مگر وہ نہیں سمجھتے۔ یہاں پُھٹن پھر اجتماعی موصل ہے اور تمام قوم کیلئے آیا ہے۔ پہلی مثالیں صفحہ ۴۲، ۴۳ پر گذر چکی ہیں۔ اتحاد کو بالالتزام (۲ : ۱۳۷)، (۲ : ۲۱۳)، (۳ : ۱۹)، اور (۱۶ : ۹۳) میں ہدایت کے لفظ سے تعبیر کرنا قرآن حکیم کے حیرت انگیز استقلالِ مطالب اور بے مثال تطابق کا وہ بدیہی ثبوت ہے جو ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔

شَآءَ کا استعمال اس آیت میں تین بار ہوا ہے اور اس دقیق المطلب اصطلاح کے متعارف مفہوم کو پیش نظر رکھکر بادی النظر میں اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب خدائے عزوجل نے انسان کو ایک اُمت بنانا نہیں چاہا، تو اس بیچارے کا اسمیں کیا قصور ہے، اور جب خدا اپنے حسب مرضی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور علی الحساب ہدایت دیتا ہے تو پھر ہم سے پرسش کیوں کرے گا اور اس فعل کو تَعْمَلُوْنَ سے تعبیر کرنا روا ہے، یہ اعتراض بجائے خود اس امر کی روشن دلیل ہے کہ شَآءَ کے وہ معنی قطعاً نہیں ہیں جو عوام نے لے لیئے ہیں۔ مشیت خدا کے متعلق مکمل بحث فلسفۂ عمل کے عنوان (غالباً تیسری جلد) میں آئے گی اگر متذکرہ صدر آیات کو پیش نظر رکھکر جو اختلاف پسندیٔ انسان کے متعلق پیش ہوئی ہیں ظاہر ہے کہ انسان کے اعمال ہی اختلاف کا باعث ہوتے رہے ہیں، خدا کا منشا ہرگز نہ تھا کہ انسان مختلف الغرض اور منتشر العمل ہو کر رہے لیکن خدائے عزوجل چونکہ قَادِرٌ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ ہے، اور اسکے بالمقابل انسان کا جزوی اختیار محض ہیچ ہے، اسلیئے بلند مقام نظر سے یہ باہمی اختلاف بھی جو انسان نے اپنے اعمال سے باعث پیدا کیا ہے لامحالہ اسکی مشیت کے مطابق ہو رہا ہے۔ اسکے دائرہ قانون و اقتدار سے باہر ہو کر نہیں ہوتا۔ منشائے الٰہی اور مشیت ایزدی کے درمیان یہ باریک فرق بعد میں اور بھی عیاں کر دیا جائے گا لیکن قرآن حکیم میں خدائے عزوجل کے متعلق شَآءَ کا استعمال جہاں کہیں ہوا ہے اسی اصول کو پیش نظر بیشتر ہوا ہے اور اس آیہ کریمہ میں تو عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ کہہ کر انسانی ذمہ داری کو قطعاً صاف کر دیا ہے۔ پس جب انسان ہی تمام اختلاف کا بانی ہے تو زیر بحث آیت کا ایک ہی مفہوم ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر خدا اپنا منشا کرتا (وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ) مگر وہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا اور تمہاری مرضی کو اپنے منشا میں دخیل نہ ہونے دیتا (وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ) تو تم کو اُمت واحدہ بنا کر اور روز قیامت تک یوں ہی بنائے رکھتا (لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً)، کیونکہ تم سب ایک ہی نوع کی مخلوق ہو

Marfat.com

اگر اللہ اپنی مرضی کے مطابق کرتا تو تم کو ایک اُمت بنا کر رکھتا اور تم میں کبھی کسی اہم امر کے متعلق اختلاف نہ پیدا ہوتا۔ لیکن جسکو گمراہی کا اہل سمجھتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسکو درخورِ ہدایت دیکھتا ہے ہدایت دیدیتا ہے لیکن لوگو! یاد رکھو کہ یہ سب تفرقہ جو تم بذاتِ خود آپس میں پیدا کر رہے ہو اُسکی بازپرس تم سے ضرور ہونی ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ (۵ : ۴۸)

اور اے ساکنانِ زمین! اگر خدا اپنی مرضی کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ)، اگر وہ اپنے حسب پسند کام کرتا (لَوْ شَآءَ اللّٰهُ) تو ضرور تم انسانوں کو ایک ہی اُمت بنا دیتا (تم سب کے سب متحد الخیال اور متفق الاعمال ہو جاتے اور

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۲) اور واحد الاصل ہو (یہاں اللہ کے لفظ پر زور ہے) لیکن چونکہ اسنے تم اشرف الخلق اور ذی شعور انسانوں کو اپنے اعمال پر ایک بہت بڑی حد تک قدرت دے رکھی ہے اسلیئے یہ اختلاف جو پیدا ہو رہا ہے تمہارے اپنے کرتوت سے ہے۔ اس صورت حال میں وہ خدائے عظیم بھی تمہارے اعمال کو دیکھکر جس قوم کو نااہل قرار دیتا ہے، اپنی مشیت[1] (یعنی قانون اور سنت اللہ) کے رو سے تفریق و شکست کی راہ ضلال دکھاتا ہے، (وَلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ)، اور جسکو بہمہ وجوہ اہل سمجھتا ہے اپنی مشیت کے اٹل زور سے اتحاد عمل کا راہ راست دکھاتا ہے، (وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ)، لیکن لوگو! یاد رکھو کہ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اُسکی پرسش ضرور ہوگی: (وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ)"

آگے چلکر ہم دوسری مجلد میں عیاں کر دینگے کہ خدائے خیر آفریں نے اپنی سب ادنیٰ حیوانی مخلوق کی ہر نوع کو جو انسان کی غیر مانند اپنے میں کچھ اختیار و ارادہ نہیں رکھتی، اور جسکا ذاتی اقتدار منشائے خدا میں کچھ دخیل نہیں ہوتا، امت واحدہ ہی بنایا ہے اُن کے افراد کے مابین حتماً کوئی اختلاف رونما نہیں ہوتا۔ وہ سب کے سب مختلف جماعتوں میں منقسم ہیں۔ لیکن آپس میں متحد اور متفق ہیں پس یہ انسان کا اپنی نوع کے ساتھ تخالف و تباین فی الحقیقت اسکی خود رائی اور صاحب اختیار و ارادہ ہونیکے باعث ہی ورنہ فطرت کا منشائے وحید کم از کم ایک نوع کے افراد میں اتحاد ہی اتحاد ہے۔

✤ اِس آیہ کریمہ سے اور بھی واضح طور پر عیاں ہو جاتا ہے کہ اختلاف کا اصلی باعث خود انسان ہی ہے: (بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ) اور خدا کی عین مرضی یہ ہے کہ بنی نوع انسان متحد ہو کر رہے۔ (الخبرات کے صحیح مفہوم کی تشریح صفحہ ۱۳ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے) ظاہر ہے کہ خدا کا کسی اُمت کو اجتماعی انعاموں سے مشرف کرنا، اس بات کی علامت ہے کہ وہ اُمت مشیت ایزدی کے مطابق چل رہی ہے۔ (مثال کے طور پر اگر وہ اُمت اُمَّةً وَّاحِدَةً بنکر رہتی ہے اور فرقہ بند نہیں بنتی تو لامحالہ خزانۂ خدا سے بادشاہت یا آزادی وغیرہ کا انعام پاتی ہے) ابتلا اقوام کے بارے میں ایک آیت مسئلہ ارتقا کے تحت المتن صفحہ ۱۳ میں آچکی ہے۔ اور یہاں بھی ظاہر ہے کہ اقوام عالم کے متعلق منشائے ایزدی انکا سعی و عمل اور ایک دوسرے پر مسابقت ہی ہے۔ مسئلہ ارتقا کو پیش نظر رکھکر اس آیت کا مفہوم اور بھی واضح ہو جاتا ہے۔

---

[1] آگے چلکر فلسفۂ عمل میں ہم ثابت کر دینگے کہ مشیت خدا فی الحقیقت اس کا قانون ہی ہے۔ جو قانون خدائے عزوجل نے روز اول سے بنا دیا ہے، اُسی کے مطابق عمل درآمد ہو رہا ہے، اُسیکے رو سے جزا و سزا مل رہی ہے اور وہی اُسکی مشیت ہے۔ ہر معقول حاکم کے شایان شان یہی ہے کہ ایک دفعہ سوچ سمجھکر قانون نافذ کر دے اور پھر اسکے مطابق عمل کرنا اپنا فرض گردانے، حتی الامکان اُسپر قائم رہے، بلکہ اُسکو ہر خارجی آسیب سے بچائے رکھے۔ خدا کی مشیت العیاذ باللہ کوئی استبدادی مشیت نہیں کہ گھڑی میں ماشہ اور گھڑی میں تولہ بن دکھائے بلکہ وہ روز آفرینش سے اٹل ہے، ناقابل ردوبدل اور ناقابل ترمیم ہے، (فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝ (۳۵ : ۴۳)، یعنی "اے مخاطب! تو قانون خدا میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا اور ہرگز کوئی تحول نہیں دیکھیگا"

تم میں کسی امر کے متعلق کوئی کشمکش پیدا ہی نہ ہوتی)، لیکن یہ صورت اختلاف جو اب تمہاری اپنی خود رائی، خدا سے برگشتگی، اور ضلال کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے اسلیئے ہے کہ وہ خدائے عالمیان تم سب مختلف شدہ اُمتوں کا امتحان اُن اہلیتوں کے بارے میں لے جو اُسنے تم کو دی ہیں (لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰىكُمْ)، تو اے انسانی اُمتو! تم بھی اِس آزمایش میں پُورے اُترنے، اور اِس کشاکشِ عظیم میں فتح پانے کیلئے خداوند عالم کے بہترین اجتماعی انعاموں کی طرف مسابقت کرو (فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ)، جانے رہو کہ تم سب نے خدا کی طرف لوٹنا، اور اُسکے حضور میں اپنے سعی و عمل کی جوابدہی کرنی ہے، پھر اُسدن وہ انسانوں کا خالق خدا تم کو اُس حقیقت حال سے آگاہ کردیگا جسکے بارے میں تم آپس میں اختلاف پیدا کرتے تھے!

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَــَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ (۱۱: ۱۱۸-۱۱۹)

اور اے پیغمبر! اگر تیرا پروردگار اپنے منشا کے مطابق کرتا تو تمام لوگوں کو ایک امت بنا دیتا۔ لیکن یہ لوگوں کی شقاوت ہے کہ وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف قائم کرتے رہتے ہیں۔ اور متحد اور متفق العمل ہو کر

† جو حیرت انگیز اور موت افزا معنوی تحریف کچھ مدت سے اِن دو آیاتِ جلیلہ کے مطالب میں بعض ناعاقبت اندیش مسلمانوں نے عمداً اور شرارتاً پیدا کرلی ہے، جس دیدہ دلیری اور ابلیسی مکر و ریا سے وہ اِن آیات الٰہی کو سند گردانکر اپنی موجودہ فرقہ بندا اور شکست انگیز حالت کو "جبلت انسانی" بلکہ "مشیت ایزدی" پر محمول کرکے موت کی نیندیں لے رہے ہیں اور چار دانگ عالم سے ایک آواز اِس تشریح کے برخلاف اُٹھتی دکھائی نہیں دیتی، اِس سے آج عالمِ اسلام کے فقدان فہم و فکر کا خوب پتہ چلتا ہے اور یہ امر متحقق ہو جاتا ہے کہ جب کسی اُمت کی اجتماعی موت قریب ہوتی ہے تو سمع و بصر اور قلب سلیم اُسکے افراد سے خود بخود رخصت ہو جاتے ہیں، اور اِذَا جَآءَ الْحِيْنُ لَمْ يَبْقَ اُذُنٌ وَّلَا عَيْنٌ کا سماں ہر طرف عملاً بندھ جاتا ہے۔ آج مسلمانوں نے 'وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ' کا یہ مطلب سمجھ لیا ہے کہ انسان فطرتاً اور خلقاً اختلاف پیدا کرنے پر مجبول و مجبور ہے، اور 'وَلَوْ شَآءَ' کا محاکمہ اسکی تائید میں ہے! اور اسی لیئے مسلمانوں کی موجودہ حالت طبعاً اور حکماً لاعلاج ہے، بلکہ اختلاف پیدا کرنا اور اُمت کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے شکست و ریخت کے جہنم کی طرف گھسیٹنا ہی 'رحمت' الٰہی کی علامت اور مشیت خدا کی تکمیل ہے! اس شرارت انگیز تعلیم کی تلقین آج ہر وظیفہ خور مُلا اپنے ماتم افزا حجرے میں بیٹھکر کبر و تمکنت سے کر رہا ہے اور اپنے زعم میں رب زمین و آسمان کی ایک اہم ہدایت کی تبلیغ کر رہا ہے۔ اور یہ سب نشر و تبلیغ صرف و نحو کے اُن خدا فرستادہ قاعدوں کے تتبع میں ہو رہی ہے۔ جن کے پیغمبر قطرب اور کسائی وغیرہم تھے، اور جنہوں نے اپنی مستنبیت کے زعم میں کبھی کہہ دیا ہوگا کہ ذٰلِكَ اکثر اشارۂ قریب کیلئے آتا ہے، اور اشارۂ بعید کے لیئے ذَاكَ کا لفظ وقف ہے۔ اس فرمان واجب الاذعان کے رُو سے ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ 'مُخْتَلِفِيْنَ' ہی ہو سکتا ہے، 'اُمَّةً وَّاحِدَةً' نہیں ہو سکتا۔ اور اسی لیئے رب زمین و آسمان اُن کے زعم میں اختلاف کا یکسر حامی ہے! یہ سب طرز استدلال ظاہر ہے کہ نہایت لغو اور شرمناک ہے۔ اور کسی ذہن سلیم کے لیئے قابل التفات نہیں۔ یہاں پر اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ کے الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ اختلاف پیدا نہ کرنا اور امت واحدہ بنے رہنا رحمت خدا کی نشانی ہے، اور 'وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ' کا اشارہ قریب اسی رحمت مستمرہ کی طرف ہے، 'وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ' کے الفاظ کی طرف نہیں، بنسبتاً

Marfat.com

تو وہی رہتے ہیں جن پر تمہارا پروردگار رحم کرے۔ فی الحقیقت خدا نے انسانوں کو پیدا ہی اسی کیا تھا کہ ایک اُمت بن کر رہیں، لیکن اگر یہ اختلاف نہ مٹا تو فرمودۂ خدا پورا ہو کر رہیگا کہ ہم کیا جن اور کیا انسان سب سے دوزخ کو ضرور بھر دینگے، اور نافرمانی احکام کا انتقام لیکر رہیں گے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۴) دور جا پڑے ہیں۔ لیکن اتحاد کا اسلامی تعلیم کا جزو اعظم ہونا چونکہ مسلمانوں کی موجودہ فرقہ بندیوں کا شدت سے مانع ہے اور آگے چلکر ایسی اُمت کے کل جن وانس کو جہنم میں بھر دینے کی دھمکی بھی دی گئی ہے اس لیئے امت حاضرہ پر جسکے لیئے امت کے ناخداؤں کے زعم میں جہنم کی آگ مدت سے حرام ہو چکی ہے) اسکا اطلاق حتماً نہیں ہو سکتا! اس خوش اعتقادی کا نتیجہ بعض اوقات یہانتک ظاہر ہوا ہے کہ لوگوں نے لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ تک ایک مضمون سمجھا ہے اور لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ کو نیا مضمون فرض کر کے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر گئے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض حلقوں میں جہنم والے آخری جملے کو پہلے مضمون کے ساتھ ملا کر پڑھنا ناروا سمجھا گیا ہے۔ اور دلیل یہ دی گئی ہے کہ جب اختلاف پیدا کرنے سے مشیت ایزدی کی تکمیل ہو رہی ہے اور یہی انسانی فطرت بھی ہے تو پھر اس میں انسان کا کوئی قصور نہیں، اور جہنم کی سزا بھی اس قصور کے متعلق نہیں۔

اصل کتاب میں ان آیات کے صحیح مطالب واضح کر دیے گئے ہیں اور ہر صاحب نظر بطور خود سمجھ سکتا ہے کہ قرآن حکیم کس استقلال اور التزام سے جا بجا اتحاد بنی نوع انسان کا حامی اور وحدت امت کا مؤید ہے اور تناقض اور اختلاف کے انسانی عیب سے کسقدر مبرا ہے۔ لیکن آیہ (۱۱:۱۱۹) کے آخری جملے کے متعلق تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ کے معانی کی ضروری توضیح باقی ہے جو یہاں پر لکھدی جاتی ہے۔

سورۂ اعراف میں شیطان کے انسانی اغوا کے متعلق یہ معنی خیز مکالمہ درج ہے۔ جس پر آج ہر جگہ حرف بحرف عمل ہوتا ہوا ہر صاحب نظر کو نظر آ رہا ہے:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ (۷: ۱۶-۱۸)

پھر شیطان رب زمین و آسمان کی جناب میں یوں گستاخی سے بولا کہ اے مالک کون و مکاں! جس طرح تو نے مجھے ناحق ناروا انسان کے میلع ہو کر نہ رہنے اور اُسکے آگے سجدہ نہ کرنیکے جرم میں جنت کے آرام دہ سبزہ زاروں سے نکالا ہے تو میں بھی بنی نوع انسان کی تاک میں تیرے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر بیٹھ رہونگا، پھر انکو اس صراط مستقیم سے بہکانے کی غرض سے طرح طرح کے لباس پہنکر اور قسما قسم کے مکر و فریب کے جتے اوڈھ کر کبھی آگے سے آؤنگا اور پیچھے سے جا ملونگا، کبھی داہنی طرف سے آملونگا، کبھی بائیں طرف سے آسلام کرونگا، اور جس طرح بن پڑے گا سادہ لوح انسان کو بہکا کر رہونگا، اور اگر میرا تیر نشانے پر بیٹھ گیا تو انسانوں میں کہ شکر کو تو اپنا قدردان اور مطیع نہ پائیگا۔ شیطان کی اس انتہائی گستاخی پر خدائے عزوجل تمتما اٹھا اور فرمایا کہ باغ بہشت سے یکدم نکل باہر ہو، اور سدا کے لیئے ملعون اور مردود بنا رہو۔ لیکن بنی نوع انسان میں سے جس جس نے تیری پیروی کی ہوگی تو یہ میرا حتمی وعدہ ہے کہ میں بھی تم سے اور اُن سب سے جہنم کو لبالب بھر دوں گا۔

شیطان کی ماہیت سے یہاں پر بحث نہیں، اور نہ اسپر کہ یہ مکالمہ کیونکر ہوا اور کہاں پر ہوا لیکن ان آیات کے آخری جملے سے ظاہر ہے کہ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ، والی آیت یعنی (۱۱: ۱۱۹) میں اسی قول کی طرف اشارہ ہے صفحہ ۱۸۸ کے تحت المتن میں آیت (۲: ۲۱۳) کی تشریح کے ضمن میں ہم ابھی ابھی بتا آئے ہیں کہ اتحاد امت بھی صراط مستقیم کی ایک اہم شق ہے۔ پس شیطان کا صراط مستقیم سے ورغلانا انسانوں کے درمیان نفاق پیدا کرنا ہی ہے۔ اور اسی اختلاف کی سزا میں شیطان اور انسان دونوں کو جہنم میں بھر دینے کی دھمکی دی گئی ہے اور صاف فرمایا ہے کہ جو قوم اس طرح پر شیطان کی متابعت کرے گی اُسپر یہ قول پورا ہو کر رہے گا۔ بعینہ اسی طرح کا مکالمہ سورۂ ص میں ہے:- (باقی)

Marfat.com

تمدنِ اسلام و نقشِ توحید

كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ (۴: ۱۳۰)

خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہوئے اعتدال پر قائم رہو

آہ! یہ وہ ماحیٔ اختلاف، متحد الاعمال، اور جامع الناس اسلام تھا جس کا آماجگاہ سعی روئے زمین پر ایک اُمّت کا قیام تھا۔ فطرت کی اساسی وحدت اور اتحاد، اور اولادِ آدم کے طبعی اور نوعی

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۱۹۵) قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ۝ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ (۳۸: ۸۲-۸۵)

اس پر شیطان لعین نے کہا کہ مجھے تیری عزت کی قسم کہ میں بھی ماسوا اُن چند بندوں کے جو خالصۃً تیرے ہی غلام ہیں اور جو میرے بس کے نہیں باقی سب کو گمراہ کر کے رہونگا۔ رب لم یزل نے فرمایا کہ بہت خوب تو نے اپنا عندیہ سچ سچ کہدیا اور اب میں بھی سچ ہی کہتا ہوں کہ اگر یہ ہوا تو ہم بھی تم کو بمع تمہارے چیلے چانٹوں کے جہنم میں لبالب بھر دینگے۔ یہاں مِنْكَ کی تخصیص سے ظاہر ہے کہ انسانوں کے سوا خود ابلیس بھی جہنم میں بھر دیا جائیگا۔ گویا آیت زیر بحث یعنی (۱۱: ۱۱۹) میں مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ کے الْجِنَّةِ سے مراد شیطان یا وہ شیاطین کا گروہ ہے جو انسان کو صراطِ مستقیم سے ورغلاتا رہتا ہے۔ میں اس موقع پر حقیقت شیطان یا ماہیت جن کی بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ صرف اپنے قول کی تائید مزید میں سورۂ کہف کی آیت كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ (۱۸: ۵۰) کو پیش کرتا ہوں جہاں بصراحت تمام ابلیس کو از قسم جن کہا گیا ہے، جس نے حکم خدا سے سرتابی کی تھی۔ جہنم کو بھر دینے کا ایک اور اشارہ سورۂ سجدہ میں ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝ (۳۲: ۱۳)

اور اگر ہم اپنی مرضی کے مطابق عمل کرتے (وَلَوْ شِئْنَا)، (یہاں بھی آیہ (۱۱: ۱۱۸) صفحہ ۱۹۴ کی طرح شِئْنَا کے نَا پر زور ہے) اور انسانی اختیار و ارادے کو اپنے منشا میں دخیل نہ ہونے دیتے تو ہم ضرور بالضرور ہر فرد متنفس کو اُسکے صراطِ مستقیم اور صحیح راہ عمل (هُدَاهَا) پر چلا دیتے، (اور وہ ہدایت لامحالہ یہی امت واحدہ بننے کی ہدایت ہوتی) لیکن چونکہ انسان اصلاً خود رائے ہے اور ہدایت کو من و عن مان لینا اکثر شان سمجھتا ہے اس لیئے لامحالہ میرا وہ قول پورا ہو کر رہے گا جو میں نے شیطان سے کیا تھا کہ میں ضرور بالضرور جہنم کو جن و انس سب سے لبالب بھر کر رہوں گا۔ یہاں وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا اور لَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً میں معنوی ترادف عیاں ہے کیونکہ ہدایت کے قرآنی معانی کی ایک اہم شق ہم اتحاد امت ثابت کر چکے ہیں (دیکھو صفحہ ۱۹۲) اور یہاں پر اس مفہوم کی تائید مزید ہوتی ہے۔

بہر نوع اِس تمام استدلال کو پیش نظر رکھکر یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اُمّت واحدہ بنے رہنا فطرت انسانی ہے اور منشائے الٰہی کے عین مطابق ہے، اختلاف کی سزا شکست ریخت کا جہنم اس دنیا میں، اور آخرت میں اس سے بدترین حالت ہے۔ اسلام تمام عالم کو توحید کے نصب العین پر متفق العمل کر کے امت واحدہ بنانے آیا تھا، فرقہ بندیاں پیدا کرنا اسکا کام کار ہرگز نہ تھا۔ سب انبیاءؑ کو منجانب اللہ تسلیم کر لینا، سب الہامی کتابوں کا نفس موضوع ایک سمجھنا، ایک خدا کی ملازمت پر متفق العمل ہو جانا، ایک حاکم اعلیٰ کو ماننا، اور اُسکے سوا کسی دوسرے رب کے پیچھے لگ کر فرقہ بند نہ بننا، اسلام کی اصلی تعلیم تھی۔ اُمّت واحدہ بنے رہنا اسکا بتایا ہوا صراطِ مستقیم تھا، متحد الغرض اور متفق العمل رہنا اسکی ہدایت تھی۔ یہی "الھدیٰ" اور "دینُ الحق" کا صحیح مفہوم تھا (دیکھو آیہ (۶۱: ۹) صفحہ ۱۸۲)، اسی فطرت کے عظیم الشان اصل اصول کو لیکر رسولؐ آیا تھا اور اسکا نتیجہ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ تھا۔ اسی پر عمل کر کے قرنوں تک مسلمان عالم غالب رہے، اسی پر آج سب مغرب چلکر غالب آ رہا ہے، یہی وہ دین فطرت کی ایک اہم شق ہے جسپر تمام عالم مجبول ہے (فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰: ۳۰)) اور اگر آج مسلمان اس سبق کو بھولکر شکست پر شکست کھا رہے ہیں تو اسکی وجہ بھی اسی دین فطرت سے انحراف کے سوا حتماً کچھ نہیں!

Marfat.com

انتلاف کی طرف یہ آخری بازگشت تھی جسکا اولین پیش نہاد ساکنانِ عالم کو پابندِ خدا، اور بریدہ ماسوا کرکے ایک کر دینا تھا! دین اسلام کی صلائے عام (۳: ۶۴)، (۳: ۱۰۳)، (۳: ۱۰۴)، انسان کی اعتقادی اور نسلی، ملکی اور تمدنی تفریق و تجزیب کے برخلاف وہ عربدہ جو صدا، اور آمادۂ پیکار آواز تھی جس سے عہدہ برآ ہونے کی شرط وحید **توحید** کا عملی اقرار، اور بندگی خدا کا عملی اعتراف تھا: وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ، وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ (۳: ۸۴)؛ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ (۴۰: ۱۴)؛ بین الملی مصالحت اور جنسی اتحادِ عمل کی یہی وہ طبعی اور قابل تسلیم بنا، اور یہی وہ مشترک اساس تھی جس پر خلقِ خدا کے اجماع و ائتلاف کا امکان ہو سکتا تھا؛ اس **اللہ احد** کی عملی اور نتیجہ خیز للکار میں ہی وہ آسمان شگاف

لہ اور جو شخص اس عملی اسلام کے سوا کسی اور مذہب عمل کی تلاش میں ہوگا، اُسکا وہ مسلک ہرگز قابل قبول نہیں ہوگا، اور بالآخر وہ زیاں کاروں میں سے ہوگا۔

لہ تو اے ایمان والو! اپنی تمام ارادتمندی اور عقیدت کو اُسی خدا کے لیئے مخصوص کرکے اُس کو پکارا کرو، اگرچہ منکرین خدا کو بُرا ہی کیوں نہ لگے۔

✤ یہ آیہ شریفہ قرآن حکیم میں صفحہ ۱۸۸ کے متن کی آیہ قُلْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ (۳: ۸۳) کے عین بعد واقع ہوئی ہے دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ الاسلام، درحقیقت انبیائے جہان کو صرف ایک پیغام والکتب کا حامل سمجھنے، اُن میں سے کسی ایک کو دوسرے سے الگ مذہب کا موجد نہ تعین کرنے، بنی نوع انسان کو مشترک اساس عمل پر لانے اور خدا کو فعل و عمل میں حاکم اعلیٰ تسلیم کرکے اسکے قانون پر عمل کرنے کا نام ہے۔ یہی وہ راہ عمل (دین) تھی جسکے سوا کوئی اور طرز عمل اختیار کرنا خدا کی نظروں میں پسندیدہ نہ تھا: (فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ) گویا تفرقہ ایجاد بننا، عمل میں اتحاد انسانی کو پیش نظر نہ رکھنا، اور اپنے سعی و عمل کا مطمح نظر اصلاح بین الناس نہ سمجھنا وہ شیوہ کار ہے جسکا نتیجہ بہت بُرا ہے، جس کا انجام شکست و ریخت ہے: (وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ)، جس میں بالآخر نامرادی ہی نامرادی ہے یہ دونوں آیتیں اسلام کو مجتمعہ اتحاد ثابت کرنے میں بے مثل ہیں مگر آج لوگوں نے آیہ وَمَنْ يَبْتَغِ الخ کا مطلب یہ سمجھ لیا ہے کہ جب تک کوئی قشقہ نما برہمن اپنی چٹیا کاٹ کر اور زنار توڑ کر کسی امام مسجد کے ہاتھ پر اُس کے کہنے کے مطابق کلمۂ شہادت نہ پڑھ لیگا، اور بعد ازاں ٹخنوں تک کے پائینچے والے پاجامے اور شرعی جبہ و دستار کو تا دم موت اپنا اسلامی شعار نہ بنالے گا تب تک اِس بے چارے کو قیامت کے دن گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ گویا آخرت کو سدھارنے کے لیئے اس ہیئت کذائی میں ہونا لازمی ہے۔ اور رب زمین و آسمان اسی طرح کی قطع کی ہوئی قمیص و ازار کو پسند فرماتا ہے۔ کسی دوسرے خیاط کے ہاں کا بنا ہوا کپڑا اُسکو پسند نہیں۔ آہ! قرآن حکیم کے الفاظ اُسی طرح باقی ہیں صرف روح نکل چکی ہے۔ اور بتکلف کسی حقیقت شناس اور دقیقہ رس قوم کے جسم کی کمیں بن رہی ہے! مگر جس قوم میں حلول کر گئی ہے۔ اُس کی رگ رگ میں بجز انہیں حیات کا عالم انگیز خون دوڑ رہی ہے۔ مسلمان لاکھ بار اپنے اس شرعی اور صوت انگیز اسلام کو سلام سمجھتے رہیں لیکن اسلام وہیں ہے جہاں اُس خدائے بے نیاز اور حاکم عادل کیطرف سے **قبولیت** کی سند مل رہی ہے، جہاں طاقت اور حکومت، عز و شرف کا دریا اُمنڈ رہا ہے، جہاں سلطنتیں لونڈیاں بنی ہوئی ہیں، جہاں بادشاہت زمین کی عروس جلوہ گر ہے۔ جہاں دولت، وقار، رعب اور حکم کی دیویاں ہاتھ باندھے کھڑی ہیں نہ اُجگہ جہاں سب طرف عجز و مسکنت، ہی، خوف و بیچارگی ہے، مانگے ہوئے ٹکڑوں پر گذارہ، اور جوئیں جزو بدن ہو رہی ہیں!

لہ دیکھو صفحہ ۱۸۸ و ۱۸۸۔

طاقت، اور وہ انجذابی اثر پنہاں تھا جو ہر مقامی نصب العین، اور ہر نسلی مطمح نظر کو نالائق التفات کر دیتا تھا! اِسی حقیقت کی عالم آرا عظمت، اور مہتم بالشان نافعیت† کے باعث مومن کا ایمان ایثار کا لازوال مصدر، اضطرارِ عمل کا عظیم الشان پیکر، اور ہجوم قوت کا بے خوف و خطر مسکن بن گیا تھا۔ لیکن یہ توحید ہی وہ مُسکنِ قلب اور مرکزِ نفس دوا تھی جو غلبے کے مُسکر اثر کے باوجود قدم قدم پر بہیمی جذبات کو مشتعل ہونے سے روکتی تھی، جو بڑے سے بڑے دشمن کے بالمقابل رِفق و مسامحت، حُسن معاملت اور اخلاق کے ملکوتی صفات کو ہر مومن کے قلب میں موجزن کیئے رکھتی تھی، جو احتساب نفس کی پیہم قطع و برید کے باعث اُسکے ادنیٰ سے ادنیٰ عمل کو بھی حدِ اعتدال سے گذرنے نہ دیتی تھی، جو حق خدا کی ہر دم محافظ، اور حقوق عباد کی ہر آن نگراں تھی، جسنے حُسنِ خلاق کی ربانی فضیلتیں، اور خوفِ خدا کی قدوسی بزرگیاں ہر متنفس کے اعمال میں جاری و ساری کر دی تھیں، جسکے صحیح نقش نے مومنوں کے زندہ قلوب میں باہمی محبت کا حِس، اور یک رنگی کی لہر دوڑا دی تھی، جسکے مصلح اعمال اثر نے مسلمان کی زندگی کو ہر انسان کے لیئے قابلِ تقلید نمونہ بنا دیا تھا۔ اسی توحید کے نفع مند اور نتیجہ خیز یقین نے، مُسلمانوں کے روزانہ معاملات میں بلا تفریق قوم، اور بلا امتیاز مذہب راستی اور صلاحیت پیدا کر دی تھی: بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (۳: ۷۵)؛ میدانوں میں لڑنے والے یہ شیر ہژبر، اور پہاڑوں سے ہاتھا پائی کرنے والے یہ

سلہ سچ تو یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنے عہد پر قائم رہا، اور خوفِ خدا کے باعث بدمعاملگی سے بچا تو اللہ تقویٰ کرنے والوں کو بیشک دوست رکھتا ہے۔

---

† توحید کے متعلق میں نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ اس کا اٹل نتیجہ اتحادِ قلوب ہے علیٰ ہذا القیاس جو قوم متحد ہے اُسکے افراد کے دلوں میں توحید بس رہی ہے! چونکہ سب ایک کام کر رہے ہیں اسلیئے اُنکا آقا بھی ایک ہے۔ جو قوم متفرق ہے اُسکے خدا بھی الگ الگ ہیں بلکہ اُسکا خدا درحقیقت شیطان ہے جو آپس میں عداوتیں ڈالتا رہتا ہے۔ ہر شخص اپنے اپنے خدا میں منہمک ہے۔ اسی لیئے اتحادِ عمل کی کوئی صورت پیدا ہو نہیں سکتی۔ یہی راز اَلَّفَ بَيْنَهُمْ (۸: ۶۳) صفحہ ۱۶۷ کے الفاظ میں مضمر تھا۔ اسی نقطۂ نظر سے توحید کی نافعیت ظاہر ہوئی

† یہاں ایفائے عہد کو اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے گویا جو شخص اپنے قول کا پکا اور معاملے کا راستباز ہے وہ خدا سے صحیح معنوں میں ڈر رہا ہے، اُسکو اللہ کے ہر دم حاضر و ناظر ہونے کا یقین ہے، وہ فی الحقیقت اُس پاک ذات کو اپنے اور فریق ثانی کے درمیان گواہ (یعنی شاہد) اور ضامن ٹھیرا کر عہد کرتا ہے، اور پھر ایسی جلیل القدر ذات کی ضمانت میں اُس عہد کو نباہنے کے لیئے اپنی جان تک کی پروا نہیں کرتا۔ ایسا کھرا شخص اور ایسی خوش معاملہ قوم بلاشبہ خدا کی دوستی کے قابل ہے (اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝) سورۂ نحل میں ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (۱۶: ۹۱)

(باقی)

Marfat.com

جانباز بطل، اسلام کی تنبیہی صدا اور اللہ کے امر و نہی کے آگے یوں جُھک گئے تھے کہ اُنکے اعمال کو دیکھکر بعض اوقات ان کی بشریت پر گمان گذرتا تھا! وہ سلاطین عالم پر تحکم کی نظر رکھتے تھے، مگر استکبار و تعلّی کا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۸) اور لوگو! جب جب کسی شئے کے کرنے کا اپنے دل میں عزم مصمم کرلو تو اس خدا سے باندھے ہوئے عہد کو پورا کرکے رہو، اور یہی نہیں بلکہ اُن معاہدوں کو جنکو تم اپنے داہنے ہاتھوں (الأیمان) کو ایک دوسرے سے ملا کر کرتے ہو، پکا کیئے پیچھے نہ توڑو کیونکہ اگرچہ معاہدہ دو شخصوں ہی کے درمیان ہوا ہے مگر تم فی الحقیقت خدا کو اپنا ضامن ٹھیرا چکے ہو اور اسمیں شک نہیں کہ جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اُس سے بخوبی واقف ہے۔

اسلام نے ایفائے عہد کو ہر حالت میں سختی سے برقرار رکھنا اپنے پر اسقدر لازم کرلیا تھا کہ عین اُسوقت جب کہ اکیس برس† کی مسلسل سعی و عمل کے بعد مدینے میں مسلمانوں کی اجتماعی طاقت اوج کمال پر پہونچ چکی تھی، جب دشمنانِ دین کو خدا کی جناب سے قتال کی صلائے عام مل رہی تھی اور برائت کی آیتیں نازل ہو رہی تھیں، رب عزوجل نے مسلمانوں کو عہد پورا کرنے کی بہرحال تلقین فرمائی اور کہدیا کہ میری دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ میری ضمانت رسوا نہ ہونے پائے، جبتک عہد ہو چکا ہے تب تک قائم رہے بعد ازاں تمہارا اختیار ہے لیکن اُس سے پہلے دشمنوں کو چھیڑنا اتقائے خدا کے برخلاف ہے:

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ (۹:۴)

ہاں یہ سب کرو لیکن دشمنانِ دین میں سے جن لوگوں کے ساتھ تم نے صلح کا عہد و پیمان کر رکھا ہے، اور بعد ازاں انہوں نے ایفائے عہد میں تمہارے ساتھ کسی طرح کی کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی، وہ مستثنےٰ ہیں۔ اُن کے ساتھ جو عہد و پیمان ہے اُسے اس مدت تک جو انکے ساتھ ٹھیری تھی پورا کرو۔ اور جانے رہو کہ خدائے بے نیاز اُنہی لوگوں کا دوست ہے جو اس سے صحیح معنوں میں ڈرتے، بچتے ہیں اور بہرحال اُسکی آبرو کو برقرار رکھتے ہیں۔

یہاں چھ سورتوں کے تفاوت کے بعد ایفائے عہد کے بارے میں پھر وہی اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ کے الفاظ دُہرانے، اور تکمیل عہد کو اتقائے الٰہی پر محمول کرنا قرآن کے حیرت انگیز تطابق اور اتحاد مطالب کا بدیہی ثبوت ہے۔

عہد و پیمان کو برقرار رکھنا، اسمیں ذاتی اغراض کو بہرحال حائل نہ ہونے دینا، ہر دم خدا کو فریق ثالث سمجھتے رہنا، اور ایفائے عہد کا اطلاق بلا تفریق رنگ و نسل ہر قوم پر کرنا وہ عظیم الشان سیاسی اصول ہیں جنپر ہر سلطنت کی بُنیادیں اُستوار ہوتی چلی آرہی ہیں۔ جبتک مسلمانانِ عالم نے اِس اصل اصول کو برقرار رکھا وہ تمام عالم کے بادشاہ بنے رہے، جب اُن سے یہ حبل متین چھوٹ گئی، اور مغربی اقوام کی استواری عہد کی دھاک بیٹھی تو مغرب کو ایشیائی اقوام پر وہ تسلط اور تمکن، اور عزت کو اُپر وہ اقتدار و استحکام نصیب ہوا کہ دنیا عش عش کر اُٹھی، اور آج جبکہ انگلستان کے عدم اتقا اور بدعہدی کا چرچا ہر جا ہو رہا ہے تو اُسکے رعب و وقار کی بُنیادیں بھی اسی تیزی سے ہل رہی ہیں کہ ہر صاحب نظر قانون خدا کے اٹل ہونے کا ثبوت پاکر کپکپا جاتا ہے۔

قرآن حکیم کے عجائب خانے کے اندر یہ آیتیں وہ عزیز القدر جواہر ریزے ہیں جو تہوں کے اندر لپٹے ہوئے موجود ہیں، انکی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانا، انکی حکمت عالیہ کی تہ تک پہونچنا ناشناس کا کام نہیں! یہ وہ انمول موتی ہیں جنکو نااہل کا ہاتھ لگنا بھی جائز نہیں، وہ انکو سنگ و خذف سمجھکر پھینک دیگا، اُسکے اُلٹے سیدھے معانی کرکے دلمیں اساطیر الاولین سمجھ لیگا۔ لیکن جن قوموں نے ان کشور کشا اصول کو لیکر خزانہ غیب سے انعام پائے ہیں وہی اِن الفاظ کو سمجھیں گی، نادان کیا سمجھے اور کیا پائے اسکا پلید دماغ انمٹ سا ذہن قرآن کے پاکیزہ مقولات کو معرض بحث میں لاکر در حقیقت پلید کر رہا ہے اور اسی لیئے قرآن عظیم کو ایسے شخص کے ہاتھ لگنے سے چڑ ہے،

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (۵۶:۷۷-۸۰)

† سورۂ برائت کی پہلی آیتوں کا نزول سنہ ۹ میں ہوا تھا گویا رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کو اکیس برس گذر چکے تھے۔

اُن میں نام نہ تھا ! وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝ (۱۷: ۳۷) ؛ وہ آسمان کی زمینوں پر تمکن کے چشم براہ تھے ، مگر اللہ کی اِس زمین پر دھیمے چلتے تھے ! وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝ (۲۵: ۶۳) ؛ مغرور و متکبر شہنشاہوں کے تاج آئے دن

---

۵۱ اور اے انسان ! میری اس زمین پر اکڑ کر مت چلا کر کیونکہ اس دھماکے کے ساتھ چلنے سے تو زمین کو پھاڑ نہیں سکیگا ، اور نہ تن کر چلنے سے تو پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکیگا۔ ۵۲ اور اللہ کے پیارے بندے تو وہ ہیں جو اس زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں ، اور جب کم علم اور لغو ران آدمی اُنسے بحث مباحثہ کریں تو سلام کہہ کر ٹال دیا کریں۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۱۹۹) لوگو! یہ قرآن عظیم بڑی ہی عزیز القدیر کتاب ہے۔ اسکے اندر کے جواہر ریزے اوراق میں تہ در تہ اس طرح لپٹے ہوئے ہیں کہ قدر شناس لوگوں (الْمُطَهَّرُونَ) کے سوا کوئی اسکو چھونے نہیں پاتا ، کوئی اسکی تہ کو نہیں پہنچتا ، اُنکی عظیم الشان نافعیت کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اِسکے اندر یہ بے بہا گوہر کیوں نہ ہوں یہ تو پروردگار عالم کی طرف سے اتارا ہوا کلام ہے !

سلطنت کے امور عالیہ تو یک طرف ، ذاتی اور چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی آج مسلمان کو قطعاً حِس نہیں رہا کہ وعدہ کیا شئے ہے ، اسکے ایفا کے کیا معنی ہیں ، وہ کس سبیل کا نام ہے ، اسکے کرتے ہی کسقدر اہتمام کی ضرورت ہے ، خدا کے نزدیک اسکا پورا کرنا کسقدر محبوب ہے۔ اسلاف صالحین کے نزدیک کریم النفسی بلکہ مردی یہی تھی کہ وعدہ بہر حال وفا ہو خواہ اسکے ایفا میں جان جوکھوں میں پڑے الکریم اذا وعد وفی۔ اور قول مرداں جان دارد کے مقولے اسکی شہادت میں ہیں۔ لیکن آج بدعہدی اور نا یادداری کا شیوہ زنان مسلمانوں میں اسقدر رواج پا گیا ہے کہ مرد ایک نظر نہیں آتا۔ یورپ کی قومیں مقابلۃً اب بھی بدرجہا اچھی ہیں ، اِن میں ایفائے عہد کا خاص اہتمام ہے ، پابندیٔ وقت بیحد ہے ، زمین و آسمان ٹلجائے لیکن اوسط مغربی اپنے وعدے کو ٹال دینا نامردی سمجھتا ہے اور اسی لیے صحیح معنوں میں متقی ہے ، محبوب خدا ہے ، اور اسی محبوبیت کے صدقے میں بادشاہت زمین کا انعام پا رہا ہے !

✤ تکبر نہ کرنا اور زمین پر اکڑ کر نہ چلنا جہانبانی ، حکمرانی ، اور ہر دلعزیزی کا وہ عظیم الشان اصل اصول ہے جس کی اہمیت کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے متکبر اور فرعون اعمال اقوام کی بادشاہت کے تختے اپنی آنکھوں سے الٹتے دیکھے ہیں۔ آج مغرب کے متمرد اور ناانجام شناس حاکموں کے اپنی رعیت سے فرعونی سلوک کا دردناک نتیجہ ہندوستان کی مسافر نواز اور غیر پرور زمین میں بے دیکھ رہا ہے کہ برطانیہ کی عالم آرا سلطنت کی بنیادیں سو برس کی نہایت قلیل مدت میں متزلزل ہو چکی ہیں ، دلوں پر حکومت کے آثار قطعاً باقی نہیں رہے ، اعتماد کا اکثر حصہ کالعدم ہو چکا ہے ، رعیت کے دل بگڑ چکے ہیں ، اور اگر نظام سلطنت بایں ہمہ باقی ہے تو کشور ستیز و تعدی کے زور پر ، ورنہ بیخ کھوکھلی ہو چکی ہے ، اور کوئی انسانی تجویز آج اسکو مضبوط نہیں کر سکتی۔

✤ اِس آیۂ شریفہ میں منکسر المزاج اور فروتن انسانوں کو عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کا خطاب دیا گیا ہے۔ گویا ایسا اخلاق پیدا کرنا صحیح معنوں میں خدا کی عبادت ہے۔ جو شخص اِس قطع کا ہو ، ہر ایک سے نہایت اخلاق سے پیش آئے ، عُجب و غرور کا اُسمیں نام تک نہ ہو ، اور بڑے سے بڑا دنیاوی مرتبہ رکھنے کے باوجود خوش خلقی سے پیش آئے وہ فی الحقیقت خدا کی خدائی سے مرعوب ہے ، اپنے آپ کو اُسکے بالمقابل ہیچ سمجھتا ہے ، سب انسانوں کو برابر یقین کرتا ہے ، اور اسی لیے صحیح معنوں میں اُسکا بندہ (عَبْد) ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جاہل اور کم علم آدمی سے بحث نہ کرنا اور حکمت عملی سے اُسکو ٹال دینا بھی عبادت میں داخل کیا گیا ہے گویا باوجود اِس تمام انکسار طبیعت کے لغو اور لایعنی آدمیوں کی صحبت سے حتی الوسع اعراض کرنا بھی ملازمت خدا میں شامل ہے۔ سورۂ قصص میں صاحب ایمان لوگوں کی تعریف میں ہے :

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ۝ (۲۸: ۵۵)

اُن کے قدموں پر نچھاور ہوتے تھے، مگر اُن کے انکسارِ طبع، اُنکی لینتِ دل، اُنکی ملائمتِ سلوک، اُن کی نیچی نظروں میں فرق نہ آتا تھا! فرمانروائی کی اُمنگیں، اور جہانبانی کے ولولے اُن کے دلوں میں موجزن تھے مگر طبائع میں وہی سادہ پن اور خاکساری، وہی اطاعت کیشی اور اللہ کا شغف، وہی فکرِ انجامِ قوم اور ناموسِ اسلام کا پاس گھر کر گیا تھا۔ انکی زندگیاں فطرت کے اعتدال کی صحیح تصویریں، اور اُنکے دل خشیتِ خدا کے مستقل نشیمن بنگئے تھے: قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ق (۷: ۲۹)۔ اُن کا ہر عمل اور ہر شغل ربِّ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۰) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کسی لغو بات کو سنتے ہیں تو اس سے حتی الوسع کنارہ کش ہو جاتے ہیں، اور ایسے لوگوں سے کہدیتے ہیں کہ بھائی جو ہم کر رہے ہیں اسکا نتیجہ ہم کو ملیگا اور جو تم کر رہے ہو تمہارے ساتھ ہے۔ آپ مہربانی فرمائیں اور ہم کو اس بحث میں شامل نہ سمجھیں، خدا کی سلامتی تم پر ہو لیکن ہم ان لوگوں کی تلاش میں نہیں جو علم نہیں رکھتے اور بے علم اُنکیں دوڑاتے ہیں۔

یہاں پر قریب قریب وہی مضمون ہے جو زیر بحث آیت (۲۵: ۶۳) میں ہے۔ بلکہ قَالُوْا، اور سَلٰمٌ اور الْجَاهِلِيْنَ کے الفاظ بھی مشترک ہیں اگرچہ سَمِعُوا اللَّغْوَ کا مضمون آیۂ (۲۵: ۶۳) میں بالصراحت بیان نہیں کیا گیا بلکہ آگے چلکر اسی سورۃ میں 'عِبَادُ الرَّحْمٰنِ' کی تعریف کے تسلسل میں بیان کیا گیا ہے: وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ (۲۵: ۷۲)، یعنی "خدا کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب کسی بیہودہ مشغلوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو بے نیاز ہو کر گذر جاتے ہیں"۔ اِس تکرار کو پیش نظر رکھو جو وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ (۲۵: ۶۳) اور وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ (۲۵: ۷۲) کے دو قریب المعانی مضامین میں ایک ہی بیان کے سیاق میں واقع ہوئی ہے، مجھے خیال پیدا ہوا ہے کہ اول الذکر آیت میں جٰهِلُوْنَ سے مراد کم علم اور اُجڈ لوگ نہیں بلکہ ناواقف اور ناآشنا لوگ مقصود ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ میں مستحق زکوٰۃ فقراء کے بارے کہا گیا ہے: يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (۲: ۲۷۳) یعنی "یہ فقراء وہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے اور اپنے مال و جان کو لٹانے والے مستِ الست لوگ ہیں کہ ناواقف اُن کی ظاہرا بے نیازی اور خودداری کو دیکھکر اُن کو غنی سمجھتا ہے، اُنکے چہرے اسقدر بارونق اور پیشانیاں اسقدر کشادہ و کشادہ ہیں کہ تم اُن کی صورت سے اُنکو صاف پہچان جاؤگے، وہ بھک منگوں کی طرح لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے"۔ علیٰ ہذا القیاس 'خَاطَبَهُمُ' سے مراد بھی مخاطب ہونا یعنی بالمقابل آجانا ہے نہ بحث و مباحثہ کرنا۔ اگر اس تاویل کو تسلیم کر لیا جائے تو آیۂ (۲۵: ۶۳) کے معانی نہایت مربوط اور صاف ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

"اور اللہ کے خاص بندے تو وہ ہیں جو اِس زمین پر فروتنی اور انکسار کے ساتھ چلیں، اور انکی اخوت کا حِس اِس قدر تیز ہے کہ جب ناواقف اور ناآشنا آدمی بھی سربازار اُن سے دوچار ہو جاتے ہیں (خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ) تو اُنہیں سلام کرنے میں سبقت کرتے ہیں"۔

یہ تشریح اسقدر مستحسن اور نتیجہ خیز ہے کہ میں اسکو عالمِ اسلام کے سامنے پیش کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ یعنی ناواقف اور ناآشنا شخص کو سلام کرنے میں پہل کرنا عالی ہمتی اور حُسنِ اخلاق کا وہ انتہائی درجہ ہے جسکو مسلمان کسی زمانے میں سیکھ کر تمام عالم کے بادشاہ بن گئے تھے، اِسی کے باعث ایک دنیا اُنکے قدموں پر نثار ہو گئی تھی، یہی وہ عالم آرا اخوت تھی جسنے دشمن کو گرویدہ بنا لیا تھا۔ رسولِ خدا خود اسی خلقِ عظیم کے موجد تھے۔ راہ چلتے لوگوں کو سلام کرتے، اور ہمیشہ پہلے سلام کرنے میں بازی لیجاتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کتاب الایمان میں ہے کہ ایک دفعہ فرمایا: "بہترین اسلام یہ ہے کہ فقراء کو کھانا کھلاؤ (یعنی اُن فقراء کو جنکی تعریف (۲: ۲۷۳) میں گذری) اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو اُسکو سلام کرو"۔ یہی اسوۂ حسنہ فاروقِ اعظمؓ کا تھا۔ اسلام کا یہ جابر امیر المومنین اور احزابِ اکا یہ اولوالعزم سپہ سالار مدینے کی گلیوں میں مشک اپنے کندھے پر اُٹھائے ہوئے چاروں طرف واقف اور ناواقف سب کو سلام کرتا گذر جاتا تھا۔ اور اگر آج مسلمانانِ عالم بھی چند لمحوں کے لیے یہ خیرہ عمل اختیار کریں تو اب بھی اُنکی سب گمراہی پر بن سکتی ہے مگر آہ! اب اخوت کا وہ پرانا احساس باقی نہیں رہا۔ اور اُنسے تکبر و ریا کی "بداخلاقی" اور کا فر قوموں میں چلا گیا ہے!

لم یزل کے وجود کی صریح شہادت ، اور اسلام کے دین اللہ ہونے کا زندہ ثبوت تھا۔ توحید کی یہ روح عمل ، لاریب اُس مصورِ حقیقت ، اُس سید البشر ، اُس ہادیٔ اسلام (علیہ التحیۃ والسلام) کی حیرت انگیز تعلیم اور مقلب القلوب صحبت کا نتیجہ تھی جسنے غارِ حرا کی انجمن آرا خلوتوں سے نکلکر ، ریگ زارِ عرب کے اِن بادیہ پیما بدوؤں کے سامنے خدائے بیمثال کی ذات اِسقدر مشخص کردی تھی !

سرِ خدا کہ عابد و زاہد بکس نگفت
در حیرتم کہ دُرد کشاں از کجا شنید

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ (۴ : ۱۳۵)

اے ایمان والو! علی الاعلان خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہوئے اعتدال اور میانہ روی پر قائم رہو ، خواہ یہ اعتدال تمہیں اپنے پر یا والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ کرنا ہو!

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (۵ : ۸)

اے ایمان والو! انصاف کے شاہد بنکر خدا کی حمایت میں جم کر کھڑے ہو جاؤ اور کسی قوم کی عداوت بھی تم کو بے انصافی کے ارتکاب کی باعث نہو۔ نہیں! بہر حال انصاف کرو ، یہی تقوٰی ہے ، اور خوف خدا سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ہر دم ڈرتے رہو ، وہ جو کچھ تم کر رہے ہو اچھی طرح جانتا ہے۔

✝ یہاں ہر معاملے میں قسط و اعتدال پر قائم رہنے ، اور عدل کو بہر حال اور بلا امتیاز احد ے رہنمائے حیات بنانے کو اتقائے خدا پر محمول کیا گیا ہے گویا وہی شخص خدا کے وجود کا صحیح معنوں میں شاہد ہے وہی اُسکا نوکر اور اُس سے بیگانہ رہتا ہے جو بڑی سے بڑی آزمایش اور ذاتی مفاد کے موقع پر بھی ناانصافی نہیں کرتا ، بلکہ ہر آن اُسکو حاضر و ناظر یقین کرکے اُس کے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔

آہ ! صدر اسلام کا عالم انگیز زمانہ تو درکنار ، نزول قرآن کے کامل سات سو برس بعد تک بھی مسلمانوں نے فخر رسل کے ابن آسمان سے لائے ہوئے پیغام پر عمل کرنا اِسقدر ضروری سمجھا ہوا تھا کہ محمد شاہ تغلق بادشاہ ہند کی انصاف پسندی کا ذکر کرتے ہوئے مشہور مسافر ابن بطوطہ (المتوفی ۷۷۹ھ ۱۳۷۷ء) اپنا چشمدید واقعہ (۷۴۱ھ) بیان کرتا ہے کہ ایک دفعہ کسی مہتر کے لڑکے نے دعوٰے کیا کہ بادشاہ نے بلا سبب اُسکو مارا ہے ، قاضی نے حکم دیا کہ بادشاہ یا لڑکے کو راضی کرے ، ورنہ قصاص دے۔ ابن بطوطہ ذکر کرتا ہے کہ شاہ تغلق نے لڑکے کو دربار میں بلایا اور لکڑی اُسکے ہاتھ میں دیکر کہا کہ اپنا عوض لیلے۔ پھر اپنے سر کی قسم دلاکر کہا کہ جیسا میں نے تجھکو مارا ہے تو بھی مار۔ لڑکے نے ہاتھ میں لکڑی لیکر اکیس بید بادشاہ کے لگائے۔ حتی کہ ایک دفعہ اُسکی کلاہ بھی سر سے گر پڑی !!

ہاں ! لیکن جہاں اُس زمانے میں حکم خدا کی تعمیل یہ تھی ، جہاں خوف خدا اِس اوج کمال تک پونہچ چکا تھا وہاں بارگاہ خدا سے انعام بھی یہ تھا کہ مسلمان عالم کے دنیا کے طول و عرض کے بادشاہ بن گئے تھے ، دنیا انکے رعب و وقار کے آگے لرزہ براندام رہا کرتی تھی۔ آج جبکہ قرآن کو چوم چوم کر بالائے طاق رکھنا اسلام کا ماحصل بن چکا ہے تو خدا ابھی کان سے پکڑ پکڑ کر ملکوں سے نکال رہا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ۔

حکمتِ عبادات

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ (۲۲: ۶۷)

ہر امت کے لیے ہم ہی نے ایک نشانِ بندگی مقرر کیا ہے جس کو وہ شعار بنائے ہوئے ہیں تو چاہیئے کہ لوگ قانونِ خدا کے بارے میں تم سے نزاع نہ پیدا کریں

اِس رُوحانیت، اور علوِّ اخلاق میں وہ آسمانی طاقت، اور زبردست تبلیغی اثر پنہاں تھا جو اسلام کی تقویت اور اشاعت کا بہترین سامان تھا۔ بڑے بڑے دشمنانِ دین اور جبابرۂ کفر مومنوں کے اِن اعمال کو دیکھکر وجودِ خدا کے ازخود قائل ہوجاتے، اور دینِ الٰہی کے بہترین معاون اور مددگار بنتے!

اسلام کا زورِ اثر قرونِ اُولیٰ کے ابتدائی ایام میں، ایک بہت بڑی حد تک اِسی خاموش طریقِ عمل، شہادتِ خدا، اور تقوے پر تھا۔ مومنوں کا صلاحِ عمل، اُنکی ربانیت، اُن کا سچا زہد و تورّع خود بخود دلوں میں گھر کرجاتا اور وہ آپ نمونۂ اخلاق بنکر عوام کے لیے ایک مستقل اور غیر متزلزل ہدایت کا باعث بنتے۔ خود رسول کریمؐ کی پاکیزہ زندگی کا مقصود بالذات خلقِ خدا کے سامنے انسانی حیات کی ایک لائق رشک اور قابلِ تقلید مثال قائم کرنا تھا۔ قرآن حکیم کی اصلی غرض و غایت فی الحقیقت بنی نوع انسان کی درستیٔ اخلاق اور اصلاحِ اعمال ہی تھی: اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ (۱۱: ۸۸)[1]

اسلام اور سب باتوں سے قطع نظر "امر بالمعروف" کا سراپا مجسمہ، اور "نہی عن المنکر" کا مکمل ضابطہ ہی تھا مگر اور سب مذاہب کی غیر مانند، اُسکی حیثیت خالصتہً داعیانہ تھی، اُسکی نسبت بزرگ تر تھی؛ وہ ختمِ رسالت کی تمامیت اور پیامِ اخیر کی قطعیت کا حکم رکھتا تھا۔ اُس میں پیغامِ خدا کی **انانیّت**، اور انتخابِ ربّ العرش کی **رعونت** تھی! اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ[2] (۳: ۱۸)۔ اسمیں تقویتِ نفس کا ہیجان، اور اجماعِ خلق کا

---

[1] اسپر شعیب علیہ السلام نے اہلِ مدین سے کہا کہ میں تو حتی الامکان تمہارے اعمال و اخلاق میں اصلاح ہی پیدا کرنا چاہتا ہوں، کچھ تم سے اجرت اور رزق نہیں مانگتا (۱۱: ۸۸) قرآن کریم، میرا اِس ارادے میں کامیاب ہونا خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ اسی پر توکل کرکے میں نے اپنا کام شروع کیا ہے، اور نتائج کے بارے میں میرا رجوع بھی اُسی کی طرف ہے۔

[2] خدائے زمین و آسمان کی نگاہوں میں اسلام ہی پسندیدہ ترین مذہب ہے! یہ ایک سرسری ترجمہ ہے جو ہم نے کردیا ہے اور جو عوام کے ذہنوں میں رائج ہے۔ اگرچہ صحیح مفہوم یہ ہے "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ" (یعنی خدا کو عملاً احکم الحاکمین تسلیم کرلینا) ہی وہ طرزِ عمل (دین) ہے جو خدائے زمین و آسمان کی نظر میں پسندیدہ تر ہے"۔ جیسا کہ ہم نے صفحہ ۱۹۱ میں واضح کردیا ہے۔

Marfat.com

اضطرار تھا! دعوتِ جہان اُسکا مایۂ خمیر، اور کل کائنات اسکی مشارٌ الیہ تھی:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَ يُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (۷: ۱۵۸)

اے محمدؐ! تمام عالم کے لوگوں سے کہدو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس خدائے عظیم کا قاصد ہوں جسکی سلطنت تمام آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔ اُسکے سوا کوئی شے لائق عبادت نہیں۔ وہی زندہ کردیتا ہے، وہی مارتا ہے۔ تو آؤ! اُس پاک ذات کو اپنا مالک یقین کرو اور اُسکے بھیجے ہوئے اُمّی نبیؐ کو جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، اور اُسکے احکام بجالاتا ہے! اپنا رہنما تسلیم کرو۔ اور اُسی کی پیروی کرو تاکہ تم راہ راست پر آجاؤ! (گویا ایک آقا کو مان کر سب کے سب متحد ہوجاؤ دیکھو ھدایت کا مفہوم تحت المتن صفحہ ۱۹۲)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۴: ۲۸)

اے محمدؐ! ہم نے تو تم کو تمام دنیا کے لوگوں کی طرف قاصد بناکر بھیجا ہے تاکہ تم ہمارے قانون پر چلنے والوں کو اجتماعی بہبودی کی خوش آیند خبر، اور ہمارے منکروں کو دائمی عذاب کا پیغام پونہچادو۔ لیکن اکثر لوگ ابھی تک اس واقع الامر سے مطلع نہیں ہوئے کہ تمہارا پیغام تمام عالم کے نام ہے

ہر متنفس قوم، اور مجتمع انسانی کے پیش پیش رہنا اسکی حیات کی علامت تھی! اسکے صلائے عام میں سیماب کی جاذبی تڑپ، اور قبلہ نما کا مقناطیسی اضطراب تھا! حصول قوت اُسکا نشانِ سیما، اور غلبۂ عام اُس کا طرۂ امتیاز تھا! وہ عامۃ الناس کو اپنی حقیقت اور سادگی تعلیم سے، اپنے روز افزوں اثر اور جماعتی اقتدار سے، اپنی انقلاب انگیز تجویز اور بے مثال ہدایت سے، مومن کے زورِ اخلاق اور روح عمل سے خدائے واحد کی عملی عبادت اور غلامی کیطرف کھینچکر **جامعیت** اور **وحدت** پیدا کرنا چاہتا تھا، اِسی حیثیت کی بناپر اُسکے اوامر و نواہی کا ہر شعبۂ عمل جلب اقتدار، توسیع اثر، اخوت اور مساوات کا بطور خود متواتر **جہاد** تھا۔ اخلاق کی درستی میں بلاشُبہ ایک سطحی نقطۂ نظر سے، متنفس کی ذاتی ہدایت، یا اُنفرادی نجات ہی پیش نظر تھی، صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے انفرادی افعال بظاہر ایک مسلمان کے اپنے خدا سے تعلق قائم کرنیکے انفرادی ذرائع ہی تھے، صوم کا فریضہ بادی النظر میں، کسی ایمان دار کا شخصی ایثار یا اُسکے نفس امارہ کا شخصی اجتہاد ہی تھا، طواف بیت الحرام بھی ظاہرا مسلمانوں کے درمیان خدا سے اظہار ارادت کا ایک مُرتسم شیوہ ہی تھا، قرآن حکیم کے اوراد اور اوامر و نواہی بھی سطحی نظروں میں تدین اور نکوکاری کی یہی انفرادی شان لیئے ہوئے تھے،

238

† دیکھو تحت المتن صفحہ ۸۱

Marfat.com

مگر سرنوشت اُمت کے اُس **خوشنویس اجل**ؒ نے، اِن تمام احکام کی تہ میں، **غلبۂ اسلام** کی وہ نستعلیق حکمت عملی ملحوظ نظر رکھی تھی جو صدہا برس تک مسلمانوں کو اور اُمتوں کے بالمقابل، مابہ الامتیاز مقام دیتی رہی! اِن احکام کی اجتماعیت، اِن کی مرکزیت، اِنکی پابندیٔ وقت اور یک رنگی میں فطرت کی صلائے اتحاد کی تکرار، انسان کی نوعی وحدت کا اظہار، ضبطِ نفس کی تعلیم، مساوات کا حوصلہ افزا اثر، اور عصبیّت کی روح تھی، اُنکے استمرار و تعلّل میں، اُن کے تعہّد اور تسلسل میں **حکومتِ** خدا کا متواتر سماں اور **اتقائے** قلوب کا پیہم ضبط باندھ دیا تھا؛ وہ تقویت اسلام کے بہترین اوزار، اور تکثیر جماعت کے زبردست محرک تھے، وہ تہذیب نفس اور اصلاح اعمال کے بہترین کفیل تھے۔ اِس

الصّلوٰۃ

کے پنجوقتہ قیام میں باہمی محبت کی لہریں تھیں! اِسمیں خدا کی خدائی کا مشترک اقرار، اور اللہ کی غلامی کا مشترک اعلان تھا! اسمیں ہر دل کی دوسرے دل سے سچی رسم وراہ تھی! اسمیں خوف خدا کی مشترک لرزشیں، اور نیازمندی کی مشترک خلشیں تھیں! وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۚ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ † (۷:۵۶)؛ اسمیں ہم آہنگ دلوں کی طبعی ہمرنگی، اور ہم غرض انسانوں کی فطری یک جہتی تھی! اسمیں یک منعموں کا باہمی اُنس واجلاس، اور ہم انعاموں کا برادرانہ ربط واختلاط تھا! اِسمیں ایک امیر کی عملی اطاعت، ایک غرض اور ایک غرض، ایک کی پیشوائی اور سب کی اقتدا، ایک کے عرض حال اور سب کے سکوت کا سچا سماں باندھ دیا گیا تھا! یہ ایک منظم اور منضبط، ایک مرعوب خدا اور منکرِ ماسوا، ایک لرزہ براندام اور سربکف فوج کی پنجوقتہ اپنے **قائد اعظم**ؒ کے حضور میں **پیشی** تھی! اِسمیں عصیان کار اور خود پسند، تفرقہ ایجاد اور مختلف نواز

؎ عذاب خدا سے ڈر کر اور انعام کی آس میں دونوں موقعوں پر اُسیکو پکارا کرو، بے شک فضل خدا ان لوگوں کے شامل حال ہے جو خلوص دل سے اُسکو پکارتے ہیں اور اُسکے احکام کی متابعت میں حسنِ عمل کرتے ہیں۔

† 'اِحسان' کا صحیح قرآنی مفہوم صفحہ ۱۳۰ پر واضح کر دیا تھا جس سے ظاہر ہے کہ یہاں پر خوف اور طمع بھی اجتماعی شکست کا خوف اور اجتماعی راحت کی طمع ہی ہے شخصی خوف و طمع مراد نہیں۔ اُدْعُوْهُ اور مُحْسِنِيْنَ کا جمع کا صیغہ بھی اسی پر دال ہے۔

Marfat.com

انسان کو دن میں پانچو قت ایک کی قیادت اور سب کی پیروی، ایک کے اقدام اور سب کے اتباع، ایک کی خدائی اور سب کی عبودیت کا عملی سبق دیا گیا تھا! یہ جماعت کے خارجی† نظم ونسق، باطنی ضبط اور ظاہری مساوات، وحدت خدا اور وحدتِ امام کی سچی محرک تصویر تھی! اسکے رکوع وسجود میں ادنیٰ اور اعلیٰ، شاہ وگدا کی تمیز عمداً اُٹھا دی گئی تھی! اسکے وضو میں احکم الحاکمین کی پیشی کا اہتمام، جسم کی پاکیزگی اور لباس کی تطہیر، ظاہر کی صفائی اور خوف پریشان حالی کا سماں چھایا ہوا تھا! وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (۷۴: ۳-۵) ؎ اسکی تسویہ صفوف نے پیشگاہِ خداوندی کا ضبطِ ادب، مساوات کا باطنی احساس اور قرب وہم پلگی کی عصبیت پیدا کردی تھی، مساجد میں جماعت کے بے تکلف قیام نے مسکینانِ فقر وافلاس کو صدر نشینان جاہ وحشم کے ساتھ، ایک قطار میں کھڑا کرکے ایک کردیا تھا! وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۝ (۷: ۲۹) ؎ بارگاہ رب العالمین میں اِس پنجوقتہ محاسبے اور غیر منقطع حاضری نے اُن کے نفس عصیان ونفاق سے پاک کردیئے تھے! إِنَّ الصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللَّهِ

؎ اور اے پیغمبر! اپنے آقائے نامدار کا بول بالا کیا کرو، اور جب جب اُسکے حضور میں جانے کا ارادہ کیا کرو تو صاف ستھرے اور پاکیزہ کپڑے پہنکر جایا کرو، اور کپڑوں کی پاکیزگی کے علاوہ بدن کو تمام نجاست اور آلایش سے پاک صاف رکھو۔

؎ اور درگاہ احکم الحاکمین میں ہر مانہار گزرنے کیوقت ہمہ تن توجہ بن جایا کرو اور اپنی تمام ارادتمندی اور عقیدت کو اُسی کیلئے مخصوص کرکے اُسکو پکارا کرو۔

† جن لوگوں نے 'الصلوٰۃ' کی ماہیت کا بامعانِ نظر مطالعہ کیا ہے انکو یقین ہوچکا ہے کہ اس روزانہ حاضری کی تہ میں خدائے عزوجل کی حکمت عملی بعینہ یہ تھی کہ اُمت کے افراد کو دن میں پانچ وقت خارجی اور باطنی ضبط کا وہ مکرر سبق دیا جائے جو اسکو کبھی بھولنے نہ پائے۔ اگر ایک فوج کے سپاہیوں کو ہر روز علی الصباح میدان میں نکالکر قواعد سکھائی جاتی ہے، اگر انکو معلمِ قواعد کی آواز پر حرکت کرنیکی تعلیم دیجاتی ہے، اگر سب کو ایک حکم پر چونک اُٹھنے کا سبق پڑھایا جاتا ہے، اور وہ سب کے سب بیک وقت اور بالالتزام ایک ہی انداز پر حرکت کرتے ہیں تو اسکا مقصود یہی ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں اُنکی اس اطاعت سے فائدہ اٹھایا جائے، اور وہ اپنے سپہ سالار کے حکموں پر فی الفور عمل کرنیکا سبق سیکھیں اگرچہ لڑائی میں سپہ سالار کے احکام اس روزانہ قواعد کے احکام سے مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی مقصود بعینہ نماز سے تھا اور امام مسجد کی پنجوقتہ اطاعت سے امیر جماعت کی اطاعت حسب موقع مراد تھی۔ یہی حکمت تسویہ صفوف میں تھی، یہی راز وقت کی پابندی اور مقتدیوں کے خاموش رہنے میں تھا۔ اور اسی نکتے کو پیش نظر رکھکر اگر ایک شخص امام کے پیچھے کئی گز یا ایک میل دور بھی کھڑا ہو (مثلاً عیدین کے موقع پر) اور اُس کی قرأت کا ایک لفظ بھی نہ سُن سکے لیکن رکوع وسجود اُسکے تتبع میں ادا کرتا جائے تو اُسکی نماز کا ہونا علمائے سلف نے مسلّم قرار دیا تھا کیونکہ نماز کا مقصود بالذات اتحادِ عمل اور اطاعت تھا، خدا کو اس پنجوقتہ چاپلوسی کی کچھ حاجت نہ تھی۔ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بات اپنے مقتدیوں کی گھٹی میں اسقدر ڈالدی تھی اور نماز کو اطاعت کے نصب العین کیساتھ اسطرح مدغم کردیا تھا کہ عین وسط نماز میں تحویل قبلہ کیوقت بھی اُنکو کچھ دقت محسوس نہ ہوئی (دیکھو صفحہ ۱۶۹) اسی تعلیم کی بنا پر عہد نبوۃ میں لوگوں نے نماز کیوقت ظاہری ضبط کا قائم رکھنا اسقدر ضروری سمجھا تھا کہ اُنکے نزدیک مسجد کے اندر وضو کرنے یا سنتیں پڑھنے سے بے ترتیبی اور انتشار کا ماحول پیدا کرنا نماز کی حکمت کے منافی تھا۔ لوگ اپنے اپنے گھر وں سے وضو کرکے اور سنتیں پڑھکر آتے اور رسولِ خدا صرف فرض پڑھاتے۔ آج جبکہ الصلوٰۃ کا الٰہی رس بھلا جاچکا ہے لوگ انہی مسجدوں کے اندر وضو کرتے ہیں کلیاں بہر بہر کر حوضوں میں پھینکتے ہیں، نالیوں پر بول براز کرتے ہیں، سنتیں پڑھ پڑھکر مسجد کو محشرستان فساد بنا دیتے ہیں، اور نہیں سمجھتے کہ یہ تمام خانہ خدا کے اندر گستاخیاں ہیں۔

† صفحہ ۵ کے تحت المتن میں ثابت کردیا تھا کہ خدائے تعالیٰ کی نگاہ میں سب سے زیادہ مکروہ شے تفرقہ اندازی ہے اور آپسمیں نفاق سے روکنا ہی المنکر کا صحیح مفہوم ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ الفحشاء کا الٰہی مقصود کیا ہے، قرآن حکیم

Marfat.com

اَکْبَرُ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝ (۲۹:۴۵) ؎ مقام خدا کا پیہم اور زنہار وہ احساس اُن کے اعمال کو یکسر سُدھار رہا تھا، دلوں میں حمیت دین کے جوش زن تنور، اور ذہنوں میں غلبۂ اسلام کے مواج دریا تھے۔ پھر تذلل و

؎ بیشک نماز بشرطیکہ اسمیں خدا کا سچا احساس ہو، اور اسکو الصَّلٰوۃ کہہ سکیں، وہ مطہر نفس شئے ہے جو تمام اخلاقی بداعمالیوں (الْفَحْشَآءِ) اور اجتماعی تفرقہ اور نفاق (الْمُنْكَرِ) سے روکتی ہے۔ اور خدا کا پیہم احساس تو نماز سے زیادہ موثر ہے۔ اور خدا جو کچھ بھی تم کرتے ہو سو بوجھ جانتا ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۶) میں الْفَحْشَآءِ کا ذکر چند موقعوں پر آیا ہے۔ لیکن وہ موقعے معانی کی تعیین کے لیے کافی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲:۱۶۸-۱۶۹)

اے لوگو! زمین میں جو چیزیں پاکیزہ صورت اور خوش تاثیر، متصحت اور دافع شہوات (حَلٰلًا طَيِّبًا) ہوں انکو کھایا کرو اور نفس امارہ کا کہا مان کر شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور ہمیشہ ایسی چیزوں کے کھانے کی ترغیب دیگا جس سے تمہاری شہوات نفسانی کا ہیجان ہوتا رہے۔ شیطان یعنی تو لامحالہ تمہیں بدی اور بے حیائی (السُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ) کے کام کرنے کو کہیگا، اور ضرور اس بات پر آمادہ کرے گا کہ نفس پروری کے جوش میں جھوٹ موٹ وہ احکام خدا کی طرف منسوب کردو جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔ (آیۂ (۲:۱۶۹) کا مقابلہ آیۂ (۷:۲۸) سے کرو جو اسی صفحہ کے اخیر میں ہے)

حلال و حرام کی حکمت سے یہاں پر بحث نہیں۔ یہ موضوع پانچویں مجلد میں آئے گا۔ نہ یہاں پر شیطان کی حقیقت سے سروکار ہے لیکن الْفَحْشَآءِ سے مراد یہاں پر صاف بیحیائی، نفس پروری، اور شہوات نفسانی کو فروغ دینے والی باتیں ہیں۔ کیونکہ آگے چلکر آیہ (۲:۱۷۳) میں لحم خنزیر کو حرام کردیا ہے۔ جو بڑا مہیج شہوت تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی سورۃ میں ہے:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (۲:۲۶۷-۲۶۸)

اے ایمان والو! اپنی امت کی تقویت اور اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر اپنی کمائی میں سے بہترین اشیاء (طَيِّبٰتِ) صرف کیا کرو، اور جو اشیاء ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں اُن میں سے بھی بہترین چیزیں دو، اور ناکارہ چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا، کہ مگر اسی سے خیرات کا چندا سا اتارنے حالانکہ وہی شئے اگر کوئی تم کو دینا چاہے تو تم اُسکو بطیب خاطر منظور نہ کرو ماسوا اسکے کہ دیدہ دانستہ اپنی بات رکھنے کے لیے اُس شئے کے بیکار ہونے سے چشم پوشی کرو۔ جانے رہو کہ خدا ان چیزوں کو اپنے لیے نہیں مانگتا، جو کچھ ہے تمہاری اپنی خاطر ہے، اور وہ بڑا بے نیاز اور بڑا سزاوار حمد ہے شیطان یعنی تمہیں ایثار مال اور بہترین اشیاء کے دینے کے وقت افلاس سے ڈراتا ہے، اور بخل و امساک کی باطنی بے حیائی (الْفَحْشَآءِ) کا حکم دیتا ہے اور خدا تمہیں اس ایثار کے بعد اجتماعی بدحالیوں پر پردہ پوشی (مَّغْفِرَةً) اور دنیاوی انعام و اکرام (فَضْلًا) کا وعدہ فرماتا ہے اور جانے رہو کہ وہ خدائے عظیم برسی گنجایش والا اور ہر قوم کی نیات سے بخوبی واقف ہے۔

یہاں اُس قلبی بے حسی اور باطنی بے حیائی کو جو قوم کی بہتری کی خاطر ایثار مال نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے الْفَحْشَآءِ سے تعبیر کیا ہے۔ سورۂ اعراف میں شیطان کے آدمؑ کو بہکانے کے قصے کی تفصیل کے بعد ہے:

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۷:۲۷-۲۸)

اے اولاد آدم! کہیں شیطان تم کو پھر اسی آزمایش میں نہ ڈالے جس طرح کہ اسنے تمہارے والدین کو بہشت سے نکلوایا تھا، انکے لباسوں کو بدلوں سے

Marfat.com

انکسار کے اس ملکوتی ارتعاش میں سب شخصی معاملات اور ذاتی تمناؤں کو بالائے طاق رکھکر، جو تنہا اور اہم سوال تمام جماعت کی طرف سے متفقہ طور پر، باآواز بلند پیش کیا جاتا تھا یہ تھا کہ اے بار الٰہا!

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۷) کہتا تھا کہ اُنکے عیوب اور شرمگاہیں اُنپر ظاہر ہوجائیں، وہ مع اپنے چیلے چانٹوں کے تمہاری گھات میں لگا ہے اور تمکو وہاں سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم اُسکو نہیں دیکھتے، پس تم اُس سے حتی الوسع بچتے رہو اور اُسکے دام تزویر میں پھنسکر اپنے آپ کو شکار ہونے اور اپنی شرمگاہوں کو عیاں کرنے کا موقع نہ دو۔ لوگو! ہم نے اس دنیا میں اُن لوگوں کو جو ایمان کے قوت افزا اعمال و خصائص سے بے بہرہ ہیں (اَلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ) انہی شیطانوں کا محب صمیم (اَوْلِیَآءَ) بنا رکھا ہے۔ اور یہ بے ایمان لوگ وہ ہیں کہ جب جب کوئی مُنفّر قوم، اُمت کُش، یا موت افزا عمل (فَاحِشَةً) کرتے ہیں تو اپنی عیب پوشی کے لیئے یہ بہانہ ایجاد کر لیتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو شروع سے یہی کرتے دیکھا ہے، بلکہ درحقیقت خدا نے ہم کو اس کام کا حکم دے رکھا ہے، اے محمدؐ! ان نادانوں سے کہہ دو کہ خدا ہرگز کسی بیہودہ کام (اَلْفَحْشَآءِ) کا حکم نہیں دیتا جسکا انجام ہلاکت ہو، جسکا نتیجہ حفظ و امن کے جنت سے اخراج ہو، کیا تم جھوٹ موٹ خدا پر وہ باتیں تھوپ رہے ہو جن کا تمہیں علم نہیں۔

یہ قصہ نہایت نتیجہ خیز ہے اور اسکا انطباق جو انسان کی موجودہ نسلوں پر کیا گیا ہے اور بھی عبرت انگیز ہے مگر نفس قصے سے یہاں پر بحث نہیں نہ آدم اور شیطان کی شخصیتوں سے البتہ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پر اَلْفَحْشَآءِ سے مراد قوم کے وہ پشتینی عیوب اور اجتماعی بداعمالیاں ہیں جو لوگ نہایت وثوق سے بدیں خیال کرتے ہیں کہ باپ دادا سے چلی آئی ہیں، اور اِس نقطہ نظر سے خدا کا حکم ہیں۔ اِن بداعمالیوں میں مثال کے طور پر فرقہ بندیاں، گورپرستی، رسوم قبیحہ، اعتقادات واہیہ وغیرہ شامل ہیں جن کا نتیجہ بحیثیت مجموعی یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کے اجتماعی (سَوْاٰت) عیوب روز بروز عیاں ہوتے جاتے ہیں، اور بالآخر وہ ساری کی ساری قوم شیطان کو دوست رکھنے کے جرم میں قوت اور امن کے دارالسلام سے بیک بینی و دو گوش نکال دیجاتی ہے۔ فحشاء کے اِن معانی کی تائید ان آیات سے اگلی آیت سے بھی ہوتی ہے جو متن کتاب میں صفحہ ۲۰۱، ۲۰۶ پر آچکی ہے: قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ؕ (۷: ۲۹)! یعنی "اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ اِن بداعتدالیوں کا حکم ہرگز کہیں نہیں دیا گیا بلکہ میرے پروردگار نے تو مجھے بہر نوع قسط و اعتدال پر رہنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہر سجدے کے وقت ہمہ تن متوجہ ہو جایا کرو، اور تمام ارادتمندی اور اخلاص اس احکم الحاکمین کے لیئے وقف کر کے اس کے حضور میں کرا ہو، جانے رہو کہ تم اُسی طرح بے یار و مددگار اُس کے حضور میں واپس آؤ گے جس طرح کہ تم روز آفرینش کو تھے"۔

اِس آیت میں صاف کسی ماسوا کو وسیلہ نہ بنانے اور خالصۃً خدا کی غلامی اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ہر معاملے میں حد سے تجاوز نہ کرنے (قِسط) کو پیش نظر رکھنے کی تلقین کی ہے۔ اِن تینوں آیتوں میں ظاہر ہے کہ اوّل سے آخر تک ربط تبھی مکمل ہو سکتا ہے جب اَلْفَحْشَآءِ کو اُن معنوں میں لیا جائے جو ہم نے کیئے ورنہ اَلْفَحْشَآءِ کے بالمقابل اَلْقِسْطِ اور اُدْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ کے الفاظ ٹھیک نہیں بیٹھتے۔ اَلْفَحْشَآءِ کا ذکر قرآن حکیم میں اور جگہ بھی ہے۔ مثلاً یوسفؑ اور زلیخا کے مشہور قصے میں جب اول الذکر بدفعلی سے صاف بچ نکلے تو فرمایا: وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ۝ (۱۲: ۲۴) "اور وہ عورت تو یوسف کے ساتھ ارادۂ بد کر ہی چکی تھی اور علیٰ ہذا القیاس اگر یوسفؑ کو اپنے خدا کے احکم الحاکمین اور حاضر و ناظر ہونے کی دلیل اُسوقت آنکھوں کے سامنے نہ پھر جاتی تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ ارادۂ بد کر بیٹھتے، اور یہ اسباب ہم نے اس لیئے پیدا کر دیئے کہ یوسفؑ کو بدکاری اور بے حیائی سے باز رکھیں، اس میں شک نہیں کہ وہ ہمارے خالص اطاعت گذاروں میں سے تھا"۔ یہاں اَلْفَحْشَآءِ سے مراد صاف زناکاری اور بے حیائی ہے۔ سورۂ نحل میں خدا کے متعلق ہے اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآیِٕ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ ۚ (۱۶: ۹۰) ہے مگر وہاں اَلْفَحْشَآءِ کا مفہوم کچھ نہیں دیا۔ سورۂ نور میں قصہ افک کے متعلق حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی برئیت کے بعد ایمان والوں سے خطاب ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ۚ وَمَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ

تو اسلام کی جماعت کو سیدھے سے سیدھے، چھوٹے سے چھوٹے، اور قریب سے قریب راستے سے دنیاوی نعمت اور اقتدار تمکن فی الارض اور تخلف کے اُس معراج پر پہنچا جسکو حاصل کرنیکے لیئے تو نے اپنا پاک رسول "الھدیٰ" و

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۰۸) فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (۲۴:۲۱) یعنی اے ایمان والو! ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ شیطان کے قدم بقدم نہ چلو اور اسطرح کی بیحیائی کی باتیں آپس میں نہ پھیلنے دیا کرو، اور تم میں سے جو شخص شیطان کے قدم بقدم چلیگا تو جان لے کہ شیطان یعنی اُسکو ایسی ہی بیحیائی کی باتیں (الفحشآء) کرنے کا حکم دیگا، اور آپس میں فساد برپا کرنے اور نفاق پھیلانے (المنکر) کی ترغیب دیگا۔ اور مسلمانو! اگر تمپر اللہ کا فضل و کرم شامل حال نہ ہوتا تو تم میں سے ایک فرد بھی نفس کا دل بھی آلایش عصیاں سے پاک ہوتا لیکن وہ خدائے عظیم جسکو مناسب سمجھتا ہے (یشآء) تزکیہ نفس کی توفیق دیتا ہے، اور وہ بڑائیوں کو سمجھنے والا (سمیع) اور دلوں کی پخت و پز کو جاننے والا (علیم) ہے"۔ یہاں "الفحشآء" اور "المنکر" دونوں کو الگ الگ کر دیا ہے اور دونوں کے مطالب کی تصریح کر دی ہے۔ گویا "الفحشآء" شیطان کی طرف سے نفس امارہ کو وہ باطنی ترغیب و تحریص ہے جس سے کوئی شخص اپنی قوم کے کسی فرد کے متعلق کوئی بیحیائی یا بدنامی کی بات پھیلانے پر آمادہ ہوتا ہے، اور "المنکر" دو باہمی نفاق اور باطنی کدورتیں، وہ فساد آرا اور انتشار عمل ہے جو ایسی باتوں کے ناحق پھیلانے سے پیدا ہوتا ہے اور جو آج ہر مسلمان کی گھٹی میں پڑا ہے۔

اِس تمام بحث و تمحیص سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ الفحشآء سے مراد وہ انسانی عیوب ہیں جو شیطان نفس امارہ کی وساطت سے کراتا ہے اور جن میں بالتخصیص (۱) شہوات نفسانی کے ہیجان کی تدابیر اختیار کرنا (۲) محبت مال میں غلو کرنا اور خدا کیلئے بہترین شئے نہ دیسکنا، (۳) آبا و اجداد کی بیہودہ اور ہلاکت انگیز رسموں کی اندھا دھند تقلید کرنا، (۴) زناکاری کیطرف مائل ہونا، (۵) افراد ملت کو بدنام کرنیکی غرض سے بیحیائی کی باتیں لوگوں میں پھیلانا، شامل ہیں۔ ان باتوں کا کرنا شیطان کا صحیح معنوں میں اتباع اور اسکی سچی عبادت ہے۔ زیر بحث آیت یعنی (۲۹:۴۵) میں کہا گیا ہے کہ الصلوٰۃ "وہ شے ہے جو الفحشآء اور المنکر سے قطعاً روک دیتی ہے۔ اگر ایک شخص صحیح معنوں میں "الصلوٰۃ" کو خدا کے حضور میں حاضری سمجھ رہا ہے، اگر وہ دن بھر کے اعمال کے بعد "الصلوٰۃ" کو حاکم اعلیٰ کی پیشی میں ان اعمال کا محاسبہ سمجھتا ہے تو وہ لامحالہ فحشآء سے بچیگا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر الصلوٰۃ وہی متفقہ درخواست ہے جو تمام اسلامی جماعت کیطرف سے خدا کے حضور میں کی جاتی ہے تو اسکے بعد مسلمانوں کے آپس میں نفاق (المنکر) واقع ہونے کی گنجایش قطعاً نہیں رہتی۔ انہی معنوں میں الصلوٰۃ الصلوٰۃ ہے اور اسی لیئے اَل تخصیصی اسپر داخل ہے۔ الصلوٰۃ کی ماہیت کے متعلق مفصل بحث چوتھی مجلد میں آئیگی۔ ان اوراق میں اسکی حکمت عملی سے بحث ہے۔ لیکن الفحشآء کی تخصیص اور تحدید جو قرآن عظیم نے متذکرہ صدر آیات میں کی ہے زیادہ تر اس وجہ سے ہے کہ یہ پانچوں شقیں ہر قوم کی اجتماعی زندگی کیلئے ازبس مہلک ہیں۔ اگر مسلمانان عالم نماز کو فی الحقیقت مجرم کی پیشی سمجھکر فحاش کی ان پانچوں قسموں سے محترز رہیں تو آج انکی بگڑی سنور سکتی ہے۔ مغربی اقوام میں دوسری، تیسری اور پانچویں شقیں اسقدر کالعدم ہیں کہ الفحشآء کا ایک عظیم حصہ انکی ہیئت اجتماعی سے بالکل نکل چکا ہے۔ ایثار مال انمیں بیحد ہے، آبا و اجداد کی واہی رسموں کی تقلید تین صدیوں سے بالکل غائب ہے، علیٰ ہذا القیاس اپنی قوم کے افراد کی بدنامی کے درپے نہ ہونا انکا قومی شعار ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ وہ پہلی اور چوتھی شق یعنی نفسانی شہوات اور زناکاری کی طرف نسبتہً بہت زیادہ مائل ہیں اور ممکن ہے کہ زمانہ قریب میں یہی انکی اجتماعی ہلاکت کا باعث بن جائے لیکن اس موضوع پر بحث غالباً تیسری مجلد میں آئے گی۔

الصلوٰۃ کی اس جامع و مانع تعریف کے بعد قرآن حکیم نے زیر بحث آیت یعنی (۲۹:۴۵) میں وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ کہکر نماز کی حکمت عملی اور صحیح منتہائے نظر کو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ بعبارۃ اخریٰ یہ کہا ہے کہ "الصلوٰۃ" اگرچہ دن بھر میں پانچ وقت خدا کے حضور میں حاضری اور اپنے اعمال کی جوابدہی ہے لیکن خدا کو ہمیشہ یاد رکھنا (ذکر اللہ) اُس کا کہنا ماننے میں ہر وقت لگائے رکھنا (ذکر اللہ) چوبیس گھنٹے اُس حاکم اعلیٰ کا خوف موجود رکھنا (ذکر اللہ)، غیبت اور حاضری، نماز اور غیر نماز دونوں موقعوں پر اسکو حاضر ناظر اور نگران اعمال یقین کرنا وہ مصلح اعمال شئے ہے جو الصلوٰۃ سے کہیں بڑھکر (اکبر) ہے۔ انسان کو اگر یہ کیف و حال نصیب ہو جائے تو الصلوٰۃ سے بدرجہا بہتر تو ذکر کے معنی وہ نہیں جو لوگوں نے نہایت نافہمی سے وضع کر لیئے ہیں اور وہ یہ کہ سب کام دھندا چھوڑ کر تسبیح ہاتھ میں لے لیں اور خدا کا نام تمام دن رٹ رٹ کر بے اثر کرتے رہیں۔ یہ تشریح نہایت لچر اور مضحکہ انگیز ہے اور وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ کے الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ تمام دنیاوی کاروبار کے ضمن میں خدا کا کھٹکا لگائے رکھنا اور ان اعمال کو قانون خدا کے مطابق کرنا ہی ذکر خدا ہے۔

دِینِ الحق ساتھ دے کر بھیجا تھا!

اِھْدِنَا

✝ الھُدٰی اور دِینِ الحق کا اشارہ آیہ ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ (۶۱:۹) کی طرف ہی جو صفحہ ۱۸۲ پر منتہائے اسلام کی تعیین کے ضمن میں پیش کی گئی تھی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس الھُدٰی کے بھیجے جانے کا ذکر اس آیت میں ہے، اسکی ایک اہم شق کی توضیح صفحہ ۱۹۲ وغیرہ پر ہو چکی ہے جہاں پر ثابت کر دیا ہے کہ الھُدٰی کا الٰہی مفہوم وُہ استعداد و مصالحت و اتحاد ہے جو پیغمبر آخر الزماںؐ نے عرب قوم کے اندر ایک انتہائی قلیل مدت میں پیدا کر دی تھی اور جو صحیح معنوں میں لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کا باعث ہوئی۔ دِینِ الحق کے معنی سچائی کی راہ عمل کے ہیں گویا سورۂ فاتحہ میں صِرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ پر چلنے کی درخواست پنجوقتہ ہوتی ہے وہ یہی دِینِ الحق ہے جو رسول خدا کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ اگلے اوراق میں اسی صراط مستقیم کی تبیین کیگئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ کیا ہے اور کیونکر لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ یا اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کا مصداق بنانا اسکا کام ہے

✝ ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے سورۂ فاتحہ کا صحیح مفہوم پالینا، اور بعد ازاں اسکو پیش نظر رکھکر زندگی کا منتہائے عمل بنانا اسقدر اہم ہے کہ اسکے بدون نہ کوئی نماز صحیح معنوں میں نماز ہے اور نہ اُس غرض و مطلب کے لیے کوئی مستقل عمل پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر آج قرنہا قرن کے تدریجی نسیان اور فقدان علم کے بعد اوسط مسلمان کو یہ بھی پتہ نہیں رہا کہ وہ خدا کے حضور میں پنجوقتہ ہاتھ باندھ کر کیا مانگ رہا ہے، وہ سرے سے کچھ مانگتا بھی ہے یا نہیں، یہ رکوع و سجود کیوں ہیں، یہ اُٹھنا بیٹھنا کس مطلب کے ہے، یہ ظاہری ادب اور مسلسل قومے اور قعدے کس اضطراب دل کے مظاہر ہیں، اگر یہ سب سبق جو نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیئیس ۲۳ برس کے مسلسل عمل کے بعد پڑھایا تھا قطعاً بھولا جا چکا ہے تو ایسی نماز سوائے اس کے کہ وہ کچھ بن جائے جو آجکل ہے اور کیا ہو سکتی ہے۔ ان آیات میں بعض امور نہایت غور طلب ہیں: 'الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ' کیا شے ہے؟ اگر اس کی تعریف صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہے تو اس میں 'نِعْمَتِ' کا کیا مفہوم ہے؟ 'الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ' سے بعینہٖ کون مراد ہیں؟ 'الضَّآلِّیْنَ' کے مصداق کون لوگ ہیں؟ یہ سب سوالات ایسے ہیں کہ ان کے اطمینان بخش حل کے بغیر 'الصَّلٰوۃ' کی ماہیت کو سمجھنا از بس محال ہے۔

شارحین کلام الٰہی نے بالعموم ان عظیم الشان آیات کے مطالب کو اپنے مشہور خود پسندانہ اور تحکمانہ لہجے میں بیان فرما کر چند جملوں میں مرخص کر دیا ہے۔ اُن کے نزدیک 'الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ' دین اسلام کا سیدھا رستہ ہے۔ گویا تعریف المجہول بالمجہول ہے۔ 'اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ' سے مراد انکی رائے میں 'روحانی نعمتیں' ہیں جن کے اہل روز اوّل سے 'مسلمان' قرار پا چکے ہیں۔ 'الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ' یہودی ہیں جن پر قہر خدا 'صدیاں گذریں نازل ہوا تھا اور اب تک اُن کی اولاد پر نازل ہو رہا ہے۔ 'الضَّآلِّیْنَ' نصرانی لوگ ہیں جن پر غضب خدا آنے والا ہے اور اُن کی گمراہی مُسلّم ہے۔ گویا اس مقام نظر سے مسلمان دن میں پانچوقت وہ شئے مانگ رہا ہے جو اسکو الحال حاصل ہے۔ اور ابدالآباد تک حاصل رہے گی بشرطیکہ منہ سے مسلمان بنا رہے! آج یہ ناروا تخیل ہر مسلمان کی تعلیم خیال میں اسقدر مستحکم اور متمکن ہو گیا ہے کہ کوئی دلیل اُسکو اقوام عالم کی اس مفروضہ صدر نشینی سے ہٹانیکے لیے کارگر نہیں ہوتی، بلکہ لطف یہ ہے کہ جب اُسکو اسلامی اُمت کی خستہ حالی اور نصرانی کی دنیاوی خوشحالی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ غیظ و غضب میں آکر اور بھی اپنے آپ کو خدا کا منظور نظر اور 'اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ' کا صحیح مصداق شمار کرتا ہے۔ اور اس کرسی نشینی سے دست بردار ہونا اپنے لیے گناہ سمجھکر روحانیت کی نادیدہ اور ناقابل درک کشور میں سر چھپا لیتا ہے۔ اسکی نظروں میں نصرانی بہر نوع مستوجب عذاب ہیں، اُن سے خدا بیحد ناخوش ہے۔ یہ انعام جو آج انکو مل رہے ہیں بلا استحقاق مل رہے ہیں۔ نہیں بلکہ اُسکے نزدیک آج دنیاوی نعمت کچھ شئے نہیں رہی، اگرچہ تیرہ سو برس سے وہ اسی دنیاوی نعمت کا راگ الاپتے ہوئے بادشاہت زمین کو اپنے منظور خدا ہونے کا ثبوت دیتا رہا ہے، اور طرفہ تر یہ کہ اسکو یہود کے مغضوب علیہ ہونے کا اعتراف بھی اکثر اسی بنا پر ہے کہ اُنکی قوم پر اجتماعی مسکنت اور ذلت چھا رہی ہے، انکی کوئی زمینی بادشاہت نہیں رہی وہ دنیا کے ملکوں میں دربدر اور مارے مارے پھر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ، مگر جب اسی حالت کا اطلاق آج بعینہٖ اپنے آپ پر ہوتا ہوا دیکھتا ہے تو اسکا ذہن سلیم اسکو یکسر جواب دے دیتا ہے، اور وہ باصرار اسی خیال پر قائم ہو جاتا ہے کہ مسلمان باوجود اس زبون حالت کے صراط مستقیم پر ہیں، اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہیں، مغضوب علیہم ہرگز نہیں، الضّآلّین بننے کا امکان ان کے حق قطعاً نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس دل خوش کن تخیل کی ظاہر

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۰) کہ کوئی سند سورہ فاتحہ کے اندر موجود نہیں، اور نہ اِس فیصلے سے، خواہ وہ تمام مسلمانانِ عالم کا متفقہ فیصلہ ہی کیوں نہ ہو، قانونِ خدا یا قولِ ربّ العالمین کے مفہوم میں کوئی تبدیلی پیدا ہو سکتی ہے۔ جو بات کسی دلیل کی محتاج نہیں یہ ہے کہ ربّ زمین و آسمان نے ان آیاتِ شریفہ میں ہر مسلمان کو دن میں پانچ وقت بلکہ ہر نماز میں کئی دفعہ صراطِ مستقیم پر رہنے کی دعا سکھلائی ہے، گویا یہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ہی وہ شے ہے جس سے ہر انسان کے بہک جانے کا ہر لحظہ خطرہ ہے، ہر مسلمان کے اِس راہ سے بے راہ ہو جانے کا ہر آن امکان ہے، اور جب تک اسکی تمام توجہ صرف نہو، اُسکا اِس پر از خود چلتے رہنا محال ہے۔ یہ سیدھی سادی دلیل ہر ہوشمند شخص کو اِس نتیجے پر پونہچا دیتی ہے کہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر قائم رہنے کے لیے بیحد جدوجہد کی ضرورت ہے اور جب تک وہ سعی و عمل جاری ہے ایک مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان ہے۔ اگلے وقتوں کے ہوشمند، دقیقہ رس اور اسلام شناس عُلماء نے اِس حقیقت کبریٰ کو اِن نہایت خوب صورت، بلیغ، اور نتیجہ خیز الفاظ میں ادا کیا تھا کہ اسلام کا صراطِ مستقیم ایک نہایت دشوار گذار **بال سے سوا باریک، اور تلوار سے سوا تیز رستہ ہے** جس پر سے ہر متنفس کو گذرنا ہے، جو شخص 'مسلمان' ہے وہ اس رستے پر سے آسانی سے گذر جائے گا (کیونکہ مسلمانی کی شرط: جیدہ ہر لحظہ سعی و عمل کرتے رہنا اور باحتیاط تمام اِس راہ کو عبور کرنے کی سعی کرنا ہے) جو مسلمان نہیں وہ کٹ مر کر جہنم میں جا گرے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔" بعد کے جاہل کٹ ملاؤں نے ان الفاظ کی حقیقت کو توڑ مروڑ کر صراطِ مستقیم کو عالمِ آخرت کے دوزخ کا کوئی پُل بنا دیا۔ اور سعی و عمل سے گریز کرنے کا بہانہ ڈھونڈنے کے لیے اِس معنی خیز بیان کو احوالِ قیامت کا ایک واقعہ بنا کر اعلان کر دیا کہ اِس 'پلصراط' پر سے ہر شخص گذرے گا، مسلمان اپنی قربانیوں کے دُنبوں پر سوار ہو کر سرپٹ جنت میں جا داخل ہوں گے۔ یہودی اور نصرانی وغیرہ کٹ کٹ کر دوزخ میں دھڑام سے گر پڑینگے! آج یہ سب حکایت حقیقت سے اسقدر دور ہو گئی ہے کہ ہر سلیم الذہن شخص اِس کو سُنکر بے اختیار ہنس پڑتا ہے اور مسلمانیت کو بیہودہ افسانوں کا مجموعہ قرار دے کر اس سے یکسر متنفر ہو جاتا ہے!

ادنیٰ تامل بھی ہر شخص کو اِس نتیجے پر پونہچا دیتا ہے کہ جو خطِ مستقیم بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز ہو اُس پر چلتے رہنا کس قدر انتہائی احتیاط کا کام ہے اور اسمیں اِدھر اُدھر ہٹنے کی کسقدر کم گنجایش ہے۔ نہیں بلکہ جس طرح کوئی بازیگر کسی رسّی پر چلتے ہوئے تمام توجہ **عدل و توازن** قائم رکھنے میں صرف کر دیتا ہے اسی طرح کسی امت کا ہر لحظہ اپنی تمام احتیاط **قسط و اعتدال پر رہنے میں صرف کر دینا صراطِ مستقیم پر چلنے کے مترادف ہے**۔ دینِ اسلام کا یہ اصل اصول قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ (۷، ۲۹) کے الفاظ سے بھی ظاہر ہے جو اِس سے پیشتر صفحہ ۲۰۱ پر آچکے ہیں۔ اصل کتاب میں آئندہ اوراق (صفحہ ۲۲۶-۲۴۶) میں صراطِ مستقیم کی قرآنی تعریف بصراحت تمام بیان کر دی جائے گی۔ جس کے مطالعے کے بعد واضح ہو جائے گا کہ جو اُمت صراطِ مستقیم کے اِس مفہوم پر بفور تمام اور بسعی اتم چل رہی ہے اُس کا اس دنیا میں قوت اور تمکن سے رہنا اٹل ہے، اُس کا بقا فی الارض اور استخلاف قطعی ہے، کوئی دوسری قوم اُسکے بالمقابل صف آرا ہو کر اُسکو میدانِ حیات میں پچھاڑ نہیں سکتی، سب دنیاوی انعام اور افضالِ الٰہی اُس قوم کے شاملِ حال ہوں گے اور ہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ دنیاوی تمکن ہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس کی تعریف ربّ زمین و آسمان نے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے الفاظ میں کی ہے۔ اور اِسی سے ہٹ کر قومیں مغضوب علیہم بن جاتی ہیں یا الضَّآلِّيْنَ میں شمار ہو کر شدید العقاب خدا کے عذاب کو دعوت دیتی ہیں۔ اِن آیات میں یہود و نصاریٰ کی حتماً کوئی تخصیص نہیں اور نہ مسلمان بالخصوص الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہیں وہ بلاشبہ اُس وقت تھے جب دقیقہ رس خدا کے انعام اُن کو ہر طرف سے مالا مال کر رہے تھے مگر اب سب طرف قہرِ خدا ہے۔ تاہم نماز میں پنجوقتہ گذارش اِسی کی ہے کہ ہم کو اس صراطِ مستقیم پر چلا جسپر چلنے سے تو خوش ہو جائے اور دنیاوی انعامات اور تعزز سے مالا مال کر دے۔ یہی دعا ایک تنخواہ دار غلام کی اپنے آقا سے ہو سکتی ہے، اور اسی صلاحیت عمل کا کوئی آقا اپنے غلاموں سے متمنی ہو سکتا ہے۔ 'اِهْدِنَا' اور 'الَّذِيْنَ' اور 'عَلَيْهِمْ' اور 'الضَّآلِّيْنَ' کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ انعام اور سزائیں سب **اجتماعی** ہیں۔ اور اِسی لیے الصَّلٰوۃ خدا کے حضور میں قوم کی طرف سے ایک **متفقہ درخواست** ہے، افراد کا اپنی جماعت سے الگ ہو کر اس دعا کو حضورِ خدا میں گذرانا ایسا ہی بے معنی ہے جیسا کہ کسی مسلمان کا افراد

Marfat.com

الْمُسْتَقِيمَ ۙ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۱) قوم سے الگ تھلگ ہو کر صراط مستقیم پر چلنے کی سعی کرنا جیسا کہ آگے چلکر اس وقت واضح ہوگا جب کہ صراط مستقیم کے متعلق سب اعمال اجتماعی ثابت کر دیئے جائینگے پیغمبر خدا صلعم نے اسی مقام نظر سے الصلوٰۃ کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے باصرار تمام فرمایا تھا کہ جماعت کے بغیر کوئی نماز فی الحقیقت نماز نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ، کے الفاظ سے دنیاوی نعمتیں ہی مراد ہیں، یہ نماز کی رکعتوں میں دمبدم اُٹھنا اور بیٹھنا، یہ احکم الحاکمین کے حضور میں دست بستہ کھڑا ہونا، یہ گھٹنوں کے بل جھک جانا اور بار بار ماتھا رگڑنا، پھر اُٹھنا اور گڑگڑانا، وغیرہ وغیرہ سب کچھ دنیاوی انعام کی امید اور اجتماعی سزا کے خوف سے تھا۔ اس کا ثبوت خود قرآن کے اندر موجود ہے۔ قرآن حکیم میں نعمت کا لفظ کئی جگہ استعمال ہوا ہے مگر ماسوا اُن شاذ موقعوں کے جن کا ذکر آگے چلکر آئے گا سب جگہ نعمت سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں روحانی نعمتوں کا جنکے صحیح معانی کی تعیین بھی ازبس مشکل ہے، قرآن حکیم میں کہیں ذکر نہیں۔ توضیح مطالب کے لیئے یہ سب موقعے یہاں پر لکھ دیئے جاتے ہیں مگر خوف طوالت کے باعث بعض حوالوں کو مختصراً بیان کر دیا ہے۔ مزید معلومات کے لیئے سیاق کلام کو دیکھنا چاہیئے۔

(الف) سورۂ انفال میں ہے: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ (۸:۵۳) یعنی "یہ اس وجہ سے کہ خدا کا دستور ہے کہ وہ کسی قوم پر سے اپنی عطا کی ہوئی نعمت کو نہیں بدلتا جب تک کہ لوگ آپ اپنی استعداد کو نہ بدلیں"۔ یہاں نعمت صاف دنیاوی راحت اور امن ہے، اور اَنْعَمَهَا عَلٰى کے الفاظ بھی آئے ہیں جن کی مماثلت سورہ فاتحہ کے اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے عیاں ہے۔

سورۂ ابراہیم میں دنیاوی نعمتوں کی تفصیل کے بعد فرمایا ہے: وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۭ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۭ (۱۴:۳۴) "اور لوگو! اُس نے تم کو جو کچھ تم نے مانگا بقدر ضرورت دیا، اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز نہ گن سکو گے"۔ یہی بات آیت (۱۶:۱۸) میں ہے مگر اسکے اعادے کی ضرورت نہیں۔ سورۂ لقمان میں کشتیوں کے سمندر میں چلنے (اور اس ترکیب سے انسان کے لیئے سہولت سفر پیدا کرنے) کو بھی نعمت الٰہی کہا گیا ہے: اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ (۳۱:۳۱) یعنی "اے مخاطب! کیا تو نے اس حیرت انگیز حقیقت پر غور نہیں کیا کہ کشتیاں سمندر میں خدا کی نعمت (احسان) کے باعث چل رہی ہیں، اور یہ اسلیئے کہ خدا تم کو اپنی قدرت کے حیرت انگیز عجوبات دکھلائے! اسمیں شک نہیں کہ عجائبات قدرت پر استقلال سے ہر غور کرنے والے (صَبَّارٍ۔ دیکھو صبر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۱۸) اور نعمتہائے خدا کے صحیح معنوں میں قدردان (شَكُوْرٍ۔ دیکھو شکر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۳۷) شخص کے لیئے کشتیوں کے سطح سمندر پر چلنے میں علم و عمل کے بہتیرے اشارات (لَاٰيٰتٍ) موجود ہیں"۔ علی ہذا القیاس سورۂ قمر میں کنکروں کے پتھراؤ سے آل لوط کی نجات کو نعمت خدا ہے: اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۙ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ۝ (۵۴:۳۴-۳۵) یعنی "پھر ہم نے اُس قوم پر پتھروں کی بارش کی مگر خاندان لوط کے لوگوں کو ہم صبح ہوتے ہوتے بچا لے گئے، یہ ہمارے ہاں سے آل لوط پر نعمت تھی اور جو لوگ ہمارے احکام کی قدردانی کر کے اُن کی کماحقہ تعمیل کرتے ہیں (مَنْ شَكَرَ۔ دیکھو شکر کے مطالب تحت المتن صفحہ ۱۳۷) انکو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں"۔ سورۂ قلم میں حضرت یونس کے مچھلی کے پیٹ سے نکل کر نجات پانے کو نعمت خدا سے تعبیر کیا ہے۔ گویا اِس موقع پر بھی نعمت دنیاوی مصیبت سے نجات پانے کے مترادف ہے، روحانیت سے اسکو کچھ واسطہ نہیں: لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ (۶۸:۴۹)، یعنی "اگر خدائے رحیم کا فضل و کرم ان کی دستگیری نہ کرتا تو بڑے حالوں چٹیل میدان میں پھینک دیئے ہوتے"۔ سورۂ احقاف میں نعمت کا دنیاوی مفہوم ذرا واضح تر ہے۔ چنانچہ اس نہایت دقیق آیت کے مطالب جسمیں اَنْعَمْتَ عَلَيَّ کے الفاظ قابل لحاظ ہیں یہاں پر تمام کمال لکھدیئے جاتے ہیں:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَ

Marfat.com

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۲) اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ (۴۶ : ۱۵)
اور لوگو! ہم نے انسان کو حکم دیدیا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے، وہ فی الحقیقت اِس سلوک کے مستحق بھی ہیں کیونکہ تکلیف اٹھاکر ہی اسکی ماں نے اُسکو پیٹ میں رکھا، اور دردناک اذیت کے بعد ہی اسکو جنا، پھر یہی نہیں بلکہ اس کا پیٹ میں رہنا اور اسکے دودھ کا چھوٹنا کہیں ڈھائی برس میں جاکر ختم ہوتا ہے (لیکن انسان وہ ناشکرا اور احکام خدا سے باغی انسان ہے کہ ماں کی اِن تکالیف کی کماحقہٗ پروا نہیں کرتا اور طفولیت کی نادانیوں اور کم عقلیوں میں مست رہکر ماں باپ سے اینٹھا اینٹھا پھرتا ہے اور اُسکے احسان کو کچھ خاطر میں نہیں لاتا۔ اُسکو صحیح معنوں میں ہوش نہیں آتی) جب تک کہ آخر کار وہ سن رشد و تمیز کے کمال کو پونہچکر آپ چالیس برس کی عمر کا ہوجاتا ہے (حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ) پھر جب باپ بن کر خود اُن تکالیف کو سہنے لگتا ہے تو بزبان حال پکار اٹھتا ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے اس بات کی توفیق دے (قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ) کہ میں تیری اِن نعمتوں کی صحیح معنوں میں قدر کروں (اَنْ اَشْكُرَ، دیکھو شکر کے معانی تحت المتن صفحہ ۱۳۷) جو تم نے بمپر طفولیت میں عطا کی تھیں اور آج کر رہا ہے، اور جو میرے ماں باپ پر کی تھیں، اور مجھے توفیق دے کہ میں وہ مناسب اعمال کروں جنسے تو راضی ہوجائے، اور میری اولاد کو بھی (جو ہماری میاں بیوی کی تکالیف سے بیخبر ہے) مناسب راہ پر لا (وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ)، میں تو اب چالیس برس کی غفلت کے بعد تیری ہی طرف لوٹ آیا ہوں (اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ) اور صحیح معنوں میں تیرے احکام کو پر از حکمت سمجھکر انکو تسلیم کرتا ہوں۔

(قرآن کی بلاغت یہی ہے کہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطلب ادا ہوجائے اور ہر صاحب غور و فکر فیصلہ کرسکتا ہے کہ اس آیہ شریفہ کا بعینہٖ یہی مطلب ہے جو بیان ہوا! اسمیں انسان کی فطرت اور عادت مستمرہ کو واضح کیا گیا ہے۔ چالیس برس کی عمر کو پونہچکر حقیقت حال کا کھلنا ہر صاحب نظر پر واضح ہے۔ زندگی کی اسی منزل پر استعداد تمیز حد کو پونہچ جاتی ہے اور انسان کو اپنی ماہیت پر غور کرنے اور اِس دنیا جہان کے کارخانے کو بنظر تعمق دیکھنے کی اہلیت پیدا ہوجاتی ہے۔ خود رسول خدا صلعم کو نبوت کا خلعت بھی اسی عمر میں عطا ہوا تھا۔ فافہم وتدبر)۔ لیکن اس بحث سے قطع نظر، اس آیہ شریفہ میں 'نعمت' کا مفہوم سراسر دنیاوی احسان ہی ہیں۔ روحانیت کا یہاں پر کچھ ذکر نہیں۔ سورۂ یوسف میں علیٰ ہذا القیاس تاویل احادیث کے علم کو اتمام نعمت قرار دیا ہے: وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (۱۲ : ۶)، یعنی "اسی طرح خدا تم کو 'تاویل احادیث' کا علم سکھادے گا اور اپنی نعمت کا تمپر اتمام کرے گا"۔ 'تاویل احادیث' کے صحیح مفہوم سے یہاں پر بحث نہیں مگر ظاہر ہے کہ تحصیل علم کو یہاں پر نعمت فرمایا ہے۔ سورۂ نساء آیہ (۴ : ۷۲) میں اَنْعَمَ اللّٰهُ کے الفاظ دنیاوی مصیبت سے نجات پانے کے معنوں میں آئے ہیں اور وہ آیت صفحہ ۱۲۵ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے مگر یہاں پر اُس سے استدلال نہیں کیا کہ وہ الفاظ بطور قول بغیر استعمال ہوئے ہیں نعمت کا الٰہی مقصود اُن سے مستنبط کرنا روا نہیں سمجھا!

(ب) انسان کی ناقدر شناسی کے ضمن میں کئی جگہ لفظ 'نعمت' کا ذکر ہے جس سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں۔ سورۂ زمر میں ہے: فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ (۳۹ : ۴۹)، یعنی "انسان کی عادت ہے کہ جب اُسکو کوئی تکلیف پونہچے تو ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اسکو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجکو میرے علم کی وجہ سے ملی ہے"۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ میں ہے: وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ (۴۱ : ۵۱)، یعنی "جب ہم انسان پر اپنا دنیاوی فضل و کرم کرتے ہیں تو وہ ہم سے منہ پھیر کر کنارہ کش ہوجاتا ہے اور جب اُسکو کوئی تکلیف پونہچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے"۔ سورۂ بنی اسرائیل میں قریب قریب یہی مضمون ہے: وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا (۱۷ : ۸۳)، یعنی "..... تکلیف کے وقت آس توڑ بیٹھتا ہے"۔ ان دونوں موقعوں پر 'انعمنا علیٰ' کے الفاظ قابل لحاظ ہیں۔ سورۂ زمر کے شروع میں پھر اسی دنیاوی نعمت کا ذکر ہے: وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا

Marfat.com

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۳) اِلَیْہِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَہٗ نِعْمَۃً مِّنْہُ نَسِیَ مَا کَانَ یَدْعُوْٓا اِلَیْہِ مِنْ قَبْلُ (۳۹ : ۸)، یعنی جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو خدا کی طرف ہمہ تن رجوع ہو کر کراہتا ہے، پھر جب خدا اپنی طرف سے کوئی نعمت اُسکو عطا کرتا ہے تو جس مطلب کے لیئے اُس نے خدا کو پہلے پکارا تھا اُسکو بھلا دیتا ہے۔" سورۂ نحل میں ایک جگہ اسی قطع کی یاددہانی ہے: وَمَا بِکُمْ مِّنْ نِّعْمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ثُمَّ اِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْہِ تَجْئَرُوْنَ (۱۶ : ۵۳)، یعنی "لوگو! جسقدر نعمتیں تم کو مل رہی ہیں سب خدا ہی کی طرف سے ہیں، پھر جب تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اُسی کے آگے آہ وزاری کرتے ہو۔" سورۂ ہود میں پھر اسی ناشکر انسان کا ذکر ہے: وَلَئِنْ اَذَقْنٰہُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْہُ لَیَقُوْلَنَّ ذَھَبَ السَّیِّاٰتُ عَنِّیْ اِنَّہٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ (۱۱ : ۱۰)، یعنی "اور اگر اسکو کسی تکلیف کے بعد نعمتہائے الٰہی کی لذت چکھائیں تو وہ کہنے لگتا ہے کہ اب میری سب بدحالیاں (السیّات) دور ہوگئیں، اسمیں شک نہیں کہ انسان بڑا جلد خوش ہوجانے والا اور جلد شیخی میں آجانے والا ہے۔"

(ج) دنیاوی نعمتوں کے بارے میں انسان کو خطاب کئی جگہ ہے۔ سورۂ نحل میں ہے: وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَکْنَانًا وَّجَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِیْلَ تَقِیْکُمْ بَاْسَکُمْ کَذٰلِکَ یُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تُسْلِمُوْنَ (۱۶ : ۸۱)، یعنی "لوگو! وہ خدا ہی ہے جس نے تمہارے فائدے اور آرام کے لیئے پیدا کردہ اشیا کے سائے بنائے، اور تمہاری پناہ کے لیئے پہاڑوں کے اوٹ بنائے اور لباس جو تم کو گرمی سے بچائیں۔ اور ایسی زرہیں بھی جو تم کو ایک دوسرے کی مار سے بچائیں، خدا یوں ہی اپنی نعمتیں تم لوگوں پر پوری کرتا ہے۔ تاکہ تم اسکو صحیح معنوں میں خدا تسلیم کرو۔" یہاں بھی صاف طور پر (نِعْمَتَ) سے مراد دنیاوی نعمتیں ہیں جن کا ذکر آیۂ (۱۶ : ۷۲) سے برابر چلا آیا ہے اور آگے چلکر تو کید کے طور پر پھر یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَھَا وَاَکْثَرُھُمُ الْکٰفِرُوْنَ (۱۶ : ۸۳) فرمایا ہے۔ یعنی "لوگ خدا کی نعمتوں کو خوب سمجھتے ہیں، پھر دیدہ و دانستہ اُن سے انکار کرتے ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ اُن میں سے اکثر ناشکر (کٰفِرُوْنَ) ہیں۔" اس آیۂ شریفہ میں خدا کی عطا کی ہوئی دنیاوی نعمتوں کو **نعمت نہ تسلیم کرنیوالوں کو بصراحت تمام کافر کہا گیا ہے**، جو مسلمان آج دنیاوی نعمتوں کو ہیچ سمجھکر اس دنیا کو قابل نفرت سمجھتے ہیں اُنکے لیئے یہ تہدید از بس عبرت انگیز ہے۔ اسی سورۃ میں انسان کی دنیاوی خوشحالی کو بارگر نعمت سے تعبیر کیا ہے وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِھِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَھُمْ فِیْہِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَۃِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ (۱۶ : ۷۱)، اور لوگو! اُس خدائے ذوالجلال نے ہی تم کو رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے تو جن کو زیادہ روزی دیگئی ہے وہ کچھ اپنی دولت اپنے پیش خدمت غلاموں اور ماتحتوں کو لوٹا نہیں دیا کرتے تاکہ آقا اور غلام آپس میں برابر ہوجائیں۔ جب وہ ایسا نہیں کرتے اور اپنے تفضل رزق کو نہایت اہتمام سے برقرار رکھتے ہیں تو کیا اس کے بعد بھی اللہ کے احسانات[۷] سے منکر ہیں۔" اس معلق آیت کے مطالب کے متعلق مُدلّل بحث اپنے موقع پر آئیگی، مگر صاف ظاہر ہے کہ یہاں تفضل رزق کو نعمت کہا گیا ہے۔ اس سے اگلی آیت ہے: وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنْ اَزْوَاجِکُمْ بَنِیْنَ وَحَفَدَۃً وَّرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰہِ ھُمْ یَکْفُرُوْنَ (۱۶ : ۷۲)، "اور لوگو! خدا ہی وہ کارساز حقیقی ہے جس نے تمہاری آسایش کے لیئے تم ہی میں کی بیبیاں بنائیں، اور تمہاری بیبیوں سے تمہارے لیئے بیٹوں اور پوتوں کو پیدا کیا اور تم کو نہایت عمدہ رزق ارزانی فرمائے، تو کیا یہ لوگ اس حقیقت کے کھل جانے کے بعد بھی فرضی معبودوں کے لاطائل انعاموں پر ایمان رکھیں گے، اور خدا کی دی ہوئی صریح نعمتوں کا کفران کرینگے؟" یہاں بھی صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں بیویوں، اولاد، اور طیبات رزق کو نعمت کہا گیا ہے اور اُنکے عدم اقرار کو کفر پر محمول کیا ہے۔ سورۂ فاطر میں ہے: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ یَرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (۳۵ : ۳)، یعنی "اے ساکنانِ زمین! خدا کی نعمتوں کو جو تم کو دی گئی ہیں یاد کیا کرو اور غور کرو کہ کیا فی الحقیقت خدا کے سوا کوئی اور وجود بھی ہے جو اس قدر طاقت رکھے کہ تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچائے۔" یہاں نعمت وہ مادی وسائل ہیں جنپر انسان کی حیات کا مدار ہے۔ سورۂ لقمان میں ہے: اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً (۳۱ : ۲۰)

[۷] نعمت بمعنی احسان: وَتِلْکَ نِعْمَۃٌ تَمُنُّھَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (۲۶ : ۲۲) میں ہے یعنی موسیٰ فرماتے ہیں کہ اے فرعون! کیا یہ مجھکو احساناً کہتے ہو کہ ہم نے بنی اسرائیل کو غلامی میں لگا کر اسکو مزدور بنا لیا تھا۔

Marfat.com

اَنۡعَمۡتَ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۴)، یعنی "کیا تم لوگوں نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ خدا نے تمہارے فائدے اور استفادے کیلئے آسمان اور زمین کے اندر جو کچھ ہے تسخیر کر رکھا ہے، اور اِس تسخیر کے باعث گویا اپنی ظاہری اور باطنی سب نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں"۔ یہ آیہ جلیلہ ناقابل انکار طور پر اِس حقیقت کبریٰ کی مؤید ہے کہ اشیائے فطرت سے استفادہ کرنا ہی ظاہری اور باطنی نعمتوں کی تکمیل ہے، گویا نعمت کا کامل اور مکمل مفہوم خدا کی تمام بنائی ہوئی اشیاء کا جائز استعمال ہی ہے، اِسکے ماسوا حتماً کچھ نہیں۔ یہاں پر "روحانی نعمتوں" کے وجود کی بکسر تغلیط ہو جاتی ہے اور جیسا کہ چوتھی مجلد میں علم کے عنوان میں واضح کر دیا جائے گا۔ فطرت کی اشیا کے صحیح استعمال کے اندر اور اُس کے ضمن میں ہی "روحانیت" کے تمام مدارج کی تکمیل بھی ہو رہتی ہے۔ اور یہی وہ اوج مرتبت ہے جس کے حاصل ہونے کے بغیر کسی قوم کا اِس دنیا میں تمکن ناممکن ہے۔ (کتاب کے عربی افتتاحیہ میں قرآن حکیم کی اِس تعلیم کی ایک جھلک دکھلا دی گئی ہے (دیکھو صفحہ ۳۸-۴۸)

(د) انسانوں کی طرف، عام خطاب سے قطع نظر بنی اسرائیل کیطرف خدائی خطابات بھی اسی حقیقت کبریٰ کو ظاہر کرتے ہیں کہ قرآن حکیم میں نعمت کا مفہوم دنیاوی افضال و اکرام ہی ہے۔ سورۂ ابراہیم میں حضرت موسیٰ کا قول ہے، "وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ اَنۡجٰىكُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ يَسُوۡمُوۡنَكُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ وَيُذَبِّحُوۡنَ اَبۡنَآءَكُمۡ وَيَسۡتَحۡيُوۡنَ نِسَآءَكُمۡ ؕ (۱۴: ۶) یعنی "ایک وہ وقت تھا کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے لوگو! خدا کی اُس نعمت کو یاد کرو جب اُس نے تم کو فرعون کے لوگوں کے ظلم سے نجات دی تھی، وہ تم کو غلامی میں رکھکر دردناک طور پر تکلیفیں دیتے، تمہارے بیٹوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کرتے کہ تم تعداد میں تھوڑے رہ جاؤ، اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے کہ وہ لونڈیاں بنکر رہیں"۔ یہاں ایک قوم کی سیاسی نجات کو نعمت خدا کہا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے، "وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِيۡكُمۡ اَنۡۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمۡ مُّلُوۡكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمۡ مَّا لَمۡ يُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ (۱۵: ۲۰)، "اور ایک وہ وقت تھا کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے لوگو! خدا کی اُس عظیم الشان نعمت کو یاد کرو جب کہ اُسنے تم ہی میں کے پے در پے کئی پیغمبر تمہاری ہدایت کیلئے بھیجے پھر تم کو بادشاہ بنا دیا، اور وہ وہ انعامات عطا فرمائے جو دنیا جہان میں کسی قوم کو نہ دیئے تھے"۔ یہاں ایک سطح بین شخص کہہ سکتا ہے کہ انبیاء کا بنی اسرائیل میں مبعوث ہونا ایک روحانی نعمت تھی، لیکن ادنیٰ تامل بھی اِس نتیجے پر پہونچا دیتا ہے کہ اِن انبیاء کا آنا درحقیقت اُس قوم کی اجتماعی اور دنیاوی بہتری کے لیئے ہی تھا، جیسا کہ جَعَلَكُمۡ مُّلُوۡكًا اور اٰتٰىكُمۡ مَّا لَمۡ يُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ خود موسیٰ علیہ السلام کا پیش نہاد بھی بنی اسرائیل کو فراعنہ مصر کے مظالم سے نجات دینا، اور اُس قوم کو قانون خدا کا پابند بنا کر بادشاہ بنانا ہی تھا جیسا کہ متذکرہ صدر آیت (۱۴: ۶) سے بھی ظاہر ہے۔ نہیں بلکہ اِس آیت سے بعد کی آیتیں (یعنی ۵: ۲۱-۲۶)، جس میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ارض مقدس پر حملہ کرنے اور دشمن سے مردانہ وار لڑکر بادشاہت زمین حاصل کرنے کی زبردست ترغیب دی ہے، پیغمبری کے منتہا، اور جَعَلَ فِيۡكُمۡ اَنۡۢبِيَآءَ کی نعمت کے مفہوم کو اظہر من الشمس کر دیتی ہیں۔ آگے چلکر اِسی تحت المتن میں اِس واقعے کی مزید تفصیل کر دیجائے گی لیکن ہر صاحب نظر بطور خود دیکھ سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کے پیغمبر، بشمولیت موسیٰ علیہ السلام، اُس قوم کو اِس دنیا میں متمکن اور متسلط کرنے کیلئے ہی مبعوث ہوئے تھے۔ اور یہ اجتماعی بقا کی بشارت دینا ہی ہر مرسل کا پیغام جلیل ہوا کرتا ہے جیسا کہ صفحہ ۸۱ کے تحت المتن میں واضح کر دیا گیا ہے۔ نبی اپنی قوم کے لیئے یا تمام دنیا کے لیئے چند روشن احکام خدا کے ہاں سے لے آتا ہے، پھر جبتک لوگ اُنپر عامل رہتے ہیں اجتماعی بقا کی بشارت اُنکو ملتی رہتی ہے، جب اُس راہ سے ہٹ جاتے ہیں ہلاک ہو جاتے ہیں، یہی سچی "روحانیت"، اور صحیح معنوں میں نعمت ہے۔ اِسی حقیقت کبریٰ کو مصر صاحب نے سورۂ بقرہ میں دوسرے لفظوں میں واضح کیا ہے: "سَلۡ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ كَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنۡ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنۡ يُّبَدِّلۡ نِعۡمَةَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ (۲: ۲۱۱)، یعنی "اے محمد! تم بنی اسرائیل سے پوچھو تو سہی کہ ہم نے اُن کو کیا کچھ روشن قانون اور کتنے کھلے کھلے اور غیر مشکوک حکم دیئے تھے (اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ)، (وہ اگر اُنپر عامل رہتے تو ہمارے خزانۂ عامرہ سے کیا کیا انعام نہ پاتے)، لیکن جس قوم نے خدا کی نعمت کو اُسکے آنے پیچھے

Marfat.com

عَلَيْهِمْ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۵) بدلہ ڈالا تو خدا نے بھی آخر اُس قوم سے انتقام لینا ہی تھا اور اسمیں شک نہیں کہ وہ بہت شدت سے بدلہ لینے والا ہے"۔ یہاں اُن احکامِ خداہی کو نعمت کہا گیا ہے کیونکہ اُنپر عمل کرنے کا نتیجہ اجتماعی راحت تھی، اور رد کرنے کا بدلہ ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہی بات سورۂ بقرہ کے اِس خطاب سے ظاہر ہے: يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۲: ۴۷، ۲: ۱۲۲)۔ یعنی "اے بنی اسرائیل! میری اُس نعمت کو یاد کرو جو کسی زمانے میں میں نے تم کو عطا کر رکھی تھی، اور بالخصوص اِسکو کہ میں نے تم کو دنیا جہان کی سب قوموں پر ہر طرح کی فوقیت دی تھی"۔ نہیں بلکہ ایک موقع پر دنیاوی فضیلت کو دوبارہ واپس دینے کا اقرار کیا ہے بشرطیکہ احکام پر عمل از سرِ نو شروع ہو جائے، یا بعبارۂ اُخریٰ ماسوا کا خوف (جو فی الحقیقت تمام عصیان وعدم تعمیل کا باعث ہے) اُٹھ جائے: يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝ (۲: ۴۰)، یعنی "اے بنی اسرائیل! یاد کرو وہ نعمتیں جو میں نے تمہیں دے رکھی تھیں، یاد کرو کہ وہ کیونکر چھن گئیں اور میری تو یہ شان ہے کہ اگر آج میرے عہد کو پورا کرو گے تو آج ہی میں بھی اپنے عطائے سلطنت کے عہد کو پورا کرونگا۔ اور وہ عہد یہی ہے کہ مجکو حاکم اعلیٰ مانکر مجھ ہی سے ڈرتے رہو"۔ کسی دوسرے موقع پر اِس عہد و پیمان کی جو خدائے عزوجل نے بنی اسرائیل سے کیا تھا تصریح کر دیجائے گی، یہاں پر بحث صرف نعمت کے صحیح مفہوم سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ نعمت بادشاہت زمین ہی تھی جو اُن سے چھین لی گئی۔ علیٰ ہذا القیاس فرعونیوں کے بارے میں ہے: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ (۴۴: ۲۵-۲۷)[۵]

(۸) بنی اسرائیل سے خطاب کے علاوہ قرآن حکیم میں کئی موقعے ہیں جہاں بالخصوص قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں سے خطاب ہے، لیکن وہاں پر بھی نعمت سے مراد دنیاوی نعمتیں ہی ہیں۔ سورۂ نحل میں رزق کی حلت اور حرمت کے بارے میں ہے: فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ (۱۶: ۱۱۴)، "پس اے مسلمانو! جو کچھ ہم نے تم کو دے رکھا ہے اُسمیں سے پاکیزہ اشیا کو کھاؤ اور اگر تم فی الحقیقت خدا ہی کے تابع اور ملازم ہو (اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ) تو اسکی نعمتوں کا صحیح استعمال کرو (معانی شکر کے لیے دیکھو تحت الیمن صفحہ ۱۳۷)، سورۂ احزاب میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۝ (۳۳: ۹)، یعنی "اے ایمان والو! خدا کی اُس نعمت عظمیٰ کو یاد کرو جب کہ غزوۂ خندق میں تم پر لشکر کے لشکر آچڑھے تھے پھر ہم نے اُنکے زور کو توڑنے کے لیے اُن پر تند ہوا، بیحدی اور آندھی کے علاوہ اور مقابلہ کرنے والی قوتیں اور افواج جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے"۔ یہاں بھی نعمت وہ خدائی تائید تھی جسکا نتیجہ دنیاوی فتح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ سورۂ مائدہ میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۝ (۵: ۱۱)، یعنی "اے ایمان والو! اپنے اوپر خدا کے اُس احسان کو یاد کرو جب ایک گروہ نے تم پر دست تعدی دراز کرنے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن خدا نے تم سے اُن کے ہاتھوں کو روک دیا"۔ یہاں دشمن کے حملے سے بچ جانا نعمتِ خدا ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں بدر الصغریٰ کے میلے پر جو تجارتی فوائد مسلمانوں کو حاصل ہوئے اور جو اخلاقی فتح اُنکو ابوسفیان کی دھمکی سے نہ ڈرنے اور بدر میں حسب وعدہ آ ڈٹنے سے ہوئی اسکے اعتراف میں ہے: فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝ (۳: ۱۷۳)، یعنی "پھر اسلام کا جرار لشکر اور اُن کے بہادر سرخیل لوٹے تو اِس شان سے لوٹے کہ خدا کی نعمتوں اور اُس کے فضل وکرم سے لدے ہوئے تھے، بدر کے میدان میں تین دن رات پڑے رہنے کے باوجود اُن کا بال تک بیکا نہ ہوا (لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ)، وہ خدا کی خوشنودی پر کاربند ہوئے تھے اور خدا بڑا ہی صاحب فضل وکرم ہے جو پل میں کچھ کا کچھ کر دیتا ہے"۔ یہاں 'نعمت' کے دنیاوی مفہوم کے علاوہ 'فضل' کے معانی بھی صاف ہو گئے کہ قرآن کی لغت میں اس کا مفہوم بھی دنیاوی مال و دولت ہی ہے۔ سورۂ آلِ عمران میں راہ خدا میں اپنی جان لڑا دینے والے مجاہدین کی نسبت فرمایا ہے۔ وہ مرے نہیں بلکہ زندہ اور خوش بخوش خدا کے پاس موجود ہیں، اُن مجاہدوں کو جو ابھی مارے نہیں گئے اُخروی امن کی بشارت دے رہے ہیں پھر اسکے بعد فرمایا ہے: يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ (۳: ۱۷۰)، یعنی "وہ لوگ دنیا میں رہنے والے

[۵] یعنی "ان لوگوں کو ہماری نافرمانی کے عوض کیسے کیسے عمدہ باغات اور چشمے، کیسی کیسی کھیتیاں اور عزیز القدر مقام اور تنعم کی چیزیں جنمیں مزے لوٹا کرتے تھے چھوڑنی پڑیں"۔ دیکھو صفحہ ۱۱۶۔

غیر

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۶) مومنوں کو خدا کے ہاں سے (مِّنَ اللّٰہِ) دنیوی انعام و اکرام اور فضل و کرم کی بشارت دے رہے ہیں۔ یہاں نعمت سے صاف دنیاوی نعمت مراد ہے کیونکہ اُخروی انعام کا ذکر پیشتر کی آیت میں آچکا ہے۔ سورۂ فتح میں صلح حدیبیہ کی دُور رس حکمت عملی کو فَتْحًا قَرِیْبًا (۴۸: ۱) کہہ کر اتمام نعمت اور صراطِ مستقیم کے معنی خیز القاب عطا فرمائے ہیں: وَیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَیَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا (۴۸: ۲)۔ یعنی "یہ معاہدہ جو بظاہر خفت آمیز معلوم ہوتا ہے کمزور مسلمانوں کے لیئے دراصل فتح مبین ہے کیونکہ ان کو اس اثنا میں اپنی قوتوں کو اور جمع کرنے کا موقع مل جائے گا۔ دشمن اپنی قوت کے غرور میں اور قوی بننے کی سعی نکر سکے گا، اور یہ متارکہ فی الحقیقت تم پر خدائے عزوجل کی نعمت مکمل ہونے کا پیش خیمہ ہوگا، اور نیز اسلیئے کہ خدا تم کو دشمن پر غالب آنیکے صراطِ مستقیم پر لیجائے"۔ یہاں 'نعمت' کے سیاسی مفہوم کی توضیح کے ساتھ ساتھ صراطِ مستقیم کے مطالب کی بھی ایک حد تک تشریح کردی ہے۔ سورۂ آل عمران میں قرونِ اولیٰ کے مومنوں کے بمثال اتحاد اور اخوت کو دو بار نعمت کہا ہے: وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا (۳: ۱۰۲)۔ مطالب صفحہ ۱۲۵ پر آچکے ہیں یہاں اعادے کی ضرورت نہیں۔ سورۂ مائدہ میں بدن کی تطہیر اور نماز سے پیشتر ہاتھ منہ دھونے کو بھی اتمام نعمت فرمایا ہے: مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (۵: ۶)، یعنی "خدا اس وضو اور تیمم کی بندش سے فی الحقیقت تم پر کوئی ناروا یا بے سبب تنگی کرنا نہیں چاہتا، بلکہ وہ انسان ایسی اشرف المخلوقات کو ظاہری نجاست اور آلایش سے ہر روز پنجوقتہ پاک و صاف کرنا چاہتا ہے، اور جہاں اُسنے تمہاری دنیاوی بہتری، معاشری بہبودی، اور اُخروی نجات کیلئے تم کو نہایت گرانقدر اصول سکھلائے ہیں وہاں وہ تمہاری جسمانی صفائی کا یہ چھوٹا سا اصول سکھلا کر فی الحقیقت تم پر اپنی نعمت کی تکمیل کرنا چاہتا ہے تاکہ تم اُس نگہبان حقیقی کی اس حیرت انگیز محافظت کی دل سے قدر کرو (لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ)"۔ گویا یہاں بھی نعمت سے دنیاوی نعمت (یعنی جسمانی صحت) مقصود ہے، محض بدن کو دھو لینا کسی شخص میں روحانیت پیدا نہیں کرسکتا، اور نہ وضو سے اُس روحانیت کا اتمام پیش نظر ہے۔ بعینہٖ اسی نقطۂ نظر سے اِس آیہ شریفہ سے ذرا پہلے احکامِ حرمت ماکولات کے ضمن میں اتمام نعمت کا تذکرہ کیا ہے: اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (۵: ۳) یعنی "آج اے مسلمانو! ہم نے معاشری اور اجتماعی اوامر و نواہی کی کامل شرح و بسط کے بعد حلت اور حرمت کے اِن نتیجہ خیز احکام کی بھی توضیح کرکے گویا تمہارے آیندہ اور مجوزہ طرزِ عمل کو (دِیْنَكُمْ) دنیا کے اِس ابتلاگاہ سعی و عمل میں پایۂ تکمیل تک پہونچا دیا ہے۔ بلکہ ایک رو سے اپنی تمام نعمتوں کی تکمیل کردی ہے، اور تمہارے لیئے اسی تقویت انگیز اور غلبہ انداز اسلام کو بطور راہِ عمل پسند کیا ہے"۔ حلت اور حرمت کے احکام کی نتیجہ خیز حکمت اور اُنکی اہمیت کے متعلق فلسفیانہ بحث کرنے میں ابھی بہت دیر ہے۔ یہ موضوع غالباً پانچویں مجلد میں آسکیگا، مگر پوری آیت کے مطالعے سے ظاہر ہے کہ مُردار سے کے کھانے سے بچنا، اسی جیسی کراہت انگیز شئے سے پرہیز کرنا، یا لحم خنزیر سی پلید اور مُضرِ صحت چیز کو حرام سمجھنا، یا اور باقی اشیا جنکی حرمت کی تصریح اس آیت میں ہوئی ہے اُنکے کھانے سے گریز کرنا فی الحقیقت انسان کی معاشری اور دنیاوی زندگی کی اصلاح کا ایک منظر ہی ہے، اِن کو روحانیت سے خاص کوئی تعلق نہیں، اور اسی اتمام نعمت کا مفہوم یہاں پر بھی دنیاوی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس طلاق کے متعلق احکام خدا کی شرح و بسط کے بعد ارشاد ہے: وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَمَاۤ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ یَعِظُكُمْ بِهٖ (۲: ۲۳۱)، یعنی "مسلمانو! احکام خدا کو ہنسی مخول، بے نتیجہ اور بے مطلب باتیں (هُزُوًا) سمجھکر نہ ٹال دیا کرو، بلکہ اُن کی تعمیل خدا کے اُن بیش قیمت احسانوں کو دل میں رکھکر کیا کرو جو اُسنے وقتاً فوقتاً تم کو مناسب احکام دے کر کیئے۔ اور جو گرانقدر کتاب اُس نے تم پر اُتاری ہے بلکہ حکمت الٰہی کے جو بیشمار نکات اس نے تم کو اپنی جناب سے عطا فرمائے ہیں اور جن کے ذریعے وہ تم کو مناسب راہِ عمل بتاتا رہتا ہے اُنکو پیش نظر رکھکر تعمیل کیا کرو"۔ یہاں بھی نعمت سے مراد وہ اجتماعی خوش حالی ہے جو احکام خدا پر کماحقہٗ عمل کرنیسے ہر قوم کو اِس دنیا میں نصیب ہوتی ہے، روحانی بہبود حتماً مراد نہیں۔

Marfat.com

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۷) قریب قریب یہی مضمون سورۂ مائدہ میں احکام وضو کے بعد ہے: وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (۵: ۷)، یعنی "اے مسلمانو! وضو کے بارے میں اس الٰہی حکم کو بے سبب یا بے نتیجہ نہ سمجھو بلکہ اس اجتماعی راحت اور قوت (نعمت) کو خیال میں لاؤ (اذکروا) جو تم کو خدائے ہاں سے دمبدم نصیب ہوتی رہی ہے، نیز اس الٰہی عہد و پیمان کے قوت انگیز نتائج پر غور کرو جسکے ساتھ اسنے کچھ مدت ہوئی تم کو وابستہ کر دیا تھا (وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ)، اور جس کی نتیجہ خیز اہمیت کو پیش نظر رکھکر تم نے بھی اسکے مشمولہ احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کی ٹھان لی تھی (اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا) اور دیکھو! خدائے قاہر کے قہر و غضب سے ڈرکر (وَاتَّقُوا اللّٰهَ) اسکے ہر حکم کی بطیب خاطر تعمیل کیا کرو کیونکہ وہ تمہارے دلوں کی کشمکش اور سینوں کی شش و پنج کو بھی ہو بہو جانتا ہے (عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ)۔" اس آیت کا ربط پہلی آیت کے ساتھ نہایت غور طلب ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ خدائے عزوجل نے صفائی بدن کی اہمیت کو ذہنشین کر دینے کی غرض سے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو ثبوت کے طور پر وہ اجتماعی فائدے (نعمت) یاد دلائے جو احکام خدا کی تعمیل کے باعث اس سے پیشتر مل چکے تھے۔ گویا یہاں پر ترغیب و تحریص کا بعینہ وہی رنگ ہے جیسے کوئی بادشاہ اپنی رعیت کو کہے کہ فلاں کام بھی اسی انہماک اور سرگرمی سے کرو جیسا کہ اور حکم مانتے آئے ہو، اور ذرا خیال میں لے آؤ کہ پہلے حکموں کی تعمیل کے باعث تم کو کیا کیا فائدے حاصل ہوئے ہیں۔ اس مقام نظر سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی نعمت سے مراد دنیاوی تمتعات ہی ہیں۔ سورۂ بقرہ میں علیٰ ہذا القیاس تحویل قبلہ کی بحث کے ضمن میں اسلام کی عالم آرا امت کے لیے ایک مرکز کی ضرورت کو واضح کرکے فرمایا ہے: وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ[1] (۲: ۱۵۰)، یعنی "اور یہ تمام عالم اسلام کا ایک نقطے پر تمرکز اسلیے ہے کہ میں اپنی نعمت کی تکمیل تم پر کروں، اور تاکہ تمکو اس دنیا میں قوت اور اتحاد کے ساتھ رہنے کا راہ راست ملجائے۔" سورۂ عنکبوت میں پھر اسی بیت الحرام کے تقدس اور فوقیت کی شان میں ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ (۲۹: ۶۷)، یعنی "اے محمدؐ! کیا دشمنانِ اسلام نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ ہم ہی نے بیت الحرام کو روز اول سے جائے امن بنا رکھا ہے حالانکہ عین اسکی چاردیواری کے باہر یہ حال ہے کہ لوگ ان کے آس پاس سے بے دھڑک جھپٹا مارے جا رہے ہیں (اور کوئی شخص انکی دادرسی نہیں کر سکتا) تو کیا یہ لوگ لاطائل اور بے نتیجہ باتوں کو مانتے ہیں اور خدا کی اس نعمت عظمیٰ کی قدر نہیں کرتے۔" گویا خدا کا حرم کعبہ کو پرخطر ماحول کے عین وسط میں دارالامان بنا دینا نعمت الٰہی ہے اور منکروں کو جو احکام خدا کے امن انگیز ہونے پر کچھ یقین نہیں رکھتے۔ ایک زندہ مثال انکے گرد و پیش سے لیکر دی ہے تاکہ بطور خود غور کریں کہ خدا کیونکر خوف و خطر کے گرد و نواح میں امن و آسایش کی صورت پیدا کر سکتا ہے، اور کیوں کر ایک وقف اجل، خوفزدہ اور تختۂ مشق عدو قوم میں سے ایک بارعب، صاحب قرار اور محفوظ ہمت کنہری کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ یہاں پر بھی صاف نعمت سے مراد دنیاوی امن و راحت ہی ہے۔ خود پیغمبر آخر الزمانؐ کو الٰہی ارشاد ہے: مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ (۶۸: ۲)، یعنی "اے محمدؐ! تم اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے پاگل نہیں ہو (جیسا کہ اہل مکہ کہتے ہیں)۔" گویا صحیح الاعضا ہونا بھی نعمت الٰہی میں داخل ہے۔ سورۂ واللیل میں خدا کے ہاں سے انعامات کی تقسیم کے متعلق ایک قاعدہ کلیہ بیان کرکے اسکے دنیاوی مفہوم کو اور بھی واضح کر دیا ہے: وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى (۹۲: ۱۹-۲۰)، یعنی "اے لوگو! خدائے عزوجل کے پاس (عِنْدَهٗ) کسی فرد واحد کے لیے بھی (لِاَحَدٍ) کوئی نعمت (مِنْ نِّعْمَةٍ) نہیں کہ بطور بدلہ کے دیجائے (تُجْزٰٓى) مگر یہ کہ وہ انعام اس شخص کو اپنے پروردگار جل و علیٰ (رَبِّهِ) کی تلاش رضا کے صلے میں ملتا ہے۔" یعنی اس دنیا کے اندر جسکو جو کچھ مل رہا ہے خوشنودی خدا کے صلے میں مل رہا ہے۔ یہاں پر اس جلیل القدر کلیے کی صداقت پر بحث نہیں صرف لفظ 'نعمت' سے سروکار ہے۔ سورۂ والضحیٰ میں ہے: وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (۹۳: ۱۱)، یہاں پر بھی نعمت سے مراد دنیاوی ہے۔

(۹) ان تمام نصوص صریحہ کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہوا، قرآن میں چند موقعے ایسے بھی ہیں جہاں نعمت کا مفہوم بادی النظر میں

[1] ضمناً اس آیہ شریفہ میں لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ کا لفظ بصراحت تمام ظاہر کرتا ہے کہ ہدایت کا قرآنی مفہوم اتحادی ہے۔ اس مفہوم کی کئی مثالیں میں نے صفحہ ۱۹۳ کے تحت المتن میں دی ہیں۔

Marfat.com

عَلَيْهِمْ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۸) مشکوک سا معلوم ہوتا ہے، یا کم از کم اس مفہوم کے متعلق وہاں پر تاویل کی بہت کچھ گنجایش ممکن ہے۔ سورۂ احزاب میں حضرت زید بن حارثہ کے مشہور قصے کے ضمن میں ہے: وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ (۳۳، ۳۷)، یعنی "اے محمدؐ! وہ بھی عجب وقت تھا جب تم زید بن حارثہؓ کو، جس پر خدا نے چند در چند احسانات کیے تھے، اور تم بھی اُس پر احسان کر رہے تھے، سمجھاتے تھے کہ اپنی بی بی زینبؓ کو زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر"۔ یہاں شارحین نے کہا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو بچپن سے پالا تھا، پھر غلامی سے آزاد کر کے اپنی پھوپھی زاد بہن اُنسے بیاہ دی، وغیرہ وغیرہ۔ 'اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ' میں انہی احسانوں کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سب نبوی انعامات ظاہر ہے کہ مادی اور دنیاوی تھے، تخیل کی کوئی پرواز ان کو روحانی قرار نہیں دے سکتی، لیکن اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کے متعلق مفسرین نے بہت کچھ خیال آفرینی کر کے "اسلام کی روحانی نعمت" کو انعام خدا قرار دیا ہے۔ ممکن ہے کہ خدائے عزوجل نے اِس آیۂ شریفہ میں حضرت زیدؓ کو اسی روحانی نعمت کا احسان جتلایا ہو مگر الفاظِ وحی کے اندر اس دعوے کی قطعاً کوئی سند موجود نہیں نہیں بلکہ جب پیغمبرِ خدا کے انعام و احسان کی نوعیت دنیاوی تھی تو غالب گمان یہی ہے کہ خدا نے اپنے احسانات بھی اُسی قطع کے یاد دلائے ہوں۔ ایک بے حیثیت اور بیچمیز غلام کا پیغمبرِ عرب کی خالہ زاد بہن سے رشتہ کر دینا ہی میرے نزدیک اُس منعمِ بے حساب کا وہ غیر معمولی انعام تھا جس کو صحیح معنوں میں 'اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ' کہا جا سکتا ہے، حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کا احسان کم از کم یہاں پر نہیں جتلایا کیوں کہ اوّلاً اس کی تخصیص صرف زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ نہ تھی بلکہ سب مسلمان اس میں داخل تھے۔ ثانیاً اس احسان کو یاد دلانا یہاں پر اصلاً غیر متعلق ہے کیوں کہ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ سے اِس کا کوئی ربط نظر نہیں آتا۔ اگر عورت کو طلاق دینا اسلام میں شرعاً ممنوع ہوتا تو زیدؓ کے مسلمان ہونے کا احسان یاد دلانا کچھ معنی رکھتا۔ یہاں صرف اِس قدر کہا گیا ہے کہ تو دیکھ اُن احسانات کو نہ بھول جو خدا نے تمہاری ذات پر کیے، تم کو ایک ادنیٰ طبقے سے اٹھا کر پیغمبرِ خدا کا کفو اور عرب کا سردار بنا دیا، خود پیغمبرؐ نے تم کو پالا پوسا، غلامی سے آزاد کیا، وغیرہ وغیرہ۔ ایسے منعم کی بہن کو طلاق دینے سے ڈر اور خدا کا خوف کر۔ بنی اسرائیل کے خروج کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس بات پر اُبھارا تھا کہ اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے اور پوری ہمت دکھلا کر ارضِ مقدس پر حملہ کر دیں، دشمن کے بالمقابل جم کر لڑیں اور کسی حالت میں پیٹھ نہ دکھلائیں، مگر صدیوں کی یہ محکوم قوم اپنی موروثہ بزدلی اور جبن کے باعث اُس "زبردست دشمن" (قَوْمًا جَبَّارِيْنَ (۵: ۲۲) پر ہجوم کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو سکی اور لنگ عذرات پیش کر کے ٹال دیا۔ اس واقعہ کا ذکر سورۂ مائدہ میں ہے، بنی اسرائیل کے دو جواں مرد یوشع اور کالب عام قوم کے برخلاف، اس برانگیخت میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے ہمزبان تھے، اُن کی بابت ارشاد ہے: قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (۵: ۲۳)، یعنی "بنی اسرائیل کے اِس بیہودہ عذر پر خدا سے صحیح معنوں میں ڈرنے والوں (مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ)، اور اُسکا سچا تقویٰ کرنے والوں (مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ) میں سے دو شخصوں نے جنپر خدا نے خاص احسان کیا تھا (اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا)، کہا کہ اے نامردو! دشمنوں کی ظاہری ڈیل ڈول کی کچھ پرواہ نہ کرو۔ اُنکے گرانڈیل قد دیکھکر بزدل نہ بن جاؤ (دیکھو آیۂ (۵: ۲۲))، تم جس طرح بن پڑے چڑھائی کر کے شہر کے دروازے میں گھسو، اور جب دروازے پر قبضہ کر لیا تو بلاشبہ فتح تمہاری ہی ہے، اور یاد رکھو کہ اگر تم میں ایمان موجود ہے تو ایک دم آمادۂ سعی ہو کر نتائج کو خدا پر چھوڑ دو (فَتَوَكَّلُوْٓا)"۔ تمام رکوع کا سیاق و سباق یہی ظاہر کرتا ہے کہ اَنْعَمَ اللّٰهُ سے مراد وہ **ہمتِ مردانہ** اور وہ **عزمِ صمیم** ہے جو اِن بندگانِ خدا کو تمام قوم کے جمود و سکون کے بالمقابل بارگاہ خدا سے عطا ہوا تھا، اور یہی وہ **قوتِ ایمانی** تھی جسکو بعض مجمل پسند اصحاب نے 'روحانیت' سے تعبیر کیا ہے۔ ادنیٰ تامل بھی ہر شخص کو اس نتیجے پر پہونچا دیتا ہے کہ روحانی نعمت دراصل انسان کی اُس اخلاقی برتری، اسکے اس مثبت ہمت اور تربیتِ نفس کا دوسرا نام ہے جس کا نتیجہ دنیاوی تمکن اور امن ہی ہے، اس سے کمتر کچھ نہیں۔ اِس آیۂ شریفہ میں یوشع اور کالب کی 'روحانیت' یا بعبارۃ اُخرےٰ اُنپر خدا کا انعام یہی تھا کہ اُنہوں نے اپنے پیغمبر کے

Marfat.com

وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (۱: ۵-۷)

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۱۹) حکم کی اطاعت کرنا اپنا فرض عین سمجھ لیا تھا، اور اسکی تعمیل میں اپنی جانوں کو لڑا دینے سے نہیں جھجکتے تھے پس 'نعمت' سے مراد یہاں پر بھی وہ توفیق عمل ہے جسکا نتیجہ قوم کی دنیاوی راحت ہی ہے، وہ کوئی اعتکافی کسرت یا تسبیحی ورزش نہیں جسکا اِس دنیا میں بظاہر کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ ایمان اور علو اخلاق کی یہی وہ عملی اور نفع مند حیثیت ہے جس کی بنا پر خدائے عزوجل نے احکام الٰہی کے عاملوں، اور رسول کے بالمشافہ احکام کی تعمیل کرنے والوں کو اَنعَمَ اللّٰہُ عَلَیہِم کا لقب عطا فرمایا ہے: وَمَن یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنعَمَ اللّٰہُ عَلَیہِم مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیقًا ۝ (۴: ۶۹) یعنی "مسلمانو! تم میں سے جس شخص نے اپنے آپ کو احکام خدا کی متابعت کے لیے وقف کر دیا، اور جس نے رسول کے بالمشافہ احکام کی تعمیل تندہی اور خلوص نیت سے کی تو یہی وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے دوش بدوش چل رہے ہیں اور مثل انکے اُخروی اجر کے مستحق ہوں گے (مَعَ الَّذِیْنَ) جنپر اللہ نے اپنا خاص احسان کیا (اَنعَمَ اللّٰہُ عَلَیہِم)، مثلاً وہ انبیائے کرام جنہوں نے راہ حق میں جہاد کیے (مِنَ النَّبِیّٖنَ)، یا وہ 'صادق' لوگ جنہوں نے عمل سے اپنے ایمان کو سچ کر دکھایا (وَالصِّدِّیقِیْنَ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۱۷)، یا وہ 'شہدائے' خدا جو اپنے بلا مزد اعمال سے خدا کی گواہی دیتے دیتے چل بسے (وَالشُّہَدَآءِ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۵)، یا وہ 'صالح العمل' لوگ جنہوں نے اپنی جماعت کی حالت درست کی (وَالصّٰلِحِیْنَ (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۶۸) اور یہ لوگ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں"۔ 'اطاعت رسول' کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک ضمنی بحث صفحہ ۱۷۱ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے وہاں پر اشارہ کر دیا ہے کہ اس سے مراد رسول خدا صلعم کے اُن بالمشافہ احکام کی فوری تعمیل ہے جو آپ بحیثیت قائد اعظم یا رہنمائے اُمت وقتی اور مقامی حالات کو مدنظر رکھکر دیا کرتے تھے، اور جن کا منتہائے نظر تقویت جماعت یا غلبہ اسلام ہی تھا۔ چنانچہ یہاں پر بھی جہاد بالسیف اور ہجرت وطن کے احکام اِس آیت سے پیشتر آیہ (۴: ۶۶) میں اقْتُلُوْٓا اَنفُسَکُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِیَارِکُمْ کے الفاظ میں ہو چکے ہیں۔ اور اَنعَمَ اللّٰہُ کا محاکمہ بھی اسی قطع کے جان و مال ایثار کرنے والوں کے بارے میں ہے۔ اِس بنا پر مختصر الفاظ میں اَنعَمَ اللّٰہُ عَلَیہِم سے مراد یہاں پر بھی وہ توفیق عمل ہے جو ایمان کا جزو لاینفک ہے اور جسکا اِس دنیا میں نتیجہ فلاح قوم، اور آگے چل کر فلاح آخرت ہے، اسکے ماسوا کچھ نہیں۔ جن لوگوں نے اسلامی اوامر و نواہی کے اجتماعی مقاصد کو نظر انداز کر دیا ہے اور بعد ازاں اُنمیں سے چند سہل احکام مثلاً نماز روزہ کو اپنے لیے پسند فرما کر اُن کی انفرادی مشق پیدا کر لی ہے، اور زہد و تورع کی اس عامیانہ شان کو 'روحانیت' فرض کر کے اپنے آپ کو اَنعَمَ اللّٰہُ عَلَیہِم کا مصداق مانا ہے اُنکے لیے یہ آیت از بس سبق آموز ہے۔ 'صدیق' اور 'شہدا' اور 'صالحین' اور 'انبیاء' کی ہمہ وشی کا مقام حاصل کرنیکے لیے انتہائی سعی و عمل شرط ہے، جان و مال کی قربانی شرط ہے، خدمت عباد شرط ہے وغیرہ وغیرہ، پس وہی شخص اَنعَمَ اللّٰہُ عَلَیہِ کا صحیح مصداق ہو سکتا ہے جو اُن جیسے نتیجہ خیز اور غلبہ اندوز، مصلح قوم اور متحرک اعضا کام کر رہا ہے۔ سورۂ مریم میں 'صدیق العمل' ابراہیم (۱۹: ۴۱)، 'مخلص الاعمال' موسیٰ (۱۹: ۵۱)، اور 'صادق الوعد' اسمٰعیل (۱۹: ۵۴) علیہم السلام کے ذکر کے بعد ارشاد الٰہی ہے: وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِدْرِیْسَ ۫ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ۝ وَّرَفَعْنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا ۝ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اَنعَمَ اللّٰہُ عَلَیہِم مِّنَ النَّبِیّٖنَ مِنْ ذُرِّیَّۃِ اٰدَمَ ق (۱۹: ۵۶-۵۸) یعنی "اے پیغمبر! ابراہیم اور موسیٰ اور اسمٰعیل کے جلیل القدر کارناموں کو یاد کرنیکے بعد اس ہماری کتاب میں ادریس کا تذکرہ بھی کرو کیونکہ اسمیں شک نہیں کہ یہ کارکن شخص بھی اپنے اعمال و افعال سے اپنے ایمان کی بڑی ہی تصدیق کرنے والا (صِدِّیْقًا)، اور قانون خدا سے بڑا ہی باخبر (نَّبِیًّا) تھا، اور اسی وجہ سے ہم نے اُسکو ایک نہایت بلند منصب پر سرفراز کیا تھا، (مَکَانًا عَلِیًّا)۔ اولاد آدم میں سے یہی وہ انبیاء لوگ تھے جنپر خدا نے اپنے بیحد احسان کیے، اور جو اس دنیا سے فی الحقیقت سرخرو ہو کر گئے"۔ گویا یہ عمل کے ذریعے سے اپنے ایمان کو سچ کر دکھانا اور "صدیق" بننا ہی خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے، اور یہی سچی "روحانیت" بھی ہے۔ گوشہ نشین بنکر خدا خدا کہتے رہنا اور مخلوق سے بے نیاز ہو جانا درحقیقت نہ کوئی عمل ہے اور نہ اسمیں خلق خدا کی بہتری کی کوئی صورت نکل سکتی ہے۔ انبیائے کرام علیہم التحیۃ والسلام کی،

Marfat.com

اے پروردگار عالم اور اے نعمتوں کے بخشنے والے خدا! تو ہم سب کو اُس سیدھے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۰) بے مثال عملی زندگیوں، اُنکے اس دنیا میں عالم انگیز کارناموں، اور مخلوق خدا کی اجتماعی اصلاح کے بارے میں اُن کی اَن تھک کوششوں کو پیش نظر رکھکر ہی رب زمین و آسمان نے جا بجا اُنپر سلام بھیجا ہے، اُنکے اعمال کو سراہا ہے، اور عوام کے سامنے اُنکو بطور نمونہ پیش کرکے اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کا عزیز القدر لقب دیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں جا بجا اس سلام بھیجنے کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ جن کے اعادے کی یہاں پر ضرورت نہیں۔

(ف) انبیائے عظام کی اسی عاملانہ حیثیت کو پیش نظر رکھکر سورۂ زخرف میں خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ (۴۳: ۵۹)، یعنی "مسیح تو فی الحقیقت ہمارا ایک حکمبردار اور کارکن غلام (عَبْدٌ) تھا۔ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰ الخ) ہی تھا جس پر ہم نے اپنی جناب سے توفیق عمل عطا فرما کر خاص الخاص احسان کیا تھا (اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ)، اور یہ روح عمل اس حد تک ارزانی کردی تھی کہ ہم نے اُسکو بنی اسرائیل کی جمود زدہ اور غافل قوم کے لیئے ایک نمونہ (مَثَلًا) بنا دیا"۔ بنی اسرائیل کے اِس باعمل اور اولوالعزم نبیؑ پر خدائے جلّ وعلےٰ کے یہی وہ بے مثال انعامات تھے جن کی بنا پر سورۂ مائدہ میں حضرت کی والدہؑ پر احسان جتلایا ہے۔ یہاں پر ربط قائم کرنیکے لیئے اِس سے پہلی آیت بھی نقل کردی جاتی ہے جس سے احسان جتلانے کا سبب اور بھی واضح ہو جائے گا:

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰي وَالِدَتِكَ ۘ (۵: ۱۰۹-۱۱۰)

اے پیغمبر! وہ وقت بھی نہایت ہی کڑا اور کپکپا دینے والا ہوگا جب وہ مالک زمین و آسمان اور صاحب کبریا و جبروت خدا اپنے سب پیغمبروں اور قاصدوں کو اکٹھا کرکے (يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ) اُن سے اپنے پیغام کے صحیح طور پر ادا کرنیکے متعلق محاسبہ کرے گا اور فرمائے گا کہ بہت خوب! آج تم اپنا اپنا بیان پیش کرو کہ ساکنانِ زمین کی طرف سے تم کو ہمارے پیغام کا کیا جواب ملا (فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۝ (۵: ۱۰۹))، اُنہوں نے تم کو کیونکر قبول کیا (مَاذَآ اُجِبْتُمْ) اُس کا باشندگانِ زمین پر کیا اثر ہوا (مَاذَآ اُجِبْتُمْ) اور بعد ازاں اور پیغمبروں سے صرف نظر کرکے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جس کی امت نے پیغام رب العالمین کی ہیئت کو قطعی مسخ کرکے اُسکو "خدا کا بیٹا" بنا لیا تھا متوجہ ہوگا اور فرمائیگا (اِذْ قَالَ اللّٰهُ) کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! تم میرے اس احسان کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری ماں پر کیئے تھے۔

سورۂ مائدہ کے دو آخری رکوعوں کے مطالب کو مربوط کرنے کا یہ موقع نہیں بلکہ پوری آیت (۵: ۱۱۰) کی شرح و بسط کر دینا ہی یہاں پر بہت کچھ پیش از وقت ہے، مگر اوقاف قرآن کے رموز کو جاننے والے غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر بطور خود پہنچ سکتے ہیں کہ اس آیہ شریفہ میں "اِذْ قَالَ اللّٰهُ" سے "عَلٰي وَالِدَتِكَ" تک ایک مستقل بیان ہے جس میں خدائے عظیم نے احتجاجاً بلکہ تہدید آمیز لہجے میں حضرت عیسیٰ کی توفیق عمل اور استعداد نبوت کو اُنپر بلکہ اُن کی ماں پر بھی احسان کے طور پر جتلایا ہے۔ اِس دعوے کی تائید علامت مر سے ہوتی ہے جو وَالِدَتِكَ کے بعد ہے اور جس سے مراد یہ ہے کہ اسکے بعد ٹھیر جانا لازمی ہے۔ وما بعد کی عبارت سے ملا کر پڑھنے سے مطالب کے بگڑ جانے (حتیٰ کہ بعض ظاہر پرست اشخاص کے نزدیک کفر کے مرتکب ہونے) کا خوف ہے! گویا تم جیسے باعمل اور کارکن شخص کا ہونا ہی تم پر خدا کا ایک احسان عظیم تھا، اور بالخصوص اُس ماں پر جسنے ایسا سپوت جنا۔ ماں اور بیٹے دونوں کو احسان جتلانے کا سبب سولہویں رکوع کے شروع میں ظاہر ہوتا ہے۔ جہاں پندرہویں رکوع کے بعد انبیائے جہاں کے بھرے مجمع میں فرمایا ہے کہ "اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے فی الحقیقت لوگوں کو کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لو"؟ حالانکہ میں نے ہی تم کو بنی اسرائیل کا سردار بنایا تھا اور تمہاری ماں کو ایسا کارکن بیٹا دیا تھا۔ اکثر شارحین نے کلام خدا کے ربط کو نظر انداز کرکے آیہ (۵: ۱۱۰) میں وَالِدَتِكَ کے بعد کی عبارت کو متذکرۂ صدر ٹکڑے سے ملا کر اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وغیرہ وغیرہ کو نعمت قرار دیا ہے۔ یہ واقعات یعنی تائید روح القدس اور کلام فی المہد وغیرہ خواہ ان کا مفہوم کچھ ہی ہو حضرت عیسیٰؑ پر بطور

راستے پر لے چل، ان لوگوں کے رستے پر جن کو تُو نے اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا ہے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۱) احسان کے عامہ ہو سکتے مگر حضرت مریم پر ان کا جتانا کچھ بے معنی سا ہے۔ یہ آیت اس امر کی بہترین مثال ہے کہ قرآن حکیم کے اوقاف اور نشانات رکوع جو علمائے سلف نے حجاج ابن یوسف کے زمانے میں لگائے تھے کس حزم و احتیاط سے لگائے اور انکو کلام الٰہی کے صحیح مطالب پر کتنا عبور تھا۔ اس بنا پر میرا غالب گمان بلکہ یقین یہی ہے کہ آیۂ (۵ : ۱۱۰) میں بھی نعمت سے مراد حضرت کی وہ حیرت انگیز روح عمل تھی جسنے اُسکو مَثَلًا لِّبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ۚ (۴۳ : ۵۹) بنا دیا تھا، اور نوعیت احسان حضرت مریم پر یہی ہے کہ ایسے جلیل الشان نبیؑ کی ماں تھیں۔ چنانچہ اسی امتیاز کی بنا پر سورۂ آل عمران میں ولادت مسیحؑ کی بشارت دینے والے 'ملائک' کا خطاب مریم علیہا السلام سے ہے: إِنَّ ٱللَّهَ ٱصۡطَفَىٰكِ وَطَهَّرَكِ وَٱصۡطَفَىٰكِ عَلَىٰ نِسَآءِ ٱلۡعَٰلَمِينَ ۝ (۳ : ۴۱)، یعنی "اے مریم! اسمیں شک نہیں کہ خدا نے تمہیں منتخب کر لیا ہے تم کو آلائش گناہ سے پاک صاف کر دیا ہے، اور یہی نہیں بلکہ دنیا جہان کی عورتوں سے تمہیں اس منصب یعنی اُمِّ نبیؑ بننے کے لیے پسند فرمایا ہے" قرآن حکیم کے مطالب میں مزید غور و خوض کرنے والے شاید اس نتیجے پر بھی پہنچ سکیں کہ یہ انتخاب محض بے سبب یا علی الحساب نہ ہوا تھا بلکہ خود مریم علیہا السلام کی بے لوث اور پاکیزہ زندگی، اُن کا عملی ایمان، اُن کی **صدیقیت اور حکمبرداری** اس انعام و اکرام کا باعث ہوئی تھی جیسا کہ سورۂ تحریم کے اخیر میں رب بیمثال نے وَضَرَبَ ٱللَّهُ **مَثَلًا** لِّلَّذِينَ ءَامَنُواْ کے الفاظ میں زوجۂ فرعون (آسیہؑ) اور مریم علیہا السلام کی زندگیوں کو **ایمان والوں کے لیے بطور نمونہ پیش کر کے** مؤخر الذکر کے حق میں فرمایا ہے: وَصَدَّقَتۡ بِكَلِمَٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِۦ وَكَانَتۡ مِنَ ٱلۡقَٰنِتِينَ ۝ (۶۶ : ۱۲)، یعنی "اے ایمان والو! مریم علیہا السلام کی پاکیزہ زندگی تمہارے لیے نمونۂ عمل اس وجہ سے ہے کہ یہ نیک اور باعمل خاتون ہمیشہ احکام خدا کی بذریعۂ عمل تصدیق کرتی رہی، اور اسکی بھیجی ہوئی کتابوں کو قانون خدا سمجھکر اُسپر حتی الوسع عمل پیرا رہی، اور وہ فی الحقیقت خدا کے فرماں بردار بندوں میں سے ایک بندی تھی"۔ یہی توفیق عمل صحیح معنوں میں وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کی بنا پر سورۂ مومنون میں عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریمؑ دونوں کو "خدا کی نشانی" کہا گیا ہے، وَجَعَلۡنَا ٱبۡنَ مَرۡيَمَ وَأُمَّهُۥٓ ءَايَةً (۲۳ : ۵۰)، یعنی "ہم نے ابن مریم اور اسکی ماں کو اُن کی بے لوث و ریا عملی زندگی کی وجہ سے خدا کی قدرت کی ایک نشانی اور اعجوبہ بنا دیا تھا"۔ اور اسی نعمت کا ذکر آیۂ (۵ : ۱۱۰) میں ہے جس کی تشریح میں یہ سب ضمنی آیتیں پیش کی گئی ہیں۔

اِن تمام حیرت انگیز شہادتوں سے جو متذکرۂ صدر عنوانات (الف۔ز) میں پیش ہوئیں بہر نوع یہ ظاہر ہے کہ نعمت کا الٰہی مفہوم ہمہ تن **اور بہر کیف دنیاوی ہی ہے**، کہیں اِس سے مراد وہ **اجتماعی تمکن اور راحت ہی** جو منعم حقیقی اقوام عالم کو ان کے حُسن عمل کے صلے میں عطا فرماتا ہے (الف) (۸ : ۵۳)، (۵۴ : ۳۵)، (ک) (۱۴ : ۶)، (۵ : ۲۰)، (۲ : ۲۱۱)، (۲ : ۴۷)، (۲ : ۱۲۲)، (۲ : ۴۰)، (۴۴ : ۲۷) (ھ) (۵ : ۱۱)، (۳ : ۱۷۳)، (۳ : ۱۷۰)، (۴۸ : ۲)، (۵ : ۳)، (۲ : ۲۳۱)، (۵ : ۷)، (۲ : ۱۵۰)، (۲۹ : ۶۷))، کہیں اِس سے مقصود انفرادی مگر دنیاوی انعام و اکرام ہیں (الف) (۶۸ : ۴۹)، (۴۶ : ۱۵)، (۱۲ : ۶)؛ (ب) (۳۹ : ۴۹)، (۴۱ : ۵)، (۱۷ : ۸۳)، (۱۶ : ۵۳)، (۳۹ : ۸)، (۱۱ : ۱۰)؛ (ھ) (۲۱۶۸)، (۹۳ : ۱۱)؛ (و) (۳۳ : ۳۷))؛ کہیں پیش نظر بنی نوع انسان کے **عام عطیات** کو یاد دلاتا ہے (الف) (۱۴ : ۳۴)؛ (ج) (۱۶ : ۸۳)، (۱۶ : ۷۱)، (۱۶ : ۷۲)، (۳۵ : ۳)، (۳۱ : ۲۰))، کہیں نعمت سے مراد اجتماعی بہتری کے لیے **تائید خدا** ہی (ھ) (۲۳ : ۹)، کہیں وہ **حفظِ نفس** کے مرادف ہے ((ھ) (۵ : ۱۱))، کہیں یہ **خانگی مصالحت، معاشری امن، یا بدنی طہارت** ہے (ھ) (۵ : ۶)، (۲ : ۲۳۱))، کہیں اِسکا مطمح نظر **علم** ہے، (الف) (۶ : ۱۱۲))، کہیں وہ **توفیق عمل** ہے جس کا نتیجہ دنیاوی اصلاح اور اجتماعی امن ہے (و) (۲۳ : ۱)، (۴ : ۶۹)، (۱۹ : ۵۶-۵۸)، (ز) (۴۳ : ۵۹)، (۵ : ۱۱۰)) وغیرہ وغیرہ۔ پس سورۂ فاتحہ کے صِرَاطَ ٱلَّذِينَ أَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ میں بھی انہی دنیاوی اور اجتماعی انعاموں کی طرف اشارہ ہے، فرضی یا خیالی، روحانی یا اُخروی انعاموں کی طرف حتماً نہیں۔ وہی قوم صراط مستقیم پر صحیح معنوں میں چل رہی ہے جو اُس منعمِ بے مثال کے **اجتماعی انعاموں کیطرف لپک رہی ہے**، جو اِس غرض و غایت کو پیش نظر رکھکر اپنے افراد میں سعی عمل

ھ یہ الفاظ آیہ (۶ : ۱۱۶) میں آئے ہیں۔

اُن کی راہ نہ دکھا جو تیرے غیظ و غضب کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور نہ اُنکی جو تیرے

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۲) پیدا کر رہی ہے جو محافظِ نفس ہے، زور آور اور تنومند ہے، فاتح اور غالب ہے۔ ایسی ہی اُمت کے لیے اُخروی انعام بھی وقف ہیں، اور یہی وہ قوم ہے جسکی روحانیت اور تقویٰ، جسکا اخلاقی تفضّل اور عملی تعبد اسکو رضائے خدا کے بال سے سوا باریک اور تلوار سے سوا تیز راہ پر لیجا رہا ہے! لیکن اصل کتاب میں بعینہٖ اسی نتیجے پر ایک اور طریقے سے پہنچنے کی سعی کیجائے گی۔

«المَغضُوبِ عَلَيهِم» کے صحیح مفہوم کے متعلق بھی قرآن حکیم میں کئی جگہ شہادت موجود ہے۔ یہودیوں کی اجتماعی شکست و ریخت اور اُن کے سیاسی انحطاط کے ذکر میں دو جگہ ہے: وَضُرِبَت عَلَيهِمُ الذِّلَّةُ وَالمَسكَنَةُ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (۲: ۶۱)، وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَت عَلَيهِمُ المَسكَنَةُ (۳: ۱۱۱)، یعنی "اُنپر ذلت اور غربت لیس دی گئی، اور وہ خدائے قاہر کے غضب میں آگئے"۔ سورۂ اعراف میں ہے: إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا العِجلَ سَيَنَالُهُم غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِم وَذِلَّةٌ فِي الحَيَوٰةِ الدُّنيَا (۷: ۱۵۲)، یعنی جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی ہے ان پر عنقریب غضب خدا نازل ہونے والا ہے اور اس دنیا میں ذلت اُنکے دامنگیر ہو گی"۔ اور بھی جہاں جہاں غَضَبُ اللّٰه کے الفاظ آئے ہیں اُن سے مراد اجتماعی انحطاط یا ہلاکت ہی ہے، اس شہادت کو یہاں پر جمع کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ مابہ النزاع محض اسقدر ہے کہ المَغضُوبِ عَلَيهِم سے مراد صرف یہود ہی نہیں بلکہ جس قوم کا سیاسی اور اجتماعی اقتدار زائل ہو رہا ہے، جو قوم ہلاکت کے قریب پہونچ رہی ہے اُسپر غضب خدا نازل ہو رہا ہے، اُسمیں کسی ایک قوم کی تخصیص نہیں۔ اس امر کا ثبوت سورۂ طٰہٰ کے اندر مفصلہ ذیل آیات میں ہے جنکے محاکے کی تعلیم اظہر الشمس ہے:

يٰبَنِي إِسرَآءِيلَ قَد أَنجَينٰكُم مِّن عَدُوِّكُم وَوٰعَدنٰكُم جَانِبَ الطُّورِ الأَيمَنَ وَنَزَّلنَا عَلَيكُم المَنَّ وَالسَّلوٰى كُلُوا مِن طَيِّبٰتِ مَا رَزَقنٰكُم وَلَا تَطغَوا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيكُم غَضَبِي وَمَن يَحلِل عَلَيهِ غَضَبِي فَقَد هَوٰى وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهتَدٰى (۲۰: ۸۰-۸۲)

(پہر لوگوا خروج مصر کے واقعہ عظمیٰ کے بعد ہم نے صاف اور غیر مشکوک الفاظ میں موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے بنی اسرائیل پر یہ امر واضح کر دیا تھا کہ) اے بنی اسرائیل! ہم نے اب تم جیسی جبوذہ اور غلامی میں پلی ہوئی قوم کو ظلم کار دشمن کی مضبوط گرفت سے نجات دیدی ہے اور مقدس اور بابرکت کوہ طور (کوہ سینا) کے دامن میں تم کو جمع کر کے تم سے احکام خدا کی تعمیل، اور بشرط تعمیل تمہاری اجتماعی بہبودی کے سامان مہیا کرنے کا باہمی معاہدہ بھی کر لیا ہے (وٰعَدنٰكُم) اور یہی نہیں بلکہ اس معاہدے کی پخت پز کے بعد عین قادیش کی پر فضا وادیوں میں تم کو آباد کر کے (دیکھو تحت الملتن صفحہ ۹۰) تم پر شیرینی درخت طرنجبین (المَنّ) اور پرندوں کے شکار کا مائدہ مہانی کے طور پر نازل کر دیا ہے تاکہ تم اطمینان سے اس معاہدے کی تکمیل کر سکو، تو اب تم بیفکری سے جو عمدہ رزق ہم نے تمکو دی ہے کھاؤ پیو، لیکن اس ہمارے عہد کے بارے میں جو ہم نے تم سے کیا ہے سرمو تجاوز نہ کرو (لَا تَطغَوا فِيهِ) اگر ایسا کرو گے تو پھر ہمارا غضب نازل ہو گا، اور جس قوم پر ہمارا غضب نازل ہوا تو جانے رہو کہ وہ قوم ہلاک ہو گئی (هَوٰى) اور یہی سمجھے رہو کہ جو قوم میرے قانون کی طرف لوٹ آئی (تَابَ) جسنے ایمان کی اٹل قوتیں اپنے اندر قائم رکھیں (وَءَامَنَ) اور جسنے مناسب اعمال بھی کیے (عَمِلَ صَالِحًا)، اور بعد ازیں اس راہ راست پر قائم بھی رہی تو میں اُس قوم کے حق میں بڑا بردہ پوش ہوں (لَغَفَّارٌ)۔

مَن یہاں پر اجتماعی موصول ہے جسکی شرح و بسط صفحہ ۲۲۲ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ «وَمَن يَحلِل عَلَيهِ غَضَبِي فَقَد هَوٰى» کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ جو قوم ہلاک ہوتی ہے اُسپر غضب خدا نازل ہو رہا ہے۔ یہ ایک عام اور مطلق محاکمہ قرآن حکیم کا ہے جسمیں بنی اسرائیل کی کچھ تخصیص نہیں۔ پس اس مقام نظر سے بھی غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم کے الفاظ میں اس امر کی استدعا ہے کہ اسلامی اُمت اس راہ پر نہ چلے جسپر چلکر اجتماعی ہلاکت کا سامنا ہے گویا یہ قوم کی دنیاوی حالت کا بگڑنا ہی صراط مستقیم سے ہٹ جانیکے مترادف ہے۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھکر الضَّآلِّين کے مطالب بھی بالکل صاف ہو جاتے ہیں اور اس امر کے ثبوت کی مزید حاجت نہیں رہتی کہ اجتماعی انحطاط کا واقع ہو جانا ہی صحیح معنوں میں ضلال ہے۔ ضلال کے اِن معانی کی حتمی تائید وہ بہت آیات الٰہی (۲: ۱۰۸)، (۲: ۱۱۶)، (۲: ۱۲۰) سے ہوتی ہے جو علی الترتیب صفحہ ۱۲۲ اور ۱۹۲ پر آچکی ہیں اور جنکے متعلقہ حاشیوں سے ظاہر ہے کہ کسی قوم کا اجتماعی طور پر متمکن فی الارض اور مثبت نہ ہونا اور امت واحدہ بن کر نہ رہنا ہی ضلال ہے۔ ضلال کے ان معانی کے علاوہ ایک اور معنی فقدان علم ہے جسکا ذکر مقدمہ کتاب صفحہ ۸، ۹۲، ۹۵ کے حاشیوں میں ہو چکا ہے۔

Marfat.com

بتائے ہوئے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔

"صراطِ مستقیم"

بہ تمہا سیجا خلیفہ اُس نماز کا جسکے اہم ترحصے کو خود خدائے جلّ وعلیٰ نے مومنوں کی ہدایت اور آیندہ نسلوں کی رہنمائی اور اطمینان مزید کے لیئے، بطور وحی نازل کرکے قرآن کے ورقِ اوّل پر لکھدیا تھا۔ یہی وہ واحد، فراخورِ سعی، اور درخورِ طلب نصب العین تھا جو اسلام کی دنیاوی اور اخروی بہتری کے اُس بہترین مجوّز نے، دن میں پانچوقت مسلمانوں کے پیش نظر کردیا تھا! اِس **صراط مستقیم** کی دعا میں رب العالمین کے حضور میں نعمت کے **جلد تر** عطا ہونے کی درخواست تھی؛ اِسمیں اُس اعلیٰ مقام حاصل کرنے کا صبر گسل اشتیاق شعلہ زن تھا، اِسمیں درنگ کی بے صبرانہ تڑپ، اور تعویق والتوا کا بسملانہ اضطراب تھا:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّیَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا۔ (۴: ۱۷۶)

سوجن لوگوں نے خدا کو اپنا آقا مان لیا، اور جم کر اُسکے قانون کی تعمیل کرتے رہے، اُنہیں عنقریب اپنی مہربانیوں اور بخششوں سے مالامال کردے گا۔ اور اُنہیں، دنیاوی مرفہ الحالی کیطرف مختصر اور قریب سے قریب راستے سے لے آئیگا۔

اسمیں اوّلین فرصت پر، اور سہل تر طریقے سے، اِس معاملے کو طے کرنے کی خواہش کیگئی تھی؛ اسمیں گنجایش صبر اور تابِ مہلت کا انکار تھا؛ اِسمیں ناقابلیت اور سوءِ تدبیر، نادور بینی اور غلط طریقِ عمل کی مشکلات سے

• اس آیہ کریمہ میں الفاظ یَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا۔ اِس امر کی شہادت ہیں کہ صراط مستقیم کا اتنی مفہوم مختصر سے مختصر اور قریب سے قریب راستہ بھی ہے۔ دو مقامات کے درمیان سب سے مختصر راستہ خطِ مستقیم ہے، اور ایک شئے کو دوسری شئے کی طرف سیدھے راستے سے لیجانے میں اختصار اور سرعتِ نقل و حرکت دونوں مدنظر ہوتی ہیں، ٹیڑھا راستہ اختیار کرنے میں لامحالہ طوالت اور دیری دونوں کا خوف لاحق ہے؛ پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ (۱: ۵-۶) کی دعا میں اس نعمت تک نہایت سرعت اور مختصر سے مختصر راستے سے پہنچنے کی دعا بھی ہے اور اسمیں اس نعمت کے جلد تر حاصل ہونے کا اضطراب مضمر ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے دلوں کی یہی وہ اضطراری کیفیت تھی جو نماز کے وقت منعم حقیقی کے حضور میں اُنکو خشوع و خضوع کرنے، بلکہ بار بار اٹھنے اور بیٹھنے پر بدل مجبور کردیتی تھی۔ آج یہی اضطراب

Marfat.com

نجات مانگی گئی تھی ؛ اسمیں عام انسانی لغزشوں، اور سہو وخطا کی طویل اور دشوار گذار راہوں سے پناہ طلب کیگئی تھی۔ یہ ہر اسلامی معاملے میں حُسن عمل کی استدعا، اور عطائے سہولت کی عرضداشت تھی ؛ نہیں یہ ہر متنفس کی طرف سے سطح زمین کی تمام اسلامی جماعت کے حق میں توفیق عمل کی گذارش تھی : اِهْدِنَا† الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ[1]۔ ریگستان عرب کے ہزاروں بلکہ لاکھوں نفوس کی یہ جماعت صبح وشام، زوال آفتاب پر اور دن ڈھلے، رات کی خاموشیوں اور دن کی مصروف کاریوں میں، ایک مرکز کی طرف قبلہ رُو ہوکر، نہایت عجز والحاح سے یہ کہا کرتی تھی کہ اے آلہ العالمین! تُو دنیا کی اس عظیم الشان کشمکش

---

[1] ہماری تمام امت کو نعمت کا صراط مستقیم دکھا۔ سلسلے کے لیئے دیکھو آیہ (۱۱۵-۷) نا کا صیغہ جمع کا ہے اسلیئے خطاب تمام اُمت کی طرف سے ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۴) ہر غرضمند شخص اپنے دنیاوی منعم کے روبرو دست بستہ کھڑے ہوکر ظاہر کرتا ہے، وہ انعام کو جلد تر حاصل کرنے اور اپنے منعم کے دل کو اقل قلیل مدّت میں نرم کرنے کی غرض سے کبھی اُسکے پاؤں پڑتا ہے، کبھی اپنی پگڑی اُسکے پاؤں پر ڈال دیتا ہے، کبھی اُسکے آگے زمین پر سجدہ کرتا ہے، کبھی گرگر کر اُٹھتا ہے اور پھر ہاتھ جوڑنے لگتا ہے۔ اس تمام اضطراری عمل سے مقصود منعم کے دل کو نعمت کے فوراً عطا کرنے کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے اور بس۔ اور میرا یقین ہے کہ نماز کے قومے اور قعدے بھی اُس منعم حقیقی کے حضور میں اِسی کیفیت دل اور اضطراب کے مظاہر تھے۔ رہ آج وہ سب کیف وحال ہر نمازی کے دل سے اصلاً محو ہو چکا ہے۔ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ کے سَ سے بھی، جو مستقبل قریب کے لیئے بالعموم استعمال ہوتا ہے، یہی انعام کا جلد تر عطا ہونا متشبح ہوتا ہے۔ رَحْمَةٌ اور فَضْلٌ کے دنیاوی مفہوم کے متعلق شہادتیں صفحہ ۲۱۶ کے تحت المتن میں اور چند صفحہ ۱۱۵، ۱۲۳، ۱۵۲ پر گذر چکی ہیں، باقی شہادت کو خوف طوالت کے باعث نظر انداز کر دیا ہے۔

يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا میں اِلَيْهِ کی ضمیر کو بعض روح پسند اور سطحی بیں اصحاب نے خدا کی طرف پھیرا ہے اور اس جملے کا مطلب یوں ادا کیا ہے کہ ایمان والوں کو "خدا اپنی طرف کا سیدھا رستہ دکھاویگا"۔ ادنیٰ تامل بھی ظاہر کرتا ہے کہ خدا کی طرف کا سیدھا رستہ، وہ ناقابل درک شے ہے کہ اُسکے صحیح مفہوم کے متعلق ایک برس بحث کرنیکے بعد بھی کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا! ہم نے اِلَيْهِ کی ضمیر کا مرجع فَضْلٌ ظاہر کیا ہے، یہی اردو قواعد صحیح تر مرجع ہے، اور اسی سے مطالب بالکل مربوط ہو جاتے ہیں۔

† یہاں پر نَا کی ضمیر اس امر کی شہادت ہے کہ صراط مستقیم کی درخواست تمام جماعت کی طرف سے ہے، انفرادی نہیں۔ اور اس لیئے صراط مستقیم بھی لامحالہ وہ اجتماعی طریق عمل ہے جس پر چلکر جماعت کے دنیاوی انعام حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ آگے چلکر ثابت ہوگا۔ اسلامی نماز کی تمام قرأت میں جو بات غور طلب اور دلچسپ ہے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ میں (جسکو پیش امام اُمت کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے بآواز بلند پڑھتا ہے درآنحالیکہ مقتدی خاموش کھڑے رہتے ہیں) متکلم اور غائب کی سب ضمیریں جمع کی ہیں۔ باقی تمام حصص جو مقتدی دبی آواز میں بطور خود ادا کرتے ہیں سب کے سب انفرادی ہیں، اُن میں سب متکلم ضمیریں اور صیغے (ماسوا ایک کے) واحد ہیں گویا اجتماعی حصوں کو پیش امام کی زبان سے بآواز بلند کہنے اور انفرادی حصوں کو فرداً فرداً دبی آواز میں ادا کرنے کا سبب انکا اجتماعی اور انفرادی ہونا ہی ہے۔ اس مقام نظر سے ظاہر ہے کہ انفرادی طور پر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی درخواست اصالتاً بے معنی ہے۔ اور نماز کو اسلامی جماعت سے الگ ہوکر، یا خانہ نشین ہوکر ادا کرنے سے اسکی اصلی غرض وغایت ایک بہت بڑی حد تک مفقود ہو جاتی ہے۔

---

[1] النجات میں السلام علینا کی نا کی ضمیر لیکن ظاہر ہے کہ یہ صرف ایک فرد کا سب اُمت پر انفرادی معنوں میں سلام ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

Marfat.com

میں جہاں ہر قدم پر مشکلات کا سامنا ہے، جہاں معاملات کی عظمت و اہمیت کے باعث کم علم اور کوتاہ بیں انسان کے لیئے اکثر اوقات حق و باطل میں تمیز، اور صحیح و غلط میں فرق کرنا محال ہو جاتا ہے، تو دنیا کے اس وسیع مجادلے میں اسلام کی جماعت کو حصول قوت کے سیدھے اور آسان طریقے بتادے، تو اُن میں حسن تدبیر اور صلاح عمل کی اہلیت پیدا کرے، تو اُن میں اعتصام خدا اور تسلیم، اتقا اور اتحاد کے جذبات موجزن کرے! وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ † يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا[1] (۳: ۱۰۰-۱۰۲)؛ تو اُن میں صبر کی توفیق اور توکل کی ہمت

---

[1] اور جو لوگ اللہ کے دامن کو جم کر پکڑے رہے، (اُسکے قانون کی تن دہی سے تعمیل کر کے اُسی کا آسرا ڈھونڈتے رہے)، وہ تو صراط مستقیم پر لگ گئے۔ اے ایمان والو! تمہارے لیئے راہ راست یہی ہے کہ مقام خدا سے ہر وقت ڈرتے رہا کرو اور ایسا ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے، اور اُسکے احکام کے آگے مرتے دم تک سر تسلیم خم رکھو۔ اور سب ایک دوسرے سے گھل ملکر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہو اور دیکھنا آپس میں تفریق ہرگز پیدا نہ ہونے دینا۔

---

† یہاں سے صراط مستقیم کی قرآنی تعریف شروع ہے۔ بعد کی آیات جو اس عنوان کے تحت میں پیش کی گئی ہیں۔ سب کی سب اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے مفہوم کی کسی ایک شق کی توضیح کر رہی ہیں۔ یہاں یہ امر نہایت غور طلب ہے کہ ماسوا **ایک** مقام کے جس کا ذکر آگے چلکر کر دیا ہے، قرآن حکیم کے تمام طول و عرض میں اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے الفاظ (سورہ فاتحہ سے قطع نظر) اور کہیں نہیں آئے۔ سب موقعوں پر صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ بالتنوین موجود ہے، جس سے ظاہر ہے کہ ان آیات میں اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے الٰہی مفہوم کی صرف **ایک** شق بیان کر دی ہے، تمام و کمال مفہوم کا ادا کرنا اُس جا مقصود نہ تھا۔ صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کی تین شقیں یعنی (۱) **علم فطرت** کا حاصل کرنا صفحہ ۳۷ تحت المتن آیہ (۲۴: ۴۶) میں (۲) **حفظ نفس** پر کاربند ہونا صفحہ ۱۷۶۔ آیہ (۵: ۱۶) میں اور (۳) **اتحاد امت** صفحہ ۱۸۸۔ آیہ (۲: ۲۱۳) میں بیان ہو چکی ہیں دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۹۰۔

آیت زیر بحث (یعنی ۳: ۱۰۰) کے موضوع کی مماثلت صفحہ ۲۲۴ کی آیت (۴: ۱۷۶) سے واضح ہے۔ 'اعتصام باللہ' اور 'صراط مستقیم' کے الفاظ دونوں جگہ استعمال ہوئے ہیں اور مضمون بھی قریب قریب واحد ہے۔ آیہ (۳: ۱۰۱) سے نئے رکوع کے شروع ہونے کے باعث اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ لَا تَفَرَّقُوْا یعنی اتحاد کے مضمون کو جو (آیہ ۳: ۱۰۲) میں آیا ہے صراط مستقیم کا ایک شقی مفہوم سمجھنا دور از کار تاویل ہے، مگر ادنیٰ تامل بھی اس نتیجے پر پہنچا دیتا ہے کہ یہ محاکمہ درست نہیں۔ اولاً قرآن حکیم میں نئے رکوع کا شروع ہونا اس امر کی حتماً کوئی دلیل نہیں کہ بعد کے رکوع کا پہلے رکوع سے تعلق نہیں، برخلاف اس کے کلام الٰہی کے ربط کو سمجھنے والے اشخاص خوب جانتے ہیں کہ قرآنی رکوع بسا اوقات ایک سلسلۂ استدلال کی کئی منازل کے مابین بطور وقفے کے ہوا کرتے ہیں، انکے واقع ہونے سے اُس موضوع کا انقطاع مراد نہیں ہوتا۔ اکثر موقعوں پر کئی رکوعوں میں ایک ہی تواتر بیان اور تسلسل خیال چلا جاتا ہے۔ اور بعد کا رکوع پہلے رکوع کے دعاوی کا مؤید بنکر اُس بیان کی تاکید مزید یا تشریح کر دیتا ہے۔ بعینہٖ یہی بات ان دو رکوعوں میں ہے جو زیر بحث آیات کے متعلق ہیں جیسا کہ کسی آئندہ موقع پر تمام سورۃ کا مربوط ترجمہ کرتے وقت عیاں ہو جائیگا۔ ثانیاً آیہ (۳: ۱۰۲) میں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا کے الفاظ اور آیہ (۳: ۱۰۰) میں يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ کو صراط مستقیم کی ایک شق قرار دینا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ بعد کے رکوع میں صراط مستقیم کے مفہوم کی مزید توضیح ہی لَا تَفَرَّقُوْا کے الفاظ میں کی گئی ہے اور مضمون برابر ایک ہی چلا آ رہا ہے۔ گویا متفقہ طور پر اعتصام بحبل اللہ کرنا، اور فرقہ بند نہ بننا نہ صرف ایمان (اٰمَنُوْا)، اور اتقا (اتَّقُوا اللّٰهَ)، اور اسلام (وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ) ہی کی ایک اہم شق ہے بلکہ صراط مستقیم کا ایک شوشہ بھی ہے۔

Marfat.com

عطا فرما! وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ (۱۴: ۱۲)؛ تو اُن میں قانون خدا کا صحیح علم و عمل، اور ایمان کی اٹل طاقتیں قائم رکھ، وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۲۲: ۵۴)، مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۴۲: ۵۲)؛ تو ان میں ایثارِ مال کے محبت انگیز ولولے، اور ایثارِ جان کا نتیجہ خیز ہیجان پیدا کر! اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۲۳: ۷۲-۷۳)؛ تو ان کو تفریق کے ہولناک نتائج اور شتات و انتشار کی

؎۱ اور قاصدانِ خدا نے قوم موسیٰ سے کہا کہ ہم کیوں نہ اپنا تمام معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں، اور ڈٹ کر فشائے خدا کی تبلیغ و اشاعت کریں، حالانکہ اسنے ہمارا طریق عمل ہم کو بتلا دیا ہے۔ اور ہم کیوں نہ استقلال سے اس دُکھ کو برداشت کریں جو تم نے ہم کو دیا، اور توکل کرنیوالوں کو تو یہی چاہیئے کہ اللہ پر توکل کریں۔

؎۲ اور خدا لامحالہ ان لوگوں کو جو اسکے خدا ہونے پر ایمان لے آئے اور جنہوں نے اسکی تصدیق میں فرمودۂ خدا اعمال کیئے، صراط مستقیم کیطرف ضرور لیجائیگا۔

؎۳ اے پیغمبر! تم اس سے پہلے کیا جانتے تھے کہ کتاب خدا کیا چیز ہے، اور کیا سمجھتے تھے کہ ایمان کسے کہتے ہیں، مگر ہم نے اس ایمان کو تمہارے اندر نور کر دیا ہے جس سے تمام اصلیت تم پر کھل چکی ہے۔ اپنے بندوں میں جسکو ہم مناسب سمجھتے ہیں اس نور کے ذریعے سے رستہ دکھا دیتے ہیں، اور تم تو لامحالہ لوگوں کو صراط مستقیم پر ہی چلا رہے ہو۔

؎۴ اے محمدؐ! کیا تم اِن نابکار اور ناانجام شناس لوگوں (یعنی منافق اہل عرب) سے خرچ مانگ رہے ہو، کیا تم اُمّت کی بہتری کے لیئے انکو ایثارِ مال کے واسطے کہہ رہے ہو، ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو، خدا کا بھیجا ہوا مال جو سچے مسلمانوں کی وساطت سے تم کو ملا ہے تمہاری اُمّت کے حق میں بہتر ہے کیونکہ وہ دردمند لوگوں نے دیا ہے، اور وہی بہترین رزق دینے والا ہے اور تم تو لامحالہ اِن لوگوں کو صراط مستقیم پر ہی بلا رہے ہو۔

---

* صَبْر کے صحیح مطالب صفحہ ۳۹، ۴۰، ۱۱۵، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۶، ۱۶۴ کے حاشیوں میں بیان ہو چکے ہیں، علیٰ ہذا القیاس تَوَکُّل کے لیئے صفحہ ۸۷ کا تحت المتن دیکھنا چاہیئے۔ هَدٰىنَا سُبُلَنَا سے مراد صراط مستقیم کی طرف رہنمائی ہی ہے گویا مصائب کو استقلال سے برداشت کرنا، ان کا جرم کرمقاً کرنا، ان کے دفعیئے کے لیئے سعی کرنا اور بعد ازاں نتائج کے بارے میں خدا کے فیصلوں پر بہرحال اعتماد کرنا اسلامی صراط مستقیم کی ایک شق ہے۔

* ایمان کی کڑی شرطوں اور اسکے قوت افزا اعمال کے متعلق مفصل بحث ابھی ابھی ہو چکی ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں پر اٰمَنُوْا سے مراد صرف منہ سے آمَنَّا بِاللّٰہِ کہنا نہیں بلکہ اُن جانگزا اور روح فرسا اعمال کا کرنا ہی جسکا نتیجہ غلبہ قوم ہے اور انہی اعمال کو شعار بنا لینا صراط مستقیم کی طرف جانا ہے۔

* الکتٰب کے مفہوم کے متعلق ایک ابتدائی بحث صفحہ ۲-۶ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے۔ یہاں مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ الکتٰب سے مراد قانون خدا ہی ہے۔ اور یہ لفظ مطلق معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس سے کوئی خاص کتاب الٰہی مراد نہیں"۔ تو نہیں جانتا تھا کہ قرآن کیا ہے" اُسوقت کہنا جب کہ قرآن آنحضرتؐ پر نازل بھی نہیں ہوا تھا بے معنی ہے۔ 'ایمان' سے مراد یہاں پر بھی وہ تکیف قلب ہے جسکا نتیجہ خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانی ہے۔ مُنہ سے کچھ کہکر چھوٹ جانا مراد نہیں۔ اِس مقام نظر سے ایمان کو جَعَلْنٰهُ نُوْرًا کہا گیا ہے۔ اور بالآخر اسکو صراط مستقیم کی ایک شق گردانا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا کی ضمیر ھُوَ کا مرجع نہ صرف 'ایمان' بلکہ 'الکتٰب' بھی ہو کیونکہ کتاب خدا کو نور سے تشبیہ پہلے بھی دی جا چکی ہے۔ دیکھو صفحہ ۱۶۱۔ آیہ (۵: ۱۵)۔

Marfat.com

لاعلاج شکست وریخت سے بچا! وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ (۲: ۲۱۳)؛ تو اُن میں اپنی سچی ملازمت اور لاشریک عبادت کے ولولے پیدا کردے! أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ (۳۶: ۶۰)؛ تو اسلامی اُمت کے لیے ایک منسکِ عمل، ایک طریق ملازمت، اور ایک اندازِ عبادت مقرر کر چکنے کے بعد اُنکو اصل قانون (اتحاد) کے متعلق سب تنازعات سے باز رکھ! لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ † وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ۝ (۲۲: ۶۷)؛ تو اُن کو صورتاً اور معناً ایک مرکز پر جمع کر کے اُنکی جماعت کو قوت کا لازوال مصدر، تمرکز کا بے مثال پیکر، اور شہادت خدا کا بعدیل نمونہ بنادے! لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا

۱؎ اور کتاب خدا کے متعلق تو انہی لوگوں نے آپس میں صریح احکام آنے پیچھے، اختلاف قائم کرلیا جن کو وہ دی گئی تھی، اور اس اختلاف کی وجہ اُن کی آپس میں ضد ہی تھی۔ پھر آخر کار وہ راہ حق، جسکے بارے میں لوگوں میں اسقدر اختلاف پیدا ہوگیا تھا، اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ان ایمان والوں (یعنی قرون اولیٰ کے مسلمانوں) کو دکھادی، اور اللہ تو جس کو مناسب سمجھتا ہے صراط مستقیم کی طرف لیجاتا ہے۔

۲؎ اے اولاد آدم! کیا ہم تمکو وقتاً فوقتاً تاکید نہیں کرتے رہے، اور کیا ہم نے تم سب کی جبلت سے اِس بات کا معنوی عہد نہیں لیا کہ دیکھو شیطان کی غلامی نہ کرنا کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور میری ہی عبادت اور عملی خدمت میں لگے رہنا کہ یہی صراط مستقیم ہے؛ (عبادت کا مفہوم ظاہر ہے کہ یہاں پر بھی نماز نہیں کیونکہ کوئی شخص شیطان کی نماز نہیں پڑھتا مقصود عملی اطاعت ہی ہے۔ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۰۶۔ اس آیت کے مطالب کا مقابلہ آیہ (۵۱: ۵۶) صفحہ ۱۱۸ سے کرنا چاہیئے۔

۳؎ لوگو! ہم نے روئے زمین کی ہر اُمت کے لیئے خدا کی عبودیت اور قانون خدا کی اطاعت کا ایک ظاہری نشان مقرر کر دیا ہے جسپر وہ چل رہی ہے لیکن اصل قانون سب کے لیئے ایک ہے (اور وہ اتحاد ہے) تو لوگوں کو چاہیئے کہ اصل قانون (الامر) کے متعلق تم سے کوئی نزاع قطعاً قائم نہ کریں۔ پس تم سب دنیا کو اپنے پروردگار ہی کی طرف بلا کر ایک مرکز پر جمع کردو اور اسی توحید کے ذریعے سے اتحاد عالم پیدا کرو۔ اسمیں شک نہیں کہ اُمم عالم کے مابین اس اتحاد معنوی کے قائم کرنے میں تم لامحالہ صراط مستقیم پر ہو۔ 'الامر' کی تشریح کیلئے آیندہ تحت المتن کے علاوہ دیباچہ کتاب صفحہ ۳-۹ و ۳۲-۳۳ کے مطالب پر غور کرنا چاہیئے۔

---

† اس مشکل آیت کے صحیح مفہوم کو میں نے متذکرۂ صدر تشریح میں ظاہر کرنے کی سعی کی ہے اور مطالب کو گذشتہ اور آیندہ سیاق سورۃ سے مربوط کر دیا ہے۔ محولۂ بالا مطالب کی صحت کا اندازہ شاید اُس وقت زیادہ صراحت سے ہو سکے گا۔ جب سورۂ حج کے داخلی ربط اور مطالب کو جس میں یہ آیت واقع ہوئی ہے واضح کر دیا جائے گا اور حج کی الٰہی حکمت عملی بھی ذہن نشین ہو جائے گی۔ حج بیت الحرام کے متعلق ایک ابتدائی بحث دوسری جلد میں آنے والی ہے اور وہاں پر بھی اس آیت کے مذکورۂ بالا مطالب کی تصدیق کا موقع مل رہے گا۔ یہاں پر فی الحال لفظ 'مَنْسَكٌ' اور لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا کے صحیح مفہوم سے بحث ہے۔ مَنْسَكٌ کے معنی میں نے "نشانِ ملازمت خدا" کیئے ہیں، اور میری مراد اس سے وہ اجتماعی رسم و رسوم اور شرعی رواجات ہیں جن کے ذریعے سے روئے زمین کی ہر قوم بلا لحاظ مذہب و ملت وقتاً فوقتاً معبود سے اپنے تعبد اور تعلق کا رسمی اظہار کرتی رہتی ہے۔ بعض امتوں میں یہ مناسک حیوانی قربانیاں ہیں، بعض میں سالانہ اجتماع اور میلے ہیں، بعض میں کسی ظاہری نشان مثل قشقہ و زنار کا لگائے رکھنا ہے، بعض میں عجیب و غریب اور ناقابل فہم رسومات ہیں جن کی اصلی غرض و غایت مرور مدت کے باعث مسخ ہو چکی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان شرعی

Marfat.com

مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (۲: ۱۴۲)

تو اُن کو ابراہیمؑ کی مخلصانہ اطاعت اور ایک منعمی کے کامل اتحادِ عمل کی طرف مائل کر: قُلْ إِنَّنِي هَدٰنِي

لہ ناسمجھ اور نادان لوگ تو یہی کہیں گے کہ بھلا محمد (صلعم) کے پیرو کیوں بے وجہ اور بلا سبب اپنے پہلے قبلے سے ہٹ کر دوسرے قبلے کی طرف آگئے۔ اور وہ کیا ہی معمولی سی بات تھی جس پر یہودیوں اور عیسائیوں سے لڑائی مول لی۔ قانون خدا کے اِن نادانوں کو یہی مختصر سا جواب دے کر چُپ کرا دو کہ تمہیں اِس بات کی کیوں خلش ہے، خدا ہی کا مشرق اور خدا ہی کا مغرب ہے۔ وہ جو چاہے پسند کرے۔ لیکن وہ جس قوم کو چاہتا ہے۔ اور جس میں اہلیت دیکھتا ہے تمرکز اور وحدت کا صراط مستقیم دکھا دیتا ہے۔

ط اس آیہ شریفہ کے صحیح مطالب میں نے مذکورۂ بالا ترجمے میں ظاہر کر دیئے ہیں۔ شارحین نے جو کچھ لکھا ہے۔ سوال از آسمان اور جواب از ریسمان کا مصداق ہے۔ سفہاء اور نادانوں کا اعتراض ہے کہ قبلہ بیت المقدس سے مکہ معظمہ کی طرف کیوں بدل دیا گیا انکو بے وقوفوں کا سا جواب دیا ہے کہ مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی اللہ کا۔ اسنے جو چاہا پسند کر لیا۔ عاقلوں اور سوچ والوں کے لائق یہ جواب ہے کہ اسلام کو ایک مرکز چاہیئے تھا۔ سو جس قوم میں خدا اہلیت دیکھتا ہے اُسکو ایک مرکز پر آنے کا صراط مستقیم دکھا دیتا ہے۔ اگر بیت المقدس بدستور قبلہ رہتا تو یہ تمرکز ممکن نہ تھا، عیسائی الگ تہلگ رہ کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بناتے، یہود جدا شور مچاتے، اور وہ سچا اتحاد جو پیش نظر تھا قائم نہ ہو سکتا۔ پس بہتر یہی تھا کہ الگ مرکز بنایا جائے جس پر یہود و نصاریٰ بلکہ تمام عالم مجتمع ہو سکے اور ہو جائے۔ ضمناً جواب میں اس اہم حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ خدا کو مشرق مغرب کی کچھ تخصیص نہیں، سب اُسی کے ہیں۔ اسلیئے نہ بیت المقدس مقصود بالذات تھا نہ اب مکہ ہے جو مقصود ہے وہ تمرکز اور اتحاد ہے گویا مسلمانوں کو متنبہ کر دیا ہے کہ اصل قانون کی طرف رجوع کریں جیسا کہ میں نے مَنَاسِكُ کے تحت المتن کے اخیر (صفحہ ۲۳۳) میں واضح کرنے کی سعی کی ہے۔ یہ تحت المتن چنانچہ اِس صفحے پر بھی جاری ہے اور اس آیت کے مطالب پر غور اُس تمام تحریر کو پڑھ کر کرنا چاہیئے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۸) علامات کی پابندی کسی قوم کے اُسکے اپنے معبود سے لگاؤ کا صرف ایک **ظاہری نشان** ہے، معبود کے **احکام کی تعمیل پر آمادگی** یا اُسکے بتائے ہوئے **قانون کی پابندی** اُن سے لازم نہیں آتی۔ بہت ممکن بلکہ اکثر ایسا ہے کہ ایک شخص اِن رسومات کے ساتھ ساتھ صحیح معنوں میں ملازم خدا بنا رہے۔ مگر ہر رسمی نباہنے والا **غلامی** (یعنی عبادت) کا دعوےٰ اُس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک کہ اصل قانون اور احکام کی تعمیل بھی کما حقہ نہ ہوتی رہے۔ اِس مقام نظر سے کسی مذہب کے اُس کے اپنے معبود سے اظہار تعلق کی اِن ظاہری علامات کو **عبادات کہنا قطعاً نادرست** ہے کیونکہ عبادت، آقا کے حکموں پر پیہم عمل اور اُس کی خاطر **مسلسل** تکلیف برداری ہی ہے۔ اور اِن رسوم کو بتقید وقت پورا کر لینا صحیح معنوں میں **عمل** نہیں گو کہ ان کی پابندی بھی معبود کے احکام میں داخل ہو۔ قرآن حکیم نے اسی نقطۂ نظر سے اِس قطع کے وقتی اور رسمی افعال کو 'مناسک' کے جامع اور مانع لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور **عبادت** کا لفظ کسی شخص کے باطنی تعبد اور اُس کی قلبی اطاعت کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی موضوع پر ایک مستقل بحث عبادت کے تحت المتن صفحہ ۱۰۵ الخ میں گذر چکی ہے۔ اسلام میں صلوٰۃ اور حج، صوم اور زکوٰۃ کے افعال، یا وہ شرعی مجالس، فقہی مراسم اور اجتماعی تیوہار جو ظہور اسلام کے بعد اُمت میں رواج پا گئے ہیں، اور جن کے باعث مسلمان باقی مسلمان امتوں سے ممتاز نظر آتے ہیں، سب کے سب 'مناسک' میں داخل ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ نماز، حج کے ادا کرنے یا دن بھر بھوکا رہنے اور مقررہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیئے ہر متنفس میں کچھ نہ کچھ اطاعت کا مادہ موجود ہونا ضروری ہے۔ مگر نرے نماز گذار، صائم یا حاجی وغیرہ بن جانے سے 'عبد' کا درجہ لازماً حاصل نہیں ہوتا جبتک کہ **اطاعت کا کیف اِن مناسک کے ادا کرنے کے بعد بھی بہر وقت موجود نہ رہے**، اور تمام احکام قرآن کی حسب موقع تعمیل نہ ہوتی رہے۔ پس 'نُسُک' اور 'عبادت' میں **فی الحقیقت کیف دل کا فرق** ہے اور جو نسک قلبی اطاعت سے ادا ہو اور حاکم کا کہنا پیدا کر دے وہ بلاشبہ عبادت کا ایک جزو ہے۔ مناسک اسلام کی اسی باطنی استعداد اصلاح کو مدنظر رکھکر ہمنے صوم و صلوٰۃ اور حج و زکوٰۃ کو عبادات میں داخل کیا ہے، اور اصل کتاب میں بحث اُسی الصلوٰۃ پر ہو رہی ہے جو کیفیت دل کے ساتھ ادا ہو کر

اَلَّبِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۲۹) صحیح معنوں میں 'تعبد' پیدا ہو سکے۔ نرے قومے اور قعدے کر لینا اگرچہ مناسک میں داخل ضرور ہے لیکن 'عبادت' حتماً نہیں۔ قرآن حکیم نے مناسک حج کے اسی سطحی اظہار تعبد کو پیش نظر رکھکر سورۂ بقرہ میں واضح کر دیا تھا کہ ان سے اصلی مقصود اُس حاکم اعلیٰ کا کھٹکا ہی ہے، تو جسوقت وہ مناسک ادا ہو جائیں اصلی غرض و غایت کی طرف بیش از بیش رجوع ہو جاؤ: فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا (۲: ۲۰۰)، یعنی "جب تم مراسم حج ادا کر چکو تو اس احکم الحاکمین کی یاد دل میں اسیطرح لاؤ جس طرح جوش محبت میں اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی بڑھکر اُسکا کھٹکا لگا رہے تو اچھا ہے"۔ یہاں ذکر سے مراد تسبیحیں چلانا نہیں بلکہ خدائے عظیم کی دہک دلمیں رکھنا ہے۔ لوگ اپنے باپوں کو تسبیحیں چلا چلا کر یاد نہیں رکھتے بلکہ اُن کا خیال کرنا اُن سے دلی رسم و راہ رکھنا ہی اُن کا ذکر ہے۔ اس آیت سے ذرا پہلے ہے: فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ (۲: ۱۹۸) یعنی پھر جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام (یعنی مزدلفہ) میں ٹھیر کر خدا کا کھٹکا اپنے دلوں میں پیدا کرو (فَاذْكُرُوا اللّٰهَ)، اور اسکو اس شدت سے دل میں لاؤ جس طرح تمہیں بتلایا ہے"۔ بعینہٖ یہی مقصود 'الصلوٰۃ' کے مناسک ادا کرنیکے بعد پیش نظر کر دیا ہے۔ چنانچہ سورۂ نساء میں اُس نماز کے بارے میں جو میدان جنگ میں خوف عدو کے باعث 'قصر' کر دی جائے، ارشاد ہے کہ اُسکے مناسک ادا کر لینے کے بعد وہی تکیف دل میں پیدا کرو جو الصلوٰۃ کا منتہائے نظر ہے: فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (۴: ۱۰۳)، یعنی "پھر جب میدان جنگ میں نماز کے ارکان کو افراتفری اور گھبراہٹ میں ادا کر چکو تو اسکے بعد کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے جس طرح بھی ہو سکے خدا کا کھٹکا دل میں پیدا کر لو (کہ یہی مقصود و اصل نماز کا ہے)، پھر جب دشمن کی طرف سے بے خوف و خطر ہو جاؤ تو اُسی اصلی کھٹکے والی، اور یاد پیدا کرنے والی نماز (الصلوٰۃ) کو پھر قائم کرو (اور یہ جو میدان جنگ میں بھی تم کو نماز پڑھنے کے لیئے کہا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ) صاحب ایمان بندوں پر یہ پنجوقتہ حاضری بقید وقت فرض ہے، (نہ یہ کہ جب جی میں آیا اور قلب مطمئن ہوا پڑھ لی اور جب چاہا ملتوی کر دی)"۔ اس آیہ شریفہ کے معانی نہایت غور طلب ہیں اور ان مطالب سے جو پیش کیئے گئے ہیں بعض اہم نتائج مترشح ہوتے ہوتے ہیں: اولاً مناسک صلوٰۃ کو انتہائی خطرے کے وقت بھی ادا کر لینا اسلیئے ضروری ہے کہ پابندیٔ وقت کا درس جو قرآن حکیم نے الصلوٰۃ کی تہ میں رکھا تھا نہ بھولنے پائے۔ ثانیاً الصلوٰۃ 'ایمان والوں' کے لیئے 'موقوت' اسلیئے بھی ہے کہ بادشاہ زمین و آسمان کے حضور میں بروقت حاضر نہ ہونا آداب شہنشی کے برخلاف، اور اطاعت کے منافی ہے۔ ثالثاً صرف مراسم یعنی قومہ اور قعدہ کر لینے سے نماز ادا نہیں ہوتی بلکہ اسکے بعد خدا کی ٹیس دلمیں پیدا کرنا لابدی ہے۔ بہرنوع ان تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ اسلامی مناسک 'عبادت' کے درجے پر اُسیوقت پہنچ سکتے ہیں جب اُن سے 'ذکر خدا' یعنی اطاعت پیدا کرنے والی دہک صحیح معنوں میں پیدا ہو، اور یہ ذکر کا پیدا ہو جانا اُن مناسک کی رسمی تکمیل سے کہیں بہتر ہے۔ جیسا کہ آیۂ (۲۹: ۴۵) میں وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کے الفاظ سے ظاہر ہے جو صفحہ ۲۰۹ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے۔ اگرچہ مناسک کا اپنے وقت اور موقع پر ادا کرنا بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسے اوامر و نواہی کی تعمیل۔ اس مقام نظر سے اسلامی مناسک فی الحقیقت ایک شخص کو مطیع خدا بنانیکے اوزار یا وسائل ہی ہیں۔ بجائے خود منتہا، یا اصالتاً عمل نہیں۔ اُن کے ہوتے ہوئے یا ان کی وساطت سے تعبد پیدا ہو سکتا ہے مگر انکا اختیار کر لینا فی نفسہ عبادت نہیں اگر ایک شخص کسی حاکم کے نشانات ملازمت مثل چپڑاس یا تمغہ جات، یا رنگ لباس وغیرہ اختیار کرتا ہے، اور اسکو علانیہ پہلے پھرتا ہے تو یہ ہیئت کذائی ایک رو سے اس حاکم اعلیٰ کی اطاعت کرنے کی محرک ہو سکتی ہے و لا بعد ممکن ہے کہ محض نمایش کے لیئے چپڑاس لگاتا پھرے، لیکن فی الحقیقت مطیع نہ ہو! ابراہیم علیہ السلام کی اُس دل شگاف اور زہرہ گداز دعا کا جو آپنے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت کی تھی بعینہٖ یہی راز تھا، اور اسی لیئے مٹی اور گارے کی ٹوکریاں سر پر اٹھاتے وقت پہلی بے اختیار ٹیس جو اُس اولوالعزم نبیؑ کے دل سے نکلی یہی مسلم اور مطیع بننے کی ٹیس تھی: رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً

Marfat.com

لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (۶ : ۱۶۲-۱۶۴) ؛ تو اُن میں تسلیم کی خو، اطاعت خدا کا ولولہ، اور اپنی دی ہوئی نعمتوں کی سچی قدر کرنے کی قوت دے! اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ کَانَ اُمَّۃً

؎۱ اے پیغمبر! تم علی الاعلان کہدو کہ اُس خدائے عظیم نے مجھے صراط مستقیم دکھا دیا ہے، اور وہ وہی راہ رہست (دِیْنًا قِیَمًا) ہے جو ابراہیمؑ کا تھا اور جو خالصۃً خدا ہی کے ہو رہے تھے، اُسی کے قانون کی عملاً متابعت کیا کرتے تھے، اور اطاعت گذاری میں کسی شئے کو بھی خدا کے برابر نہ کرتے تھے (مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ)۔ اے پیغمبر! تم کہدو کہ میں تو اُس رب زمین و آسمان کے قانون کی عملی اطاعت کی طرف اس طرح جھک گیا ہوں کہ میرے سب افعال، میرا نماز میں جھکنا، میری ملازمت اور اطاعت کے سب انداز (نُسُکِیْ) میری خدمت اور بندگی کے سب ظواہر (نُسُکِیْ) میری باطنی اطاعت (صَلَاتِیْ) اور ظاہری عبودیت (نُسُکِیْ) حتی کہ میرا جینا اور مرنا بھی اُسی رب العالمین کے اعلاء کے لیئے ہے، اُسی کی حکومت کو لوگوں کے دلوں پر استوار کرنیکے واسطے ہے۔ اور وہ وُہ حاکم اعلیٰ ہے جس کا کوئی ہم پلہ نہیں، جس کے برابر کوئی حکمران نہیں۔ یہی حکم مجھے اُسکے ہاں سے ملا ہے اور میں سب سے پہلے اُسکو اپنا خدا تسلیم کرتا ہوں (اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ)۔

---

† مناسک کے تحت المتن میں جو اس صفحے پر جاری ہے میں نے آیۃ (۶ : ۱۶۳) کی تشریح کردی ہے۔ چنانچہ یہ آیت حُسن اتفاق سے اِسی صفحے کے ذیل میں آگئی ہے۔ آیۃ (۶ : ۱۶۴) کے الفاظ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ سے واضح ہے کہ یہاں پر بھی نُسُک سے مقصود تسلیم و اطاعت ہی ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ خدا کو چھوڑ کر ماسوا کی محبت میں گرفتار نہ ہونا (مَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ)، اپنی تمام قلبی نیازمندی (صَلَاتِیْ) اور ظاہری نشانِ ملازمت (نُسُکِیْ) اور زندگی (مَحْیَایَ) اور جان (مَمَاتِیْ) کو قانون خدا کے مطیع کر دینا اور تسلیم اپنا شیوۂ عمل بنا لینا صراط مستقیم ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳۰) لَکَ ۚ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ (۲ : ۱۲۸) یعنی اے حاکموں کے حاکم اور ہمارے پالنے والے خدا! تو اس ریگستان اور بیابانِ عرب کے اندر ہماری ناچیز کوششوں کو جو ہم اس چھوٹے سے اور بے حیثیت گھر کو تیرے جلیل القدر نام پر موسوم کرنیکے لیئے کر رہے ہیں، قبول کر (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا کا ترجمہ جو آیۃ (۲ : ۱۲۷) میں ہے)، تو اِن نیک نیت مساعی کو بار آور کر، اور اے حکم الحاکمین! تو ہم کو صحیح معنوں میں اپنا حکمبردار بنا۔ اور ہماری اولاد میں سے ایک اُمت پیدا کر جو فی الحقیقت تیرے حکموں کو ماننے والی ہو، اور ہم کو ہماری ملازمت کے نشان (مَنَاسِکَنَا) بتلا، ہماری گذشتہ واماندگیوں سے درگذر، کیونکہ اس میں شک نہیں کہ تو تائب بندوں کے حق میں بڑا ہی درگذر کرنیوالا مہربان ہے"۔ اِسی **اطاعت** کے منتہا کو مدنظر رکھکر ابراہیم علیہ السلام کے "دین قیم" اور "ملت حنیفہ" کو دوسرے موقع پر یوں واضح کیا ہے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ۚ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (۶ : ۱۶۳-۱۶۴)۔ لیکن چونکہ یہ آیات عنقریب آگے چل کر اصل کتاب میں آرہی ہیں۔ اسلیئے مطالب کے لیئے وہاں دیکھنا چاہیئے۔ تاہم ظاہر ہے کہ یہاں پر صلات سے باطنی تعبد اور نُسُک سے اُس تعبد کے ظاہری نشان مراد لیئے ہیں۔ اور یہ اس وجہ سے کہ از روئے قرآن وہی نماز فی الحقیقت صلوٰۃ ہے جس کا نتیجہ باطنی تعبد ہے ورنہ کچھ نہیں۔ گویا مقصود یہ ہے کہ اگر میرا باطن (صَلَاتِیْ) کسی کی ملازمت کر رہا ہے تو رب العالمین کی، اور اگر میرا ظاہر (نُسُکِیْ) کسی کے ملازم ہونے پر دال ہے تو خدا کے۔ اور یہی اصل دین، دِین حنیف، اور صراط مستقیم ہے! سورۂ حج میں احکام قربانی کی توجیہ بھی اسی **ذکر خدا** اور تسلیم کے اصل اصول پر کی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے:

وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِّیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ مِّنْ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَلَہٗٓ اَسْلِمُوْا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ (۲۲ : ۳۴-۳۵)۔

اے مسلمانو! تم قربانی جان کے اِن ظاہری مراسم کو احکام خدا میں شامل دیکھکر متعجب نہ ہو، ہم نے اس روئے زمین کی ہر اُمت کے لیئے اُس کے مخصوص احوال کو پیش نظر رکھکر کوئی نہ کوئی نشان ملازمت قرار دے رکھا ہے اور ہمارا مقصود اسمیں یہ تھا کہ وہ اُمتیں مویشی اور چارپایوں کے عزیز الوجود اور بے مثال انعاموں کو جو خدا نے اُنہیں دے رکھے ہیں پیش نظر رکھکر، قربانیاں کرتے وقت اُس منعم حقیقی کی تڑپا دینے والی یاد اُسکا اطاعت کا پیدا

؎ چنانچہ یہ آیتیں اسی صفحے کے متن میں آگئی ہیں اور مطالب بھی اسی صفحے پر درج ہیں۔

Marfat.com

قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ (۱۶ : ۱۲۰-۱۲۲) ۔ تو ان کو دشمن کے بالمقابل کامل حفظ و امن عطا فرمائے

---

۵۱ بے شک ابراہیم دنیا کے جلیل القدر رہنماؤں میں سے تھے۔ وہ خدا کے کامل فرمانبردار بندے تھے اور خالصۃً اُسی کے ہو رہے تھے۔ اور کسی شے کو بھی خواہ وہ اُنہیں کتنی ہی عزیز ہو خدا کے ہم مقام نہ کرتے تھے اور بایں ہمہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی سچی قدر کرنیوالے تھے۔ خدا نے اُنہیں منتخب فرمالیا تھا اور اُنہیں صراط مستقیم چلا دیا تھا۔ اور ان تمام اعمال کے صلے میں ہی ہم نے اُن کو دنیا میں ہر طرح کی نعمتوں سے معزز فرمایا تھا اور بے شک آخرت میں بھی وہ ہمارے معزز بندوں میں سے ہوں گے۔

---

† یہاں قَانِتًا لِّلّٰهِ بننا یعنی تسلیم و اطاعت کو شعار بنالینا اور خدا کی دی ہوئی ہر شے کا صحیح استعمال کرنا شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ دیکھو معانی شکر تحت المتن صفحہ ۱۳۸) صراط مستقیم ہے۔ جو شخص یا قوم نعمتہائے الٰہی کا مناسب استعمال کرتی ہے اسکی دنیا بھی درست ہے۔ اسی لیئے اس پیمبر اعظم کے لیئے کہا ہے وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳۱) کرنے والا ڈر اپنے دلوں میں وقتاً فوقتاً جمایا کریں (لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ)، (لیکن لوگوں نے اِس پیش نہاد کو خیرباد کہکر قربانیوں کو نئے نئے معبودوں پر چڑھانا شروع کیا یا اُسکے اصلی مفہوم سے الگ ہوکر ان فیتجہ خیز رسوم کو بے اثر کر گئے)، تو اے مسلمانو! بگوش ہوش سُن رکھو کہ تمہارا حاکم الحاکمین وہی ایک خدا ہے، تم اُسی خدائے واحد کے تابع بن کر رہو (فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا)، اور اے پیغمبر درگاہ خدا میں خشوع و خضوع کرنے والی قوم کو اجتماعی بقا اور دنیوی امن کی خوشخبری دو۔ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدا کی یاد اُن کو دلائی جاتی ہے تو اُنکے دل تڑپ اٹھتے ہیں اور وہ بیش از بیش احکام خدا کی تعمیل میں منہمک ہو جاتے ہیں۔

اِن تمام مثالوں سے ظاہر ہے کہ مناسک کی صحیح حکمت عملی یہی تھی کہ اُن کے ذریعے سے وقتاً فوقتاً انسان کے دل میں شارع زمین و آسمان کی یاد پیدا ہو تاکہ لوگ احکام خدا کی طرف بیش از بیش رجوع ہوں، اُسکی ٹیس اور ڈر دلمیں رکھیں، اُسکے امن افزا احکام سے غافل نہ ہونے پائیں، اُسکی سزاؤں کو یاد کرکے لرز اٹھیں، اُسکے انعاموں کو خیال میں لاکر تیار عمل ہو جائیں۔ اِس سے زیادہ اُن سے فی الحقیقت کچھ مقصود نہ تھا اور جب خدائے عظیم کا دعوٰے ہے کہ ہر اُمت کے مناسک اُس نے بذات خود مقرر کیئے تھے تو صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک قوم کے مناسک کو دوسری قوم کے مناسک پر کوئی وجہ فضیلت نہیں، اُنکے مابین کوئی بنیادی فرق نہیں، وہ کسی قوم کیلئے فی نفسہٖ مقصود بالذات شئے نہیں، وہ صرف تسلیم، ہیجان قلب اور ذکر پیدا کرنیکے آلے ہیں، جو شئے اُنسے بہر نوع مقصود ہے۔ اطاعت احکام الٰہی ہی سعی و عمل سے حکمبرداری اور تقوٰی ہے، احکم الحاکمین کا ڈر اور اتحاد ہے چنانچہ اسی سورۂ حج میں قربانیوں کے احکام کے ضمن میں صاف فرمادیا کہ: لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ (۲۲ : ۳۷)، یعنی "خدا تک نہ تو ان قربانیوں کے گوشت ہی پہنچتے ہیں اور نہ اِنکے خون، بلکہ اگر کوئی شئے وہاں بروئے کار آتی ہے تو وہ تمہارا تقوٰے ہے۔" پس جب تقوٰی کا جزو اعظم اتحاد ہے لَا تَفَرَّقُوْا ہے، اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ ہے، صَابِرُوْا اور رَابِطُوْا ہے، اُمَّةً وَّاحِدَةً بنے رہنا ہے وغیرہ وغیرہ (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۵۲)، تو ارکان امت کا فرض ہے کہ خدائے عظیم کے مقرر کیئے ہوئے مناسک کو اِسی اتحاد قوم، اسی عبودیت، اسی حکمبرداری اور اطاعت کو پیش نہاد بناکر بالاجماع ادا کریں، انکو فی نفسہٖ مقصود و منتہا نہ سمجھیں کیونکہ اصل قانون اُمت کے افراد کے مابین اجماع و اتحاد پیدا کرنا ہے، افراد قوم کے دلوں میں خدا کا ڈر پیدا کرکے انکو متحد رکھنا ہے، اس سے کمتر حتماً اور اصلاً کچھ نہیں۔

اِس تمام بحث و تمحیص کے بعد اصل کتاب کی آیت یعنی لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ (۲۲ : ۶۷)، کے معانی بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔ خدائے عزّوجل فرماتا ہے کہ مراسم عبادت جو پر دنیا جہان کی سب اُمتیں چل رہی ہیں فی الحقیقت ہم ہی نے مقرر کیئے تھے (لیکن اُن سب کے رائج کرنے کی اساسی حکمت اتحاد بین الافراد اور تقوٰی، تسلیم خدا

Marfat.com

دنیاوی نعمتوں سے مالا مال کرے! وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ (۴۸: ۲۰)؛ تو اُن کی ہیئت اجتماعی میں پیمبرانِ جہان

---

۵ اے ایمان والو! اللہ تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کر چکا ہے جنپر تم تمام عالم کے دشمنوں کو شکست دیکر قابض ہوگے تو یہ خیبر کی غنیمت تم کو سردست دلوادی اور بڑی بات تو یہ ہے کہ دشمنوں کے دست تعدی سے تم کو بچائے رکھا۔ اور یہ سب انفضال الٰہی تمہارے شامل حال اسلئے ہیں کہ ایمان والوں کو قوت ایمان کا پتہ لگ جائے اور تمہیں دشمن کے بالمقابل غلبہ حاصل کرنے کا صراط مستقیم معلوم ہوجائے۔

---

† یہ آیت بیعت رضوان کے ذکر کے عین بعد آئی ہے جہاں پر حضرت عثمانؓ کی افواہ قتل کے بعد پندرہ سو مومنوں نے ایک درخت کے نیچے رسول خدا صلعم کیساتھ دشمن سے جان توڑ کر لڑنے کا عزم کیا تھا۔ یہاں اور اس سے پہلی آیت (۱۹۱۴۸) میں خدائے عزوجل نے بصراحت مومنوں کو مال غنیمت بمقدار کثیر اور بعجلت تمام دلوانیکا وعدہ کیا ہے، دشمن سے بچ نکلنے کو ایمان کا جزو قرار دیا ہے، اور ان سب اعمال کو صراط مستقیم کہا ہے۔ گویا اس دنیا میں بسنے کا صراط مستقیم یہی ہے کہ دشمن کے خلاف کامل طور پر حفظ نفس کیا جائے، اُنپر حسب موقع جارحانہ تشدد کرکے اُنکے قوے کو کمزور کردیا جائے۔ مسئلہ ارتقا کی شق سوم و چہارم (صفحہ ۱۲ و ۱۳) سے اس قانون الٰہی کی مماثلت عیاں ہے اور ظاہر ہے کہ فطرت کی ادنیٰ حیوانی مخلوق بھی کشمکش سے دوچار ہے۔ دین اسلام اور دین فطرت کی پابند ہے! جن لوگوں نے نفس کو دھوکا دیکر یا کسی خارجی طاقت کے خوف میں آکر اسلام کو بہرحال ایک امن پسند اور مرنجان و مرنج مذہب قرار دیا ہے اور نبی عربؐ کے حیات انگیز غزوات کو بھی اشد شدید مجبوری کے اکراہی اعمال مشہور کرکے آپ اس کرکی آڑ میں آرام سے بسر کر رہے ہیں اُنکے لیے یہ آیات نہایت عبرت انگیز ہیں سلامتی کے رستوں کو صراط مستقیم گردانا آیہ (۱۶۱۵) صفحہ ۶، میں آچکا ہے۔ صفحہ ۲۴۴ پر پھر آئیگا۔ آیہ (۱۱۱۵) صفحہ ۱۸۸ بھی دیکھنی چاہیے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۳۲) اور اطاعت خدا ہی تھی کہ یہی اصل قانون اور اس کارگاہ جہان کا الامر ہے) تو ان لوگوں یعنی یہود و نصاٰے اور اور اقوام کو جنکو مناسک اسلام کے قبول کرنے میں اعتراض ہے، چاہیئے کہ ایک منسک اور دوسرے منسک کے مابین ظاہری فرق کو نظر انداز کردیں اور اصل قانون کے بارے میں تم سے کوئی نزاع پیدا نہ کریں (فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ)، اور وہ اصل قانون اے محمدؐ! یہی ہے کہ تم لوگوں کو صحیح معنوں میں اپنے پروردگار کی طرف دعوت دیکر متحد العمل کردو (وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ) اور اسمیں شک نہیں کہ توحید کی یہ مشترک سطح قائم کرنے میں تم لامحالہ راہ راست پر ہو؛ ان مطالب کی صحت کی قطعی شہادت اس آیہ شریفہ کے عین بعد کی آیات سے ہوتی ہے جو مطالب کو مربوط کرنے کی غرض سے یہاں پر لکھدی جاتی ہیں؛ اس مضمون کے بعد ارشاد ہے؛

وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ اللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ (۲۲: ۶۸-۶۹)

اور اے محمدؐ! اگر اس حقیقت کشائی کے بعد بھی یہ لوگ تم سے اختلاف قائم کریں اور اپنے مناسک پر ضد سے اڑے رہیں تو تم ان سے کہدو کہ جو تفرقہ اندازیاں اور انتشار تم بنی نوع انسان میں پیدا کر رہے ہو اس سے خدا موبمو واقف ہے اور وہی روز قیامت کو تمہارے مابین اُن باتوں کے متعلق فیصلہ کردے گا جن میں تم ناحق اختلاف پیدا کر رہے تھے۔

اسلام بنی نوع انسان کے اتحاد کیلئے آیا تھا (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۹۰)؛ خدا فرماتا ہے کہ منسک بنفسہ کچھ شے نہیں، وہ سب ہم ہی نے مقرر کیئے تھے کیا یہود کے مناسک اور کیا نصاٰے کے، انکا مطلب اتحاد قوم تھا، جب یہ مطلب انسے فوت ہوگیا ہے تو اُنپر اڑے رہنا بے معنی ہے۔ اب یہ اسلامی مناسک ہیں؛ ہم نے بھی حج کیئے میں انکی غرض بھی بعینہ وہی ہے بلکہ ایک دوسرے یہ حج کا منسک تمہاری جاہلی اور پشینہ مراسم نماز کی ترمیم شدہ صورت ہی ہے پس آؤ کہ میں نزاع پیدا نہ کرو اور متحد بنجاؤ کہ صراط مستقیم یہی ہے۔ میرے نزدیک مکہ اور بیت المقدس، چین و روم سب ایک ہیں۔ مشرق اور مغرب ایک ہے۔ زمین و آسمان ایک ہے، نہ مجھے تمہاری قربانیوں کے گوشت پونہچتے ہیں نہ خون، مجھ تک تو صرف تمہارا تقوٰی، تمہارا اتحاد عمل، تمہاری اطاعت اور خوئے تسلیم، تمہارا قلبی ولبک (ذکر) اور لرزش پونہچتی ہے اور بس۔ انہی کو دیکھکر میرے سب فیصلے ہیں۔ انہی پر سزا و جزا کا سب مصرف ہے! لیکن یہ جامع الانام اور عالم انگیز اسلامی مناسک آج خود رسم و رواج کی لکیر میں پڑکر وہ بے مطلب اور انتشار پرور، وہ اصنام خیز اور تفریق آرا شے بن گئے ہیں کہ ایک منتقص بھی آج اُنکی اس خالص حکمت عملی کا معترف نہیں رہا!

پس الامر اس کارگاہ جہان کا وہ مختص قانون، اُس بے پروا خدا کا وہ خاص الخاص حکم، اُس شدید العقاب آقا کا وہ اٹل آئین عمل ہے

Marfat.com

کی عالی ہمتی، اُن کے اخلاف کا تفضل، اور اسلاف کی برتری بخش: وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۠ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [۵۱] (۶: ۸۶-۸۸)؛ تو عالمگیر غلبہ عطا فرما کر ان کے ہر فرد میں عدل دوستی اور حق پسندی کی خصلتیں برقرار رکھ! يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ (۳۸: ۲۶)؛ تو اُن میں قانونِ خدا کے احترام، اور حدودِ خدا کی رعایت سے، حمایت حق اور طہارت نفس سے، تقویٰ کے مقتدر عزائم اور ایمان کی اٹل طاقتوں سے، امانت عدل اور نگہداریٔ عہد سے، وہ اجتماعیّت، وہ عزم بالجزم، اور وہ قوتِ نظم و ادارت نصیب فرما جو اسلام کے شیرازۂ اُمت کو تشتّت کی شکست و ریخت سے ہمیشہ کیلئے مامون و مصون کر دے!

قَدْ جَاۗءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ † اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

---

[۵۱] اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط (علیہم السلام) یہ سب ہمارے حکمبردار رہنمایان خلق تھے۔ اور ہم نے ان سب کو تمام عالم کے لوگوں پر برتری دی۔ ان کو اپنی قوم کا سردار بنایا اور بادشاہت دی۔ اور نہ صرف اُنہی کو بلکہ ان کے آباؤ اجداد اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی بہتیروں کو اُن کے علوِ ہمت، حُسنِ عمل، اور شجاعت کے صلے میں دنیا جہان کی قوموں میں سرفراز کیا۔ اور ہم نے اُن کو باقی قوموں سے منتخب کر کے ممتاز کر دیا اور اُن کو دنیا میں قوت سے رہنے کا صراط مستقیم دکھا دیا۔

[۵۲] اے داؤد! ہم نے جو تم کو اس زمین پر بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں کے معاملات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو، اور خواہشات نفس کا تتبع نہ کرنا کیونکہ یہی خواہشات نفسانی تم کو اعتدال کے صراط مستقیم سے بھٹکا دیں گی۔ جو لوگ عدل و انصاف کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں اُنکو اس دنیا میں سخت عذاب ملیگا۔ اسلیئے کہ روزِ جزا کو بھول گئے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۲۳۳) جس کا نام اتحاد ہے، اتحاد بین الافراد اور اتصال بین الاجزا ہے، اتحادِ عمل اور اتحادِ اثر ہے۔ یہی وہ شے ہے جس کے باعث اُمتیں چشم زدن میں تمکّن کے بامِ بلند پر چڑھ جاتی ہیں، جو باعثِ قیام عالم اور علت تکوین کائنات ہے، جو فنا و زوال کا حجاب کبریٰ ہے جس سے ہر شے میں زندگی ہے۔ جس کا نہ ہونا موت و شکست کے مترادف ہے۔ یہی وہ رازِ حیات ہے جس کے ہوتے ہوئے شکست ناممکن، نامردی کالعدم، اور نامردی امکان سے خارج ہے۔ میرا یقین ہے کہ روئے زمین کے ہر مذہب و ملت کا اصل اصول یہی تھا۔ یہی وہ پیغام تھا جو سب انبیائے جہان اپنے آقائے نامدار سے لائے تھے۔ اور اسی حقیقتِ کبریٰ کو کتاب کے دیباچے میں میں نے سب مذاہب کی الاصل اور احکم الحاکمین کا الامس قرار دیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۴ و ۳۱۔

† الظُّلُمٰتِ سے میں نے اس کتاب میں بالالتزام قانون خدا کے عدم تعقّل کی تاریکیاں اور اجتماعی انحطاط کی ناراہ بینیاں، اور النُّوْر سے علم و عمل کی انجام شناسیاں اور تمکّن فی الارض کی روشنیاں مراد لیا ہے۔ دیکھو صفحہ ۵۵ و ۱۳۳ و ۱۷۶۔ ان معانی پر ایک فیصلہ کن بحث عنقریب اس مجلد کے اختتام پر آئے گی۔

Marfat.com

مُّسْتَقِيمٍ ○ (۵: ۱۵-۱۶)

لوگو! پروردگار عالم کی طرف سے تمہیں وہ رہ نما نور اور وہ واضح قانون (یعنی صحیفۂ فطرت کا ملخص دیکھو تحت المتن صفحہ ۶۲) آچکا ہے جسکے ذریعے سے خدا اُس قوم کو جو رضاے الٰہی کی متابعت کرتی ہے، قیام فی الارض اور سلامتی کے رستوں پر لے جائیگا، اُنہیں اپنے فضل وکرم سے جہالت اور نا انجام شناسی کی ظلمتوں سے نکالکر حفظ نفس وعلم، اور تمکن کے نور کی طرف لائیگا، اور اُنکو قیام وبقا کے صراط مستقیم پر ڈال دیگا۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوٓا إِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۚ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (۱۰: ۲۵)

اور اللہ تو اُمتوں کو حفظ نفس اور سلامتی کے گھر کیطرف بُلا رہا ہے، اور جس قوم میں اہلیت دیکھتا ہے اُسکو تمکن اور قیام کا صراط مستقیم دکھا دیتا ہے۔

پس "صراط مستقیم" کیا تھا! **تحفظ و بقا** تھا! قوم کی سلامتی تھی! اُمت کا "دارالسلام" تھا! جماعت کا کامل امن اور فرد کا اضطراب عمل تھا! **اتحاد** کا التہابِ درون، اور **توحید** کا کرداری اظہار تھا! **تعبد** کا معنوی اقرار اور ملازمت کا عملی پہلو تھا!

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ (۴۳: ۶۴)

اے لوگو! وہ خدا نے عظیم میرا اور تمہارا پروردگار ہے! مولیٰ ہے! آقائے نامدار ہے: رازق ہے! مشاہرہ دہ حاکم ہے! تو اُسی احکم الحاکمین کے غلام بنے رہو (فَاعْبُدُوْهُ)، اُسی کی خدمت میں لگے رہو (فَاعْبُدُوْهُ)، اُسی کے قانون کی تعمیل کرو (فَاعْبُدُوْهُ) اُسی کے آگے سرِ تسلیم خم کرو (فَاعْبُدُوْهُ)، اُسی کے سچے بندے بنو کہ یہی صراط مستقیم ہے!

عبادت کا وحدت انگیز کیف، اور **اختلاف** سے اجتماعی گریز تھا! **اتقا** تھا! **اطاعت امیر** تھی!

وَلَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۠ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ (۴۳: ۶۳-۶۴)

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ (۴۳: ۶۵)

۞ "دارالسلام" کے اعتقاد کو لوگوں نے "بہشت" کا نام سمجھکر اس تمام آیت کو عالم آخرت میں منتقل کر دیا ہے، لیکن اس لچر تاویل کی کوئی سند نہیں۔ تیسری مجلد میں اس رکوع کا جس میں یہ آیت واقع ہوئی ہے بہ تمام وکمال ترجمہ کرکے واضح کر دیا جائیگا کہ "دارالسلام" ہرگز کوئی اُخروی مکان نہیں۔ لیکن اگر "دارالسلام" جنت کے باغوں میں کوئی بارہ دری ہے تو خوش اعتقاد شارحین سے پوچھنا چاہیے کہ پھر "سُبُلَ السَّلٰمِ" جو آیہ (۵: ۱۶) میں واقع ہوا ہے کیا شے ہے؟ کیا وہ بھی جنت کی سڑکیں ہیں۔ افسوس کہ لوگوں نے قرآن حکیم کو کیسہ افسانہ بنا لیا ہے!

Marfat.com

اور جب عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس خدائے جلّ وعلیٰ کے روشن اور کھلے کھلے احکام (البیّنٰت) لے کر آئے تو انہوں نے اُن کو مخاطب ہو کر کہا کہ اے بھائیو! میں تمہارے پاس یہ احکام کیا لایا ہوں، دراصل وہ عظیم الشان حکمتی اصول لایا ہوں جس کا شارح خود خدائے بیمثال ہے (جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ)۔ اور میرے آنے کا اہم مقصد یہ ہے کہ میں تم پر اُن باتوں کی اصلیت واضح اور دل نشین کر دوں جن میں اختلاف پیدا کرنے کے باعث تم ایک دوسرے سے الگ ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہو، تم میں اتحاد کی مشترک سطح از سرِ نو قائم کروں، تم سب کو ملا کر ایک کر دوں! پس اے لوگو! اُس شدید العقاب خدا سے ڈرو! اُسکے مشترک خوف سے متحد ہو جاؤ (اتَّقُوا)، اور سب کے سب ایک امیر کی (یعنی میری) اطاعت کرو، میرے پیچھے لگ جاؤ، وہ خدائے عظیم میرا اور تمہارا دونوں کا آقا ہے پس اُسی کی غلامی میں لگ کر ایک ہو جاؤ، اُسی کے سچے بندے بن جاؤ کہ صراطِ مستقیم یہی ہے۔ لیکن لوگوں نے اس اولوالعزم پیغمبرؑ کا کچھ کہا نہ مانا، وہ آپس میں اُسی طرح اختلاف کرتے رہے، اُسی طرح فرقہ بند بنے رہے، تو جن لوگوں نے یوں اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اُنپر ہلاکت کے دردناک اور کپکپا دینے والے دن کے اعتبار سے ہزار حیف ہے۔

تمسک قانونِ خدا تھا!

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۴۳ : ۴۳)

تو اے پیغمبر! تم اس قانون کو جو تم پر وحی کر دیا گیا ہے مضبوطی سے پکڑے رہو، اُس پر جم کر عمل کرو۔ اس میں شک نہیں کہ تم صراطِ مستقیم پر ہو (اور لامحالہ اپنی مراد کو پہنچو گے)۔

خوفِ عذابِ الٰہ تھا! بیم روزِ جزا تھا!

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ (۴۳ : ۶۱)

اور لوگو! اِس میں شک نہیں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) بھی بنی اسرائیل جیسی تفرقہ آرا اور فرقہ بند قوم کے لیے ہلاکت اور موت کی عینی اور قطعی، آخری اور قرار واقعی دلیل تھے (عِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ)؛ اُن کا آنا اور جھٹلایا جانا، اتحاد کی تبلیغ کرنا اور ناکام رہنا، یہود کے لیے صلائے اجل تھا، پیام موت تھا، ہلاکت کی علی الاعلان شہادت تھی (عِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ)۔ پس اے لوگو! اُس روزِ بد کے آنے میں کبھی شک نہ کرو، اس سے اہل یہود کی طرح بے پروا نہ ہو جاؤ، لمبی تان کر نہ سو رہو (فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا)، اور میرے احکام کی تعمیل کرو کہ یہی صراطِ مستقیم ہے! (دیکھو علم کی تعریف تحت المتن صفحہ ۸۳-۸۴۔ گویا حضرت کا آنا یہود کی ہلاکت (السّاعۃ) کا عَلَم (نشان) تھا)۔

وہ صراط تھا جس پر چل کر تعزّز اور نعمت ہے، خدا کے دنیوی انعام، اور بے حساب بخششیں ہیں۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (۱ : ۶)؛ وہ خوف تھا جس کا اٹل نتیجہ انعام و اکرام ہے، يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى

+ 'السّاعۃ' اور یوم آخرت کے متعلق بحث نہ ہو چکنے کے باعث اس آیۂ شریفہ کے صرف ایک شقّی معنی بیان کر دیے گئے ہیں۔ کامل مفہوم کیلئے ابھی انتظار کرنا چاہیے یا عربی افتتاحیہ صفحہ ۱۳۶ دیکھیں۔

Marfat.com

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (۴۹ ۱۳)۔ جس سے ہٹ کر قہرِ خدا نازل ہوتا ہے، اُمتیں مغضوب علیہ ہوجاتی ہیں، ذُل و مسکنت، موت و افلاس صدیوں اور قرنوں تک پیچھا نہیں چھوڑتے: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (۱ ۷)۔ وہ سیاست تھی جس پر چلکر ہر سو امن ہے، امتوں اور نسلوں کا امن ہے، افراد اور قبیلوں کا امن ہے، گھروں اور محلّوں کا امن ہے! وہ "مذہبِ خدا" اور راہ مالک الملک تھی جسپر دنیا کی سب زندہ اور انعام یاب اُمتیں آج چل رہی ہیں اور اختلافِ مناسک کے باوجود، اپنے اپنے دائرے کے اندر قانونِ خدا اور "الامر" میں نزاع پیدا نہیں کرتیں، لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۲۲ ۶۷)۔ نہیں! صراطِ مستقیم، وہ تلوار سے سوا تیز اور بال سے سوا باریک راہ تھی جس پر چلتے رہنا کمال حزم و احتیاط کا کام ہے، جس سے ذرا اِدھر ہٹ کر ضلال ہے، شکست و انتشار کا جہنّم ہے، محکومیت کا دوزخ ہے، افلاس کی آہ و بُکا ہے! وہ دراصل سعی اور امن، تلاش اور مقصود، طالب اور مطلوب کے درمیان وہ خطِ مستقیم تھا جسکے سوا کوئی دوسرا خطِ راست نہیں، کوئی سعی مشکور نہیں، کوئی عمل نتیجہ خیز نہیں! وہ وُہ تکیّفِ قلب اور وُہ ضبطِ نفس تھا جس سے قوم کے سب افراد تسلیم کے مجسّمے اور سعی و عمل کے فوّارے بن جاتے ہیں، جس سے سینے قانونِ خدا کی اطاعت کے لیئے یکسر کھُل جاتے ہیں، جس سے دلوں کی تنگیاں اور حوصلوں کی پستیاں کالعدم ہوجاتی ہیں، ہر شخص

---

۵۱ اے ساکنانِ زمین! ہم نے تم سب کو ایک ہی نوع کے مرد، اور اسی نوع کی عورت سے پیدا کیا، اب تم سب ایک ہی جنس کے ہو، اس لیئے آپسمیں اختلاف پیدا نہ کرو، ہمارے نزدیک تم سب برابر ہو اور تمہارے مختلف گروہ اور قبیلے محض اسلیئے بنادیئے کہ تم ایک دوسرے سے امتیاز کرسکو ایک دوسرے کے مصالحانہ حریف بنو۔ اور خدا کے نزدیک تم میں سے وہی گروہ عزت اور انعام کا مستحق ہوگا جو سب سے زیادہ قانونِ خدا سے خوف زدہ رہیگا۔ جو سب سے زیادہ متحد، سب سے زیادہ صابر، محافظِ نفس، اولوالعزم، اور متفق العمل بن کر رہے گا۔ (اَتْقٰىكُمْ دیکھو اتقا کے معانی تحت المتن صفحہ ۱۵۴) اور استقلال سے احکام خدا پر عمل کرے گا۔ یاد رکھو کہ خدا تمہارے اعمال سے موبمو واقف، اور تمہاری نیتوں کو سر بسر جاننے والا ہے۔

۵۲ ان قوموں کی راہ نہ دکھا جو تیرے قہر و غضب میں آکر ہلاک ہوچکی ہیں، اور نہ اُنکی جو راہ راست سے بھٹک کر تیرے قہر و غضب کو دعوت دے رہی ہیں۔

۵۳ اے لوگو! ہم نے روئے زمین کی ہر اُمت کیلیئے خدا کی عبودیت اور قانون خدا کی اطاعت کا ایک ظاہری نشان مقرر کردیا ہے جسکو وہ شعار بناتی ہے لیکن قانون سب کیلیئے ایک ہے تو یوگوں کو چاہیئے کہ اصل قانون (الامر) کے متعلق تم سے کوئی نزاع قطعًا قائم نہ کریں، اور وہ اصل قانون یہ ہے کہ تم تمام عالم کو اپنے پروردگار ہی کی اطاعت کیطرف بلاؤ۔ اور سب کو اس ایک مرکز پر ہی جمع کردو۔ اسمیں شک نہیں کہ اس اتحادِ معنوی قائم کرنے میں تم ضرور صراطِ مستقیم پر ہو۔

Marfat.com

دوسرے ہمقوم اور ہم جماعت فرد کے لیئے اپنی آغوش مرحبا کھول دیتا ہے، کوئی سینہ بھچا ہُوا اور تنگ ظرف نہیں رہتا، پھر محبّت اور اخوّت کی نہر سلسبیل دلوں میں چل جاتی ہے، اور اس حُسن عمل کے صلے میں امن و اُنسیت کا "دار السّلام" اُس قوم کے استقبال کے لیئے دوڑتا ہے!

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ† يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (۶:۱۲۵-۱۲۸)

اے لوگو! جس قوم کی نسبت خدا ارادہ کر لیتا ہے کہ اسکو صحیح راہ عمل دکھاوے تو اُسکے سینوں کو 'الاسلام' اور تسلیم قانون خدا کے مطلق مذہب عمل کے لیئے یکسر کھول دیتا ہے، اور جسکو اپنی ہی بد اعمالی کے باعث گمراہ کر دینے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اُس قوم کے سینوں کو بھچا ہوا اور تنگ کر دیتا ہے' اُن میں حوصلہ عمل اور توفیق خیر مفقود ہو جاتے ہیں۔ باہمی مدد اور بھلائی کرنے کا یارا نہیں رہتا، اُن کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ احکام خدا کی تعمیل کرنا اُنکے نزدیک گویا آسمان پر چڑھنا، اور اپنے آپکو ناحق تکلیف میں ڈالنا ہے۔ جو لوگ ہمارے احکام کے مفید ہونے پر ایمان نہیں رکھتے اُن پر خدا کی پھٹکاریوں پڑا کرتی ہے!

اور اے پیغمبر! یہ اپنے سینے کسب و عمل کے لیئے کھول دینا ہی تیرے آقائے جلیل کا بتایا ہوا صراط مستقیم ہے۔ یہی عین اسلام ہے، غور و فکر اور صحیح نتائج اخذ کرنے والی قوم کے لیئے ہم نے اپنے حکم کھول کھول بیان کر دیئے ہیں۔ یہی وہ قوم ہے جن کے لیئے اِس دنیا کے اندر، اُنکے پروردگار کے نزدیک اُن کے اعمال کے صلے میں امن و امان کا گھر ہے، اور وہی اِس دنیا میں اُس کا سچا دوست اور خبر گیراں ہے۔

بہ آج اِس پہنائے زمین کے طول و عرض میں 'صراط مستقیم' کے اس مفہوم کے متعلق ایک شق باقی ہے جسپر اسلام کا کوئی فرد بشر چل رہا ہے؟ کیا دن بھر میں بار بار اور خوش الحانی سے دُہرانے کے باوجود کسی متنفس کو

---

† یہاں یَشْرَحْ صَدْرَهٗ کے بالمقابل یُضِلَّهٗ کا آنا اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کلام الٰہی کی اصطلاح میں کسی قوم کے اندر 'الاسلام' پر عمل کرنے کی توفیق کا ناپید ہو جانا (دیکھو تعریف 'الاسلام' تحت المتن صفحہ ۱۹۱)، احکام خدا پر عمل کرنے سے ناقابل برداشت تکلیف کا محسوس ہونا ہی ضلال ہے۔ ضلال کے پہلے تشریح شدہ معانی میں نے صفحہ ۲۲۳ کے تحت المتن میں جمع کر دیئے ہیں، یہ ایک نئی قسط ہے۔ مسلمانوں کو سوچنا چاہیئے کہ وہ آج خود اِس ضلال کے مصداق کس شدت سے ہیں!

Marfat.com

اِس بات کا احساس رہ گیا ہے کہ صراطِ مستقیم یہ ہے، نماز میں پنجوقتہ اسی کی گذارش ہو، اِسی سے ہٹ جانے کا ہر لحظہ ڈر ہے، اِسی کی آرزو اور اِسی کی تڑپ ہے، اِسی کے لیئے اُٹھنا اور بیٹھنا ہے، اِسی کی درخواست میں رکوع و سجود ہیں، قومے اور قعدے ہیں، جُھکنا اور سرنگوں ہوجانا ہے؟ کیا دلوں میں اِسکے متعلق ذرا سی چوٹ، رتّی بھر حِس، ادنیٰ سی سنسناہٹ، یا اُردکی سفیدی کے برابر سعی و عمل باقی ہے؟ نہیں، کیا اِس مفہوم کی آج سرے سے **خبر** بھی ہے! کیا گذشتہ ایک ہزار برس کے اندر ہزار در ہزار فرقہ بندیوں اور شرک آرائیوں، تفریقِ عمل اور عصیانِ امیر، عدمِ تمرکز اور تشتّتِ آرا، حُبِّ نفس اور محبتِ مال، عبادتِ طاغوت اور ملازمتِ شیطان† کے مہلک اثرات کے باوجود ہر مسلمان اِس زعم میں نہیں کہ وہ "دینِ اسلام کے صراطِ مستقیم" پر چل رہا ہے، وہ خدا کو خدا مان رہا ہے، رسول کو رسول کہہ رہا ہے، اُس کے حلال و حرام کو نباہ رہا ہے، 'خیر الاُمم' کا رکنِ اعظم ہے، اسلیئے اسکو کسی اصلاح کی ضرورت نہیں، کسی مزید راہ ڈھونڈنے کی حاجت نہیں۔ کیا وہ اِس مہلک گراں خوابی، کوتاہ نظری اور آشوبِ چشم کا مریض نہیں کہ دنیا کی سب انعام یاب اور خدا کی نعمتوں سے مالا مال اُمتیں اُسکی نگاہ میں ٹیڑھے راستوں پر چل رہی ہیں، جہنّم کی مکین ہو رہی ہیں، دوزخ کا ایندھن بن رہی ہیں، مگر اسلام کی لاڈلی مگر بے نوا اُمت صراطِ مستقیم پر چل رہی ہے، 'اَنعَمتَ عَلَیہِم' کی مصداق ابدالآباد تک ہے! کیا آج ارضی نعمتوں کے چھن جانے کے بعد کسی "روحانی نعمتوں" کی تاویل کرکے، یا 'دارالسلام' کے بے ضرر لفظ کو اسلامی بہشت بنا بنا کر دل کو تسکین دے دینا قہرِ خدا کو کم کرسکتا ہے؟ کیا صاحب القرآنؐ کی اِس حیرت انگیز اور ناقابلِ انکار، اِس نصّی اور صریح شہادت کے ہوتے ہوئے کوئی انسانی لغت، کوئی قیاس و رائے کوئی اجماعِ اُمّت، کوئی یونانی حکمت، کوئی مُلّائی تاویل، یا خود ساختہ حدیث "صراطِ مستقیم" کی اِس سے بہتر اور صحیح تر تشریح کرسکتی ہے؟ کیا قربانیوں کے حشر سے بکروں کے مینڈھے اور مینڈھوں کے گھوڑے بنا بنا کر اُمت کو 'پلصراط' پر سے گذار دینا، سُنّتِ خدا اور قانونِ ربّ العالمین کو بدل سکتا ہے!

† یہ سب اعمال صراطِ مستقیم پر چلنے کے نقیض ثابت کر دیئے گئے ہیں (دیکھو اصل کتاب از صفحہ ۲۲۶ تا ۲۳۸)۔

Marfat.com

کیا حالات حاضر کے ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں میں دھول ڈالکر نصرانیوں کو مغضوب علیہ کہہ دینا اور آپ اس غضب سے ہمیشہ کے لیئے بچے رہنا، اس نعمت کو عالمِ خیال میں اجارے پر لے لینا، آئین زمین و آسمان میں تغییر پیدا کر سکتا ہے؟ کیا صدر اسلام کا صراط مستقیم، آجکل کے اسلام کی مانند ہی منہ سے خدا کہہ چھوڑنا، حلال و حرام میں فرق کرنا، سؤر سے پرہیز کرنا، اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر اپنی خانہ بربادی کو دیکھتے رہنا ہی تھا جسکے صلے میں چند برسوں کے اندر اندر روئے زمین کی سرداری مل گئی تھی!

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (۶: ۱۵۲-۱۵۴)

اے محمدؐ! اِن حلال و حرام پر لغو بحثیں کرنے والوں (۶: ۱۴۶) کو کہدو کہ آؤ! میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ در اصل حرام کیا چیز ہے، اور تمہارے پروردگار نے تم پر فی الحقیقت کیا حرام کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ اطاعت گذاری اور حکمبرداری میں خدا کے ساتھ کسی دوسری شئے کو ہم مقام نہ کرو، اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حُسن سلوک کرتے رہو، اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو کیونکہ ہم ہی تمہارے رزق کے اسباب پیدا کرتے ہیں، اور انکی روزی کے وسائل بھی ہم ہی پیدا کر دینگے۔ اور تمام ظاہری اور باطنی بداعمالیوں سے بچو، اور انسانی جان جسکا مارنا اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے۔ ناحق (یعنی ماسوا جہاد کے) نہ لو۔ یہ وہ عظیم الشان معاشرتی اصول ہیں جنکا حکم خدا نے تمہیں اسلیئے دیا ہے کہ تم دنیا میں مِل جُلکر رہنے کا طریقہ سمجھو۔ اور یتیم اور بیکس شخص کے مال میں مداخلت بیجا ہرگز نہ کرو، ہاں اگر اسکے حق میں مفید ہے تو اسمیں ہمدردانہ تصرّف کرو یہانتک کہ وہ اسکو خود سنبھالنے کے قابل ہو جائے، اور تمام کاروبار اور لین دین میں انصاف، راست روی، اور پورے ناپ تول کو ملحوظ نظر

Marfat.com

رکھو۔ ہم کسی شخص کو اُسکی استطاعت سے بڑھکر تکلیف نہیں دیتے، اسلیئے تجارت کے متعلق اور کوئی بندش نہیں کرتے۔ اور جب کسی کے متعلق کچھ کہو تو انصاف کو مدنظر رکھکر کہو، گو وہ تمہارا عزیز ہی کیوں نہو، اور سب سے بڑھکر یہ کہ عہد خدا وعدے کے پابند ہر دم رہو۔ یہ سب کچھ تمہیں اسلیئے کہا گیا ہے کہ تم اُس کے نتائج پر غور کرو۔ اور بیشک یہی میرا صراط مستقیم ہے، جس میں امتوں کی سلامتی اور امن ہے، اور اسی کی پیروی کرو۔ اور دوسرے راستوں پر نہ پڑ لینا کہ تم کو امن اور حفظِ نفس کے راستے سے بھٹکا کر تمہاری طاقت کو منتشر اور جماعت کو تتر بتر کر دیں۔ یہ تم کو خاص طور پر اس لیئے کہا گیا ہے کہ تم شکست و انتشار کے خوفناک نتائج سے بچتے رہو۔

الغرض صراط مستقیم کی اِس شق میں بھی ایمان اور تقوے، صبر اور توکل کے اجتماعی اغراض اور استلافی مصالح کی طرح، جماعتی استحکام، تمدن، اور سیاست کے جراثیم مخفی تھے[†]۔ اِس تمام اصلاحی ترغیب و تاکید کا مآل کار بھی مسلمانانِ عالم کو جہانگیری سے قطع نظر **جہانبانی** اور **جہانداری** کے سیاسی رموز، اور بادشاہت اور حکومت کے دقیق آداب و قواعد سے باخبر کر دینا تھا: ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (۶: ۱۵۲)۔ انصاف پسندی اور بے رُو و ریا عدل، ضبطِ نفس اور حُسن سلوک، حُسن معاملت اور اعتماد باہمی ہی قیام سلطنت کے وہ عبرت آموز اور نصیحت آمیز اصول تھے جن پر سختی سے عمل کرنا ناگزیر، اور جنسے تغافل روا رکھنا مجرمانہ خودکشی تھی: ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (۶: ۱۵۲)۔ خدائے بیمثال نے کلام پاک

---

[1] یہ نصیحت تم کو خدا نے اسلیئے کی ہے کہ تم معاشری اور اجتماعی، سیاسی اور تمدنی اصولوں کو سمجھ جاؤ۔ دیکھو آیہ (۶: ۱۵۲) صفحہ ۲۴۰۔

[2] اِن باتوں کا حکم خدا نے تمہیں اسلیئے دیا ہو کہ تم اس سے نصیحت اخذ کر کے اُسکے مطابق عمل پیدا کرو۔ دیکھو آیہ (۶: ۱۵۳) صفحہ ۲۴۰۔

---

† ایک موقع پر احکام خدا کی اجتماعی اور سیاسی مصلحتوں کو متذکرۂ صدر آیات (۶: ۱۵۲-۱۵۳) سے زیادہ واضح الفاظ میں ادا کیا ہے اور انکی سیاسی حکمت عملی بھی بالصراحت بیان کر دی ہے۔ سورۂ نساء میں ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝ (۴: ۵۸)

اے مسلمانو! خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اُن کے مالکوں کے حوالے کر دیا کرو، اِس کارگاہ سعی و عمل میں خائن ہونے کے مجرم ہرگز نہ بنو، اور جب تم اپنی رعیت کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو نہایت دیانت داری اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اس میں شک نہیں کہ خدا جو یہ نصیحت تم کو کر رہا ہے تمہاری معاشری اور اجتماعی ترقی کے حق میں بہت اچھی ہے کیونکہ بلاشبہ وہ اس کارگاہ فنا و بقا کے قانون کو بڑا سمجھنے والا (سَمِيْعًا) اور اس کی باریکیوں کو خوب پرکھنے والا ہے (بَصِيْرًا)۔

Marfat.com

میں قرونِ خالیہ کی کئی ایک متمدن اور متسلّط قوموں کی ہلاکت آفریں غلط کاریوں اور سہل انگاریوں کی مثالیں دے کر، اِن اعمال کی اہمیّت کو بصراحت تمام بیان کر دیا تھا، مگر بااینہمہ نماز کے صراطِ مستقیم کا فوری اور پیش نظر مفہوم **تقوے** کا وہی التیام آفریں اثر، اور **توحید** کا مجتمع القلوب احساس تھا: وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (۶: ۱۵۴)[۱] ۔ متحد اور متفق قلوب کی یہ اسلامی جماعت، بارگاہ خداوندی میں اپنے دن بھر کے جلیل القدر کارناموں کی خاموش شہادت اور حوصلہ افزا سند پیش کر کے، اپنے آپ کو سزاوارِ انعام، اور مستحقِ اجر سمجھتی تھی؛ اعلائے حق کے متعلق انکے مخلصانہ اعمال، اور ربِّ عظیم کی غائبانہ خدمتیں، انمیں تحسین و آفریں کا بسملانہ اضطراب اور حضوری خدا کی اضطراری تڑپ پیدا کر دیتی تھیں۔ عمروں کے سُلجھے ہوئے یہ مخلص ملازم اپنی روز روز کی نئی اور خوش کن خدمتوں کے بعد اُس دانائے نہان و عیاں کے حضور میں لپک لپک کر پونہچتے اور دست بستہ کھڑے ہو جاتے! ان کو روئے زمین کی سلطنتیں اور حفظ و امان کی راہیں اُن کے شبانہ روز جہاد اور متواتر عمل کے صلے میں ملا کرتی تھیں: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝[۲] (۲۹: ۶۹)؛ اُنہیں اتمام نعمت کا راہ رہست اور حصول قوت کا صراطِ مستقیم، صلح حدیبیہ جیسی اہم حکمت عملیوں، اور فتح خیبر و فتح مکّہ جیسے مہتم بالشان کارناموں کے عوض میں ملتا تھا: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝[۳] لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝[۴] (۴۸: ۱-۲)

---

[۱] اور مسلمانو! مختلف راستوں کا اتباع ہرگز نہ کرنا، کہ یہ تفریق و انتشار تم کو خدا کے امن و آشتی کے راستے سے ہٹا کر مضمحل کر دے گا، تمہاری ہیئت اجتماعی کو کم زور، اور قوّت کو سلب کر دے گا۔ یہ نصیحت تم کو خاصکر اس لیئے کی گئی ہے کہ تم اجتماعی ہلاکت سے بچے رہو۔ سلسلے کے لیئے دیکھو آیہ (۶: ۱۵۴) صفحہ ۲۴۰۔

[۲] اور جن لوگوں نے ہمارا نام بلند کرنے کی غرض سے جہاد کیئے اُن کو ہم ضرور دنیا میں امن سے رہنے کے اپنے طریقے بتا دیں گے، اور بیشک اللہ تو حسن عمل کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے (مُحْسِنِيْنَ کی تعریف صفحہ ۱۳۰ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے اور یہاں بھی صاف ظاہر ہے کہ جہاد کرنا سچا حُسن عمل ہے)

[۳] اے پیغمبرؐ! یہ معاہدہ حدیبیہ کیا ہوا حقیقت میں ہم نے تم کو دشمن پر کھلم کھلا فتح دی۔ اور یہ اس لیئے ہے کہ اللہ تیری اگلی اور پچھلی مصلحتی واماندگیوں اور کمزوریوں پر پردہ ڈال دے، اور دشمن کے بالمقابل تم اس دنیا میں اور بھی مضبوط ہو جاؤ۔ اور تاکہ یہ آئندہ نعمتوں کے اتمام کا پیش خیمہ بنے، اور تمہیں حفظ نفس کی حکمت عملی اور غلبے کا صراطِ مستقیم دکھلا دے (ذَنْب سے یہاں صاف طور پر وہ **مصلحتی واماندگیاں** مراد ہیں جو ہر رہنمائے قوم سے کسی اہم اجتماعی معاملے کے متعلق صراطِ مستقیم نہ ملنے کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں۔)

Marfat.com

اُنہیں نگہبانیٔ زمین کا انعام عظیم ایثارِ جان، ترکِ وطن، اور شدائدِ سفر کے پیہم تحمل کے عوض میں میدانِ جنگ کی روح گسل مصائب کے بطیبِ خاطر برداشت کے صلے میں، اور اولوالامر کے احکام کی فوری اور قطعی تعمیل کی شاباش میں ملا کرتا تھا: وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۖ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ (۴: ۶۶-۷۰)[1]

لیکن صراطِ مستقیم کے اِن تمام شقی اور قسمی، اِن وقتی اور مقامی معانی سے قطع نظر، نماز اور فاتحۃ الکتاب کے

---

[1] اور اگر ہم اُن کمزور ایمان والے مسلمان نما منافقوں کو حکم دیتے کہ تم اپنی جانوں کو اللہ کی حمایت میں لڑا دو، یا اپنے وطن سے ہجرت کر جاؤ، مگر دشمن سے کمزور صلح نہ کرو تو ان میں سے چند آدمیوں کے سوا بہتیرے ہمارے اس حکم کی تعمیل نہ کرتے۔ اور اگر جو کچھ ان کو سمجھایا جاتا ہے کرتے تو اُن کی اپنی ہی بہتری کی بات تھی کیونکہ اُن کی جماعت اور بھی مضبوط اور طاقتور بن جاتی۔ اور اس صورت میں ہم اُن کو ضرور اپنی طرف سے بڑا اچھا بدلہ دیتے۔ اُن کی جماعت غالب رہتی، اور حفظِ نفس کا صراطِ مستقیم انکو ہم دکھا دیتے۔ پس جس نے ہمہ تن اپنے آپ کو احکامِ خدا کی متابعت کے لیے وقف کر دیا۔ اور جسنے اپنے امیر جماعت (رسول کریم) کا کہا مانا تو یہی وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے دوش بدوش چل رہے ہیں جنپر اللہ نے اپنی نعمتیں بخشیں، مثلاً وہ انبیائے کرام جنہوں نے راہ حق میں جہاد کیے، یا وہ صادق لوگ جنہوں نے اپنے اعمال سے اپنے ایمان کی تصدیق کی، یا وہ شہدائے راہِ خدا جو خدا کا بول بالا کرتے کرتے ہلاک ہو گئے، یا وہ صالح العمل لوگ جنہوں نے اپنی جماعت کی حالت کو درست کیا اور یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔ یہ توفیقِ عمل محض اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ ہر شخص کی نیتِ دل جاننے کے لیے بس ہے۔

---

† شارحین قرآن نے اِن آیات کے سیاق کو نظر انداز کر کے آیۂ (۴: ۶۹) کے مطالب پر وہ عجیب و غریب اور ظلمت انگیز بحثیں کی ہیں، طاعت خدا و رسول کو وہ جانی مجاہدے فرض کر کے بہشت اور آخرت میں انبیاءؑ و صالحینؑ کی مصاحبت کے متعلق افسانوں کا وہ طومار عظیم مطالب کے گرداگرد کھڑا کر دیا ہے کہ انکی طرف نوازی کو دیکھکر بعض اوقات عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اصل کتاب میں آخری آیتیں (۴: ۶۹-۷۰) پہلے مضمون کے تسلسل میں پیش کی گئی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ آیۂ (۴: ۶۶) میں جو بوے ایمان والے منافقوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اُنکے حوصلے اِسقدر بلند نہیں کہ وہ خدا اور رسول کے حکم سے اعلائے جماعت کی خاطر اپنی جانوں کو لڑا دیں، یا اپنے گھروں کو چھوڑ کر جہاد بالسیف کریں، حالانکہ یہ جہاد اور ترکِ وطن اُن کی اپنی بہتری کی خاطر ہی ہے، اور جماعتی حفظ نفس کا صراطِ مستقیم ہے (۴: ۶۷-۶۸)۔ آیۂ (۴: ۶۹) میں صرف اس قدر کہا ہے کہ نبیؐ اور صدیق اور شہداء اور صالحین کا بلند مقام حاصل کرنیکے لیے جان و مال کی ایسی ہی انتہائی قربانی کی ضرورت ہے۔ ورنہ اسکے بغیر جنت کا حاصل کرنا انبیاءؑ و صالحینؑ وغیرہ کے برابر اجر پانا محال ہے۔ صفحہ ۱۰۱ کے تحت المتن میں واضح کر دیا گیا تھا کہ یُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ کا قرآنی مفہوم صدر اسلام میں رسول خدا صلعم کے وقتی اور مقامی احکام کی تعمیل تھی۔ علیٰ ہذا القیاس یہاں پر بھی یہی مطلب ہے کہ رسولؐ جو اُنکو وقتاً فوقتاً حسب موقع لڑائیاں لڑنے اور مال و اولاد سے مفارقت اختیار کرنے کا حکم دیتا رہتا ہے اور وہ اِن احکام کی تعمیل سے اکثر کتراتے ہیں، اگر ان میں اطاعت رسولؐ کی توفیق پیدا ہو جاتی تو اُن کے درجے بھی ایسے ہی بلند ہو جاتے جیسے کہ انبیائے کرام کے جنہوں نے اپنی تمام عمریں اصلاح انسانی میں صرف کر دیں۔ اُن معیت

Marfat.com

"اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کا جامع اور مانع مفہوم دراصل انبیائے اولوالعزم اور اُجلّہ رہنمایانِ زمین کی اُن منزل الارض اور مقلب الانام مہموں، اُنکی اُن بلند نظر اور وسیع الاثر تحریکوں، اُن لشکر انگیز اور بیخ برانداز

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۳) اور شہداء اور صالح العمل لوگوں کے جنہوں نے جماعت کی خاطر قربانیاں کیں۔ اس سے زیادہ اِن آیات کا کچھ مطلب نہیں۔ رہا یہ امر کہ اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے کس طرح کی معیت اور رفاقت مراد ہے۔ اِسکے متعلق بحث کرنا عبث ہے۔ کیونکہ آخرت کی کیفیت کا علم خدا ہی کو ہے، انسان کو اسمیں پیش از وقت دخل دینے کی ضرورت نہیں (دیکھو تحت المتن صفحہ ۸۴) آیہ (۴: ۶۹) 'نعمت' کے تحت المتن میں صفحہ ۲۲۰ پر بھی آچکی ہے اور وہاں پر عیاں کر دیا ہے کہ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے مراد وہ توفیق عمل ہے جو ہر با ایمان شخص کے شامل حال ہوتی ہے اور یہ استعداد سعی و عمل کا حسب موقع موجود ہونا ہی صراط مستقیم پر چلنے کے مترادف ہے۔

'اَلصِّدِّيْقِيْنَ' کے صحیح مفہوم کی مکمل تشریح صفحہ ۱۱۰ کے تحت المتن میں آیہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (۴۹: ۱۵) کے ضمن میں کر دی تھی اور عیاں کر دیا تھا کہ از روئے قرآن 'صدیق' وہ شخص ہے جو اپنے 'ایمان' کی تصدیق ہر لحظہ اور بہر حال عمل سے کرتا رہے 'ایمان' کی اہم قرآنی شرائط بھی اصل کتاب میں بالتفصیل آچکی ہیں اور صفحہ ۱۸۳ کے تحت المتن میں جمع کر دی گئی ہیں۔ 'اَلشُّهَدَآءِ' کی توضیح بھی صفحہ ۱۲۱ تحت المتن اور صفحہ ۲۰۲ کے متن میں آچکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ 'شاہد خدا' وہی شخص ہے جو اپنے کاموں کے ذریعے سے خدا کے نوکر ہونیکی شہادت ہر وقت دیتا رہے، اور جان و مال کو آقا کی خدمت میں پیش کرتے رہنا اِس نوکری کی اہم شرط ہے (دیکھو آیہ (۴: ۶۹) صفحہ ۱۰۵) 'اَلصّٰلِحِيْنَ' کا معہود ذہنی بھی علی ہذا القیاس کچھ کچھ صفحہ ۱۶۸ کے متن آیہ (۴۸: ۲۹) میں، کچھ صفحہ ۱۸۰ کے تحت المتن میں آچکا ہے۔ صلاحیت کی مکمل تشریح اردوئے قرآن ابھی نہیں ہوئی، اور اسکی تکمیل کے لیئے ابھی بہت دیر بھی ہے تاہم اِس اجمال سے ظاہر ہے کہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ہونا (دیکھو آیہ (۴۸: ۲۹) صفحہ ۱۶۸) وہ اجتماعی اعمال کرنا جس سے قوم کے ہر عضو میں بیداری اور حیات پیدا ہو (دیکھو آیہ (۴: ۱۸۹) صفحہ ۴۰۷) وارث زمین بننا (دیکھو آیہ (۲۱: ۱۰۵) صفحہ ۴۰۷)، استخلاف فی الارض کا مستحق بننا (دیکھو آیہ (۲۴: ۵۵) صفحہ ۴۰۷) وغیرہ وغیرہ صلاح ہے۔ آیہ (۴: ۶۹) کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ 'اَلصّٰلِحِيْنَ' کا درجہ تعبّد کا کمترین درجہ ہے اور یہی عامۃ الناس کے اتباع کے لائق ہے، اِس سے بلند تر درجہ 'اَلشُّهَدَآءِ' کا ہے جس میں مال و جان کی انتہائی پیشکش شامل ہے، اِس سے بلند درجے کے لوگ 'اَلصِّدِّيْقِيْنَ' ہیں جن کا سعی و عمل اور بھی جانگزا اور روح فرسا ہونا چاہیئے مثلاً حضرت ابوبکر الصدیق رضؓ کے رتبے کے لوگ جنپر خدا راضی ہو چکا ہے۔ 'اَلنَّبِيّٖنَ' کا درجہ سب سے بلند اور منبع الحصول ہے، اسکے مفہوم کی تشریح حسن اتفاق سے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے متعلق آیندہ آیات (۳۷: ۱۱۴-۱۲۲) صفحہ ۴۰۹ میں آرہی ہے جسے ظاہر ہے کہ 'اَلنَّبِيّٖنَ' وہ لوگ تھے جو ایک جمود زدہ اور شکست خوردہ، ایک مضمحل اور محکوم قوم کو اپنے زہرہ گداز اور مزلزل الارض عمل سے اقل قلیل مدت میں ترقی اور امن کے فلک الافلاک تک پونہچا گئے۔ اور اب مالک کون و مکاں بھی اُنپر سلام بھیج رہا ہے! 'نبوت' کی ماہیت کے متعلق میں نے چند اشارے دیباچہ کتاب (صفحہ ۲۵-۲۶) میں بھی کیئے ہیں جنسے نبوت کا کیف ایک حد تک واضح ہو جاتا ہے۔ اگرچہ یہ موضوع کسی آیندہ بحث کے لیئے چھوڑ دیا گیا ہے۔

اِس امر کی تصدیق کہ اِن آیات میں 'يُطِعِ الرَّسُوْلَ' سے مراد صدر اسلام میں رسولؐ کے بالمشافہ یا وقتی احکام کی فوری یا حسب موقع تعمیل ہی تھی۔ اور آج جبکہ رسولؐ خدا اُمت کے درمیان بالمشافہ حکم دینے کے لیئے موجود نہیں تو اُس کا بدل امیر جماعت کے احکام کی فوری اطاعت ہی ہے اِس سے کم و بیش کچھ نہیں: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۴: ۵۹) کے الفاظ سے ہوتی ہے جو آیات زیر بحث سے کچھ پہلے آئے ہیں اور جن میں ایمان والوں کو کہا گیا ہے کہ خدا، رسولؐ اور امیر جماعت کے احکام کی تابعداری کریں۔ اسی اطاعت پر زور آیات زیر بحث (۴: ۶۶-۷۰) سے دو آیتیں پہلے اِن الفاظ میں دیا گیا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ

سکون کوششوں کا اجرا، تسلسل اور تکمیل ہی تھا جنکے لیے وہ اپنی زندگیاں وقف کر گئے تھے، اور جسکی ذمہ داری کا بوجھ وہ اخلاف عالمین پر قاطبۃً چھوڑ گئے تھے:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝
وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝ وَهَدَيْنٰهُمَا
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۴) تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (۴: ۶۴)، یعنی ہم نے آجتک کوئی رسول ہی نہیں بھیجا مگر یہ کہ اسکے بھیجنے سے ہمارا مقصود ہمیشہ یہی رہا ہے کہ لوگ ہمارے حکم سے اسکی اطاعت بے چون وچرا کریں، اور اگر یہ منافق بھی علی ہذا القیاس اُس ظلم کے بعد جو اُنہوں نے تمہاری نافرمانی کے باعث اپنی جانوں پر کیا تھا اللہ سے معافی مانگتے اور تم بھی اس درخواست میں اُسکے شریک حال ہوتے تو اُن کو معلوم ہو جاتا کہ خدا بھی فی الحقیقت بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا اور ظلم کار انسان پر بڑا ہی رحم کرنے والا ہے"۔ گویا رسول کا مقام من حیث الجماعت کسی سپہ سالار یا حاکم اعلیٰ کا مقام ہے۔ اور اسکے اس دنیا میں بھیجے جانے کی غرض وغایت اکثر یہی ہوئی ہے کہ سب لوگوں کو ایک حاکم اور ایک حکم کے حلقۂ اطاعت میں لاکر منظم اور منسلک کر دے، اور جب وہ آپ اس دنیا سے رخصت ہو جائے تو یہ اطاعت کا مادّہ ارکان اُمّت میں بدستور جاری رہے۔ اور اُسکی بجائے اولوالامر منکم کی طرف منتقل ہوتا رہے۔ اِس مقام نظر سے رسالت کا مقصود افراد اُمت میں اطاعت پیدا کرنا ہے اور بس: لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴: ۶۴)۔ مطاع کی ذات اس اطاعت میں مخصوص اسلیئے نہیں کہ ہر رسول اپنے اپنے وقت میں خدا کی اجازت سے لائق اطاعت رہا ہے جیسا کہ مثلاً آیہ (۴۳: ۶۳) میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ سے ظاہر ہے جو اصل کتاب صفحہ ۲۳۵ پر آئے ہیں۔ رسول کے بعد وہ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۴: ۵۹) جو اُمت کی شیرازہ بندی اور غلبے کو قائم رکھنے کے لیے بِاِذْنِ اللّٰهِ مقرر ہوتے ہیں۔ اِس اطاعت کے اہل ہیں، اور از روئے قرآن ان کی اطاعت کرنا فی الحقیقت خدا کی اطاعت کرنا ہے۔ متذکرۂ صدر آیت (۴: ۶۴) کے الفاظ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ سے بھی ظاہر ہے کہ عصیانِ امیر درحقیقت وہ شکست انگیز شے ہے جسکے بُرے نتائج نافرمانوں کے اپنے حق میں مضر ہوتے ہیں۔ گویا اس حکم عدولی کے باعث تمام جماعت کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے اور بدیر یا بزود سب اُمت کو موت کے گھاٹ اُترنا پڑتا ہے۔ چنانچہ صفحہ ۱۰۱ کی آیات میں عصیان رسول کو 'ظلم' سے تعبیر کر کے صاف الفاظ میں بیان کر دیا ہے کہ امیر اُمت کی نافرمانی کرنا وہ فتنۂ عظیم ہے جسکی سزا تمام جماعت کے افراد کو بھگتنی پڑتی ہے۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۚ (۸: ۲۵)۔

+ قرآن حکیم کے تمام طول وعرض میں سورۂ فاتحہ سے قطع نظر صرف یہی ایک موقع ہے جہاں پر اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے الفاظ واقع ہوئے ہیں باقی سب جگہوں پر صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ بالتنوین موجود ہے اور مطالب کی تنکیر عیاں ہے۔ اس نادر اور معنی خیز تخصیص اور آیات کے سباق وسیاق سے صاف ظاہر ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی بے لوث دیرینہ زندگیوں کا تمام سعی وعمل، انکی اپنی اُمت کی خاطر مسلسل تکلیف برداریاں، اُن کے دشمنوں سے جہاد بالسیف، اُن کا ترک وطن، اُنکی قربانیٔ مال وجان، اُن کا فرعون پر غلبہ حاصل کرنا، اُنکی وادی سینا اور عین قلاوش میں جماعتی تنظیم وتنسیق، اور بالآخر مسلسل تعلیم وتلقین کے بعد بنی اسرائیل ایسی غلام اور محکوم، ذلیل اور نامراد، پست اخلاق اور نامرد قوم کو اقل قلیل مدت کے اندر غالب اور متمکن، حکومت کے اہل اور بادشاہت کے لائق قوم بنا دینا ہی وہ اَلصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ تھا جو قرآن عظیم کے رو سے اس دنیا کو بنانے کا واحد اور سچا دستور العمل ہے۔ یہی وہ عزیز القدر اور پسندیدہ خدا لائحۂ عمل ہے جسکے مطابق چلکر عرب کے پیغمبرِ جلیل اور سردارِ انبیاء نے تیئیس ۲۳ برس کے جانگزا اور روح فرسا سعی عمل کے بعد وہ فقید المثال کامیابی حاصل کی کہ دنیا ابدالآباد تک اِس کارنامے پر سر دھنتی رہے گی۔ یہی اُسوۂ عمل اور انبیائے کرام کا

ع یا بعض جگہ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ہے۔ وغیرہ۔

إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۳۷: ۱۱۴-۱۲۲)

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی بہت سے احسانات کیئے، ایک بڑا احسان یہ تھا کہ ہم نے اِن دونوں بھائیوں کو اور اُنکی قوم کو فرعون کی مصیبت عظمیٰ سے بالآخر نجات دی، اور فرعون کے بالمقابل اُنکو کامیاب طریق عمل کی ہدایت دیکر اُن کی مدد کی، اور پھر آخر کار یہی لوگ غالب رہے۔ اِس کے علاوہ ہم نے اُنکو ایک واضح اور بلیغ فی البیان دستور العمل کتاب کی صورت میں دیا، اور اُنکو دنیا میں خوش اسلوبی سے اور غالب بنکر رہنے کا صراط مستقیم دکھایا، اور پھر ان دونوں بھائیوں کے عظیم الشان اعمال کا اثر اُنکے اخلاف میں بھی باقی رکھا۔ موسیٰ اور ہارون پر ہمارا اور اُن کے بعد کی اُمتوں کا سلام ہو! بیشک ہم حسن عمل کرنے والوں کو اِسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور اسمیں کچھ شک نہیں کہ وہ دونوں ہمارے ایمان والے بندوں میں سے تھے!

اِن نتیجہ خیز، صبر آزما، اور بلند پایہ اعمال کے بعد یہ چشم انعام ہی نماز کی اصلی محرک، اور پنجوقتہ حاضری کی روحِ رواں تھی: تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۝ (۳۲: ۱۶)[1]

یہ لطف وکرم کی اُمید، اور غضب خدا کا ہول ہی تھا جو اُس علۃ العلل، اُس قادر مطلق اور مسبب الاسباب خدا

---

[1] یہ وہ صاحب سعی وعمل لوگ ہیں کہ احکام خدا کی تعمیل، اور بہبودی اُمت کی جدوجہد میں اُن کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے، فریضۂ خدا کی تعمیل میں اُنکی نیندیں حرام ہوجاتی ہیں، وہ اپنے پروردگار کی جناب میں اجتماعی ہلاکت کے خوف اور غلبۂ اُمت کے طمع سے کراہتے ہیں، اُسکے لطف وکرم کے امیدوار اور سزا سے خوفزدہ رہکر دعائیں مانگتے ہیں، اور حتی الامکان اسمیں سے جو ہم نے اُنکو دے رکھا ہے ایثار مال بھی کرتے ہیں۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۴۵) تھا، نوح، ابراہیم، لوط، صالح وغیرہم علیہم السلام سب اِسی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر چلتے رہے۔ اسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ پر چلکر نعمت اور دنیوی تعزز ہے (صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ)، اِسی سے آخرت اور عقبیٰ کا چٹکارا ہے، یہی فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (۳۰: ۳۰) صفحہ ۴۳ ہے، اِسی سے غضب خدا کی بندش یکسر ہوجاتی ہے۔ خدا کے فرشتے اور بادشاہ زمین وآسمان سلام بھیجتے ہیں (سَلَامٌ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ)، رب ذوالمنن کی نگاہیں مہربان ہوجاتی ہیں (وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ)، یہی سچا حسن عمل ہے (إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ)، یہی اُس آقائے نامدار کی صحیح عبادت ہے، یہی اصل ایمان اور عین اسلام ہے۔ اِسی کا محاسبہ اور اِسی کی درخواست پنجوقتہ دن میں تھی، اِسی کی ترتیب کے اظہار میں قومے اور قعدے تھے۔ اِسی عمل کو قائم کرنا أَقِيمُوا الصَّلَاةَ تھا۔ مگر آہ! کہ مسلمان آج اِس الٰہی اور نبوی سبق کو قطعاً بھول گئے ہیں!

+ ایمان کے متعلق وہ تمام قرآنی اعمال جنکا ذکر اُسوقت تک اِس کتاب میں آچکا تھا صفحہ ۱۸۲-۱۸۳ پر جمع کردیئے تھے اُنکے مطالعے سے ظاہر ہے کہ موسیٰ اور ہارون پر "المؤمنین" کا لفظ کسقدر صادق آتا ہے، نہیں بلکہ اِن دونوں پیغمبروں کی جانکاہ اور ہمہ گیر اعمال کو دیکھکر جو اُنہوں نے بنی اسرائیل کو متمکن فی الارض بنانیکے لیئے کیئے، اِس امر کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ ایمان فی الحقیقت کس انتہائی سعی وعمل کا نام ہے، اور اسکا منتہائی وحید کس حد تک اِس دنیا کے اندر قوت اور زور سے رہنا ہے۔ جو شخص اپنے آپکو اور اپنی قوم کو دشمن کے دست تطاول سے نجات دلاکر نَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ اور نَصَرْنَاهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ کا مصداق بنتا ہے وہی قرآن کی اصطلاح میں مومن ہے، کلمۂ شہادت کو پڑھ کر مومن بننا حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔ اِن آیات الٰہی سے اِس امر کی بھی مزید تصدیق ہوجاتی ہے کہ ایمان کا اصل نتیجہ اِس دنیا میں سیاسی غلبہ ہی ہے، "روحانی غلبے" کا کہیں ذکر نہیں۔ "حَسَنَات" کے صحیح مفہوم پر بحث صفحہ ۱۲۰-۱۲۱ میں آچکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ الْمُحْسِنِينَ سے مراد صفحہ ۱۳۰ کی آیت (۱۱۷) کے لفظ أَحْسَنْتُمْ کیطرح یہاں پر بھی وہ اجتماعی جدوجہد ہے جسکا اصل نتیجہ غلبہ قوم ہے، گویا یہی سیاسی غلبہ حاصل کرنا صلاح عمل ہے۔

Marfat.com

کی جناب میں اِن وقف عمل اور اسلام کے سچے خادموں کو ضرب دل اور خشوع وخضوع سے آمادۂ رکوع وسجود کر دیتا تھا: اِنَّهُمْ كَانُوا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ† وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝ (۲۱: ۹۰)۔ یہ دستگیری رب پر اعتماد، اور نصرت خدا کا یقین ہی تھا جو تملق کی رسم آفریں اور مضطر انعام حالت میں خدا کی سچے دل سے تحمید و تقدیس کراتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ† وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ (۱: ۱-۴)

اے پروردگار عالمین! سب تعریف اور شکرانے کا مستحق تو ہی ہے۔ تو بڑا ہی رحم کرنے والا، اور بڑا ہی مہربان ہے۔ روز جزا و سزا کا بھی تو ہی حاکم ہے۔ ہم اپنے سب اعمال میں تیری ہی خدمت، اور تیری ہی چاکری کرینگے، اور ہر معاملے میں تجھی سے مدد مانگیں گے۔

یہ دوستیٔ حق پر اعتماد، اور تائید خدا کا انتظار ہی تھا کہ انعام کی آس پر سب کی سب جماعت یکدم گھٹنوں پر، اور ماتھوں کے بل گر پڑتی! پھر اٹھتی اور بار بار گرتی! اِس نماز میں روح تھی، اِسمیں مقصد تھا، اِسمیں غرض کی دلچسپی تھی، اِسمیں انعام کی لِم اور رکوع وسجود کی منطق تھی، اِس میں ایمان کے شعلے تھے، اِس میں عصبیت کی یک رنگی تھی، اِسمیں سچا خشوع وخضوع تھا، اِسمیں محبت کی جنبشیں اور مواخات کے باہمی تلاطم تھے! اِسمیں اطاعت کا پیہم احساس، اور نظم ونسق کا سچا سبق تھا! اِس میں **توحید** کا **عملی** اور نتیجہ خیز منظر تھا! اِسمیں خدا کی سچی خوشامد، اور متفقہ جماعت کی اِسقدر عجز وزاری کے بعد طمانیت دل، اور تسکین قلب حاصل ہوتی تھی: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝ (۱۳: ۲۸)۔ یہی وہ مسکن روح اور مفرح قلب دوا تھی جو

۱؎ اسمیں شک نہیں کہ یہ لوگ خدا کے قوت افزا اور مفید قوم اعمال (الخیرات) کیطرف لپک لپک کر پہنچتے تھے، اور ہمکو اجتماعی انعام کی رغبت سے اور اجتماعی سزا کے خوف سے پکارا کرتے تھے، اور پھر اس بیم ورجا کے تکیف کو دلمیں رکھکر ہماری جناب میں سچا خشوع وخضوع کیا کرتے تھے۔

۲؎ لوگو! بگوش دل سُن رکھو کہ دلوں کو کامل تسلی خدا کے سچے احساس سے ہوا کرتی ہے۔

---

† الخیرات کے صحیح مفہوم کے بارے میں ایک طول وطویل بحث صفحہ ۱۲۱-۱۲۲ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے وہاں پر یہ آیت بھی آئی ہے۔ متذکرہ صدر مطالب کی تصدیق کے لیے وہاں دیکھنا چاہیئے۔

†† صفحہ ۱۰۰ کے تحت المتن میں عبادت کا صحیح مفہوم واضح کر دیا تھا۔ نماز کے عین وسط میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ کا اقرار بادشاہ زمین وآسمان کے سامنے کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وعدۂ پیہم ملازمت اختیار کرنے کا ہی نہ نماز پڑھنے کا۔ یہ نکتہ ہم نے صفحہ ۱۱۲ پر بھی واضح کر دیا ہے۔

مشکلات کے آسان کرنے میں معین خاص ہوا کرتی تھی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (۲: ۱۵۳)۔ آج یہی نماز جسکے ہر قومے اور قعدے پر خدائے بے نیاز کی رگِ لطف و رحمت میں مسلسل و متصل جنبشیں ہوا کرتی تھیں، جسکے ہر کیفِ سجود پر مُنشیانِ لطف و کرم کے قلم محشرستانِ صریر بنجاتے تھے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (۱۴: ۷)، جسکی ہر تہلیل جراحتِ عشق کی بے اختیاریٹیں، اور ہر تکبیر کسی نمک بخت ناسور کی جگر شگاف چیخ تھی، جسکے ہر زمزمہ اذان اور ہر مضراب دعا پر لطفِ آلہی کے لاانتہا ساز یکدم بجنے شروع ہوجاتے تھے: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ (۴۰: ۶۰)، جسکی جاذب القلب صدائیں پردۂ زنگاری کے اُس بے نیاز، سیر چشم، اور پُرکار معشوق کو بھی مجبور یاد اور آمادۂ جواب کر دیتی تھیں!

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝ (۲: ۱۸۶)، فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (۲: ۱۵۲)، آہ! یہی نماز آج اُمت کی بے حسی اور ایمان کی سطحیت، مطالب کے نسیان اور مقاصد کی فروگذاشت کے باعث ایک بے معنی اٹھک بیٹھک بنگئی ہے! غرض تو درکنار، اِسکے لفظی معانی بھی آج تو میں پانچ نماز گذاروں کو میسر نہیں! اِسکی اہمیت، غرض و غایت کی ناواقفیت کے باعث روز بروز ذہنوں سے اُٹھ رہی ہے! مقصود کے فقدان اور کساد بازاری کی وحشت نے اِیمیں بے مطلبی کا تنفر، اور بے سبب فرضیت کا اکراہ پیدا کر دیا ہے؛ نصب العین کے سقوط، اور

---

۵۱ اے ایمان والو! مشکلات و مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیئے استقلال اور خدا کی سچی یاد سے مدد لیا کرو۔ بے شک خدا اُنہی کا ساتھ دیتا ہے جو مستقل رہتے ہیں (گویا اوّل مرحلہ سعی و عمل میں استقلال (الصَّبْرُ) ہے اور آخری مرحلہ دعا (الصَّلٰوۃ) ہے)۔

۵۲ اگر تم میری نعمتوں کا صحیح استعمال اور اُن کی سچی قدر کر کے میرا شکریہ ادا کرتے رہو گے تو میں تم کو اور بھی زیادہ کرونگا (شکر کے ان معانی کے لیئے دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۲۸)

۵۳ اللہ فرماتا ہے مجھے بلاؤ اور مدد دل سے بلاؤ میں تمہاری مدد کروں گا اور تمہاری درخواست کو قبول کروں گا۔

۵۴ اور اے محمدؐ! جب ہمارے بندے تم سے ہماری بابت پوچھیں تو اُن کو کہہ دو کہ ہم اُن کے پاس ہر وقت موجود ہیں۔ ہم پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں بلکہ اکر اُس کا دل کرانے لگے تو جواب بھی دیتے ہیں۔ پس اُنکو چاہیئے کہ سرتاپا ہمارے حکموں اور اشاروں پر چلیں، اور پھر حتی الوسع سعی کر کے ہم پر اعتماد بھی کریں۔ ممکن ہے کہ انکو راہ مل جائے

۵۵ تو ہم کو ہر وقت سچے دل سے محسوس کرتے رہا کرو پھر ہم بھی تمہارا خیال رکھیں گے۔

Marfat.com

طپشِ دل کے زوال نے اِسکے رہے سہے نباہنے والوں اور خداد وستی کے بڑے دعوے داروں اور شب زندہ داروں میں ایک المناک دوریٔ دل اور پریشانیٔ خیال پیدا کردی ہے، اِسکا ہر رکوع وسجود، درحقیقت ایک غیر دلچسپ اور مضحکہ انگیز بیگار بن گیا ہے: اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ[1] (۲: ۴۵)، بڑے بڑے رسمی اولیاء اللہ اسکو برسوں تک نباہ کر اپنے آپ کو خدا سے ویسا ہی دور پاتے ہیں جیسا کہ روزِ اول میں تھے! اُدھر مجددینِ دین کہن، اور نبض شناسانِ عہد حاضر، اِس نماز کو یورپ کے فراعنہ کبر وتمکنت اور مبلغینِ فسق وشیطنت کے آبگینۂ تہذیب وجاہت کو ٹھیس نہ لگ جانے کی خاطر، ازمنۂ مظلمہ کی ایک جاہلی رسم اور لغو حرکت خیال کررہے ہیں! اِسکی اذانیں، محفل آرایانِ طرزِ جدید کے لطیف اور ناتحمل دماغوں میں، بے ہنگام اور تکلیف دہ صدائیں بن گئی ہیں! یورپ کا شیوۂ حکومت آج اپنے بیمثال تمکن اور خاموش تبلیغ سے اپنی مخصوص طرزِ تعلیم اور مصالحانہ دخل سے، اپنی باطنی بدنیتی اور ظاہرا احسان سے، اصلاح کے دلفریب بہانوں اور تہذیب کے مشہور عُذروں سے محکوم مسلمانوں میں تفرنج کا رنگ پیدا کرکے، اُنکی محبوب روایات اور مہتم بالشان شعائر کی بیخ وبُنیاد کو کھوکھلا، اور اسلام کی خانہ براندازی کا تماشا نہایت ٹھنڈے دل سے کررہا ہے! اِسکی پُرفن اشاعتی تعلیم محکوم مشرق میں مذہب اور جماعت کو عمداً کالعدم کررہی ہے۔ نئی پود کی اکثر عصبیت، اُن کے امتیازی نشان، اُنکی ملّی خصائص اور اخلاقی بزرگیاں حرف غلط بن بن کر رمٹ رہی ہیں۔ اسلام کی مسخ شدہ تصویر کے بقیۃ الموت سب خط وخال علم جدید کی عاریتی اور خانہ سوز شعاع کے بالمقابل برف بن بن کر گھُل رہے ہیں۔ مغرب کی شان مکر وتمکنت آج مشرق کی ہر خوبی کے متعلق اپنے معنی خیز استخفاف اور عیارانہ سکوت سے ہی سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں پر مصالحانہ احتلال کرکے اُن کو اپنے دین سے، اپنی روایات سے، اپنے اعمال سے، اپنے ابطال اور اعاظم الرجال سے، اپنے خدا سے قطعاً شرما رہی ہے! مرد تو درکنار اسلام کی محفوظ اور محافظ مرد صنفِ لطیف، یورپ کی آغوشِ لطف ومرحبا میں اِس حیاسوز

---

[1] اسمیں شک نہیں کہ یہ نماز ماسوا ان لوگوں کے جنکا سب بیم وامید ہمارے ساتھ وابستہ ہوچکا ہے باقی لوگوں کے نزدیک بیگار ہی بیگار ہے۔

Marfat.com

سرعت سے ہمکنار ہو رہی ہے کہ ہر صاحب نظر کی نگاہیں زمین میں گڑی جا رہی ہیں! ناانجام شناس مسلمان نشر و تبلیغ کے ان مقلب القلوب مرکزوں میں ایک ناقص اور سطحی، نظری اور بیکار کن علم کی پتلی سی تہ چڑھا کر تعلیم کے خوشنما تبر سے اپنی ہی جڑ کاٹ رہا ہے۔ اُدھر علمائے دین کی ماتم انگیز کم علمی، علم و شہادت کے اِس عہد حکومت میں اسلام کی ایک قطعاً ناقابل تسلیم اور مضحکہ خیز تصویر پیش کرنے میں بڑھ بڑھ کر قدم مار رہی ہے۔ الغرض دنیائے اسلام کے اکثر اہم حصّوں میں خدائے زمین و آسمان کے اِس لشکر انگیز اور جہاں کشا دین کا ہر باقی ماندہ اصول مغرب کے ائمۃ المکر کی ہشیار فریب چالبازیوں، اور مشرق کے اجلّۃ الجہل کی ناروا ضد کے باعث عجب ہنسی مخول بن رہا ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ○ (۵: ۵۷-۵۸)

اِن احکام الٰہی میں اُن اعدائے اسلام کے ساتھ جو مناسک دین کا تمسخر اُڑائیں، جو اُن کی تخفیف و توہین کر کے مسلمانوں کو اس سے بیزار کرنے کی سعی کریں، کسی قسم کی دوستی اور موالات نہ رکھنے کو اتقائے الٰہی اور ایمان پر محمول کیا گیا ہے، اور صاف لفظوں میں بیان فرمایا ہے کہ ایسا کرنا ایمان کا جزو لاینفک ہے۔ گویا جو شخص یا جماعت اُن سے موالات اختیار کرتی ہے اسکے ایمان میں خلل ہے، اور اُسکے مومن ہونے کا ادّعا محض باطل ہے (اِن کُنتُم مُّؤمِنِینَ)۔ جو جماعت اِس صورت حال کو دیکھکر بھی ایسی جماعت سے سرکار رکھتی ہے، جو اُس کے ساتھ تجارتی کاروبار یا رفاہ نہ تعامل، مراسم حُب یا تعاون برقرار رکھنا کچھ عیب نہیں سمجھتی وہ لامحالہ شدید العقاب خدا کی دردناک سزاؤں کا کچھ خوف (اتقا) نہیں کرتی، اُسکو اُس اجتماعی ضعف و شکست کا کچھ باک نہیں رہا جسکا ایسی حالت میں اُمت پر خدا کے ہاں سے نازل ہونا قطعی ہے، اور اِسی لیے ایسا گروہ کچھ متقی بلکہ کچھ مومن نہیں۔ جو قوم اَعْلَوْنَ کے نصب العین سے پرے ہٹ رہی ہے، جسکے اعمال اُمت کی اجتماعی قوت کو ضعف پونہچا رہے ہیں، اُس کا ایماندار بنے رہنا از روئے قرآن بہت مشکوک ہے۔ مسلمانوں نے آج 'موالات' کے معانی میں بھی عافیت وہ تاویلیں پیدا کر لی ہیں حالانکہ آیۂ (۵: ۵۷) سے صاف ظاہر ہے کہ اِس ترک دوستی سے غرض دشمن قوم کی مُضر تلقین و تعلیم کے اثرات سے محفوظ رہنا اور ضمناً اُن کو اِس ترک دوستی کے باعث انتہائی مالی اور اقتصادی نقصان پونچا کر اپنی قوت کو محفوظ رکھنا ہی ہے۔ حفظ نفس کا اصل اصول قرآن حکیم کے ہر ورق پر لکھا ہے۔ یہی اسلام کی اصلی تعلیم ہے، یہی ایمان و تقوٰے ہے! اپنی انتہائی حفاظت کرنا اور دشمن کو انتہائی ضرر پونہچانا، اِس دنیا کو خوش اسلوبی سے نباہنے کا وہ صراط مستقیم ہے جو جریدۂ کائنات کے ہر شعبہ بقا پر جلی حروف میں لکھا ہے۔ ادنےٰ مخلوق سے لیکر اعلےٰ مخلوق تک سب اسی پر عمل پیرا ہیں، قانون فطرت کا لُبِّ لباب یہی ہے، یہی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ہے، یہی دین اسلام ہے اور یہی دفاعی حکمت عملی الصّلوٰۃ کے قیام میں مضمر ہے! مگر اس موضوع پر مبسوط بحث کسی آیندہ صحبت میں کیجائے گی۔

Marfat.com

اے ایمان کے دعوے دارو! اُن اہل کتاب اور یہود و نصاریٰ میں سے، جن کو تم سے پہلے کتاب الٰہی دیجا چکی ہے، جن لوگوں نے تمہارے دین اسلام کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، نیز اُن لوگوں کو جو خدا کے سرے سے منکر ہیں، اپنا دوست نہ بناؤ، اور اگر تم سچے ایمان والے ہو تو خوف خدا کر کے اُن سے الگ تھلگ رہو، اور اُن سے میل ملاپ پیدا کر کے خود کشی نہ کرو! اور یہ باتیں وہ قومیں ہیں کہ جب تم لوگوں کو نماز کی طرف بلاتے ہو تو یہ لوگ اُسکو ہنسی اور مخول بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے، اور یہ اس لیئے کہ ان ناسمجھوں اور بے وقوفوں کو نماز کی مہتم بالشان اہمیت کا کچھ اندازہ ہی نہیں، (یا محض تجاہل عارفانہ کر کے تمہارے دلوں میں اسکی اہمیت کو کم کرنا چاہتے ہیں)۔

خود مساجدِ خدا کی معنوی حالت اِس ملحدانہ لاأبالیت سے کہیں ابتر ہے! اُن کے صحنوں میں دردناک خموشیاں، اور حجروں میں ہولناک ویرانیاں ہیں۔ خدا کے نام لیواؤں کی ایک تعداد کثیر بے حسی کے موت آفریں ماحول میں خانہ نشین رہکر، اِس نماز کو، نہیں اِس صراط مستقیم کی متفقہ درخواست کو (!) گھروں کے اندر ہی اندر ٹرخا لیتی ہے، لیکن ربّ زمین و آسمان کیلیئے دس قدم چلنا گوارا نہیں کرتی! سینوں کی کپٹ اور دلوں کی سیاہی کا یہ حال ہے کہ مساجد میں حاضر ہونے کے باوجود، نماز کی جماعتی حیثیت حتماً اور معناً نابود ہو گئی ہے؛ وہ مسجدیں اور الٰہی دربارگاہیں جو کسی زمانے میں مسلمانوں کے سیاسی اجتماع اور دینی مواخات کی پنجوقتہ انجمنیں ہوا کرتی تھیں، جن میں اسلامی بہبودی کے ہر ممکن موضوع پر بے تکلف مباحثے، اور دشمن سے عہدہ برآ ہونیکے بے خوف و خطر منصوبے سوچے جاتے تھے، وہ اعلانِ خدا کے نقارخانے آج باہمی بغض و حسد کے باعث خموشوں کے مقبرے بن گئے ہیں! ہر مسجد دوسری مسجد کے مقابل صف آرا، اور ہر دل دوسرے دل سے جُدا ہے! فرعی اختلافات ہیں، عقائد کی ہولناک تفریق ہے، الفاظ اور لغات پر فرقہ بندیاں ہیں، پیش امام کا جہل محسیط ہے، بیحسی کی بیکاری اور نامرادی کا جمود ہے! پھر پریشانیٔ دل اور فکر معاش میں چند پے در پے سجدے ہیں، برسوں کی بھولی ہوئی باتوں کی یاد دہانیاں وسط نماز میں ہیں، پھر منافقت کے رسمی علیک سلیک، یا دو ایک سطحی مصافحے ہیں، پھر خانۂ خدا سے نکلکر ان سجدوں کی رعونت، اور اس عبادت کا

Marfat.com

غرور ہے! فاحش اور منکر خیالات بیش از پیش ہیں، تمام باقی وقت استیصال حریف، تھڑدلی اور تنگ ظرفی، ایذائے خلق اور مدِّ مقابل سے جھڑپ مول لینے میں صرف ہو رہا ہے گویا فلاح ونجات کا منشور ایزدی خانۂ خدا کی دہلیز پر مل چکا ہے!

زبادہ ہائے صبوحی بدامنِ عصمت
چہ دلغ شرم کہ ننہادہ۔ دریغ از تو!

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ (۱۰۷: ۴-۷)

تو اے لوگو! حیف ہی اُن نمازگذاروں پر جو اپنی نماز کی اصلی غرض وغایت کو فراموش کر چکے ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جو محض دکھلاوے کیلئے نمازیں پڑھتے ہیں اور باہمی مصالحت اور اتحاد، رافت اور رحمت کے سبق کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ انکی باہمی کپٹیں اسقدر بڑھ گئی ہیں، اور دل ایسے تنگ ہو گئے ہیں کہ محبّت تو درکنار، وہ ایک دوسرے کو روزمرّہ کے برتنے کی چھوٹی چھوٹی چیزوں سے مدد کرنا بھی گوارا نہیں کرتے!

---

† آیۂ (۱۰۷: ۴-۵) سے ظاہر ہے کہ نماز کے ارکان ادا کر دینا اور اسکی غرض وغایت یعنی سماحت اور مصالحت بین الناس کو فراموش کر دینا وہ عمل ہے جس کی خدا کے نزدیک کچھ وقعت نہیں، ایسی نماز محض دکھلاوا ہے۔ ورنہ الصّلوٰۃ وہ نیتوں کو نیک، ارادوں کو بلند، اور حوصلوں کو فراخ کر دینے والی شئے ہے کہ اُسکے ذریعے انسان دوسرے انسان کے لیئے ہر ممکن ایثار کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ چہ جائیکہ ایسا تھڑدلا اور کم حوصلہ ہو جائے کہ ادنیٰ سی سماحت (مثلاً ایک دوسرے کو روز کی برتنے والی اشیاء سے مدد دینا) بھی روا نہ رکھے۔ الصّلوٰۃ کی اس مصلح الاعمال استعداد کا ذکر سورۂ المعارج میں بھی ہے:

إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ (۷۰: ۱۹-۲۳)

لوگو! اس میں شک نہیں کہ آدمی بڑا ہی کم حوصلہ اور تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے۔ اگر اسکو کسی طرح کا نقصان پہونچتا ہے تو اے واے کرنے لگتا ہے اور اگر ذرا سا فائدہ پہونچ جاتا ہے تو پرلے درجے کا بخیل اور حسیں بن جاتا ہے البتہ وہ الصّلوٰۃ کو قائم رکھنے والے لوگ جن کا پیش نہاد اپنی فراخ حوصلگی سے دلوں کو موہ لینا ہے اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں اور یہ لوگ ہیں جو دم بھر کے لیئے الصّلوٰۃ کے پیش نہاد کو نظر انداز نہیں کرتے (الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ) الصّلوٰۃ پر دیمومت کرنیکے یہی معنی ہیں کہ ایک لمحے کے لیئے بھی اسکی الٰہی حکمت کو بھولا نہ جائے، ہر دم نماز پڑھتے رہنا نہ ہو سکتا ہے اور نہ مقصود ہی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس زیر بحث آیات (۱۰۷: ۴-۷) میں الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ سے مراد نماز کے مضمون کو بھلا دینا یا اُسکے ادا کرنے میں غفلت کرنا نہیں بلکہ نمازی بنکر نماز کے منتہا کو بھول جانا مراد ہے۔ دونوں جگہ الْمُصَلِّينَ کا ذکر ہے، بے نمازوں سے بحث نہیں اور اسی لیئے آیۂ (۱۰۷: ۶) میں يُرَاءُونَ کہا ہے یعنی نمازیں تو پڑھتے ہیں مگر محض دکھلاوے کی۔ شارحین قرآن نے اِن معنی خیز آیات کا نہایت لغو ترجمہ کر دیا ہے اور اصلیت سے دور جا پڑے ہیں۔

Marfat.com

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ○ (۴: ۱۴۲-۱۴۳)

اسلامی جماعت میں نفاق ڈالنے والے اور فرقہ بند لوگ تو گویا اپنی ظاہر داری سے خدا کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں خدا ہی اُن کی بداعمالیوں کو اُنکی نظروں میں اچھا دکھا کر اُنکو دھوکا دے رہا ہے۔ اُنکی نشانی یہ ہے کہ جب نماز کے لیئے کھڑے ہوتے ہیں تو بیدلی سے اور اَلکسائے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں محض دکھلاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں، ورنہ خدا کا احساس اُن کے دلمیں فی الحقیقت بہت ہی کم ہے۔ انہیں خدا کا یقین تو ہے نہیں، کفر اور ایمان کے بیچ بیچ کہ مذبذب سے رہتے ہیں۔ نہ پورے اِدہر کے نہ اُدہر کے۔ سو جن کو خدا گمراہ کردے اُنہیں کوئی مستقل طریق عمل کبھی نہیں ملتا۔

جب اسلام کے اِس بہترین شعار، اور اِس قیام جماعت کے اِس بہترین چارۂ کار کے متعلق مسلمانوں کی کارفرمائی کے یہ عنوان ہوں، افراد میں یہ تفریق و انتشار، اور اتحاد میں یہ سطحیت اور نمایش ہو، یہ بے توجہی اور خدائے ذوالجلال کی جناب میں یہ جو قتہ یہ صریح گستاخی ہو، بندگانِ خدا میں کفر و الحاد کی یہ طرحداری اور خودداری کی یہ وضع بن گئی ہو، اللہ کے آگے ماتھا رگڑنا یہ باعث ننگ و عار، اور بے روح سجدوں میں کبر و اَدعا کی یہ شان ہو، جب نصب العین مفقود، اور مدعائے سوال کالعدم ہو، نہیں، جب سائل کو

✤ یہاں پھر الصلوٰۃ کا پیش نہاد وہی اتحاد اور اصلاح بین الناس ظاہر کیا ہے۔ نفاق پیدا کرنے والے لوگوں کی بابت کہا ہے کہ نماز میں اکسائے ہوئے شامل ہوتے ہیں اسلیئے کہ الصلوٰۃ کا مطمح نظر اتحاد ہے اور یہ لوگ تفریق پیدا کرنیکے درپے ہیں، بدیں وجہ نماز اُن کو کچھ بھلی نہیں لگتی۔ اُن کی نمازیں بھی اِسی لیئے محض دکھلاوے کی ہیں۔ یعنی غرض لوگوں کو دھوکا دینا ہے۔ یُرَآءُوْنَ کا لفظ یہاں پر آیا ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہاں بھی دکھلاوے کی نماز پڑھنا مراد ہے جیسا کہ پیشتر کی آیت (۴: ۱۰۶) میں دعوے کیا تھا۔ عبرت کا مقام ہے کہ آج عالم اسلام میں کتنے لوگ ہیں جو نماز میں اکسائے ہوئے شامل ہوتے ہیں، اور اندھے قرآن وہ کس گروہ میں شامل ہیں جس کی بابت اِسی آیت سے خدا آگے آیا ہے: إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۴: ۱۴۵) یعنی جماعت میں نفاق پیدا کرنے والے لوگ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ فاعتبروا۔

ضمناً یہاں اِس بات کا فیصلہ بھی ہو گیا کہ منافقوں کی سی نماز پڑھنا ذکر خدا قطعاً نہیں ہے (وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا) نہیں بلکہ ذکر سے مراد تسبیحیں چلانا بھی نہیں بلکہ وہی خدا کا کھٹکا دل میں لگائے رکھنا ذکر حد ہے۔

Marfat.com

سوال کی خبر اور منعم سے سوال کا خ بھی نہو، جب اعمال قطعًا نابود، انعام کا حس زائل، اور سعی سے اِسقدر گریز ہو تو پھر خدا سے کیا شکایت ہی کہ بیحس ہے اور صدیوں کی خواب آفریں مُہلت، اور شوکت اِحتشام کے بعد یہ ناگہاں عذاب کیا ہے!

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (۶: ۴۴-۴۵)

پھر جب یہ اُمت رفتہ رفتہ اُس تمام دستور العمل کو بھول گئی جو ہم نے اُنکو کبھی اچھی طرح یاد دلایا تھا۔ تو ہم نے بھی اُنکو اور مغالطے میں ڈالنے کی غرض سے اُنپر تمام دنیاوی نعمتوں کے دروازے چوپٹ کھولدیئے، یہانتک کہ جب وہ اُن نعمتوں کے نشے میں اچھی طرح مست ہوگئے اور یقین کرنے لگے کہ یہی طریق عمل فرمودۂ خدا ہے، اور ہم ہی اِس دنیا کے اندر خدا کے چاہیتے ہیں، تو ہم نے یک لخت اُنکو آدبوچا۔ اور عذاب کا آنا تھا کہ اب وہ بے آس ہیں اور ہمارے حضور میں کراہ رہے ہیں۔ پھر کیا تھا اُس ظالم قوم کی جڑ کاٹ کر رکھدی گئی اور اس پروردگار عالم کا شکر ہے کہ اِن نااہل لوگوں کا قصہ پاک ہوگیا!

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ○ (۴۰: ۶۰)

لوگو! پروردگار فرماتا ہے کہ ہمیں پکارا کرو۔ اگر ضرب دل سے ہمیں پکاروگے تو ہم تمہاری درخواستیں بھی قبول کرلیا کرینگے لیکن جن لوگوں نے اپنے آپ کو بڑا سمجھکر اور غرور کے مارے ہم سے سرتابی کی اُنکو ہم عنقریب ذلیل و خوار کرکے جہنم واصل کردینگے۔

لیکن الصّلوٰۃ کی ماہیت کے متعلق جو عبرت انگیز تنبیہی حکم رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو منافقین دین کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کرنے، اور مساجد کو تفریق سے باز رکھنے کی غرض سے نازل ہوا تھا بجائے خود نماز کے فلسفے کی بہترین تشریح تھا۔ مدینے سے چار میل باہر قصبۂ قبا میں بنی عمرو بن عوف کے محلے میں ایک

---

* ظالم کے صحیح مفہوم کے متعلق ایک مبسوط حاشیہ آگے چلکر صفحہ ۲۵۵ پر آرہا ہی۔ یہاں صرف اسقدر کہنا ہی کہ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ ظالم قوم کی ہلاکت قطعی ہے جیساکہ مثلاً صفحہ ۸۱۔ اور ۱۲۱ پر آچکا ہے۔

Marfat.com

سجد تھی جسکے محل وقوع پر پیغمبرِ اسلام نے مکے سے ہجرت کے چند روز بعد تک نماز پڑھی تھی اور بعد ازاں یہ مقام تعظیماً مسجد میں تبدیل کر دیا تھا۔ محلہ والوں کی ایک شریر مسلمان نما جماعت نے اسلام میں نفاق ڈالنے کی غرض سے ایک اور جماعت اس مسجد قبا کے بالمقابل اس عذر پر کھڑی کی کہ بیماروں اور معذوروں کو آسانی ہو، مگر نمازِ اول کی امامت بطور افتتاح خود صاحبِ شریعت سے کرانی چاہی کہ ضد میں کسر باقی نہ رہے۔ اللہ کے اُس نکوکار و نکوسگال رسولؐ نے وعدہ کیا کہ جنگ تبوک سے واپسی پر اسی مسجد میں نماز پڑھ کر شہر میں داخل ہونگے، مگر وہ دانائے اسرارِ قلوب اور محافظِ اسلام خدا جسنے نماز کی بنیاد میں مومنوں کے تالیفِ قلوب اور حقیقی اتحاد کی اہم حکمت عملی رکھی تھی، جسنے نماز کو استحکامِ جماعت اور عالم آرا اخوت کا بہترین پیش خیمہ قرار دیا تھا، اِس غیر مجاز وعدے پر برہم ہوگیا، اور ارشاد ہوا کہ جس مسجد کی وجہ بنا پراگندگیٔ امت اور تفریقِ جماعت ہو، جو مسجد تقوے کے حقیقی منتہا اور عبودیت کے صحیح مطمحِ نظر کے مخالف ہو، اور اسلامی جماعت کو اشتتات و انتشار کے جہنمی گڑھے کی طرف لیجاوے اسمیں تیرا ایک لمحے کے لیئے بھی کھڑا ہونا مہلک ہے!

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ
حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ
لَكٰذِبُوْنَ ○ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ
تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○ اَفَمَنْ
اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي
شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○
لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○ (۹: ۱۰۷-۱۱۰)

✤ ان آیاتِ الٰہی سے ظاہر ہے کہ جماعت کے اندر نفاق پیدا کرنے والے اور فرقہ بند لوگ قرآن حکیم کی مطلق اصطلاح میں ظالم ہیں، اور اسلیئے آیات (۹: ۱۲۸ و ۵۹ و ۱۶، ۴۷) صفحہ ۱۸ یا آیت (۱۶: ۴۵) صفحہ ۲۸۴ کے رو سے اُنکی اجتماعی ہلاکت قطعی ہے۔ ایسے لوگوں کو ظالم اِس لیئے کہا ہے کہ وہ

اے محمدؐ! تمہاری اُمت کے جن منافق مسلمانوں نے آج اِس غرض سے ایک مسجد بنا کھڑی کی ہے کہ اسلام کو نقصان پونہچائیں، خدا و رسول کے منکر بنیں، مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کردیں، اور ان دشمنان اسلام کو پناہ دیں جو اِس سے پہلے خدا و رسول سے لڑ چکے ہیں، اور اگر ان سے پوچھا جائے تو قسمیں کھانے لگیں گے کہ ہم نے تو نیکی کے سوا اور کوئی ارادہ ہی نہیں کیا تھا؛ تو آج

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۵) تمام جماعت پر، اور پھر اسکی وساطت سے اپنے آپ پر 'ظلم' کرتے ہیں اور نااتفاقی کے باعث سب کو شکست و ریخت کی طرف گھسیٹتے ہیں۔ لائق غور بات یہ ہے کہ یہاں 'ظالمین' کا اطلاق اُس جماعت پر ہوا ہے جو اپنے آپ کو رسماً مسلمان کہتی تھی گویا از روئے قرآن خود اسلام کے اندر فرقہ بندیاں پیدا کرنا بھی حتماً ممنوع ہے اور بالفاظ دیگر رسمی مسلمانوں کو نار جہنم کا مستوجب بنا دیتا ہے۔ جو عافیت پسند مسلمان 'کلمہ گو' مسلمانوں کو انتہائی بداعمالی کے باوجود نار جہنم سے مستثنیٰ قرار دے کر آج مکر کی نیندیں لے رہے ہیں انکے لیئے یہ آیات اور بالخصوص یہ 'نَارِ جَهَنَّمَ' کے الفاظ (۷: ۱۰۹) از بس قابل غور ہیں۔ یہ دوسری دفعہ ہے کہ خدائے عظیم نے انسانی تفرقے کو نار سے تشبیہ دی ہے، پہلا موقع كُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (۳: ۱۰۲) کے الفاظ میں صفحہ ۱۴۴ پر گذر چکا ہے گویا تفرقہ ڈالنا یا متفرق ہوجانا جہنم کے گڑھے پر کھڑے ہونے کے مترادف ہے!

'ظلم' کی جامع و مانع اصطلاح کے الٰہی مفہوم کے بارے میں ابتدائی بحثیں مختلف مواقع پر آچکی ہیں۔ جن کے مطالعے سے ظاہر ہے کہ از روئے قرآن میدان جنگ میں جم کر نہ لڑنا اور نامردی ظاہر کرنا 'ظلم' ہے (آیہ (۳: ۱۳۹) و تحت المتن صفحہ ۱۲۰ الخ) سچے ایمان والے اور بزدل بننا ظلم ہے (آیہ (۱۴: ۲۷) و تحت المتن صفحہ ۱۴۳)، امیر جماعت کی نافرمانی کرکے جماعت کو شکست و ریخت کی طرف گھسیٹنا 'ظلم' ہے۔ (آیہ (۸: ۲۵) صفحہ ۱۷۱، تحت المتن صفحہ ۱۷۲ و آیت (۱۴: ۶۴) تحت المتن صفحہ ۲۴۴)، جماعت کے اندر تفریق و انتشار پیدا کرنا 'ظلم' ہے (آیت زیر بحث یعنی (۹: ۱۰۹)) جو قوم اِن اجتماعی جرائم کی مرتکب ہے اُسکی ہلاکت کا ایک نہ ایک دن واقع ہونا قطعی ہے۔ اور اسی بنا پر هَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الظَّالِمُونَ (۶: ۴۷) کا محکم قرآن میں بالالتزام موجود ہے۔ 'ظلم' کے الٰہی مقصود کی باقی شقیں بھی اپنے اپنے موقع پر آتی رہیں گی۔ لیکن اتقا بمعنی اتحاد کے بالمقابل ظلم بمعنی تفرقہ انگیزی اس استقلال کے ساتھ قرآن حکیم میں مستعمل ہوا ہے کہ اسکی کئی مثالیں آگے چلکر اس کتاب میں پیش ہونگی۔ یہاں پر گذشتہ حوالہ جات کو اسلیئے یکجا کردیا ہے کہ آگے چلکر صفحہ ۲۵۹ پر ایک اہم آیت (۲: ۱۲۴) امامت کے منصب کے متعلق آرہی ہے اور اُسمیں الظَّالِمِينَ کا لفظ واقع ہوا ہے۔ چنانچہ اس تصریح سے وہاں کے مطالب صاف ہوجاتے ہیں۔

آج عالم اسلام کے قریب قریب ہر قریے اور قصبے میں محلوں اور کوچوں کی اکثر مسجدیں صحیح معنوں میں مساجد ضرار ہیں۔ وہ سب کی سب دین اسلام کے اندر ہولناک تفرقے ڈال رہی ہیں۔ اُمت کی اجتماعی قوتوں کو منتشر کررہی ہیں۔ ہر پیش امام اپنی اپنی 'دکان سجائے سر بازار بیٹھا ہے' حتی الامکان اپنے حلقۂ اثر کے مٹھی بھر افراد کو جمہور سے الگ رکھنے کی سعی کرنیمیں منہمک ہے، جا و بیجا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدا مسجد کو سراہتا ہے۔ اور اپنے ٹکڑوں اور ریزگی کو محفوظ رکھنے کی غرض سے شہر کے کسی بڑے سے بڑے پیش امام کا مقتدی اور مطیع بننا گوارا نہیں کرتا۔ رہنمایانِ امت اور پیش اماموں میں یہ اطاعت کا فقدان اور یہ عصیان امیر فی الحقیقت وہ ظلم عظیم ہے جسکا سم آلود اثر مقتدیوں کی رگ رگ میں بھی اثر کرچکا ہے۔ آج مسلمانوں کے ہر محلے میں اُمرا اور غربا کی الگ مسجدیں ہیں، ذاتوں اور پیشوں پر مسجدیں ہیں، اماموں اور پیروں پر مسجدیں ہیں، حدیث اور قرآن پر مسجدیں ہیں، آئین اور غیر آئین پر مسجدیں ہیں۔ الغرض ہر طرف ضرار ہے، تفریق بین المسلمین ہے، کفر ہے، خدا سے محاربے ہیں، رسولؐ سے لڑائی ہے، (اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ) دشمن خدا کی حمایت ہے ہاں لیکن جس اُمت کے دشمن خدا اور رسول بن چکے ہوں اسکی موت کا پیغام جلد سے جلد نہ آنے کو ہو تو کیونکر ہو!

میرے نزدیک اگر آج اِن مساجد ضرار کا کوئی علاج ہے، اگر ان ہائے آستین کے مہلک اور سم آلود اثر کا کوئی حکمی تریاق ہے، اگر امت کی اس دردناک پراگندگی اور ریزش کو اتحاد میں پھر بدلنے کی فی الحقیقت کوئی سبیل باقی رہ گئی ہے، نہیں اگر اُس شدید العقاب خدا کے زمین پر اندازِ ملائک کے زمین خدا پر

Marfat.com

اس بات کا خدا گواہ ہے کہ یہ جھوٹے ہیں! تم اس مسجد میں ہرگز کبھی نماز نہ پڑھنا! بلکہ کھڑے بھی نہ ہونا۔ وہی مسجد جسکی بنیاد روزِ اول سے ہی ائتلافِ اُمت اور خوفِ خدا (تقوٰے) کو پیشِ نظر رکھکر ڈالی گئی تھی اسکی اہل ہے کہ تم اُسمیں اقامت کیا کرو۔ اسی مسجد میں ایسے لوگ موجود ہیں جو طہارتِ نفس کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ تو حقیقت میں دل صاف رکھنے والے لوگوں کو پیار کرتا ہے۔ بھلا جس شخص نے اپنے تمام اعمال کی بنیاد خوف احکم الحاکمین اور خوشنودی خدا پر رکھی وہ اچھا ہے یا وہ کم بخت جس نے اپنی عمارت کی بنیاد تفریق و انتشار کے ایک کھوکھلے گڑھے کے کنارے پر رکھدی، اور جو بعد میں اُسکو جہنم کی آگ میں لے گری۔ اور اللہ تو تفریق پیدا کرنے والی ظالم قوم کو کسی مستقل طریقِ عمل کیطرف ہرگز راہنمائی نہیں کرتا۔ یہ مسجد جو اِن لوگوں نے تفرقہ آرائی کی غرض سے تیار کی تھی اب منوں کی بجائے خود اِنہی کے دلوں میں چور پیدا کردیگی۔ یہاں تک کہ اِن سب کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے۔ اور ایک ایک کا دشمن بنجائے گا، اور اللہ تو بڑا واقف حال اور صاحب حکمت ہے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۶) اُترنے سے روکنے کا کوئی مؤثر ذریعہ رہ گیا ہے تو وہی جو خود فخرِ رسل اور سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی حین حیات میں تجویز کیا تھا اور وہ یہ کہ ایسی سب مساجد کو بالاتفاق آتشین اصطباغ دے کر امت کو نفاق کی شیطانی آلایش سے ایک دفعہ پھر پاک صاف کردیا جائے، اور فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا (۹:۱۰۸) کا مصداق بن کر از سرِ نو وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ (۹:۱۰۸) کا انعام حاصل کیا جائے۔ اگر نہیں تو اُمت کے منافقوں کو نَارِ جَهَنَّمَ کا اصطباغ تو آگے چلکر ملنا ہی ہے۔

لیکن بڑی بات جو متذکرہ صدر آیات ضرار (۹:۱۰۷-۱۱۰) اور بالخصوص آیہ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ (۹:۱۰۸) سے مستنبط ہوتی ہے یہ ہے کہ ازروئے اسلام خدائے عظیم کے نزدیک سچی طہارت دلوں کے تفریق و نفاق سے پاک صاف ہونیکی طہارت ہی ہے، اور یہی اُسکے ہاں محبوب بھی ہے۔ بدنی صفائی کا ذکر اِن آیات میں حتماً نہیں آیا۔ تمام بحث صرف تَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ کے متعلق ہورہی ہے۔ اسلئے طہارت کا انہی مفہوم صاف ہے۔ جن لوگوں نے وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ سے صرف طہارت بدن مقصود سمجھکر اپنی زندگیاں استنجاؤں کے درست کرنے اور ڈھیلوں کو نہایت خوش اسلوبی سے آر پار کرنے میں وقف کردی ہیں، اور ائتلافِ قلوب اور اتحاد کی اہم حکمت کو غیر ضروری سمجھ لیا ہے۔ اُن کو یہ آیات بہ امعانِ نظر دیکھنی چاہئیں! اسمیں شک نہیں کہ بدنی صفائی اور بالخصوص طہارت ایک نہایت ضروری اور نفعمند شے ہے۔ جسمانی صحت کا اکثر انحصار اسی پاکیزگی پر ہے، اور جن قوموں نے اس کی طرف کما حقہٗ توجہ نہیں کی وہ آج اسکے بُرے نتائج نہایت التزام سے بھگت رہی ہیں، بلکہ بدن صاف رکھنے والی قوموں کی عام جسمانی بہتری کو دیکھکر اُنپر رشک کھا رہی ہیں۔ لیکن باایں ہمہ اِن فوائد کو نفس اسلام سمجھکر سارا زور اُنکی رسمی تکمیل پر صرف کردینا اور اہم امر کے متعلق خالی الذہن ہوکر اصل دین سے غافل ہوجانا بھی وہ غلو فی الدین ہے جسکا نتیجہ آج مسلمانوں کے حق میں بُرا ثابت ہورہا ہے۔ قرآن حکیم نے دن میں پانچ وقت وضو کرنے کی حکمت کو اتمامِ نعمت[۵] کہا ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۱۷-آیہ (۵:۶))۔ اور ظاہر ہے کہ پاکیزگیٔ بدن کی توفیق بھی ایک خداداد انعام ہے جو ہر قوم کو حاصل نہیں۔ قرآن کی تمام تعلیم کا نفاذ بہر نوع اور بہر حال قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ (۷:۲۹) صفحہ ۲۰۱) اور كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ (۴:۱۳۵) صفحہ ۲۰۲) کی عام حکمت کے ماتحت رہکر ہی۔ اسکے کسی امر و نہی میں قسط و اعتدال کو ہاتھ سے چھوڑ دینا، یا اُسکی تکمیل میں حد سے متجاوز ہونا بھی فی الحقیقت اُس تعلیم کے منشا کی تغلیط کرنا ہی۔ آج جہاں اقوام مغرب اور ایشیائی نامسلموں کو بعض مخفی اور ہولناک بیماریاں طہارت بدن کے نہ ہونیکے باعث لاحق ہورہی ہیں، ایک دانتوں میں لازماً مسواک نہ کرنے اور کھانیکے بعد کلی نہ کرنے ہی کا جرمانہ محکمۂ فطرت سے یوں وصول کرلیا ہے کہ

---

[۵] اتمامِ نعمت اسوجہ کہ جہاں اسنے اپنے عظیم الشان انعام دینے کا تکملہ نہایت عزیز الفہم لفظوں (مثلاً وراثت زمین) کا جس کو زیادہ سے زیادہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے بطور تکمیل نعمت کے دیا ہے اسی طرح یہ بھی ایک چھوٹی سی تعلیم بمنی نعمت ہے جو ہر شخص کو بہت جلد سمجھ آسکتی ہے

جب تبوک سے واپس پہرے تو سرورِ کائنات ؐ نے مالک ؓ اور معن ؓ بن عدی کو حکم دیا کہ جاکر اس مسجد میں آگ لگا دیں!

امامت جس کا جلیل القدر اور عالم انگیز منصب کسی زمانے میں **نبوّت** کا شائبہ خاص الخاص ہوا کرتا تھا، جسکو اس زمین پر خوش اسلوبی سے نباہنے کیلئے **آسمان** سے تقرری ہوتی تھی! جسکا منتہائے رسید خلق خدا کو اس دنیا میں اسلام کے بال سے باریک اور تلوار سے سوا تیز صراطِ مستقیم پر بحفظِ تمام چلائے رکھنا تھا، جسکے حاصل کرنے کی شرطِ فریدِ امتحانِ خدا میں کامیابی تھی! جس مسندِ اعلیٰ پر ابراہیم ایاصاحب الایدی† والابصار (۳۸:۴۵) نبی مدۃ العمر سعی و عمل اور روح فرسا بصیرت کے بعد متمکن ہوا تھا، جس مقام منیع کو ذرّیۃً اور بے زور عمل پالینا ربّ امتحان طلب کو اپنے دوست کی اولاد کے لیے گوارا نہ تھا!

یعنی ابراہیم خلیل اللہ ۱۲

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ‡ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ **اِمَامًا** ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ (۲:۱۲۴)۔

اور اے ساکنان زمین! کیا تم کو وہ لشکر انگیز زمانہ یاد ہے جب خلاق زمین و آسمان اور صنّاع کون و مکان تعالیٰ نے بعض مہماتِ امور میں ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا، اور اس آزمایش کو پیش نظر رکھکر انکو سخت ابتلا میں ڈالا، لیکن اس جلیل القدر نبیؑ کے عزم صمیم نے ان سب امور کو بوجہ احسن پورا کر دکھایا۔ تو رب ذوالجلال نے خوش ہوکر اپنی جناب سے حکم دیا کہ اے ابراہیم! میرے ہاں تمہارے سعی و عمل کو دیکھکر فیصلہ ہو چکا ہے کہ میں تم کو ساکنان زمین کا امام اور پیشوا بناؤں، (تم کو یہ منصب مبارک ہو اور تم اس پر ایک مدّت مدید تک فائز رہو) ابراہیمؑ نے فرط انبساط کے اضطراب میں عرض کیا کہ اے حضور! یہ منصب بدستور میری اولاد میں بھی جاری رہیگا؟ خدائے امتحان طلب نے فرمایا کہ ہمارے اس اقرار میں وہ حتماً داخل ہونگے جو ہماری اصطلاح میں ظالم ٹھہریں گے۔

(تتمہ تحت المتن صفحہ ۲۵۷) تمام مغرب کے دانت ہمیشہ کیلئے بگڑ گئے ہیں، وہاں مسلمانوں کے احکام طہارت میں توغّل کا اکثر یہ نتیجہ ہوا ہے کہ ہر شخص فقہ کے چند مسئلے مسائل پر عمل کرکے اپنے آپکو پکا مسلمان سمجھ لیتا ہے اور اصل دین سے قطعاً غافل ہو گیا ہے۔ امام مسجد کے نزدیک آج مسلمانی یہی وضو کو نہایت صحت سے کر لینا، پانی کو بالوں کی جڑوں تک پونہچانا، ضروری بالوں کو دور کرنا، اور استنجاؤں کی نہایت بداہت و بیحیائی سے تکمیل کرنیکا نام رہگیا ہے، اسلام کی روح انکی تعلیم سے اصلاً نکل چکی ہے۔

---

† سورہ صٓ کی آیہ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ (۳۸:۴۵) کیطرف اشارہ ہے۔ یعنی اے محمدؐ! ہمارے بندوں ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کو ذکر اذکار کیا کرو کہ یہ لوگ فی الحقیقت بڑے صاحب دست و قدرت (اُولِی الْاَیْدِی) بڑے باخبر اور صاحب علم و فضل بندے (وَالْاَبْصَارِ) تھے، گویا انکے بمثال علم و عمل کی وجہ سے انکو یہ لقب دیا۔

‡ جس حیرت انگیز ملقّنِ نادانی اور طاغوتی تجاہل سے شارحین قرآن نے آسمانی وحی کے ان الفاظ کا مفہوم بیان کیا ہے، جو حیا سوز اور شرم پاش شہ طیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منصب امامت پر مقرّر ہونے کی بیان کی ہیں، جس درد انگیز بے رحمی سے انہوں نے فاطر زمین و آسمان کی نسل انسانی کی طرف

Marfat.com

ہاں جس عہد جلیل پر صدیوں کے عزل و التوا کے بعد عرب کا اولوالعزم نبی اور آل ابراہیم کا بہترین رکن فائز المرام ہوکر ختم رسالت کی مُہر ابدالآباد تک ثبت کر گیا، جس اوج مرتبت اور معراج اتم کا اہل نبوت کے بعد فاروق اعظمؓ جیسا عدیم المثال شخص قرار پایا تھا، جو مقام بلند کسی زمانے میں مجاہدین اسلام اور سپاہیانِ خدا کے لیے مختص ہو چکا تھا، آہ! اُس امانت عظمیٰ اور اُس موہبت کبریٰ کو آج اُمّت کے گدیہ گر سنبھال رہے ہیں! اجل زدہ قوم کا سب سے ناکارہ، سب سے بزدل، کم حیثیت اور کم علم، فرقہ بند اور محتاج تر ظالم اِس عہدے پر فائز القنوط ہے۔ عجز و سکنت کا ماحول پیدا کر رہا ہے، جہل و جمود کا اشتہار دے رہا ہے، تفریق و انتشار کو ثواب سمجھ رہا ہے، شدید العقاب خدا کی سزا کو جزا کہہ رہا ہے، عذاب کو انعام بتا رہا ہے، اور کذب و غلط کی بیجا منادی کر کے اُمّت کو ہلاکت کے قعرِ عمیق کی طرف گھسیٹ رہا ہے! اُمّت مرحومہ کا فقدان فہم و عقل اِس غلط انتخاب کے بارے میں آج اِس اوج کمال تک پہونچ چکا ہے کہ جہاں کسی ادنیٰ سی ادنیٰ دنیاوی حکومت سے تعبّد کا اظہار حاکمِ وقت کے بڑے منظور نظر اُس کے بڑے سے بڑے کارندے، اُس کے بااثر کارکن، اُسکے مشہور ترجمان باز اور سرفروش کی سیادت میں کرتے ہیں،

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۸) اِس آخری مکتوب، اِس ذِکرٌ لِّلعٰلمین کی مٹی پلید کی ہے، اسکو دیکھکر اگر آسمان و زمین کپکپا اُٹھیں تو کچھ عجب نہیں، رسولِ خدا کی اِس نام لیوا اُمت پر آسمان ٹوٹ پڑے تو کچھ دور نہیں! شارحین کا ایک بڑا گروہ ابتلیٰ ابرٰھیم ربّہٗ بکلمٰتٍ کی تشریح میں اپنی حیاسوز جہالت اور ملائی تکبّر کے باعث اِس طرف گیا ہے کہ حضرت اپنے بدن کو خاص احتیاط سے پاک و صاف رکھا کرتے تھے، زیر ناف کے بال نہایت صفائی سے دور کرتے تھے، وضو کے سب ارکان خوش اسلوبی سے ادا کرتے تھے، داڑھی کو شریعت ابراہیمی کے مطابق کتراتے تھے، مونچھوں کو بڑھا کر نہ رکھتے تھے، ناخن ترشواتے تھے، ختنہ اُنہوں نے کرا رکھا تھا، پانی سے استنجا کرنا اُن کا شیوہ خاص تھا، اِن امور مہمہ کے علاوہ حضرت کو توحید کے کلمے اور عقائد ابراہیمی خوب نوک زبان تھے، وغیرہ وغیرہ۔ ابراہیم علیہ السلام نے "ان احکام کی تعمیل ایسی عمدگی سے کی"، بدن کو زائد بالوں سے اِس خوش اسلوبی اور حکمت سے صاف رکھا، داڑھی ایسی خوب صورت اور منشرع بڑھائی، اسکی پرورش اور اُنکی سجیکنی میں اسطرح دن رات مشغول رہے کہ "خدا نے رضامند ہو کر اُن کو لوگوں کا امام بنا دیا"!! اِس منصب اعلیٰ کو خوش بخوش منظور کرتے ہوئے حضرت نے "بتقاضائے جبلت چاہا کہ ان کی نسل بھی اِس انعام سے محروم نہ رہے"۔ خدا نے اِس عنایت کو بھی منظور فرمایا لیکن صرف ظالموں کو مستثنیٰ کر دیا"! چنانچہ اُسوقت سے آجتک 'امامت' کی یہ شرطیں برابر چلی آرہی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کی ذرّیت ہر مسجد کے حجروں میں موجود ہے۔ اگر مالک زمین و آسمان کے اوصاف میں حلم و درگذر کا ناپیدا کنار عنصر شامل نہ ہوتا تو صرف اِس آیت الٰہی کی تشریح جو چاہتا ہے اُسکی شان میں بے خوف و خطر بک دیتا ہے۔ یہاں پر ابتلیٰ آ کے لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا آسمانی امتحان کوئی بڑی سے بڑی اور کڑی سے کڑی آزمایش ہوگی، کوئی صبر آزما اور تاب گسل تکلیف ہوگی، وہ آزمایش بھی لامحالہ اِس قطع کی ہوگی کہ اُسمیں پورا اُترنا (فَاَتَمَّھُنَّ) انکو خلق خدا کی پیشوائی اور رہبری کا اہل بنانا ہوگا، پس جب وہ ایک طول طویل اور بیرہ گداز سعی و عمل کے بعد قوم کو شرک کے ظلم عظیم سے نجات دلا چکے، جب قوم غفلت اور ناانجام شناسیوں کی

(ایک تفسیر کے الفاظ ہیں ۱۲)

(ایک تفسیر کے الفاظ ہیں ۱۲)

Marfat.com

اُسی کو سرخیل اور رئیس وفد بناکر اپنی معروضات پیش کرتے ہیں، اُسیکو پیش پیش رکھکر اپنی لرزش انگیز اور دل آسا نیازمندیوں کا اظہار کرتے ہیں، وہاں حاکمِ زمین و آسمان کی اس زبانی اور سطحی، دودلی اور مشرکانہ عبادت کو ٹرخانے کی غرض سے اپنی نگاہوں میں سب سے کم مایہ اور بینوا، محتاج اور ذلیل شخص کو اکرمہ اور اتقی فرض کرکے اُسکی نیچو قتہ پیشی اور عرض گذاری کے لیے منتخب کر رہے ہیں! ہاں لیکن جس قوم کا نصب العین جہانبانی اور خداوندی، قوت اور عزت سے ہٹ کر گداگری اور غلامی، محکومیت اور خوشامد، تعبد ماسوا اور تعلق غیر کی طرف منتقل ہوگیا ہو۔ اُس کے مرشد و رہبر بالآخر یہی بھک منگے نہ بن جائیں تو اور کیا ہو!

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝ (۷:۱۶۲)

تو لوگو! اِس اُمت میں سے ناحقیقت شناس اور اپنے اوپر ظلم کرنیوالے گروہ نے خوشحالی اور امن کے اس سرِ عظیم کو جو اُنکو سکھا دیا گیا تھا بدلکر کچھ اور ہی رویہ اختیار کر لیا، اور اُس تعلیم کو یکسر فراموش کر دیا تو ہم نے بھی اُنکے اِس ظلمِ عظیم کی پاداش میں آسمان سے بلا اُتاری اور اُنکی سب عظمت خاک میں ملا دی۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۵۹) ظلمتوں سے نکلکر علم و عمل کے نور کیطرف آنکلی اور اُنکے رہنمانے بھی قوم کی ایذا رسانیوں کو صبر و تحمل سے برداشت کیا، دشمن سے پیہم جہاد بالسیف کیئے، جان کھپ کھپکر حلق تک پونہچی مگر سعی و عمل کو نہ چھوڑا تو خدا نے بھی انکو اپنی قوم کی **پیشوائی** اور **امامت** کا منصب عطا فرمایا، **بادشاہت زمین** دی، **نبوت** سے سرفراز کیا۔ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ (۳۸:۴۵) صفحہ ۲۵۰ کے الفاظ سے یاد فرمایا وغیرہ۔ ابراہیم علیہ السلام نے امامت کی اس موہبت عظمیٰ کو پاکر طبعًا یہ چاہا کہ پیشوائی خلق کا یہ منصب اعلیٰ اُنکی اولاد میں بھی برقرار رہے لیکن خدا نے **ظالم** قوم کو اس منصب سے ہمیشہ کیلئے محروم کر دیا۔ ظلم کی بعض اہم شقوں کی تشریح کافی طور پر صفحہ ۲۵۵ و ۲۵۶ کے تحت المتن میں گذر چکی ہے جس سے ظاہر ہے کہ خدائے عزوجل نے فرمایا کہ اے ابراہیمؑ! تم بلاشبہ اس منصب کے اہل ثابت ہوئے ہو لیکن میدان جنگ میں جم کر نہ لڑنے والے اور نامردی ظاہر کرنیوالے ظالم، کچے ایمان والے اور بزدل بنے رہنے والے ظالم، امیر جماعت کی نافرمانی کرکے جماعت کو شکست و ریخت کی طرف گھسیٹنے والے ظالم، جماعت کے اندر تفریق پیدا کرنے والے ظالم وغیرہ وغیرہ۔ اس عہد خداوندی اور امامت کو ہرگز نہ پا سکینگے۔ بادشاہت کا منصب مجھ سے وہی قوم لیتی ہے جسمیں یہ خاصیتیں نہ ہوں اور **ظلم کار قوم کی ہلاکت تو ایک طے شدہ امر ہے**! (دیکھو صفحہ ۲۵۶ تحت المتن)۔

صدر اسلام میں مسجدوں کے اندر امامت کا منصب بھی اسی ابراہیمی امامت کی تجدید کا ایک مظہر تھا، قرن اول کے مسلمانوں کی خدائی فوج دن میں پانچوقت کسی جلیل القدر مجاہد کی پیشوائی اور امامت میں سپہ سالار اعظم کے روبرو پیش ہوتی، اُسکے آستانۂ علیہ پر حاضر ہوکر اطاعت کے ولولے میں جھک جھک پڑتی، بہترے بہتر شخص اس ریاست کیلئے منتخب ہوتا، مسجد نبوی کے اندر رسول خدا صلعم اپنی حین حیات میں اس منصب کے فرائض خود ادا کرتے رہے، باقی مسجدوں کی امامت کیلئے اکثر وہی صحابہ کرام رہے جنکا علم و عمل بیمثال ہوتا تھا، وفات سے کچھ مدت پہلے رسولِ خدا صلعم کا حضرت ابوبکرؓ کو امامت نماز کیلئے مقرر کرنا بھی عوام کی نظر میں اُنکے بعد اُنکے جانشین بننے کا ایما سمجھا گیا تھا۔ الغرض ان قرنوں میں بادشاہت، خلافت اور امامت ایک شئے تھی، خلیفۂ وقت خود امام اعظم ہوتا تھا، اُسکے مقرر کیئے ہوئے امام صحیح معنوں میں **اولوالامر** تھے، نہیں بلکہ جو شخص اولوالامر مقرر ہوتا تھا اُسپر امامت کا فرض بھی ادا کرنا ضروری تھا۔ بادشاہان سلف نے صرف ایک حد تک اس اہم رواج کی متابعت کی لیکن رفتہ رفتہ امامت کی

Marfat.com

آج شدید العقاب خدا کی یہی آسمانی رِجز مسلمانانِ جہان کو سانپ بن بن کر ڈس رہی ہے، خدا کے ناقابل بدل قول کو بدل دینے اور مشکل سے پڑھائے ہوئے سبق کو بھلا دینے کے جرم میں مسکنت کے گھٹا ٹوپ بادل سروں پر چھا رہے ہیں، اُنکی قوت اور امن کی سب کشت زاریں وقف خزاں ہو چکی ہیں، جہانبانی کا زادِ راہ سب لُٹ چکا ہے، اُمت کی سب شیرازہ بندی، اُسکا تعبُّد سے پیدا کیا ہوا نظم و نسق، اُسکا الصّلوٰۃ سے بنایا ہوا نظام اُسکا خوف احکم الحاکمین سے نکلا ہوا بھائی چارہ معنًا کالعدم ہے! اب ہر طرف غیروں کی غلامی اور غلامی کی جوت پیزار ہے، مظلومیت کی چیخیں اور لکدزنی کی کراہیں ہیں، مُلک یک بیک ہاتھوں سے نکل رہے ہیں، زمین خدا تنگ ہو رہی ہے، ظالم اور نااہل مسلمان اس 'پاکبازی' میں مست ہے، خانۂ خدا کو ہار کر لمبی تان رہا ہے اور گھر پھونک اپنی بربادی کا تماشہ نہایت مزے سے دیکھ رہا ہے!

مُنتہائے الصّلوٰۃ

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (۲:۴۵)

(اور یہ نماز تو بیشک اُنکے جن کا خشوع ہم سے بیم رجا کے باعث جوابی رب کے لیے بیگار ہی بیگار ہے۔)

الغرض الصلوٰۃ کی الٰہی حکمت کی تہ میں اُمتِ اسلام کا لاینفک اتحاد تھا، باہمی رافت اور رحمت تھی، اقوم کو پنجوقتہ اطاعت کا مکرر سبق تھا، شاہ و گدا کی مساوات کی یاددہانی تھی، وقت کی پابندی تھی، انہا عن الفحشاء والمنکر تھا، شب و روز خدا کی ملازمت اور اطاعت میں صرف کر کے پانچوقت آقائے نامدار کو سلام تھا، اُسکے حضور میں مؤدبانہ پیشی اور غرضمندانہ حاضری تھی، اسکی خدمت میں دست بستہ عرض معروض تھی، صراط مستقیم† کی استدعا تھی، حصول نعمت کی گذارش تھی، بادشاہت زمین کی تڑپ

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۰) اہمیت کو بھول گئے۔ آج اگرچہ خلیفۃ المسلمین سلاطین کی رسم ادا کرنیکے لیے مسجد یا صوفیہ میں جاتا ہے مگر خود امامت نہیں کراتا۔ لیکن سیاسی اقتدار کے کم ہو جانیکے باعث اسکا مذہبی مقام خود اسقدر مُلّایانہ ہو گیا ہے کہ عالم اسلام پر اسکی شخصیت کا فی الجملہ کچھ اثر باقی نہیں رہا۔

† صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کے بارے میں جو کچھ اب تک حاصل ہوا ہے اُسکو یہاں پر یکجا جمع کر دیا جاتا ہے۔ صفحہ ۲۲۴-۲۴۶ کے مباحث سے ظاہر ہے کہ (۱) اعتصام بحبل اللہ کرنا اور فرقہ بند نہ بننا (آیات ۳: ۱۰۰-۱۰۲) صراط مستقیم ہے، (۲) توکل بخدا کر کے صبر و استقلال سے مصائب کا مقابلہ کرنا اور دشمن پر غالب آکر رہنا (آیت ۱۴: ۱۲) صفحہ ۲۲۷) صراط مستقیم ہے، (۳) ایمان کے اعمال (دیکھو تحت المتن

Marfat.com

تھی، منعم علیہ بنجانے کی طمع تھی، مغضوب علیہ نہ بننے کا خوف تھا! اسی بیم ورجا کی تڑپ میں قومے اور قعدے تھے، اسی کے اضطراب میں رکوع وسجود تھے، اسی کی تڑپ میں شام وسحر، فراغت اور شغل میں، سوتے جاگتے سلام تھا، اسی اجتماعی ہلاکت کے خوف میں شب وروز سعی وعمل تھا، دنوں کو جہاد بالسیف تھے، چبوتھڑوں کے پرتلوں میں حمائل کی ہوئی تلواریں تھیں، کرسیوں سے مرصّع کیئے ہوئے نیزے تھے، راتونکو کوچ اور اسکی جناب میں کراہیں تھیں، بستروں سے پہلو آشنا نہ ہوتے تھے: تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ[۱۵]

---

[۱۵] مطالب کے لیئے دیکھو تحت المتن صفحہ ۲۴۶۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۱) صفحہ ۱۸۲-۱۸۳) اپنے اندر قائم رکھنا (آیہ (۲۲: ۵۴) و (۴۳: ۵۳) صفحہ ۲۲۷) صراط مستقیم ہے (۴) قوم کی بہتری کے لیئے **ایثار مال** کرنا (آیات (۲۳: ۷۲-۷۳) صفحہ ۲۲۷) صراط مستقیم ہے (۵) قانون خدا کے مطالب اور مقاصد کے بارے میں **اختلاف** پیدا نہ کرنا (آیہ (۲: ۲۱۳) صفحہ ۲۲۸ اور آیات (۴۳: ۶۳-۶۵) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۶) خدا کی **ملازمت** میں شیطان کی عبادت کو حائل نہ کرنا (آیہ (۳۶: ۶۰) صفحہ ۲۲۸ اور آیہ (۴۳: ۶۴) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۷) **الامر** اور قانون خدا میں نزاع نہ پیدا کرنا (آیہ (۲۲: ۶۷) صفحہ ۲۲۸) صراط مستقیم ہے، (۸) **ایک مرکز** پر عملاً اور معناً قائم ہو جانا آیہ (۲: ۱۴۳) صفحہ ۲۲۹) صراط مستقیم ہے، (۹) سب اعمال انسانی کو خدا کیلئے وقف کر دینا اور ان اعمال میں کسی غیر کی اطاعت کو شریک نہ کر کے **ابراہیم علیہ السلام کی توحید** پر چلنا آیات (۶: ۱۶۲-۱۶۴) صفحہ ۲۲۹-۲۳۱) صراط مستقیم ہے، (۱۰) نعمتہائے خدا کی کماحقہٗ قدر کرنا خالصتہً **قانون** خدا کے مطیع رہنا، آیات (۶: ۱۲۰-۱۲۲) صفحہ ۲۳۲) صراط مستقیم ہے، (۱۱) دشمن کو اپنے سعی وعمل سے **بے دست و پا** کر دینا، اسکے وسائل حفظ و دفاع **پر قابض** ہو کر اسکو **تباہ** کر دینا، اور حتی الوسع اپنے آپ کو اسکے دست تعدی سے **بچائے** رکھنا (آیہ (۴۸: ۲۰) صفحہ ۲۳۳) صراط مستقیم ہے، (۱۲) اس دنیا کے اندر **قوت** اور **زور** سے رہنا، دنیا جہان سے بڑھ چڑھ کر اور **برگزیدہ** ہو کر رہنا (آیات (۶: ۸۷-۸۸) صفحہ ۲۳۴) صراط مستقیم ہے، (۱۳) بادشاہ زمین ہو کر رعیت پر **عدل و انصاف** سے حکومت کرنا (آیہ (۳۸: ۲۶) صفحہ ۲۳۴) صراط مستقیم ہے، (۱۴) اس دنیا کے اندر **سلامتی** اور **بقا** کے رستوں پر چلنا، قانون خدا کے عدم تعقل کی تاریکیوں سے نکلکر **علم و عقل** کے نور کیطرف آنا (آیات (۵: ۱۵-۱۶) صفحہ ۲۳۴-۲۳۵ اور آیہ (۱۰: ۲۵) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے، (۱۵) خدا کی عملی ملازمت اور اتقا اور **اطاعت امیر** کرنا (آیات (۴۳: ۶۳-۶۴) صفحہ ۲۳۵) صراط مستقیم ہے (۱۶) قانون خدا سے استمساک کرنا اور اسپر ہمیشہ چلتے رہنا (آیہ (۴۳: ۴۳) و (۴۳: ۶۱) صفحہ ۲۳۶) صراط مستقیم ہے، (۱۷) اپنے سینے سعی وعمل کیلئے سر کھول دینا اور انکے اندر احکام خدا کی تعمیل کے بارے میں کوئی **تنگی** نہ رکھنا (آیات (۶: ۱۲۶-۱۲۸) صفحہ ۲۳۸) صراط مستقیم ہے، (۱۸) ملازمت خدا کی تعمیل میں غیر خدا کے حکموں کو حائل نہ کرنا، والدین کے ساتھ احسان، اولاد کے ساتھ رافت، **مکارم اخلاق** پر عمل، قتل سے پرہیز کرنا، **مال یتیم** کی **نگہداشت**، **پورے ماپ**، **پورے تول**، **عدل**، **ایفائے عہد** پر قائم رہنا اور **متحد** بنے رہنا (آیات (۶: ۱۵۲-۱۵۴) صفحہ ۲۴۰) صراط مستقیم ہے، (۱۹) راہ خدا میں **جہاد بالسیف** کرنا، دشمن سے متارکہ **حفظ نفس** کی خاطر کرنا (آیات (۲۹: ۶۹) و (۲۹: ۱-۲) صفحہ ۲۴۲) صراط مستقیم ہے، (۲۰) قوم کی بہتری اور تثبیت کیلئے **جہاد بالسیف** کرنا، **ہجرت وطن** اختیار کرنا، **اطاعت امیر** بے چون چرا کرنا (آیات (۴: ۹۶-۹۷) صفحہ ۲۴۲) صراط مستقیم ہے، (۲۱) اور سب سے اہم یہ کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے اعمال کر کے ایک ذلیل اور جمود زدہ قوم کو جابر بادشاہ کے ظلم وستم سے آزاد کرنا، اور بالآخر قانون خدا کا پابند بنا کر اسکو زمین کا حکمران اور بادشاہ بنا دینا وہ **الصراط المستقیم** ہے جسکی تعریف سورۂ فاتحہ میں **اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** کے الفاظ میں کیگئی ہے۔ مسلمانوں کو سوچنا چاہیئے کہ آج وہ ان اکیس شقوں میں سے ایک پر بھی صحیح معنوں میں عامل ہیں؟ نہیں بلکہ دیکھنا چاہیئے کہ مغربی قوموں کا اس صراط مستقیم پر کسقدر انتہائی عمل ہے۔ اور انکے **اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** ہونے کی کیا وجہ ہے، وہ نماز کی اس دعا پر کسقدر عامل ہیں۔ جو احکام یہاں پر جلی قلم سے لکھے ہیں ان میں سے اکثر پر مغربی اقوام کا بیشتر عمل ہے۔

Marfat.com

رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۫ وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (۳۲: ۱۶)! اِسی مجموعی نعمت کی طمع میں اجتماع اُمّت تھا، قیام جماعت تھا، دلوں کے اندر خوف خدا کی مشترک جنبشیں اور باہمی محبّت کی مشترک لہریں تھیں، کسیکو کسی سے کچھ دریغ نہ رہا تھا، بخل، حسد، دلوں کے کینے، کم ظرفی کی رنجشیں سب مٹ گئی تھیں، مسجدیں ایک منظّم اور پُرامن، ایک طاعت آموز اور عصبیّت خیز انجمنیں بن گئی تھیں! اِسی الصّلوٰۃ کا قیام اور لرزشِ قلب یہی تعمیل احکام خدا اور پیہم سعی و عمل، یہی اطاعت ربّ اور استجابت رسول، قربانیٔ مال اور طاعت امیر آپس میں اتحاد اور علی التوکّل عمل قرنِ اوّل میں سچے مومن بننے کی نشانی تھی، اِسی ایمان کا اٹل نتیجہ اُمّت کی واماندگیوں پر پردہ پوشی اور اِس دنیا میں عزّت اور آبرو کی روزی تھی:-

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۠ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (۸: ۱-۴)

اے محمدؐ! مسلمان تم سے مالِ غنیمت کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو اِن سے کہدو کہ مال غنیمت صرف خدا اور اُسکے رسول کا ہے، وہ جس طرح مناسب سمجھے اُسکو تقسیم کردے تو تم لوگ مال غنیمت کی تقسیم میں

♣ ان آیاتِ الٰہی میں چند امور غور طلب ہیں (۱) پہلی آیت یعنی (۸: ۱) میں متحد ہوکر رہنے (وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ) اور ہر نوع اطاعت امیر کرنے (وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ، دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۷۰-۱۷۱) کو نہ صرف اتقائے الٰہی پر محمول کیا گیا ہے بلکہ انکو ایمان کی شرط لاینفک قرار دیا ہے، گویا جو قوم متحد بنکر نہیں رہتی اور امیر جماعت سے کسی امر کے متعلق (خواہ وہ معاملہ مال غنیمت ہی کا کیوں نہ ہو) نزاع پیدا کرتی ہے، اُسکا ایمان یکسر ساقط ہے۔ قرآن حکیم میں صرف چند موقعے ہیں جہاں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کے الفاظ آئے ہیں، ایک اعلون بنکر رہنا ہے (دیکھو صفحہ ۷۰۔ آیہ (۳: ۱۳۸))، دوسرا اتقائے خدا کرنا ہے (دیکھو صفحہ ۱۷۹۔ آیہ (۵: ۱۱۲))، تیسرا یہی اتحاد اور اطاعت امیر ہے۔ باقی آیتیں جنکے اندر اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ کی شرط ہے اپنے اپنے موقع پر آئینگی۔ افتتاحیہ کتاب صفحہ (۸۰-۹۰) میں اِن میں سے بعض اہم موقعوں کو یکجا جمع کردیا ہے۔ (۲) آیہ (۸: ۲) میں آیہ (۴۹: ۱۵) کی طرح اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ کے الفاظ آئے ہیں اور یہ آیت خود صفحہ ۱۰۳ پر آچکی ہے۔ گویا ایمان کی باقی لاینفک شرطیں صفحہ ۱۱۱ کی جہاد بالمال اور جہاد بالسیف کی شرطوں کے علاوہ لرزشِ قلب یعنی اتقائے خدا (وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ)، اور تعمیل احکام الٰہی میں استقامت (زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا)، اور توکّل یعنی نتائج کے متعلق خدا پر اعتماد کرنا بھی ہیں۔ (۳) اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کے الفاظ قرآن حکیم میں صرف دو جگہ آئے ہیں (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۸۰)۔ ایک آیہ (۸: ۴) صفحہ ۱۱۴ پر اور ایک زیر بحث آیہ (۸: ۴) میں۔ گویا ایمان کی شرط لاینفک تقویت قوم کیلئے ہجرت وطن، جہاد بالسیف یا نصرت باہمی کے علاوہ (دیکھو صفحہ ۱۱۴) اقامت الصلوٰۃ اور جہاد مال بھی ہے (آیہ (۸: ۳)) الغرض اِن تمام آیات الٰہی کو پیش نظر رکھکر ظاہر ہے کہ ایمان از روئے قرآن وحدت اُمّت ہے، اطاعت امیر ہے، دنیا میں اعلون بنکر رہنا ہے، جہاد بالمال ہے، جہاد بالسیف ہے، استقامت فی السعی ہے، توکّل فی النتائج ہے، ہجرت ہے، باہمی نصرت، مسامحت اور رواداری ہے، اور ان سب کے علاوہ اقامت الصلوٰۃ بھی ہے۔ پس جب یہ سب ایمان کی لاینفک شرطیں ہیں تو ظاہر ہے کہ الصلوٰۃ کو صحیح معنوں میں قائم کرنیوالے وہی شخص ہوسکتے ہیں جنمیں یہ سب باتیں موجود ہوں، ورنہ اتنا تو گردنا يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ نہیں ہوسکتا۔ فتدبر

اپنے مابین جھگڑا نہ کرو اور اُس غضب خدا سے ڈرو جو فساد کرنے والی قوم پر نازل ہوتا ہے اور اپنے باہمی تعلقات کو درست کر کے متحد بنے رہو اور اگر تم فی الحقیقت صاحب ایمان لوگ ہو تو خدا کے حکموں اور اُسکے رسول کے فیصلوں کے آگے سرِ تسلیم خم کردو۔ اصلی ایماندار تو وہی لوگ ہیں کہ جب خدا اُنکو یاد دلایا جاتا ہے تو اُنکے دل کانپ اُٹھتے ہیں اور جب احکام خدا (اٰیٰتُہٗ) اُنکو بتائے جاتے ہیں تو اُن کا اُنکی تعمیل پر یقین اور آمادگیٔ عمل (اِیْمَانًا) اور بھی بڑھ جاتی ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو حتی الوسع تعمیل کے بعد نتائج کے بارے میں خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں (یَتَوَکَّلُوْنَ)، جو اس تمام اتحاد اور اطاعت اور لزرش اور مصالحت اور توکل اور سعی و عمل کو پیش نظر رکھکر 'الصلوٰۃ' کو قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے اُنکو دے رکھا ہے اُسمیں سے حتی الامکان ایثار مال بھی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ہی فی الحقیقت سچے ایمان والے ہیں، اور یہی وہ ہیں جنکے لیئے اُنکے پروردگار کے ہاں عزو مکرمت کے درجے ہیں، جنکی واماندگیوں اور اجتماعی بدحالیوں پر خدا کی طرف سے پردہ پوشی (مَغْفِرَۃٌ) ہے اور جنکو بالآخر اس دنیا میں عزت اور آبرو کی روزی ہے۔

یہی وہ قوت انگیز اور غلبہ اندوز 'الصلوٰۃ' تھی جس کا الٰہی میثاق بنی اسرائیل سے جب بندھا تو امت چشم زدن میں نہال ہوگئی، اُسکی اجتماعی بدحالیاں یکسر کافور ہوگئیں، جنات زمین قدموں پر نثار ہونے لگے، نیچے سے نہریں پھوٹ بہیں، قوت اور حکومت، عزت اور امن قوم کے گہوارے ہوگئے، خدا دوست بن گیا: وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَبَعَثْنَا مِنْھُمُ اثْنَیْ عَشَرَ نَقِیْبًا، وَقَالَ اللّٰہُ اِنِّیْ مَعَکُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیْتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَعَزَّرْتُمُوْھُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَلَاُدْخِلَنَّکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ فَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ (۵:۱۲)۔ لیکن جب قوم اس عہد خداوندی کو بھول گئی، جب دلوں کی

لہ اور لوگو! بنی اسرائیل سے عہد اُس خدائے پاک ہی نے لیا تھا اور ہم ہی نے اُنمیں سے بارہ سردار اُنپر مامور کر دیئے تھے اور وہ خدا ہی تھا جس نے اپنا قول دیا تھا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارا دوست اور رفیق ہوں، اگر تم الصلوٰۃ پر قائم رہے، الزکوٰۃ کو دیتے رہے، میرے پیغمبروں کو منجانب اللہ یقین کر کے اُن کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرتے رہے (اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ) وقتاً فوقتاً اُنکی بدل و جان مدد بھی کی اور خدا کے احکام کی تعمیل میں اپنے آرام اور مال و اسباب کا بہترین حصہ کاٹ کر الگ کر دیا (اَقْرَضْتُمُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۰-۱۳۸) تو میں تمہاری سب اجتماعی بدحالیوں کو تم سے دور کر دونگا (لَاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ۔ دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۳۱)، اور تمکو ایسے خوشگوار باغوں اور سرسبز ملکوں میں لیجا داخل کرونگا جنکے نیچے نہریں پڑی بہ رہی ہونگی، پھر جس نے ان نعمتوں کے حصول کے بعد کفران خدا کیا اور اس عہد کو توڑا تو وہ راہ راست سے یکسر بہٹک گیا۔

ٹ صفحہ ۲۶۳ کے تحت المتن میں اور نیز سورۂ انفال کی آیتوں (۸:۱-۴) کے متذکرۂ صدر ترجمے میں یہ بات ظاہر کر دی گئی تھی کہ اقامت الصلوٰۃ کا قرآنی مفہوم

Marfat.com

زمینیں تنگ ہو ہو کر سخت ہو گئیں، جب مسامحت اور رواداری، خوف خدا اور ہدایت، اتقا اور ایمان کا آب زلال باقی نہ رہا اور قلوب کے اندر حسد اور نفاق کا چور، کبر اور ریا کا چور، تھڑدلی اور بے مرادی کا چور، بخل اور کمظرفی کا چور، الفحشاء اور المنکر کا چور گھر کر گیا، ہاں جب قوم خدا کے اُس دیئے ہوئے درس کو بھول گئی، جب غرضمند رہنما اور کبرائے خلق ضد اور بغاوت سے مقصود خدا کو محرف کرنے لگے، احبار اور رہبان نے لوگوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے اپنے پیچھے صفیں کھڑی کر لیں، مشترک خدا کے مشترک خوف اور اطاعت کو چھوڑ کر آپ رب بن بیٹھے اور پیغام خدا میں خیانت کرنا قوم کا شعار بن گیا، اُسی دن سے میثاق ٹوٹ گیا، جنات زمین چھین لیئے گئے، ذلت اور محتاجی لیس دی گئی لعنت مُونہوں پر برسنے لگی، آوارۂ جہاں ہو گئے، مردود زماں بن گئے، قسمت بگڑ گئی، خدا دشمن بن گیا: فَبِمَا

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۴) نہ صرف رسمی نماز کی رکعتوں کو مسجد میں جا کر بصحت تمام ادا کر دینا ہی بلکہ اُن تمام اعمال (مثلاً وحدت اُمت، اطاعت امیر، جہاد بالمال، ہجرت جہاد بالسیف، استقامۃ فی السبی، توکل فی النتائج، نصرت باہمی، اعلونیت، وغیرہ وغیرہ) کو جو ایمان کی لاینفک شرائط ہیں اپنے اندر پیدا کر کے خدا کے حضور میں حاضر ہوتے رہنا ہے۔ جو شخص مومن ہے اُسمیں اِن اعمال کا بالتحصیل وحدت موجود ہونا اصل ہے پس الصلوٰۃ کی اقامت بھی دراصل اسی کی ہے جسمیں (نماز کے علاوہ) مومن ہونے کی باقی شرائط بوجہ احسن موجود ہوں۔ سورہ مائدہ کی زیر بحث آیت (۵: ۱۳) میں اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ کے اس مفہوم کی قطعی تائید ہوتی ہے کیونکہ موسوی شریعت کی نماز کے ظواہر اسلامی نماز کے ظواہر سے بالکل جدا تھے اور باوجود اس ظاہری اختلاف کے اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ کی مطلق اصطلاح کا استعمال اس امر کی دلیل ہے کہ اس میثاق سے مراد اُس قانون کی پابندی تھی جو الصلوٰۃ سے مقصود بالذات ہے، صرف ظواہر کی پابندی مقصود نہ تھی۔ دیباچہ کتاب صفحہ ۳۲-۳۳ میں قرآن حکیم کی اس مطلق لغت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا اور اس اطلاق کی کئی مثالیں آگے چلکر ملیں گی۔

آیت زیر بحث (۵: ۱۳) میں لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے الفاظ اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ جَنّٰت سے مراد جنات زمین ہی تھے، اُخروی جنت کا ذکر یہاں پر قطعاً نہ تھا۔ عہد عتیق میں اسی میثاق ایزدی کی جزا "ابدی بادشاہت" لکھی ہے۔ (کتاب خروج باب ۶، آیت ۳-۸) بعض موقعوں پر ان ابدی جنات کو شہد اور دودھ کی نہروں والی سرزمین کہا ہے (کتاب استثنا باب ۶ آیت ۲-۳)، کتاب ثانی سموئیل باب ۷ آیت ۲۳-۲۹ میں پھر وعدہ اسی ابدی سلطنت کا ہے، اور کتاب اول سلاطین باب ۹ آیت ۱-۹ میں اس سلطنت کو چھین لینے کی دھمکی بھی دی گئی ہے۔ علاوہ ازیں بنی اسرائیل میں دنیاوی سلطنت کا قائم ہو جانا اس امر کی شہادت ہے کہ وعدہ جنات زمین ہی کا تھا اور اسی لیئے فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ کی شرط بھی موجود ہے۔ خود آیۂ استخلاف میں مسلمانوں کے ساتھ وعدہ بھی دنیاوی سلطنت کا تھا جیسا کہ الفاظ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (۲۴: ۵۵) صفحہ ۷ سے ظاہر ہے اور وہاں بھی وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ کے الفاظ آئے ہیں۔ سورۂ فاطر میں بھی اسی قطع کا اسلوب بیان ہے: هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا (۳۵: ۳۹) یعنی لوگو! وہ خدا ہی ہے جسنے تم کو اس زمین میں (تمہاری سعی و عمل کو پسند فرما کر) بادشاہ بنا رکھا ہے تو اس نعمت عظمیٰ کے حصول کے بعد جس قوم نے قانون خدا سے انکار کیا (کفر) تو اس انکار کی ذمہ داری کا بوجھ بھی اُسی کی گردن پر ہے اور قانون خدا سے منکر قوم کو تو اُن کا انکار خدا کی نگاہوں میں سوائے ناراضگی کے کسی شے کو نہیں بڑھاتا اور کفران نعمت کرنیوالی قوم تو سوائے اسکے کہ روز بروز گھاٹے میں رہے کسی اور شے میں ترقی نہیں کرتی۔" الغرض اس تمام شہادت کے بعد اس امر کا ناقابل انکار فیصلہ ہو جاتا ہے کہ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ سے مراد ہر جگہ جنات زمین ہی ہیں۔ آخرت کیلئے الجنۃ کی اصطلاح مخصوص ہے۔ جنت کی قرآنی اصطلاح پر پیشتر کی بحثیں صفحہ ۱۱۵-۱۱۶، ۱۳۱، ۱۸۲، وغیرہ پر گذر چکی ہیں۔ افتتاحیہ سے قطع نظر، دیباچہ کتاب صفحہ ۶۶-۷۳ میں کئی مثالیں اسی قطع کی

Marfat.com

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (۵: ۱۳)۔ اگر مسلمان آج اِس عہد خداوندی کو توڑ کر لعنت خدا کے مستحق بنے ہوئے ہیں، اگر آج اُن سے بھی سب کچھ چھین کر اُن لوگوں کو دیا جا رہا ہے جنھوں نے عمر بھر ایک رسمی نماز نہیں پڑھی، ایک اسلامی رکعت ادا نہیں کی، ایک شرعی سجدہ نہیں کیا، ایک محمدی کلمہ نہیں پڑھا تو اِسکی وجہ بھی یہی قساوت قلب ہے، یہی تحریف دین اور نسیان درس ہے، یہی مقاصد خدا میں مجرمانہ خیانت ہے، یہی الصلوٰۃ کو معناً اور صورتاً† بگاڑ دینا ہے، یہی خدا کو چھوڑ کر نفسانی خواہشات کی پیروی ہے۔ ایسی نمازیں پانچ نہیں پانچ ہزار ہوں خدا کے نزدیک سب ضائع ہیں، اِن سے ضعف کے سوا کچھ حاصل نہیں، اِن کا نتیجہ ہلاکت کے کچھ نہیں، فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ (۱۹: ۵۹)۔ پس اگر آج

۱؎ لیکن بنی اسرائیل کے اِس میثاق الٰہی کو توڑ دینے کے باعث ہم نے اُنپر ذلّ و ادبار کی لعنت برسا دی، اُن کے دلوں کو اپنے احکام کی تعمیل کیلئے پتھر کر دیا، پھر وہ اسقدر جمود زدہ اور غافل ہو گئے کہ ہمارے کلمات اور احکام کو اُنکے مناسب موقعوں سے ہٹا کر اُنکے الٰہی مقاصد میں حسب مطلب ردوبدل کرنے لگے (يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ)، مکر و تاویل سے اپنے آرام کیلئے اُن میں معنوی تحریفیں پیدا کیں (يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ)، اور یہی نہیں بلکہ اسی تن آسانی اور آرام پسندی کے باعث رفتہ رفتہ اِس درس الٰہی کے ایک اہم حصّے کو بھول گئے جو اُنکو اچھی طرح یاد دلایا گیا تھا، اور اے محمدؐ! تم ان میں سے معدودے چند کے سوا نت نئے دن کسی نہ کسی ایسے مکّار کی اطلاع پاتے رہو گے جس نے صریح خیانت اور بدمعاشی سے احکام خدا کے مقاصد میں رد و بدل کر کے اپنی امت کو گمراہ کیا ہو تو ان خائنوں اور مکاروں کا علاج سوا اِسکے کچھ نہیں کہ تم انسے پرے پرے ہٹے رہو۔ (فَاعْفُ عَنْهُمْ)، اُنسے قطعاً کنارہ کشی اختیار کرو (وَاصْفَحْ ۚ) (دیکھو ان معانی کی تائید میں دیباچہ کتاب صفحہ ۱۲۰ کی آخری سطر)، خدائے عزّ و جل تو انہی لوگوں کو پسند کرتا ہے جو سچی عمل کر کے اپنی اُمت کو قوّت اور عزّت کے مدارج علیا تک پونہچا دیتے ہیں (اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ دیکھو مُحْسِنِيْنَ کی تعریف صفحہ ۱۳۰ تحت المتن آیہ (۷، ۱: ۶-۷) و صفحہ ۲۴۶ تحت المتن آخری دو سطریں و آیات (۳۷: ۱۲۱-۱۲۲)۔

۲؎ پھر ان لوگوں کے بعد ایسے نابکار جانشین آئے جنھوں نے الصلوٰۃ کو بالکل ناکارہ کر دیا، اسکی حکمت کو اسقدر بھلا دیا کہ وہ بالکل ایک لاطائل شئے بن گئی (وَاَضَاعُوا الصَّلٰوةَ) اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے رہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو عنقریب ہلاکت سے دوچار ہونگے۔

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۵) پیش کر دی ہیں جنکے بغور مطالعے سے اس امر کا فیصلہ ہو جاتا ہے کہ 'جنّت' سے مراد ارضی بادشاہت ہی تھی۔ شارحین قرآن نے بادشاہت زمین پر لات مارنے اور اپنے نفس کیلئے آسانیاں پیدا کرنیکے لیئے اس سے مراد اخروی جنت لیلیا اور مذہب اسلام کو رفتہ رفتہ بے نتیجہ بنا کر رہبانیت کیطرف لیگئے!

آیت زیر بحث میں فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ کے الفاظ بھی نہایت قابل غور ہیں۔ گویا **ارضی بادشاہت کا کفران نعمت کرنا ہی صراط مستقیم سے پرے ہٹنا اور صحیح معنوں میں ضلال ہے**۔ یہ مفہوم بعینہٖ وہی ہے جو صفحہ ۲۳ کے تحت المتن کے اخیر میں سورۂ فاتحہ کے لفظ الضَّآلِّيْنَ کی تشریح میں حاصل ہوا تھا۔

---

† الصلوٰۃ کے معناً بگڑ جانیکے علاوہ اسکے صورتاً بگڑ جانیکے متعلق ایک ابتدائی بحث صفحہ ۱۱۱-۱۱۲ کے تحت المتن میں ہو چکی ہے جس سے کم از کم یہ ظاہر ہے کہ مساجد میں امام صاحبان کا خدا کے حضور میں نماز کو ترنم سے ادا کرنا وہ بدعت سیئہ ہے جو نص قرآن کے قطعاً برخلاف ہے۔ مساجد میں سنت اور نوافل کا ادا کرنا اور اسطرح پر خانہ خدا کے اندر بے ترتیبی اور بدنظمی کا ماحول پیدا کرنا بھی (جسکا ذکر صفحہ ۲۰۶ کے تحت المتن میں ہو چکا ہے) رسول خدا صلعم کے اسوۂ حسنہ کے برخلاف صریحاً بدعت

Marfat.com

اُس صادق الوعد خدا کی بتائی ہوئی الصلوٰۃ، وہی قرن اوّل کے نتائج پیدا نہیں کرتی تو وہ الصلوٰۃ بگڑ چکی ہے، اُسکا کیف دل بدل چکا ہے، مطمح نظر بدل چکا ہے، اُسکے ادا کرنے والوں کے دل بدل چکے ہیں، حوصلے اور جگر بدل چکے ہیں، نصب العین بگڑ چکا ہے، نہیں اُسکو ادا کرنے کا محرک باقی نہیں رہا، نعمت کا پیش نہاد نہیں رہا، خشوع پیدا کرنے والی غرض نہیں رہی، غرض کا پیدا کیا ہوا اضطراب نہیں رہا، صرف ڈھانچ یا الفاظ باقی رہ گئے ہیں، اُٹھک اور بیٹھک رہ گئی ہے، مصیبت کو کم کرنے کا ترنم رہ گیا ہے: اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۝ (۲:۴۵)، یا پانی کو بالوں کی جڑوں تک پونہچانے کے وسوسے رہ گئے ہیں یا مسح اور قصر، غسل اور استنجا، تیمم اور وضو کے مسئلے رہ گئے ہیں یا خدا پر احسان اور سجدوں کا ادّعا رہ گیا ہے، یا جنّت کے سبز باغوں کے خواب رہ گئے ہیں ورنہ نماز کا الصلوٰۃ رہکر وہی قرن اوّل کے نتائج پیدا نہ کرنا ناممکن ہے! صراط مستقیم کے نصب العین کو ہر وقت پیش نظر رکھکر اُسکے لیئے شبانہ روز سعی و عمل کرنا، سعی و عمل کرکر کے اُس راہ راست کی وعدہ دی ہوئی نعمت کی تڑپ میں منعم لم یزل کے حضور میں لپک لپک کر پونہچنا، دست بستہ کھڑے ہو جانا اور نعمت کو مانگنا، بیٹھ جانا اور پھر اُٹھ اُٹھ کر بالحاح تمام مانگنا، ماتھا رگڑ رگڑ کر مانگنا، گھٹنوں پر جھک جھک کر مانگنا، اور ساتھ ہی باقی وقتوں میں صبر اور استقلال، تکلیف برداری اور مشقت، عزم

(بقیہ بحث المتن صفحہ ۲۶۶) آجکل مساجد کے اندر وضو کرنیکے لیئے حوضوں اور کنوؤں، حماموں اور غسلخانوں کا موجود ہونا بھی وہ بدعت اور تن آسانی کے شیوے ہیں جو قرن اوّل کی مساجد میں قطعاً موجود نہ تھے۔ اُس زمانے میں لوگ مساجد کے اندر اپنے گھروں سے تیار ہو کر آتے اور خانۂ خدا کے اندر آجکل کی بدلحاظیاں اور بے تکلفیاں کرنا گستاخی سمجھتے۔ فرقہ بند لوگوں نے جو اختلافات نماز کے ارکان میں از خود پیدا کر لیئے ہیں وہ اِنکے علاوہ ہیں اور آہستہ آہستہ نماز کی اصلی صورت کو بگاڑ رہے ہیں۔ التحیات کے بعد اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے الفاظ جو پڑھے جاتے ہیں گمان غالب ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عین حیات میں امامت کے وقت خود نہ پڑھتے تھے۔ نہ معلوم کہ یہ درود شریف کب کیسے پڑھے جانے شروع ہوئے، کس کے حکم سے ہوئے اور خود رسول خدا انکی جگہ کیا پڑھا کرتے تھے۔ 'بخلع' اور 'حفد' کی مشہور آیتیں جو آجکل نماز عشا کے بعد وتروں میں پڑھی جاتی ہیں اگر بدستور عہد نبوت میں بھی پڑھی جاتی تھیں تو حیرت ہے کہ جمع قرآن کے وقت اُنکے کلام وحی نہ ہونے میں شکوک کیوں پیدا ہوئے۔ الغرض ان سب امور کو پیش نظر رکھکر یہ کہنا کچھ غلط نہیں کہ نماز کی ظاہری صورت بھی آہستہ آہستہ نامحسوس طور پر بگڑ رہی ہے اور یہ بگاڑ اس شئے میں پیدا ہو گیا ہے جسکی بابت ہر مسلمان کا دعویٰ ہے کہ وہ علی التواتر قرن اوّل سے بلکہ خود نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مؤکدہ سے ہم تک پونہچی۔ میرا یقین ہے کہ قرن اوّل والی مردوں اور عورتوں کی مخلوط نماز جس کی امامت رسول خدا خود کیا کرتے تھے نہ صرف اپنے کیف و حال میں، خشوع و خضوع میں، اصلاح قلوب میں، تزکیہ نفس میں، انہا عن الفحشاء والمنکر میں، اتحاد اور اطاعت، مواخات اور مسامحت کا نتیجہ خیز اخلاق پیدا کرنے میں اصلاً مختلف تھی بلکہ اسکے ادا کرنے کا اہتمام، اسکی قرأت کے الفاظ وغیرہ وغیرہ بھی کچھ نہ کچھ ضرور آجکل کی ترتم والی نماز سے ضرور مختلف اور جداگانہ تھے!

[1] مطلب کے لیئے دیکھو عنوان صفحہ ۲۶۱۔

اور محنت کو اپنا مستعان بنالینا وہ شیوۂ مسلمانی تھا جسپر چلکر اسلام کو چند برسوں کے اندر وہ شوکت نصیب ہوئی کہ آج اُسکو پھر دیکھنے کیلئے آنکھیں ترس رہی ہیں: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ[1] (۲:۴۵)۔ صاحب القرآن تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ کی اِنہی بار بار اور ضرب دل سے دُہرائی ہوئی آیتوں کی اہمیت کو اسی الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی ہدایت اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے راہ رہبت کے نصب العین کی ضرورت کو اسلامی اُمت پر یہ کہکر واضح کردیا تھا کہ خدا کا اپنے بندوں پر سب سے بڑا احسان نہ صرف قرآن عظیم کو عطا کرنا بلکہ ساکنان زمین کے سامنے یہی سبع مثانی کا لشکر انگیز مطمح نظر دن میں پانچوقت پیش کردینا ہے!

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ† وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (۱۵:۸۷)

اور اے محمدؐ! سب سے بڑا احسان جو ہم نے تم پر اور تمہاری اجل زدہ قوم عرب پر کیا ہے یہ ہے کہ ہم نے سورۂ فاتحہ کی بار بار دُہرائی ہوئی آیتوں کا اہم اور عظیم الشان نصب العین پیش کرکے تمہاری قوم میں حصول نعمت اور الصراط المستقیم پر چلنے کی ایک لازوال ترغیب و تحریک پیدا کردی ہے (اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ)، اُن کے دلوں میں اس نعمت کے حاصل کرنیکے ولولے پیدا کردیئے ہیں (اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ)، انکے اندر اس دنیا میں قوت اور زور سے رہنے اور ہلاک شدہ قوموں (دیکھو آیات (۱۵:۶۴) تا (۱۵:۸۴)) کی طرح مغضوب علیہم اور ضآلین نہ بننے کا ایک دائم اور قائم ہیجان پیدا کردیا ہے، اور یہی نہیں بلکہ ہم نے تم کو قرآن عظیم بھی دیا ہے جسکے اندر اُس الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پر چلنے کا مکمل دستور العمل درج ہے۔

یہی وہ فراخور سعی اور درخور طلب نصب العین ہے جس سے بڑھ کر انسانی جماعت کے لیئے اِس دنیا کے اندر

---

[1] اور اے لوگو! اس کارگاہ سعی و عمل میں مشکلات کا خاطر خواہ مقابلہ کرنیکے لیئے استقلال سے استعانت کیا کرو (اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ) اور حتی الوسع سعی و عمل کرکے خدا کے حضور میں گڑگڑایا بھی کرو کہ اُس جلال مشکلات کے حضور میں حاضری حوصلوں کو بڑھانے میں خاص مدد دیتی ہے اور یہ نماز تو ماسوا اُن لوگوں کے جن کا خشوع و خضوع ہم ہی سے بیم و رجا ہونیکے باعث ہی باقی سب کے نزدیک بیگار ہی بیگار ہے۔

† اس آیہ شریفہ کے الفاظ خاصکر قابل غور ہیں۔ خدائے عزوجل نے سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ یعنی سورۂ فاتحہ کو اسقدر اہمیت دی ہے کہ رسول صلعم کو اسکے وحی کرنیکا احسان قرآن عظیم کو عطا کرنیکے احسان سے الگ جتلایا ہے، بلکہ سورۂ فاتحہ کی اہمیت کو دلنشین کردینے کے لیئے اسکو باقی قرآن سے الگ کردیا ہے۔ شارحین قرآن نے چنانچہ اس آیت کو پیش نظر رکھکر سورۂ فاتحہ کے الفاظ کی اہمیت پر ضخیم بحثیں کی ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ سے لیکر الضَّآلِّيْنَ تک کے ایک ایک لفظ کو لیاہے اور بے ظن و اعتقاد کے طومار باندھکر ظلمت انگیز مناظرے پیدا کیئے ہیں۔ کہیں اَللّٰهِ کے لفظ کو کوئی اسم اعظم قرار دیا ہے جسکو دُہرانے کے فضائل لاتعد و لاتحصے کہے ہیں، کہیں الرَّحْمٰنِ اور الرَّحِيْمِ میں فرق بتلایا ہے، کہیں الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ اور الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پر اعتقادی مباحث چھیڑ دیئے ہیں۔ الغرض جتنے منہ اتنی باتیں مگر ایک متنفس نے بھی ذہن کو کام میں لاکر اسطرف رجوع نہیں کہ سورۂ فاتحہ میں خدائے عظیم نے کیا اہم نصب العین دن میں پانچوقت مسلمانوں کے سامنے پیش کردیا ہے۔ ایک فرد واحد کا خیال اسطرف نہیں دوڑا کہ وہ الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کس بلا کا نام ہے اور اسکی صحیح قرآنی تعریف کیا ہے۔ میں نے متذکرۂ صدر ترجمے میں اللہ صاحب کے سورۂ فاتحہ کو مَثَانِيْ کہہ کر یاد فرمانے کی توجیہ، اُسکے پیش کیئے ہوئے نصب العین کی

Marfat.com

کوئی نصب العین نہیں۔ یہ اُس خدا کی زمین پر نعمت خدا کو برقرار رکھنے کا علم حاصل کرنا ہی وہ نور ہے جس سے بڑھکر نفعمند کوئی نور نہیں۔ سعی و عمل کے اِس کارگاہ عظیم میں اِسی علم سے بیخبر رہنا اور حصول نعمت کیلئے اپنے ہاتھ پاؤں، تن من دھن وقف نہ کردینا ہی وہ ظلمت عظمیٰ ہے جس سے تاریک تر کوئی ظلمت نہیں، عزیز اور حمید خدا کا بتایا ہُوا یہی وہ معزز اور محمود مقام، اور یہی وہ عزت افزا اور قابلِ ستائش صراط ہے جس سے مستقیم تر کوئی صراط نہیں۔ اِسی الصراط المستقیم کو ہر دم پیش نظر کردینے کیلئے سبع مثانی کا دُہرانا نماز میں تھا، اور اسی واحد غرض و مطلب کے لیئے خدائے عظیم کا قرآن عظیم اِس زمین پر نازل ہوا تھا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ (۱۴:۱)

اے محمدؐ! یہ قرآن عظیم ایک مکتوب خدا اور حکمنامہ رب العلمین ہے جسکو ہم نے تمہاری طرف اِس نیت سے بھیجا ہے کہ تم تمام عالم کو قانونِ خدا کے عدم تعقل اور اِس دنیا میں نامراد اور مغضوب علیہ ہوکر رہنے کی ظلمتوں (الظُّلُمٰتِ) سے علم و عمل اور تنومند بنکر رہنے کے (النُّوْرِ) کیطرف نکال لاؤ اور قانون الٰہی کے عامل بناکر اُنکے آقائے نامدار کی رضا و رغبت سے اُنکو قوت اور عزت کے اُس صراط مستقیم کیطرف لیجاؤ جو صاحب عزت اور لائق ستائش خدا کا بتایا ہوا راستہ ہے۔

اگر یہ الصلوٰۃ مسلمانانِ عالم کے شرعی ملاؤں کی جہالت اور ناقرآن دانی یا مسلمانوں کی اپنی تن پروری

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۶۸) اہمیت، اور اُسکے قرآن عظیم سے الگ ذکر کرنے کی وجہ اشارۃً بیان کردی ہے، اور یہ مسلمانوں کے سامنے وراثت زمین کی موہبت کبریٰ اور لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی نعمت عظمیٰ کا لازوال نصب العین پیش کردینا یا الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور الضَّآلِّيْنَ نہ بننے کا قلبی ہیجان پیدا کرکے قوم کو سعی و عمل کیطرف متوجہ کردینا ہی میرے نزدیک سورۂ فاتحہ کی واحد اور بے مثال فضیلت تھی جو آج نظروں سے نہاں ہو چکی ہے۔ صفحہ ۲۶۱-۲۶۲ کے تحت المتن میں صراط مستقیم کے الٰہی مفہوم کو یکجا جمع کردیا تھا اور اُسکا بغور مطالعہ کرنے اور اُسکے متعلق تمام قرآنی آیات کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہر صاحب غور و فکر اِس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ کلام الٰہی کی تمام تعلیم کا لبِّ لباب دراصل اسی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کے الفاظ میں مضمر ہے۔ تمام اوامر و نواہی جو دین اسلام کے اصل اصول اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ والے صراط پر چلانیکے صحیح اظہار ہیں اسی صراط مستقیم کی جامع و مانع اصطلاح میں داخل ہیں۔ سورۂ فاتحہ اگر اس نصب العین کو قرآن کے ورق اول پر پیش کر رہی ہے تو باقی تمام قرآن اُس نصب العین کو حاصل کرنیکے وسائل بتلا رہا ہے۔ توحید کا اصل اصول بھی اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کے الفاظ میں اسی سورہ کے اندر ہے۔ ایمان، اتقا، صلاح، فسق، شرک، کفر، الغرض دین اسلام کی تعلیم تمام کمال اسی اِهْدِنَا سے لیکر الضَّآلِّيْنَ تک کے الفاظ میں مضمر ہے (دیکھو افتتاحیہ کتاب صفحہ ۵۶ تا صفحہ ۱۲۹)۔ انہی معنوں میں سورۂ فاتحہ تمام باقی قرآن کا ملخص، اسپر صحیح معنوں میں حاوی، بلکہ اسکی صحیح معنوں میں تفسیر ہے۔ اِسی لیئے اسکی یہ بیمثال فضیلت بھی ہے جس قوم نے سورۂ فاتحہ کے مطلع نظر کو پالیا اور اسکے بعد اُسپر عامل ہوگئی، اُسکو فلاح دارین قطعاً حاصل ہے۔ اسکے ماسوا نہ اسکے اندر کوئی اسم اعظم ہے، نہ اسکو بار بار دُہرانے میں کوئی ثواب ہے؛ نہ اسکو صحیح طور پر پڑھ لینے کا کوئی اجر ہے، نہ اسکی تفخیم اور بے سند تشریحیں کرکے اسکے الفاظ کی وہمی فضیلتیں جتلانا خدا کو خوش کرسکتا ہے!

✝ یہ آیۂ جلیلہ سورۂ ابراہیم کے شروع میں واقع ہوئی ہے۔ اور صفحہ ۵۵ پر آچکی ہے۔ یہاں پر صرف اس بات کا قطعی فیصلہ کرنا ہے کہ الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ سے الٰہی مراد

Marfat.com

اور ناخداشناسی کے باعث ایک نابکار اور ناکار برآر، ایک مضحکہ انگیز اور بے مطلب، ایک ناقوت اندوز اور مسکنت خیز، ایک بیگار اور مصیبت بن چکی ہے تو اسمیں قرآن اور اسلام یا خدا اور رسولؐ کا کیا گناہ ہے!

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ (۱۷:۹)

اسمیں شک نہیں کہ یہ قرآن عظیم اپنے عاملوں کو اُس راہ پر لے جاتا ہے جو سب سے زیادہ راست اور قیام آفریں ہے اور ان صاحب ایمان لوگوں کو جو ایمان کے لوازم پیش نظر رکھکر مناسب سعی و عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیئے دنیا اور آخرت دونوں جگہ بڑا اجر ہے۔

(بقیہ تحت المتن ۲۶۹) بعینہ کس قسم کی تاریکیاں اور کس قطع کی روشنی ہے۔ شارحینؒ قرآن حسب معمول ان الفاظ سے علی الحساب "روحانیت کی روشنیاں" یا "ناخداوانی کی تاریکیاں" لے لیتے ہیں لیکن یہ سب غیر معیّن اور بے نتیجہ باتیں ہیں جو دراصل قرآن حکیم کو بغور مطالعہ نہ کرنے کا نتیجہ ہیں ایک آیت (۳۳:۴۳) جسمیں الظُّلُمٰتِ اور النُّوْرِ کے الفاظ آئے ہیں صفحہ ۱۳۳ کے تحت المتن میں آچکی ہے، دو آیتیں (۵:۱۵-۱۶) جن میں یہی الفاظ آئے ہیں صفحہ ۱۷۶ پر آچکی ہیں۔ صفحہ ۱۷۶ والی آیتوں سے کم از کم اسقدر مستنبط ہوتا ہے کہ صاحب القرآن تعالیٰ نے قرآن عظیم کو نُوْرٌ کہا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ قرآن وہ نور ہے جسکے ذریعے سے خدا اقوام عالم کو سلامتی، قیام فی الارض، اور بقا کی راہوں پر لیجاتا ہے اور انکو الظُّلُمٰت سے النُّوْر کی طرف نکالکر صراط مستقیم کی طرف لیجاتا ہے: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۵: ۱۵-۱۶) (دیکھو صفحہ ۱۷۶ و ۲۳۴)۔ گویا اس آیہ کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ 'الظُّلُمٰت' کا الٰہی مفہوم وہ تاریکیاں ہیں جو اقوام کو سلامتی اور بقا کے راستوں سے پرے ہٹا دیتی ہیں اور 'اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ' والے صراط مستقیم سے ورغلاکر الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور الضَّآلِّيْنَ بنا دیتی ہیں۔ اور النُّوْر وہ روشنی ہے جو اقوام کو اس دنیا میں بے خوف خطر کر دیتی ہے اور صراط مستقیم پر چلائے رکھتی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے 'الظُّلُمٰت'، دراصل قانون خدا کو نہ سمجھنے یا اُسپر عامل نہ ہونے کی تاریکیاں ہی ہیں اور 'النُّوْر' وہ قانونِ خدا کا تعقل اور اُسکی تعمیل ہے جسکا نتیجہ اجتماعی دوام و بقا ہے۔ اور اسی لحاظ سے خود قرآن (یعنی قانون خدا) کو بھی نُوْرٌ کہا گیا ہے۔ زیر بحث آیت (۱۴:۱) میں بھی یہی دونوں الفاظ آئے ہیں اور 'صِرَاط' کا معنی خیز لفظ بھی وارد ہوا ہے بلکہ صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ کہکر کنایۃً یہ بھی کہدیا ہے کہ وہ صراط عزت اور حمد کا صراط ہے ذلت اور مغلوب ہوکر رہنے کا صراط نہیں۔ الظُّلُمٰت اور النُّوْر کے ان مطالب کی قطعی اور ناقابل انکار تائید اِسی سورۂ ابراہیم کی آیت (۱۴:۵) سے ہوتی ہے جس میں صاف طور پر فرمایا ہے کہ "ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے احکام دے کر بھیجا کہ وہ اُن احکام کے ذریعے سے اپنی قوم کو 'الظُّلُمٰت' سے 'النُّوْر' کی طرف نکال لائیں اور حکم دیا کہ اس غفلت زدہ قوم کو 'ایام خدا' کی یاددہانی کراؤ، اِسمیں شک نہیں کہ اس یاددہانی جہاد میں ہر مستقل مزاج (صَبَّار) عامل اور نعمت خدا کے قدردان (شَكُوْر) بندے کے لیئے بہت سے ارشادات موجود ہیں: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ (۱۴:۵)۔ ایک ہی سورۃ میں چار آیتوں کے وقفے کے بعد الظُّلُمٰت اور النُّوْر کے مطالب کی یہ الٰہی تشریح اِس بات کی حتمی دلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو یہی کہا گیا تھا کہ قوم کو محکومیت اور بیچارگی، خوف اور ضعف، قانون خدا کے عدم تعقل اور ناانجام شناسی کی ظلمتوں سے نکالکر بادشاہت اور امن، قوت اور عزت کے سُبُلَ السَّلٰم پر لے آؤ۔ اور جہاد بالسیف (اَيّٰمِ اللّٰهِ) کے ولولے

Marfat.com

(بقیہ تحت المتن صفحہ ۲۷۰)

اُن میں پیدا کر کے اُنکے اندر صبر اور استقلال، بادشاہت کی صحیح قدر شناسی یعنی صنّاع اور شکور بننے کا اخلاق جاری و ساری کر دو۔ یہی وہ منتہا تھا جسکے لیئے موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے اور یہی اُنہوں نے کر دکھایا۔ چنانچہ اسی سورۃ کے سیاق میں نوح علیہ السلام وغیرہ کے بارے میں بھی وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ (۱۴: ۱۵) آیا ہے، یعنی انہوں نے وہ ملک فتح کر لیا۔ اور ہر معاند اور ظالم گروہ مُنہ دیکھتا رہ گیا۔ بلکہ (۱۴: ۲۳) میں ہے: وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝ (۱۴: ۲۳) یعنی عمل صالح کرنے والے ایمان دار سرسبز باغوں میں داخل کر دیئے گئے، وہ جب تک خدا ان کا راضی رہے گا (بِاِذْنِ رَبِّهِمْ) اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اُنکے اندر سب طرف سے یہی دعائے خیر ہو گی کہ امن سے رہو!" (ضمناً اُدْخِلَ کا ماضی کا صیغہ اس امر کی ناقابل انکار دلیل ہے کہ جَنّٰت سے مراد اراضی بادشاہت ہی تھی)۔

الغرض سورۂ ابراہیم کی متذکرۂ صدر آیت (۱۴: ۵) الظُّلُمٰت اور النُّوْر کے معانی کی صحیح تعیین حتماً کر دیتی ہے۔ اور قرآن عظیم کی بابت بھی سورہ ابراہیم کے شروع میں یہی کہا گیا تھا کہ یہ وہ کتاب ہے جو اقوام کو محکومیت اور افلاس کی ظلمتوں سے نکالکر قوت اور عزت، غلبہ اور امن، بادشاہت اور جنّات زمین حاصل کرنیکے نور کی طرف جو عزیز و حمید خدا کا بتایا ہوا صراط مستقیم ہے نکال لاتی ہے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی دنیاوی قوت اور غلبے کو قرآن حمید میں کئی جگہ بالصراحت نور کہا گیا ہے۔ مثلاً يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (۹: ۳۲) اور يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ (۸۱۶۱) میں جو صفحہ ۱۸۴ پر آچکی ہیں اور جہاں نور سے مراد سیاسی تمکن اور دنیاوی قوت کے سوا کچھ اور لینا ناممکن ہے (دیکھو تحت المتن صفحہ ۱۸۴) علیٰ ہذا القیاس سورۂ حدید کی آیات (۵۷: ۱۲-۱۵) اور سورۂ تحریم کی آیت (۶۶: ۸) میں يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (۵۷: ۱۲) اور نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (۶۶: ۸) کے الفاظ بلکہ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ کے الفاظ بھی آئے ہیں اور وہاں مراد صاف یہ ہے کہ جب مسلمان جنّات زمین میں داخل ہونگے تو بادشاہت اور غلبے کا نور اُنکے آگے آگے دوڑتا ہوگا، منافق عرب جنہوں نے اس بادشاہت زمین کے حاصل کرنے میں روڑے اٹکائے تھے حسرت کے مارے مسلمانوں کو کہیں گے کہ ذرا ٹھیرو ہم بھی اس نور سے کچھ لے لیں اور جب جواب نفی میں ملے گا تو حُجّتیں کرینگے کہ کیا ہم تمہارا ساتھ نہیں دیا کرتے تھے؟ پھر جواب ملے گا کہ نہیں۔ تم منتظر رہا کرتے تھے، ہمارے متمکن ہونے میں شک کیا کرتے تھے، تم کو تمہاری من مانی آرزوؤں نے دھوکا دے رکھا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان آیات کو یہاں پر نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ جس وقت ان کا موقع آئے گا ان کا پورا مفہوم عیاں کر دیا جائے گا۔ لیکن نور کے مفہوم کے لیئے صفحہ ۲۷۱ کی آیت (۷: ۱۵۷) پر بھی غور کرنا چاہیئے ۔

تم المجلد دوم

من کتاب

تذکرہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ

Marfat.com

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ

اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ

عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَ

اعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

الْكٰفِرِيْنَ (بقرہ) رَبَّنَا اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا

الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس) رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (یونس)

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِىْٓ اَمْرِنَا (آل عمران) وَاَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى

الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (بقرہ) رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۚ رَبَّنَا

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۚ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا

عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ

اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا

مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِىْ سَبِيْلِىْ وَقٰتَلُوْا وَ

قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ

تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ

اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ (آل عمران)

Marfat.com

سالار انقلاب حضرت علامہ مشرقیؒ کا انقلابی کردار

- حضرت علامہ المشرقیؒ نے فرقہ بندی کو ازروئے قرآن شرک قرار دے کر اسے وحدت اور اخوت کے زور سے مٹانے کا اعلان کیا۔
- حضرت علامہ مشرقیؒ نے روزانہ نو۔ نو شہروں اور قلعوں کو فتح کرنے والے عسکری اسلام کو پھر زندہ کیا۔
- حضرت علامہ مشرقیؒ نے صدیوں سے مختلف عقیدوں اور فرقوں میں بٹی ہوئی قوم کو پھر اخوت کا پیغام دیا۔
- حضرت علامہ مشرقیؒ نے خاکسار تحریک کے ذریعے ایک دوسرے سے نفرت اور دشمنی کرنے والی قوم میں محلہ وار نظام کے ذریعے بلا اجرت خدمت کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔
- حضرت علامہ مشرقیؒ نے مروجہ مغربی جمہوریت کو مسترد کرتے ہوئے تین طبقاتی طرز انتخاب کا نیا فارمولا دنیا کے 20 ہزار سائنسدانوں کے سامنے پیش کیا جس کے ذریعے دنیا میں ہر جگہ 95 فیصدی غریبوں کی حکومت قائم کی جا سکتی ہے۔
- حضرت علامہ مشرقیؒ نے موجودہ علم کو غیر فطری اور اس لیے غلط قرار دیتے ہوئے تسخیر کائنات کے لیے سائنسدانوں کو فطری علم تلاش (ایجاد) کرنے کا پیغام دیا۔
- حضرت علامہ مشرقیؒ نے غلط اور خود ساختہ مذہب کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا اعلان کر دیا۔
- حضرت علامہ مشرقیؒ نے خاکسار تحریک کے نام سے غلبہ اسلام کی تحریک شروع کی جس کی ابتدا انہوں نے ہندوستان سے کی اور 17 سال کے اندر اندر انگریز کو ہندوستان سے نکل جانے پر مجبور کیا۔
- حضرت علامہ مشرقیؒ نے پوری دنیا کو عالمگیر اخوت' عالمگیر وحدت اور عالمگیر اتحاد کا عملی پیغام دیا۔
- حضرت علامہ مشرقیؒ نے قرآن کی رو سے ہر مسلمان پر جہاد فرض قرار دیا۔ اور ہر مسلمان کو پھر غازی اور مجاہد بنانے کی غرض سے خاکسار تحریک شروع کی جس میں لاکھوں مسلمان بھرتی ہوگئے۔
- حضرت علامہ المشرقیؒ نے تمام سابقہ علمی ریکارڈ توڑ کر ریننگلر اینڈ سکالر آف دی ورلڈ کا خطاب حاصل کیا۔

تحریر: محمد حنیف خان

حضرت علامہ مشرقیؒ کی معروف تصنیف

* قرآن حکیم کے عظیم ترین نصب العین اور پروگرام کی تشریح پر جامع مستند کتاب
* قرآن کو صحیح اور علمی نقطہ نظر سے سمجھنے کے لئے ایک بلند پایہ تفسیر
* قید سلاسل کے بیس روز کی ایک انتہائی تحقیقی علمی کاوش

علم کا بے بہا سمندر..... آیات قرآن اور ان کا گراں قدر اور زہرہ گداز علم

حدیث القرآن

سائنسی و مذہبی مفکر و فلاسفر بین الاقوامی شہرت یافتہ ریاضی دان اور نقیب فطرت حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ کی وہ معرکۃ الاراء تصنیف جس میں:

* مصنف نے قرآن کی تعلیمات کو انتہائی سادہ اور آسان لفظوں میں واضح کر کے قرآن کی علمی حیثیت کو اجاگر کیا ہے۔
* مصنف کی یادگار عالم نوبل انعام یافتہ تصنیف "تذکرہ" کی دس جلدوں کا اختصار۔
* مصنف کا سورہ سجدہ اور سورہ جاثیہ کا مکمل مربوط اور ناقابل رد ترجمہ۔
* قرآنی نقطہ نظر سے مقام خدا' مقام انبیاءؑ' مقام الکتاب' مقام انسان' مقام فطرت' تمکن فی الارض کی علمی تشریح۔
* فردی مساوات کے لئے "زکواۃ" اور "الصلواۃ" کا عمل' موجودہ نسلی و مالی تفریق کا حل' عقائدی تفریق کے حل کے لئے عالمی مرکز کے قیام کی تجویز' علم کے ذریعے سے وحدت مذہب کا حل۔
* صحیفہ فطرت کی حقیقت اور اہمیت' طریق پیدائش' انسانی اعضاء میں انقلاب و ارتقاء --- اعضائی ارتقاء کے متعلق تین قرآنی واقعات۔
* قرآن کے آخری آسمانی کلام ہونے کا قطعی ثبوت' مسئلہ ملاقات رب اور انجام کائنات' انجام کائنات کی جانب اقدام اور انسان کا آئندہ لائحہ عمل۔
* قرآن کو سمجھنے کے لئے بلندی نگاہ کیا ہو' صلائے عام بہ ساکنان زمین' اور ہوشمندانان زمین کو ایک پر مغز خطاب۔

تخلیق کائنات اور تسخیر کائنات کا راز جاننا چاہتے ہیں تو پھر:

حدیث القرآن کی مطالعہ کیجئے ------ پہلی فرصت میں کیجئے

Marfat.com

انہوں نے اپنے خدا کو چھوڑ کر مولویوں اور پیروں کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔ (القرآن)

* مسلمانان عالم کے مذہبی اختلافات اور مولوی کے بگڑے ہوئے مذہبی تخیل کا پر تحقیق اور ناقدانہ جائزہ
* قرآن حکیم کی تعلیمات کا سائنٹیفک تجزیہ * دین اسلام کی ماہیت کی علمی نقطہ و نظر سے وضاحت

عقلی استدلال ---------- ***** ---------- زوردار انداز بیان

***** ---------- منفرد اسلوب ---------- *****

ہر دلعزیز راہنماء اور سائنسی و مذہبی مفکر و فلاسفر حضرت علامہ مشرقی کی معروف تصنیف

مولوی کا غلط مذہب

ایک ہیجان خیز انکشاف ---------- ایک عالم انگیز پیغام

مولوی کا غلط مذہب میں ------- بانی خاکسار تحریک حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ کے علاوہ نواب بہادر یار جنگ' خان حبیب اللہ خان (سابق چیئرمین سینٹ)' پیر رشید الدولہ' پروفیسر سید اللہ بخش' شیخ الفاضل مولوی شاکر اللہ نے مولوی کی جاہلانہ تعلیمات کے بخئے ادھیڑ کر مولوی کے تین سو سالہ مذہبی تخیل کو رد کیا ہے۔

وہ عظیم دستاویز جو پانچ سال کے عرصہ میں بیس لاکھ سے زائد چھپ کر فروخت ہوئی جو برصغیر کی تاریخ میں ریکارڈ ہے۔

آج ہی اپنے قریبی بک سٹال سے طلب کریں ----

مفکر اعظم اور نقیب فطرت حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقیؒ

کا پیغام ہر انسان تک پہنچا دو ---- پھر دیکھو!

دنیا قرآن کے آگے جھک جائے گی۔

○ التذکرہ پبلی کیشنز اچھرہ لاہور

Marfat.com

روئے زمین پر تہلکہ مچادینے والی کتب.... جن کی تعلیم زندہ اقوام کیلئے ابدالاباد تک پیام حیات

حضرت علامہ مشرقیؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	سن اشاعت	بعنوان
(۱)	خریطہ	دیباچہ۔اردو شاعری۔فارسی	۱۹۰۲تا۱۹۰۹ء ۷فروری ۱۹۲۴ء	۱۴برس کی عمر میں ۱۲۶رباعیوں اور ۱۷۰شعروں پر مشتمل فارسی شاعری
(۲)	تذکرہ (جلد اول دوم سوم ودیگر جلدیں)	دیباچہ۔افتتاحیہ اردو اور عربی	۳۰مارچ ۱۹۲۴ء ۱۰رجب المرجب ۱۳۴۲ھ	مسلمانان عالم کو ان کی اجتماعی موت و حیات کے متعلق پیغام اخیر۔ الٰہی حکمت کا حیرت انگیز مرقع
(۳)	خطاب مصر	عربی اردو	۱۳مئی ۱۹۲۶ء	امت مسلمہ کو آنے والے خطرات سے بچانے کے لئے عالمگیر پروگرام
(۴)	اشارات	اردو	یکم اگست ۱۹۳۱ء	مسلمانوں کو پھر طاقتور بنادینے کا واحد طریقہ اور لائحہ عمل
(۵)	قول فیصل	"	۱۵رنومبر ۱۹۳۵ء	قوموں کا زوال اور اس کا علاج خاکسار تحریک کے پروگرام کی مکمل تشریح
(۶)	مقالات (جلد اول دوم)	"	جلد اول ۲۷جنوری ۱۹۳۷ء جلد دوم ۲رستمبر ۱۹۴۳ء	ہفت روزہ "الاصلاح" میں چھپے حضرت علامہ مشرقی کے وہ عظیم الشان مقالات جنہوں نے خاکسار تحریک کو ملک گیر کر دیا
(۷)	مولوی کا غلط مذہب (مقالات)	"	۲۵رستمبر ۱۹۳۶ء تا ۲۸راگست ۱۹۳۸ء	مسلمانان عالم کے مذہبی اختلافات اور مولویوں کے بگڑے ہوئے مذہبی تخیل کا پر تحقیق اور ناقدانہ جائزہ
(۸)	صراط المستقیم	(تصویری البم)	۱۹۳۸ء	غلبہ اسلام، تحریک آزادی اور خدمت خلق کے لئے خاکسار تحریک کی جدوجہد کا تصویری البم
(۹)	خاکسار آئین	(انگریزی)	۲۵رمارچ ۱۹۴۵ء اشاعت اکتوبر ۱۹۴۵ء	انگریزی اقتدار کا چیلنج کہ ایسا "سیاسی آئین" جس پر تمام عناصر متفق ہوں تو ہندوستان کو آزاد کر دیں گے کو قبول کرتے ہوئے تحریر کیا۔

Marfat.com

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	سن اشاعت	بعنوان
(۱۰)	حریم غیب	اردو (نظم)	۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۲ء	مذہب کا آخری مقصد
(۱۱)	دہ الباب	" (نظم)	۱۰ر نومبر ۱۹۵۲ء	مسائل زمین' فراحیات
(۱۲)	حدیث القرآن	" (نثر)	۳۰ر مئی ۱۹۵۱ء ۲۵ر نومبر ۱۹۵۲ء	مقصد پیدائش کائنات ○ مقام خدا مقام انبیاء۔ مقام الکتاب۔ مقام فطرت
(۱۳)	ارمغان حکیم	" (نظم)	۲۳ر نومبر ۱۹۵۲ء	غزل پر آخری کلام
(۱۴)	انسانی مسئلہ	انگریزی راردو	۱۹۵۵ء	بیس ہزار سائنسدانوں کے نام تسخیر کائنات کا عظیم الشان پیغام جس کے بعد وہ پیدائش کائنات اور تسخیر کائنات کی طرف رجوع ہوئے۔
(۱۵)	تکملہ (سیرت رسول اللہ ؐ)	اردو	۴ر مئی ۱۹۶۰ء جلد اول (جلد دوم)	اقرا باسم ربک الذی کی پہلی وحی سے الیوم اکملت لکم دینکم کی آخری وحی تک رسالت مآب ؐ کی ۲۳ برس کی مکی اور مدنی زندگی اور قرآن کی تشریح
(۱۶)	علم القرآن	"	زیر طبع	قرآنی آیات کا ترجمہ حضرت علامہ مشرقی کے قلم سے
(۱۷)	سیاہ کارلیڈز	"	۴۶-۱۹۴۵ء	جس میں واضح طور پر بتلایا گیا ہے کہ موجودہ سیاہ کارلیڈر قوم کو دھوکہ دے کر کس طرح مفادات حاصل کرتے ہیں ان کی سیاہ کاریاں کیا ہیں؟
(۱۸)	قرآن الارض	"	۱۹۵۲ء	جس میں زمین کے موجودہ دس اہم مسئلوں اور ان کے حل کا انکشاف کیا گیا ہے۔
(۱۹)	قرآن حکیم کی مسلسل کہانی	"	۱۹۵۱ء	قرآن حکیم کی تعلیم کے ماحصل کو مسلسل طور پر سمجھنے کی تشریح مع قرآن کو سمجھنے کے لئے بلندی نگاہ کیا ہو؟
(۲۰)	بیگم کے نام خطوط	"	(غیر مطبوعہ)	بیگم سعیدہ علامہ مشرقی کے نام جیلوں سے قید کے دوران تحریر کردہ خطوط

Marfat.com

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	سن اشاعت	بعنوان
(۲۱)	خاکسار تحریک کا دستور العمل	اردو	یکم دسمبر ۱۹۳۶ء	جس نے لکھو کھہا انسانوں میں اخوت' اتحاد' جہاد اور خدمت خلق کا جذبہ پیدا کر کے محلوں کی سطح پر روزانہ بلالحاظ مذہب وتفریق ایک قطار میں کھڑا کر کے انقلاب برپا کر دیا۔
(۲۲)	مقالات مشرقی	"	۱۹۳۷ء تا ۱۹۶۳ء	قیام پاکستان سے قبل اور بعد کے مقالات' تقاریر اور دیگر تحریریں۔
(۲۳)	قرآن حکیم کی تعلیم کا خلاصہ	"	۱۹۵۱ء	اس میں نوع انسان کو اس کا مقام ومقصد بتایا گیا ہے اور فلسفہ تسخیر کائنات ولقائے رب کو تاریخ عالم میں پہلی بار قرآن حکیم کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے۔
(۲۴)	کشمیر اور علامہ مشرقی	"	۱۹۹۴ء	حضرت علامہ مشرقی کی کشمیر کے بارے میں تمام تجویزوں' کوششوں' تنبیہوں' حسابی اندازوں اور جدوجہد کو یکجا کر دیا گیا۔
(۲۵)	ارشادات علامہ مشرقی	اردو	۱۹۹۷ء	حضرت علامہ مشرقی کی تصانیف' خطبات اور مقالات کا اختصار۔

میری تصانیف کا مقصد اس قدر ہے کہ

قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی ادنیٰ سی عملی اور علمی آگ پاکستان کے زوال یافتہ مسلمان میں پیدا ہو جائے اور وہ آگے بڑھنے کے قابل ہو۔ یہی امید ہے جو مجھے کھینچے لئے جا رہی ہے اور کیا عجب کہ ایک گروہ یہاں یا کسی اور اسلامی ملک میں پیدا ہو جائے تو مسلمان کی بگڑی فوراً" بن سکتی ہے۔ (حضرت علامہ مشرقی)

ناشر:
التذکرہ پبلی کیشنز
المشرقی ہاؤس' ۳۴' ذیلدار روڈ' اچھرہ لاہور ـــ ۵۴۶۰۰
فون نمبرز: ۴۱۱۲۲۸ ☆ ۴۱۵۱۱۶ ـ ۰۴۲ ○ فیکس: ۷۵۸۷۳۹۴

وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (الانبیاء)

"اور جس قوم کو ہم نے ایک دفعہ ہلاک کر دیا اُس کا پھر اُبھرنا محال ہے"

تذکرہ

گھوس

ہر عبت ہے سو جو چاہے اِس سے عبرت پکڑے

خُوت

حضرت علامہ محمد عنایت اللہ خان المشرقی رحمۃ اللہ علیہ

نمبر ۱۲

Marfat.com